COLLECTION.
14133
INDIAN INSTITUTE OF ISLAMIC STUDIES

من عمل صالحا من ذکر او انثی وهو مؤمن فلنحيينه حيوة طيبة

حیاتِ طیّبہ

یعنے

حضرت مولٰنا شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی قدس سرہٗ کی سوانح عمری

مع ضمیمہ

حیاتِ احمدیہ یعنی حضرت امیر المومنین سیّد احمد صاحب بریلوی قدس سرہٗ کی

مختصر سوانح

مصنفہ مرزا حیرت دہلوی مرحوم

جسکو ادارہ اخبار اہلحدیث امرتسر (پنجاب) نے
بعد تصحیح تام بارِ دوم طبع کرایا
ثنائی برقی پریس امرتسر میں
باہتمام ابو رضا عطاء اللہ مینجر پریس مذکور مطبوع ہوکر
بماہ رمضان ۱۳۵۱ھ مطابق جنوری سنہ ۱۹۳۳ء
دفتر اخبار اہلحدیث امرتسر سے شائع ہوئی

قیمت عہ/

ملنے کا پتہ:۔ مینجر دفتر اہلحدیث امرتسر

تفسیر القرآن بکلام الرحمن (عربی)

مؤلفہ مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب مدظلہ بڑی شان وشوکت اور حسن منظر سے مقبول خاص وعام ہو چکی ہے۔ تفسیر مذکور جن اہل علم حضرات نے دیکھی ہے بہت پسند فرمائی ہے۔ مفسرین کا متفقہ اصول القرآن یفسر بعضہ بعضاً کی عملی تصویر دیکھنی ہو تو یہ تفسیر دیکھئے۔ ہر آیت کی تفسیر میں کسی دوسری آیت سے استشہاد کیا گیا ہے کاغذ مصری رنگ بہت عمدہ لکھائی چھپائی بہت اچھی۔ سائز ۱۸×۲۲/۴ ضخامت ۲۰۴ صفحات۔ قیمت صرف - - - - للعہ روپے

تفسیر ثنائی اردو

یہ تفسیر بہت مفید اور پسندیدہ ہے جس میں خاص خوبی یہ ہے کہ قرآنی مضمون مسلسل معلوم ہوتا ہے ایک کالم میں ترجمہ ہے دوسرے میں تفسیر مع ترجمہ ہے، نیچے حواشی میں شان نزول درج ہے، اس سے نیچے مختلف حواشی مخالفین کے متعلق ہیں۔ اس تفسیر کی آٹھوں جلدیں طبع ہو کر بعض مکرر سہ کرر بھی چھپی ہیں تفصیل حسب ذیل ہے۔

جلد اول سورہ فاتحہ وبقرہ قیمت عا/ جلد ثانی۔ سورہ آل عمران تساء۔ قیمت عا/ جلد ثالث۔ سورہ مائدہ۔ انعام۔ اعراف۔ عا/ جلد رابع۔ از انفال تا بنی اسرائیل۔ قیمت عہ/ جلد خامس۔ از بنی اسرائیل تک سورہ شعراء عا/ جلد ششم۔ از شعرا تا صٰفّت قیمت عا/ جلد ہفتم۔ سورہ صٰفّت۔ ص۔ زمر۔ مومن۔ فصلت۔ شوریٰ۔ زخرف۔ دخان۔ جاثیہ۔ احقاف۔ محمد۔ فتح۔ حجرات۔ ق۔ ذاریات۔ طور۔ نجم۔ قیمت عہ/ جلد ہشتم از سورہ قمر تا والناس۔ قیمت - ۶/

اہلحدیث کا مذہب

اہلحدیث کے مسلمہ مسائل کا مدلل بیان اور دیگر فرقوں کے مسائل پر مختصر تنقیدی نظر۔ قیمت - - - - - - ۶/

تقلید شخصی وسلفی

جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ سلف صالحین اخذ مسائل میں صرف قرآن وحدیث کو اپنا نصب العین بناتے تھے اور کوئی کسی کا مقلد نہ تھا۔ لکھائی، چھپائی۔ کاغذ نہایت اعلیٰ۔ قیمت - - - - - - ۵/

حدیث نبوی اور تقلید شخصی

اس رسالہ کے پہلے حصہ میں حجیت حدیث شریف پر ناقابل تردید دلائل دے کر فرقہ اہل قرآن کا منہ بند کیا گیا ہے دوسرے حصہ میں مقلدین اور غیر مقلدین علماء کی تحریروں کا اقتباس درج کر کے بتایا گیا ہے کہ اہلحدیث اور احناف کا نزاع لفظی ہے۔ دراصل دونوں کا نصب العین ایک ہی ہے۔ اخیر میں تقلید شخصی کے اثبات پر چند دلائل نقل کر کے ان کی عالمانہ رنگ میں تردید کی گئی ہے۔ قیمت - - ۲/

ملنے کا پتہ:- مینجر "اہلحدیث" امرتسر (پنجاب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عرضِ حال

از طابع و ناشر

مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی قدس سرہٗ ایک قابلِ قدر ہستی ہیں جنکی زندگی کے حالات موحدین کیلئے رہنما ہیں۔ آپکی سوانح عمری کو دیکھنے اور بغور پڑھنے سے نورِ ایمان دل میں پیدا ہوتا ہے آج جتنے لوگ ممدوح کی باتوں پر معترض ہیں۔ عموماً اس لئے ہیں کہ انکی سوانح زندگی سے واقف نہیں۔ بلکہ انکی شخصیت سے اجنبی ہیں مرزا حیرت دہلوی مرحوم کو خدا جزائے خیر دے انہوں نے مرحوم کی سوانحعمری لکھی اور چھپوا کر شائع کی۔ مگر وہ طباعت کے لحاظ سے پُر اغلاط اور ظاہری حُسن سے بالکل خالی تھی۔ تاہم شائقین نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اب جبکہ وہ بھی ختم ہوگئی۔ تو ادارہ اہلحدیث امرتسر نے اس کی طباعت کرنا اپنا فرض سمجھکر بڑی تصحیح سے خوشخط چھپوائی۔ ناظرین طبع اول اور طبع دوم کو بالمقابل رکھکر دیکھیں گے تو بہ وجوہ طبع دوم کو عمدہ پائیں گے انشاء اللہ۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

خاکسار
ابورضا، عطاء اللہ منیجر

ماہ صفر ۱۳۵۱ھ
جون ۱۹۳۲ء

ثنائی برقی پریس
امرتسر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

اسلامی دنیا کے مذہبی اور ملکی عظیم الشان تغیر کی بھری ہوئی عبرتناک دلچسپ تاریخ اپنے ساتھ ندرت مآب واقعات کا ایک لاثانی انبار رکھتی ہے۔ جسنے مسلمانوں کی اعجاز نما ترقی کا رنگ ملاحظہ کیا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ دنیا میں یہی ایک ایسی قوم ہوئی ہے جس نے اپنے سچے ہادی علیہ السلام کے طفیل سے آناً فاناً میں ہزاروں برس کی پرشوکت سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اپنے عجیب وغریب فتوحات کی لین ڈوری جزیرہ نمائے عرب سے نکال کے یورپ کے جگر میں اپنے رعب کا بھالہ گاڑدیا دریائے فرات سے بلیک سی تک اسلامی پھریرا فرآٹے بھر رہا تھا اور دریائے مگرس سے جمنا تک اسلامی ہلال کا جھکیلا پرتو چشم زدن میں پڑتا ہوا معلوم ہونے لگا تھا۔

وہ سول جنگیں (خانہ جنگیاں) جو خلیفہ دوم کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں بدقسمتی سے مسلمان خلفا میں بھڑک اٹھی تھیں اور جنکا دہشتناک رنگ آئندہ خونی نتائج کا (اسلام کیلئے) پیشین گوئی کرتا تھا۔ الحمدللہ کہ بہت جلد یہ اسلامیوں کو تباہ وبرباد کرنیوالا نقشہ خوش آئند صورت سے بدل گیا اور پھر مسلمان اپنی غلطی سے آگاہ ہوکے دینی اور دنیاوی ترقی کے ذہن میں کہاں کے کہاں پہنچ گئے اور انہوں نے وہ وہ علوم اپنی سلطنت کیساتھ ایجاد کئے جن کے یادگار ہنوز ناظر کے رولادینے کیلئے اپنے میں کافی مادہ رکھتی ہے۔

اسلامیوں کی خوش قسمتی کا چاند کچھ دن تک افق پر چمکتا رہا اور وہ خاندان جو خلیفہ دوم کی شہادت کے بعد خونریزی سے جنگ کرنے میں مشغول ہوئے تھے یک لخت صلح اور اتحاد سے انکی حالت بدلگئی۔ بیت المقدس کی مذہبی جنگوں میں عیسائی سلطنتوں کے مقابلہ میں سب نے یکجان ہوکے دلچسپی کا حصّہ لیا اور ذاتی اغراض کا

بدنما پرتو کہیں دیکھے بھی نظر نہ آتا تھا۔

قومی اور ملکی بہبودی کی اسپرٹ نے مسلمانوں کو عیسائی حکمرانوں کے مقابلہ میں فتح پر فتح دلوائی اور ریچرڈ شیر دل جیسے لڑاکو بادشاہ کو اپنی بھتیجی درجبینا مصلح الدین کے حوالہ کرتے بن پڑی۔

تاریخی واقعات کا یہ عجیب و غریب آتار چڑھاؤ موجودہ اور آئندہ اسلامی نسلوں کیلئے بہت کچھ سبق اپنے ساتھ رکھتا ہے بشرطیکہ ان واقعات کو معمولی نظروں سے نہ دیکھا جائے۔

زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور کبھی ایک حالت نہ کسی قوم کی رہتی ہے نہ کسی ملک کی مگر مسلمانوں کی بدقسمتی نے اس معمولی تغیر کو اپنے لئے خاص کر لیا اور اسکے دائرہ میں آکے وہ بہت جلد جلد اپنی حالت بدلنے لگے اور ان میں ذاتی اغراض اور خود غرضی کوٹ کوٹ کے بھر گئی اور پھر سوائے بربادی اور تنزل کے کچھ بنائے بن نہ پڑی جب بنی امیہ کا خاندان اسپین میں تباہ ہو رہا تھا اور فرڈی نینڈ مسلمانوں کو پس پا کرتا ہوا اندلس کو ہڑپ کرتا چلا جاتا تھا اور قرطبہ کے سنہری قبے اور طلائی محلات کیطرف اس کی فوج صلیبی نشان لئے ہوئے سیدھی چلی جا رہی تھی اور عنقریب اسلامی ہلال کا پھریرا فرڈی نینڈ کے قبضہ میں آنیکو تھا۔ اسوقت عبداللہ نے جو اپنے باپ سے لڑ لڑ کے کمزور ہو گیا تھا بنی فاطمہ کو مصر میں لکھا کہ میری کچھ مدد کرو لیکن وہاں سے سوائے خاموشی یا انکار کے اور کچھ جواب نہ تھا پھر اس نے عثمانیہ گورنمنٹ کو لکھا وہاں سے بھی یہی جواب ملا جو بنی فاطمہ نے دیا تھا۔ اب یہاں سے مسلمانوں کی قومی بہبودی اور مذہبی حمایت کی صاف حالت معلوم ہوتی ہے کیا تو وہ گرما گرمی تھی یا یہ سربازاری ہو گئی مسلمان سلطنتیں ایک اسلامی سلطنت کو عیسائیوں کی جابرانہ ہاتھوں سے برباد ہوتی دیکھتی ہیں اور ان سے یہ کچھ نہیں ہو سکتا۔

آخر فرڈی نینڈ نے قرطبہ کو فتح کر لیا یا بہ تبدیل الفاظ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صلیبی نشان نے ہلالی پھریرے کو جھکا دیا۔ اندلس پہنچتے ہی جو بپتا کہ مسلمانوں پر پڑی خدا کسی قوم پر نہ ڈالے دس بارہ لاکھ مسلمان ملکہ رابلہ کے ناقابل برداشت مظالم اور بے رحم سنگین دل درشت اور خونخوار جبر سے جلاوطن کئے گئے اور کئی لاکھ مسلمان جبراً عیسائی بنائے گئے اور تین لاکھ مسلمان بغاوت کے جرم میں بکروں کی طرح حلال کر دئے گئے انکا خون بہا افسوس ہے کسی اسلامی سلطنت نے نہ لیا نہ کوئی ان کی حمایت کیلئے کھڑا ہوا یا وہ دن تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرمایا کرتے تھے مسلمان کے خون کی ایک بوند میں کسرٰے اور قیصر کی سلطنت سے قیمتی سمجھتا ہوں ایرانی سرحدوں میں ایک مسلمان ایلچی کا مارا جانا کل مسلمانوں کے بھڑکانے کیلئے کافی تھا یا یہ زمانہ آگیا کہ لاکھوں مسلمانوں

کی بیگناہ گردن پر سخت بیرحمی سے ملکہ رابلہ نے چھری پھروادی اور کوئی انکی حمایت کیلئے کھڑا نہ ہوا
یہ تو سب کچھ ہوا اور تمام آفتیں جو انسان پر نازل ہوسکتی ہیں مسلمانوں پر نازل ہوگئیں باینہمہ
پھر بھی مسلمانوں میں جان باقی تھی اور ابھی بڑی بڑی سلطنتیں ایشیا اور یورپ میں انکی موجود تھیں
مگر جب زمانہ نے انکی بربادی پر کمر باندھ لی تھی اسکو بچانیوالا کون تھا یہ تو ضرور ان کے اعمال کی
وجہ سے ہونا ہی تھا وہ ہوکر رہا بغداد اس سے زیادہ بیرحمی سے ہلاکو خان بُت پرست کے ہاتھ سے محض
شیعہ سنیوں کے جھگڑے میں تباہ کر دیا گیا۔ اور خاندان عباسیہ پر وہ آفت برپا ہوئی کہ جو دید تھی نہ
شنید تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان بربادیوں اور خرابیوں کا باعث کیا تھا؟ اور کس نے
مسلمانوں کو یوں تباہ و برباد کر دیا؟ اس سوال کے جواب دینے میں مسلمانوں نے بہت بہت کچھ
موشگافیاں کی ہیں اور اس بے نظیر بربادی کے اسباب کا حتے الوسع خوب خوب پتہ لگایا ہے اور
تحقیق و تفتیش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے آخر بڑی تلاش اور جستجو کے بعد اسقدر معلوم
ہوا جیساکہ تاریخ الدول میں علامہ امام فخرالدین رازی نے لکھا ہے "علماء کے خلفشار اور باہمی
جھگڑوں اور بدعتوں کے ایجاد نے اسلامی سلطنتوں میں وہ کام دیا کہ جیسے گھن لکڑی میں کام کرتا ہے
اگر ان ایسے علماء کے ہاتھوں سے جو بدعتوں کے بانی ہیں موجودہ سلطنتیں نہ بچائی گئیں تو کہیں
ڈھونڈے سے بھی نام و نشان کسی اسلامی سلطنت کا نہ ملے گا"

امام ممدوح کی یہ رائے از حد قابل وقعت اور لائق تحسین ہے۔ اس میں شک نہیں جس نے
خدا اور رسول کے خلاف رستہ اختیار کیا وہ کبھی منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے گا۔

ہندوستان کا ذکر

یہ تغیر و تبدل اور ترقی و تنزل ابھی ہندوستانی حدود کے باہر مسلمانوں میں
ہو رہا تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت زیادہ ترقی پر تھی لیکن افسوس
سے دیکھا جاتا ہے کہ انکی ملکی ترقی کے آگے مذہبی بہبودی برابر کم ہوتی چلی جاتی تھی۔ اور اسکی وجہ خاص
وہ عظیم الشان اتحاد تھا جو ہندو مسلمانوں میں قائم ہوتا جاتا تھا جب سے مسلمان ہندوستان میں آئے
تھے آخر دم تک ان کے ہوسناک طبائع فتوحات کی طرف مائل رہیں اس لئے نہ کوئی اسلامی کالج کی
بنیاد پڑی اور نہ بغداد کی طرح دارالعلوم بنائے گئے۔

پہلے یہی صورت خاندان عباسیہ کی بغداد میں تھی کہ ملکی فتوحات اور سول جنگوں کے آگے انہیں
علمی ترقی کی مطلق خبر نہ رہی تھی مگر وہ اپنی غلطی پر بہت جلد آگاہ ہوگئے تھے اور انہوں نے علمی دنیا میں

وہ نمایاں ترقی کی تھی جواب تک یورپ میں وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے افسوس ہے ہندوستان کی تعیش خیز آب وہوا نے مسلمانوں کی اس حالت کو بدل دیا اور ایسی عظیم الشان سلطنت کے یکایک ہاتھ لگ جانے سے کچھ ایسے سرخوش اور بیخود ہوئے کہ اپنی آئندہ نسل کی بہبودی کا خیال ان کے دلوں سے بالکل نسیاً منسیا ہو گیا۔

ہندوستان میں اکبر کی سلطنت ایک پرامن اور پر شوکت سلطنت کہلائی جاسکتی ہے۔ مگر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ بنی فاطمہ اور بنی امیہ اور خاندان عباسیہ کے علوم کی لین ڈوری ہمالیہ پہاڑوں کو پھلانگ کے نہ آسکی اور ہمیشہ مسلمانوں نے تلوار ہی پر اپنی قسمت کا فیصلہ دیکھا۔ بظاہر ہندوستان میں دنیاوی جاہ وجلال اور سلطانی جبروت کو شوکت ہوتی جاتی تھی لیکن اسلامی علوم مٹتے جاتے تھے اور ان کی طرف توجہ کم ہوتی جاتی تھی اکبر کے بعد اس کے بیٹے جہانگیر کی حکومت گو پُرامن تھی مگر نور جہاں کے ہاتھوں میں پڑ کر اس کی بنیادیں متزلزل ہوتی گئیں وہی شیعہ سنی کا پرانا مہیب جھگڑا پھر تازہ ہو چلا تھا لیکن جہانگیر کے قبل از وقت وفات نے اسکا فیصلہ کر دیا۔ اسکے بعد شاہجہان کی حکومت نے گو اسی اکبری رنگ کو قائم رکھا پھر بھی ہندوستان کی نئی صورت بدل دی اور فن عمارت کی ایک شان معلوم ہونے لگی اسکی یادگار تاج بی بی کا مقبرہ اور جامع مسجد وغیرہ اب تک قائم ہیں۔ ساتھ ہی اس کے یہ حسرت وافسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ مذہبی علوم کی اتنی ترقی نہ ہوئی یہ سلاطین برائے نام حنفی المذہب تھے لیکن حضرت ابو حنیفہ کے فقہی اصول جنکا تعلق ملکی معاملات سے تھا بہت کم فوجداری اور دیوانی معاملات میں دخیل تھے۔ یہ بادشاہ اپنی ملکی شوکت تلوار کے زور سے قائم رکھنا چاہتے تھے انہیں کبھی یہ خیال نہ گزرا کہ علوم جدیدہ سے جو اندلس اور بغداد میں مسلمانوں نے ایجا کئے تھے اپنی شوکت بڑھاتے۔ پھر عالمگیری دور دورہ آیا یہ اور بھی زیادہ آئندہ نسلوں کیلئے خوفناک ثابت ہوا گو عالمگیر کی ملکی پولیسی بڑی زبردست اور پر رعب تھی مگر اس کی یہ خواہش کہ ہندی حکومت کو مذہبی حکومت بنادوں بر نہ آئی۔ گویا اس نے سنگلاخ چٹانوں پر بغیر ہل چلائے بیج ڈالا اور اسکے بارور ہونے کی امید کی عالمگیر بے شک علم دوست تھا اسکا مذہب حنفی تھا اور جس سلطنت کی اس نے بنیاد ڈالی تھی اس کے قائم رکھنے کیلئے عالمگیر سے بھی زیادہ پر رعب سنجیدہ اولوالعزم عاقل مدبر سلطان کی ضرورت تھی مگر بدقسمتی سے اس کے بیٹے بہادر شاہ میں عالمگیر کی عقل ورائے اور زبردست طبیعت کا ایک سوان حصہ بھی نہ تھا بھلا وہ کیونکر اپنے باپ کی نئی سلطنت کو سنبھالتا دوسرے بڑا غضب یہ تھا کہ وہ شیعۃ المذہب تھا اور اس نے اپنی قلیل مدت حکومت میں شیعہ گروہ کو سینوں پر سبقت دی اس

تدبیر نے اور بھی ایک تخلل عظیم اسلامی ہندی سلطنت میں برپا کر دیا بنی بنائی عمارت کی بنیادیں چرچرا گئیں اور عالمگیر کی اکیاون برس کی محنت اس کے بیٹے بہادر شاہ نے ملیامیٹ کر دی۔

حنفی مذہب جو فاتحان ہند اپنے ساتھ ہندوستان میں لائے تھے بجائے اسکے کہ وہ فتوحات ملکی کے ساتھ ہندوستان میں ترقی کرتا الٹا کچھ ایسا بت پرستی اور ہندوانی رسوم کے ساتھ خلط ملط ہوگیا کہ پھر دودھ کا دودھ پانی کا پانی علیحدہ کرنا مشکل ہوگیا۔

سلطانی حرم سرا میں جہاں بہت کچھ اسلامی رسومات کی اشاعت کی امید کی جاتی تھی زیب النسا کی جدت پسند طبیعت نے ہندوانی رسومات سے نئی نئی باتیں تراش کے خواتین اسلام میں انکو رواج دیا کنا گت جو ہندوؤں کے ہاں مُردوں کی فاتحہ کیلئے سالانہ حلوا پوری پکائی جاتی ہے شب برات کے حلوا پوری سے اسکا تبادلہ کر دیا۔ اسی طرح سے اور بیہودہ رسمیں شادی بیاہ کی جو ہندوؤں کے ہاں خاص تھیں وہ دوسرے ناموں سے مسلمانوں کے ہاں داخل ہوگئیں انکی اشاعت کی وجہ صرف خدا اور رسول کے احکام سے ناواقفیت تھی جو ہندو مسلمان ہوتے تھے انکو تلقین دینی کرنے کیلئے نہ کوئی اسلامی کالج تھا نہ دارالعلوم تھا وہ بیچارے مسلمان ہوتے ہی جو اپنے بھائی مسلمانوں کو دیکھتے تھے کرنے لگتے اور رشدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ ہندوانی رسمیں اسلامی رسومات کہلانے لگیں اور بغیر کئے کسی مسلمان کو چارہ نہ تھا۔

شخصی تقلید کے دوسرے معنے لے کے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا یہ عمل بھی ایک برائے نام عمل تھا کاش حضرت ابوحنیفہ کے ہی اقوال پر عمل ہوتا تو اتنے مسلمان نہ بگڑتے۔

مولانا اسمٰعیل شہید کے ظہور کی تمہید

عالمگیر تک تو حنفی مذہب میں کچھ جان باقی تھی اور عالمگیر کو بھی اس طرف خیال تھا کہ کل دربار کا مذہب حنفی ہو جائے لیکن اس کے جانشینوں کی تعیش خیز حالت نے اس خواہش کو بھی مسلمانوں کے دل سے نکال لیا اور اسلام ہندوانی مذہب کے ساتھ مل کر کچھ ایسا کھچڑی ہوگیا کہ ذرا بھی شناخت قائم نہ رہی کلام مجید کی آیتیں جو خاص ہدایت کیلئے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وقتاً فوقتاً خدا کیطرف سے نازل ہوتی تھیں جھاڑا پھوکی میں ان کا استعمال ہونے لگا اور جیسا برہمن گیتا کے درس پڑھ پڑھ کے کسی بیمار پر پھوکتے تھے اسی طرح مسلمان بھی قرآن شریف کی آیتیں بڑبڑا کے بیماروں اور مستانوں پر پھوکنے لگے۔ بدعت کی صدہا شاخیں پھوٹ آئیں اور ہر شخص طرح طرح کی بدعتوں کا موجد بن گیا۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ ہندوستان میں اسلامی ارکان کو اوّل دن سے ضعف تھا، وہ بیچارہ

حنفی مذہب کبھی کا یہاں سے رخصت ہو گیا تھا اسکا ثبوت ڈاکٹر برنیز کا سفرنامہ دے رہا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"میں نے عالمگیری دربار کو جیسا پر شوکت پایا اسی قدر اس کے امرا کو مذہب اسلام کی طرف سے ضعیف دیکھا کوئی امیر ایسا نہیں ہے جسکے ہاں دس دس بارہ نجومی ملازم نہ ہوں جو کام وہ کرتا ہے جب تک نجومی نہیں بتادیتا اسے اس کام کرنے کی مبادرت نہیں ہوتی میرے آقا کے ہاں جسکے ہاں میں ملازم ہوں ایک درجن جوتشی اور نجومی ملازم ہیں" بھلا جب عالمگیر جیسے پابند شرع کے سلطنت میں یہ بدعت پھیلی ہوئی تھی تو اس کے کمزور جانشینوں کے زمانہ کا کیا کہنا۔

علماء کا گروہ سخت حقارت کی نظر سے دیکھا جانے لگا تھا اور علوم دین کی انتہا شرح ملا پر رکھی گئی تھی۔ ساتھ ہی اس مذہبی تنزل کی بیہودہ تصانیف کا زور ہوا اور وہی کتابیں درس میں داخل ہو گئیں بڑے بڑے شرفاء اور عمائد جو بڑے ڈینگ کی لیتے تھے اور کوئی اپنے کو نجدی کوئی بغدادی کوئی مکی کوئی مدنی بخاری بتاتا تھا ان کی خواتین سیتلا ماتا کی پرستش کرتی تھیں۔ دسہرہ ان کے ہاں پوجا جاتا تھا۔ بت پرستی خوب دھڑا کے سے ہوتی تھی عیدین میں بھی ہنود کی رسمیں ایسی ملا دی تھیں کہ عید عید نہ رہی تھی مسجد کا ادب مطلق نہ رہا تھا اور وہ شہنشاہ جو اپنے کو ظل اللہ اور نائب رسول کہنا بڑا فخر جانتے تھے سالانہ نوروزی جشن میں ہاتھوں میں کنگنا بندھوانا اپنی شوکت کی بانگی جانتے تھے۔

کلام مجید کی وہ گت بنی تھی کہ العظمتہ للہ۔ اس کی روشن آیتیں بیہودہ اور خرافات مشاعروں میں شاعر بطور مضحکہ استعمال کرتے تھے اور کوئی رد کنے والا نہ تھا۔

مولنا شہید کے ظہور کا زمانہ قریب ہے

اب ہم محمد شاہ رنگیلے کے زمانہ میں آتے ہیں جو انتہا درجہ کا ملکی اور مذہبی پہلو سے تاریک تر اور ناپاک تھا شریعت محمدی پر مضحکہ خیز نکتہ چینیاں عین دربار میں ہوتی تھیں اور مے نوشی کی لذتوں اور سرخوشانہ اور بیخودانہ حالتوں کے آگے احادیث نبوی پر قہقہے اڑائے جاتے تھے چند بیچارے عامل حدیث اپنی جانیں چھپائے ہوئے کہیں کسی گوشہ میں پڑے ہوئے اور اپنی جانوں کے خوف سے ذرا بھی انکس نہ سکتے تھے۔ وہ ڈوم دھاری جو محمد شاہ کے ارکان دولت تھے روز مذہبی نقلیں کرتے تھے اور ان نقلوں میں خدا اور اس کے پاک نبی کی توہین کی جاتی تھی۔ جھوٹے جھوٹے فتوے لکھے جاتے تھے اور انہیں قلعہ کی چار دیواری میں مشتہر کیا جاتا تھا گویا یہ سلسلہ تھا خدا اور نبی پر جھوٹے طوفان اٹھانے کا۔ شریعت غرا میں جن امور کو سختی سے منع کیا ہے وہ بہت شوق اور بہت دھوم دھام سے کیے جاتے تھے اور ان کا کوئی رد کرنے

والانہ تھا درباریوں کی ہمہ دانی کی ایک یہی مثال کافی ہے کہ جب نادر شاہ کا ایلچی آیا اور اس نے نادر کا رقعہ دیا تو تین برس تک اس میں جھگڑا ہوتا رہا کہ نادر کو القاب کیا لکھا جائے۔ ایسے ایسے ہمہ دان لوگ دربار کے زیور بنے ہوئے تھے۔ یہ اسلامی سلطنت تھی اور یہ اسکا مذہب تھا۔

ڈوموں کے عروج نے تصوف کو رونق دی اور صوفیوں نے وہ ہاتھ پیر پھیلائے کہ رہا سہا اسلام کا نام اور بھی مٹ گیا تصوف گو مسیحی فرقہ رومن کیتھلک سے نکلا ہے پھر بھی یہ مذہب ہر طرح سے قابل وقعت ہے اسکا پہلا اصول انکساری ہے جو اسلام میں بڑا رکن مانی گئی ہے گو شریعت محمدی کی پوری تقلید کرنے میں مذہب تصوف ہمیشہ قاصر رہا پھر بھی اس مذہب نے جو پہلو اسلام کا اختیار کیا ہے اس سے کوئی دھبہ اسلام کے دامن پر نہیں لگتا۔ مگر یہ ان جلیل القدر صوفیوں کا ذکر ہے جن کے پاک نفوس سے اسلامیوں کو بہت کچھ فائدہ پہنچا اور انہوں نے اپنی وہ وہ اعلیٰ اعلیٰ تصانیف چھوڑی ہیں جو اب تک موجودہ نسلوں کو فائدہ پہنچا رہی ہیں مگر ہندوستان میں محمد شاہ بادشاہ کے وقت میں جس تصوف نے رنگ جمایا تھا وہ اسلامی توہین کا اپنے میں بہت بڑا مادہ رکھتا تھا امرد پرستی اور ناپاک عشق کا صوفیوں کی مجلسوں میں عروج ہوا اور اس قبیح زبون تر رسم امرد پرستی نے یہاں تک زور کیا کہ علماء کو لغات کی کتاب میں لفظ علت مشائخ بڑھانا پڑا۔ مسلمانوں کیلئے یہ ایک نہایت شرم اور ذلت کی بات ہے کہ ان کے لغات کی کتابوں میں ایسا لفظ جس کا مفہوم یہ ناپاک اور غلیظ ہو کہ جس کو زبان پر لاتے ہوئے سخت شرم آتی ہے اور بے غیرت سے بے غیرت آدمی عرق عرق ہو جاتا ہے۔ موجود ہو۔ محمد شاہ کے زمانہ میں اس جھوٹے تصوف اور قابل تنفر صوفیوں کو جسقدر عروج ہوا وہ تاریخ میں ایک نامور زمانہ ہوا۔ اکثر عظیم الشان جلسوں میں اللہ ہو کی صدائیں اور جھوٹے صوفیوں کے چٹخاروں کی آوازیں بلند ہوتی ہوئی سنائی دیتی تھیں اور ان میں وہ وہ خرافات باتیں ہوتی تھیں کہ جو قابل بیان نہیں نہ قانون انگلشیہ اجازت دیتا ہے کہ ان کی پوست کندہ حالت لکھی جائے نہ ہماری محمدی تہذیب حکم دیتی ہے کہ ہم ان غلیظ حالات کا ایک فقرہ بھی معرض تحریر میں لاسکیں۔

ان مکتبوں میں جو برائے نام شاہجہان آباد (دہلی) میں قائم تھے سوائے کائستوں کی بے معنی تصانیف کے اور کچھ نہ پڑھایا جاتا تھا نہ علم حدیث تھا نہ تفسیر نہ فقہ کچھ بھی نہیں۔ دیوان حافظ کی تلاوت (مطالعہ) قرآن مجید کی طرح صوفیوں کی مجلسوں میں کی جاتی تھی اور اسے اس ادب سے پڑھا جاتا تھا گویا یہی الہامی کتاب ہے۔ وہ تہذیب اور شائستگی جو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے سکھائی تھی اس پر قہقہہ اڑایا جاتا تھا یعنی ڈاڑھی محمد شاہی دربار میں بازی گاہ طفلاں بن رہی تھی - نہ حیا تھی نہ شرم اگر تھا تو میخواری اور عیاشی - کوئی امیر ایسا نہ تھا کہ جسکے گھر میں شراب کی کشید نہ ہوتی ہو اور صوفیوں کی کوئی مجلس ایسی نہ تھی کہ جہاں خم کے خم شراب کے نہ لنڈھتے ہوں - شراب ان کی گھٹی میں پڑ گئی تھی اور زناکاری گویا ان کا روزمرہ ہو گیا تھا -

عرب کی وہ کیفیت جو ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ طفلی میں تھی اس عہد محمد شاہی سے بہت مشابہ تھی بڑے بڑے شریف زادے اور مغل بچے اپنا نشیمن تکیوں میں رکھتے تھے اور رات دن بھنگ اور چرس اور گانجہ میں مبتلا رہنا ان کی قیمتی زندگی کا جزو اعظم تھا -

نہ کسی کو محمدی دین کی خبر تھی نہ کوئی حنفی مذہب کو جانتا تھا نہ کوئی امام مالک کا سچا پیرو تھا اور نہ امام شافعی کے اصول فقہ کا کسی کو علم تھا اور نہ امام حنبل کی کوئی تقلید کرتا تھا ایک عجیب اندھیر مچا ہوا تھا - بدعت وہ بھی زبون تر بدعت کا گھر گھر رواج تھا شاہ سے لیکے فقیر تک اور شریف سے لیکے رذیل تک سب ایک ہی مہلک مرض میں گرفتار تھے -

اسلام کے چند ارکان باقی رہ گئے تھے مثلاً روزہ نماز اور نکاح مگر ان روشن ارکان میں بدعت نے ایسی رنگا میزی کی تھی کہ فرائض سخت بدعت کی صورت میں جلوہ دینے لگے تھے مثلاً روزہ شراب اور بھنگ کے پیالہ سے کھولا جاتا تھا اور نماز حالت مخموری میں پڑھنا برا کام نہ خیال کیا جاتا تھا رہا نکاح اس کی تو سب سے بڑی کیفیت تھی جتنی رسمیں اہل ہنود کے ہاں جاری تھیں وہ سب نکاح میں برتی جاتی تھیں پھیرے ہونا پنڈت کا آکے اشلوک پڑھنا وغیرہ جن رسموں کا کچھ کچھ نشان اب مسلمانوں کی شادی بیاہوں میں پایا جاتا ہے جوں جوں اسلامی ہندی سلطنت کو ضعف ہوتا گیا بدعتوں کا جاہ جلال بڑھتا گیا - اور وہ وہ ناقابل بیان عادتیں مسلمانوں کا اوڑھنا بچھونا بن گئیں کہ جنکی پہلے کبھی امید نہ کی جاتی تھی -

مسلمانوں کی جدت پسند طبائع ان رسومات میں جو انہوں نے ہندوؤں سے لی تھیں روزمرہ نئی نئی تراش خراش پیدا کرتی تھیں اور ان کو کفر و الحاد کی ایسی خوشنما رنگا میزی میں رنگتی تھیں کہ کہ ہر برنا و پیر ان پر شیدا و والہ دکھائی دیتا تھا -

محمد شاہی دربار میں تین سو برہنہ کسبیاں ہر وقت ناچا کرتی تھیں اور جب وہ تھک جاتی تھیں اور تین سو ان کی جگہ لے لیتی تھیں - شراب کا دور ہر وقت جاری رہتا تھا اور قلعہ میں بیگموں کے چال چلن کی جو کچھ کیفیت تھی وہ پیرس کے تماشہ گاہ سے بہت کچھ مناسبت رکھتی ہے

بیگمیں کون تھیں؟ اکثر ڈومنیاں بازاری کسبیاں۔ راجپوتنیاں میواتنیاں تھیں جن پر کسی زمانہ میں محمد شاہ نے فریفتگی ظاہر کی تھی اور وہ بیگم بن کے قلعہ کی چار دیواری میں مقید ہو گئی تھیں قلعہ میں عموماً نصف برہنہ عورتوں کا پہیرہ رہا کرتا تھا یعنے ناف سے اوپر تک تو وہ زرق برق پوشاک میں آراستہ ہوتی تھیں پانچوں ہتھیار زیب تن رہتے اور ناف سے نیچے تک کا جسم بالکل برہنہ ہوتا تھا گو یہ بات بظاہر سخت تعجب اور حیرت کی معلوم ہو گی لیکن وہاں یہ ارذل حالت انسانی ایک معمولی حالت تھی اور کوئی عیب بھی نہ سمجھتا تھا۔

شرح محمدی میں تو شاید (جیسا کہ مشہور ہے) چار نکاحوں کی اجازت ہے لیکن وہاں کوئی امیر ایسا نہ تھا کہ جس کا گھر سو سو پچاس پچاس بیویوں سے نہ بھرا ہوا ہو۔ ان پر وہ شدید شدید مظالم توڑے جاتے تھے کہ جن کے سننے سے کلیجہ شق ہوتا ہے ایک بیگناہ خاتون کیلئے اپنے خاوند کی ذرا سی خفگی سبب موت ہو جاتی تھی برائے نام فوجداری اور دیوانی عدالتیں قائم تھیں اور یہ بھی مشہور تھا کہ امام ابو حنیفہ رح کی فقہ پر عمل ہوتا ہے مگر یہ سہارا دھوکا ہی دھوکا تھا عالمگیر کے زمانہ میں تو ایک آدھ جگہ فقہ حنفی کی تعلیم بھی دیجاتی تھی لیکن اب تو حنفی مذہب کا نام عنقا صفت ہو گیا تھا۔ یہ دستور تھا کہ جب تک برہمن حکم نہ کرے قاضی کسی مقدمہ کے فیصلہ کرنے کی مبادرت نہ کرتا تھا آخر ان بیہودہ اعمال کی سزا اہل دہلی اور محمد شاہی دربار کو خدا کی طرف سے دی گئی کہ نادر شاہ آدھمکے اور عین بقر عید کے دن وہ سخت قتل عام ہوا جس کے حالات کے خونی حروف اب تک زمانہ کی پیشانی پر لکھے ہوئے ہیں۔

خدا کیطرف سے گویا مسلمانوں کو یہ ایک تازیانہ تھا کہ اب بھی وہ اپنی حالت کو سنبھالیں لیکن یہ قوم کچھ ایسی اپنی بدنصیبی کے نشہ میں مخمور تھی کہ ایسے سخت تازیانہ سے بھی نہ چونکی پر نہ چونکی۔

اب ہم دو تین محمد شاہ کے جانشینوں حال قلم بند کرتے ہیں اور دہلی کی تاریخی تباہی کا بیان کر کے اپنے ناظرین کا وقت نہ لیں گے صرف اس زمانہ کا حال بیان کرتے ہیں کہ جب بادشاہ دہلی سرکار انگلشیہ کے پنشن خوار بن کے قلعہ میں رہتے تھے اور جلیل القدر علماء کا ایک خاندان اپنی تابانی دکھا رہا تھا

یہ زمانہ اکبر شاہ کا ہے جب ہمارے شہید کا ظہور ہوا تھا۔ اس زمانہ کی کیفیت بھی قابل بیان ہے جس سے اندازہ ہو گا کہ ایسے وقت میں شیر اسلام (شاہ اسمٰعیل صاحب) کا ہونا کس قدر ضروری اور لابد تھا۔ اکبر شاہ گو پنشن خوار سرکار انگریزی کے تھے لیکن ان سے برتاؤ بہت اچھا ہوتا تھا اور ان کی درباری عزت دہی قائم تھی کہ جیسے کسی خود مختار رئیس کی ہوتی ہے مرہٹوں نے بیچارے شاہ عالم

سے جو کچھ ذلیل برتاؤ کیا تھا اسکو انگریز سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور بادشاہ کی عزت قائم رکھنی اپنا اصول سلطنت جانتے تھے اس زمانہ میں مسلمان گویا بالکل تباہ و برباد ہوچکے تھے اور اب ان کی سلطنت بھی باقی نہ رہی تھی بجائے اسکے کہ وہ اپنی مصیبت زدہ حالت سے کچھ عبرت پکڑتے اُلٹا وہ اور بھی بدتر حالت میں اپنی زندگی گذارنے لگے اور جو کیفیت کہ مسلمانوں کی محمد شاہ کے وقت میں تھی اس سے اب زبوں تر ہوگئی۔

علماء کا خاندان گو بہت کچھ اصلاح کرسکتا تھا لیکن وہ کچھ ایسا دبا ہوا تھا کہ سوائے معمولی فتوے دینے کے اور کچھ نہ کرسکتا تھا شاہزادوں کی عجیب و غریب کیفیت تھی انہوں نے جامع مسجد کو جو ایک پاک اور برتر مقام مسلمانوں کا گنا جاتا ہے اپنا دیوان خانہ اور عیش و عشرت کی جگہ بنا رکھا تھا۔ ہر سال نوروز میں رنگ برنگ کے انڈے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر لڑائے جاتے تھے اور ان پر جوُا کھیلا جاتا تھا۔ جامع مسجد کے اندر حوض کے گرداگرد خوانچہ والوں کی کثرت اور خریداروں کی جماعت عجیب کیفیت پیدا کرتی تھی۔ شہزادے۔ امیرزادے عوام الناس دُونے لے لے کے مزے اڑاتے تھے اور پھر دُونے وہیں پھینک دیا کرتے تھے صبح کو روزمرہ دُونوں کا ایک ڈھیر ملتا تھا۔ کوئی عالم یا فاضل یا قاضی یا مفتی یہ کہنے والا نہ تھا کہ جامع مسجد کی کیسی توہین کی جاتی ہے اور خدا کے گھر کی کیسی بے ادبی ہے کہ یہاں سودے والے سودے بیچتے ہیں اور کوئی منع نہیں کرتا۔

قلعہ میں قرآن مجید کی آیتوں کے نئے نئے حقارت انگیز نام رکھ لئے تھے اور ان ہی ناموں سے وہ آیتیں پکاری جاتی تھیں مثلاً سورہ یٰسین کا نام نناؔدی[1] سورۃ رکھا تھا اسی طرح ہر سورۃ کا نام یوں ہی قرار دے لیا گیا تھا قرآن شریف کی تلاوت یا نماز پڑھنا قلعہ میں تو خصوصاً عیب ہی گنا جاتا تھا ہر شہزادے کے ہاں وو دو تین تین ڈوم سارنگی اور ستار یا طبلہ وغیرہ بجانے کی تعلیم کیلئے ملازم تھے اور وہ استاد استاد کے نام سے ہر انجمن میں پکارے جاتے تھے یہ وہ زمانہ تھا جس میں حرام و حلال کی ذرا بھی شناخت نہ رہی تھی اور ہر فرد بشر خواہ کسی درجہ اور طبقہ کا ہو۔ رندی اپنا مذہب جانتا تھا۔ غرض کوئی بات ایسی نہ تھی جس میں اسلام کی ذرا بھی بو آتی ہو ہاں عیدین کو شاہ کی سواری کی دھوم دھام کسی قدر اسلامی گذشتہ شوکت کو یاد دلاتی تھی۔ ملانوں نے جہلا پر غضب کی ہا ہا تھا چھانٹی کر رکھی تھی نئی نئی قسم کی بدعتوں میں انہیں پھنسا کر اپنا اُلو سیدھا کرتے تھے شب برات کے حلوے

[1] ننادی عورتوں کی بولی میں ہیضہ کو کہتے ہیں چونکہ یہ ایک رسم پڑ گئی ہے کہ ایسے شخص کے سرہانہ بیٹھ کے جو جانکندنی کی حالت میں ہو۔ اور اسکا دم نہ نکلتا ہو سورہ یاسین پڑھا کرتے ہیں اور یہ مشہور ہے کہ یاسین کے ختم ہوتے ہی مریض مر جاتا ہے اس لحاظ سے قلعہ میں سورہ یاسین ہیضہ کی سورۃ مشہور تھی اسکا نام لینا سخت زبون منحوس اور بدشگون سمجھا جاتا تھا۔ بھلا جہاں الہامی صورتوں کی یوں توہین کی جائے وہ جگہ کیوں نہ غارت ہوگی۔

اور عید کی سوئیاں تو ایک معمولی بات تھی لیکن بیوی کی صحنک شیخ سدو کا بکرا۔ سید احمد کبیر کی گائے بڑے پیر کی گیارھویں۔ مُردوں کی نا واجب فاتحہ۔ پھول۔ دسواں۔ چہلم۔ وغیرہ وغیرہ وہ قابل تنفر رسمیں تھیں جنہوں نے ملّانوں کے صدقہ میں اَن پڑھ مسلمانوں میں گھر کر رکھا تھا۔ ہر مہینہ بڑے پیر کی گیارھویں بڑے شد و مد سے کی جاتی تھی اور اسے دین اسلام کا ایک رکن عظیم جان کے انجام دیا جاتا تھا یہ مجلسیں جو مذہبی مجلسیں کہلاتی تھیں ان میں غرباء کا کوئی استحقاق نہ تھا ان کو دھکے دئے جاتے تھے اور وہاں انکا قدم تک آنا سخت منحوس خیال کیا جاتا تھا۔ جاہل امراء گیارھویں کرتے تھے۔ اور اس پہلو میں اپنے عیاش دوستوں کی دعوت کرنا مقصود ہوتا تھا۔ گیارھویں بظاہر ایک بزرگ اسلام کی یادگار کا ایک جلسہ ہے اگر اسے مذہب اسلام کا جامہ نہ پہنایا جاتا۔ بلکہ دنیاوی صورت میں بطور ایک یادگار کے سالانہ جلسہ کیا جاتا تو کچھ مضائقہ نہ تھا لیکن کٹ ملّانوں نے غضب یہ کیا کہ بڑے پیر کی گیارھویں کو فرمودۂ خدا و رسول ٹھہرا دیا اور جاہلوں کو اس طرح ورغلایا کہ وہ گیارھویں کو عین اسلام سمجھنے لگے تھے۔

قرآن عموماً رمضان میں یا یوں ہی معمولی طور پر مسلمان پڑھتے تھے لیکن بیچارے معنے نہ جاننے کی وجہ سے خدا کے احکام سے محض نابلد تھے کٹ ملانوں نے یہ سمجھا دیا تھا کہ قرآن شریف کے معنے پڑھنے گناہ مول لینا ہے۔ چنانچہ اس کی شہادت وہ بُرا برتاؤ دیتا ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب کے ساتھ فتحپوری میں ملّانوں نے کیا تھا۔ جب ولی اللہ صاحب نے فارسی میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا اور اس کی اشاعت ہوئی تو ایک تہلکہ عظیم کٹ ملانوں کے گروہ میں برپا ہوگیا وہ یہ سمجھ گئے کہ ہماری روزی کی عمارت ڈھا دی گئی اب جہلا کبھی قبضہ میں نہ آئیں گے اور وہ ہر بات پر بحث کرنے کو تیار ہوجائیں گے۔ اس خیال نے ان کے دل میں ایک آگ بھڑکا دی اور علاوہ کفر کے فتوے دینے کے شاہ ولی اللہ صاحب کے جانی دشمن ہوگئے اور اب ان میں مشورے ہونے لگے کہ شاہ صاحب کو کیونکر قتل کیا جائے۔ ان کٹ ملانوں نے جنکا بہت کچھ اثر شہر کے بد وضع لوگوں۔ اکھاڑوں۔ پٹے بازوں پر پھیلا ہوا تھا چند بدمعاش جمع کئے اور اب وہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تاک میں رہنے لگے۔ ہمارا فاضل بزرگ ان کے اس غیر خوش آئند مشورہ سے بالکل ناواقف تھا اس محب رسول کا خیال مسلمانوں کی اصلاح کی طرف مائل تھا۔ اس لئے اسے چنداں سازش کی نہ پرواہ تھی نہ یہ خیال تھا کہ یہ کسی نہ کسی وقت باعث مضرت ہوں گے۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ عصر کی نماز فتحپوری میں پڑھ رہے تھے اور آپ گویا محمدیوں کی جماعت کے امام تھے ابھی آپ نے سلام پھیرا ہی تھا کہ

دروازوں پر غل وشور کی آوازیں کانوں میں آنے لگیں اور لوگ کچھ غیر معمولی طور پر غیر شیر کرتے ہوئے معلوم ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب کو کھٹکا ضرور تھا کہ شہر کے کٹ ملانے کبھی نہ کبھی کچھ آفت برپا کریں گے اور اب آپ نے اسکا ظہور ہوتا ہوا دیکھا آناً فاناً میں یہ خبر ان کے ساتھیوں کو جو آپ کے پاس بیٹھے تھے پہنچ گئی اور اب وہ سٹ پٹائے کیونکہ ان کی تعداد بہ نسبت مفسدوں کے بہت کم تھی وہ پانچ چھ سے زیادہ نہ تھے اور مفسدوں کی تعداد سو سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ یہ مفسد گو پورے عزم سے آئے تھے لیکن ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ مسجد میں گھس کے شاہ صاحب کو شہید کر سکتے۔ جب شاہ صاحب کو تحقیق معلوم ہو گیا کہ یہ میرے قتل کیلئے نرغہ کر آئے ہیں انہوں نے اپنے دوستوں سے کہا تم جان بچا کے چلے جاؤ اور مجھے ان مفسدوں کے ہاتھوں شہید ہونے دو لیکن ان کی حمیت اسلامی نے یہ گوارہ نہ کیا اور وہ تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھ کے کہنے لگے کہ جب تک جان میں جان باقی ہے آپ پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ صاحب جن کے ہاتھ میں صرف ایک پتلی سی لکڑی تھی اللہ اکبر کہہ کے اٹھے اور کہاری باولی والے دروازہ کی طرف چلے دونوں دروازوں سے سمٹ کے مخالفوں نے اس دروازہ کو روک لیا اور باواز بلند کہا دیکھو ولی اللہ نکل نہ جائے۔ شاہ صاحب نے یہ آواز سن کے نہایت دلیری اور متانت سے یہ سوال کیا کہ میں نے تمہارا کیا گناہ کیا ہے جس سے تم میری جان کے دشمن ہو گئے ہو اور میرے قتل پر آمادہ معلوم ہوتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ تو نے قرآن کا ترجمہ کرکے بالکل عوام الناس کی نگاہوں میں ہماری وقعت کو کھو دیا۔ دن بدن ہماری روزی میں خلل پڑتا جاتا ہے اور ہمارے معتقد کم ہوئے جاتے ہیں یہ بہت بڑا صدمہ تو نے نہ صرف ہمیں پہنچایا بلکہ ہماری آئندہ نسلوں کو پہنچایا ہماری اولاد کی آئندہ زمانہ میں اتنی بھی وقعت نہ رہے گی جتنی اب ہماری ہے۔ اس پر شاہ صاحب نے یہ جواب دیا کہ خدا کی نعمت تم خاص کرنا چاہتے تھے میں نے عام کر دی کچھ دیر تک یہ ردوبدل ہوتی رہی آخر شاہ صاحب نے معہ ساتھیوں کے جو آپ کو حلقہ کئے ہوئے تھے دروازہ کی طرف قدم بڑھایا کٹ ملائے سینہ تان تان کے آآ کے آکھڑے ہوئے کہ ہم نہ جانے دیں گے اس پر شاہ صاحب کے ایک ساتھی نے تلوار کا وار کرنا چاہا بدمعاش جو سب ہتھیاروں سے آراستہ تھے محمدیوں کو آمادہ دیکھ کے جھجکے اور اب ان کے ہوش پران ہوئے وہ بدمعاش اکھاڑے کے پہلوان خانہ جنگیوں میں زیادہ غلو رکھتے تھے بھلا وہ ایسی قلیل جماعت کی برہنہ تلواروں کے آگے کیونکر قائم رہ سکتے تھے جو سچے دل سے اسلام پر جان دینے کو تیار تھے اس وقت شاہ صاحب کو بھی جلال آگیا تھا اور ابھی مصفا خون آپ کی رگوں میں زور زور سے حرکت کرنے لگا تھا آپ نے اپنے غیر معمولی جوش کی حالت میں

اللہ اکبر کا ایک نعرہ مارا اور اس جماعت کو چیرتے پھاڑتے نکلے چلے گئے کل بدمعاش اور منافق کٹ ملّا دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور کسی کی ہمت نہ پڑی کہ کوئی حملہ شاہ صاحب پر کرتا حقیقت میں یہ بہت صحیح ہے ؎ دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر است۔ جب شاہ عبدالعزیز صاحب نے یہ سنا تو انہیں بہت رنج ہوا۔ رنج کے سوا بیچارے کر ہی کیا سکتے تھے قلعہ میں ان کی اتنی وقعت نہ تھی جتنی کہ ان کے علم و فضل کی ہونی چاہیے جو اثر شاہ ولی صاحب کا مدینہ مکہ اور نجد پر تھا افسوس ہے کہ وہ دہلی میں نہ تھا ہاں کسی ڈوم اور کسبی کی سفارشیں بہت جلد چل جاتی تھی اور بیچارے شاہ صاحب کی کوئی نہ سنتا تھا۔[۱]

اسی شب تمام کنبہ کے ممبر جمع ہوئے اور انہوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے یہ صاف معلوم ہو گیا تھا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے کٹ ملّا نے جانی دشمن ہو گئے ہیں اور انہیں شیعہ سرداروں نے بھی اکسایا ہے کہ وہ شاہ صاحب کو یا تو شہید کر ڈالیں یا شہر دہلی سے نکال دیں قصہ مختصر یہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے سفر عرب اختیار کیا اور منافقان اسلام کو دانت پیستا ہوا اور ہاتھ سے ہاتھ ملتے ہوئے چھوڑا جب شیر اسلام (شاہ اسمٰعیل) کا ظہور ہوا دربار دہلی اور اہل دہلی کی یہ کیفیت تھی ارکان اسلام بدعتوں کے پیروں کے نیچے پامال کئے جا رہے تھے اور نئی نئی بدعتیں روز روز ایجاد ہوتی تھیں لیکن کوئی منع کرنے والا نہ تھا۔ اس زمانہ میں شاہ عبدالعزیز صاحب کے علوم کا مہر جہاں تاب اپنی خوب تابانی دکھا رہا تھا۔ لیکن اس کی تابانی نہ اہل قلعہ پر پڑتی تھی اور نہ عمائد شہر پر۔ اکثر پردیسی اور چند غریب شہری آپ کے معتقدین میں سے تھے شاہ عبدالعزیز صاحب کے علم و فضل کا سکہ گو دہلی کے ہر فرد بشر پر بیٹھا ہوا تھا لیکن اس کا یہ اثر نہ تھا کہ جو بدعتیں ملّاؤں کے کہنے سے عوام الناس اور عمائدین شہر کرتے تھے ان میں کچھ کمی آتی۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے والد بزرگوار کی مخالفت کا خوفناک نظارہ ملاحظہ کر لیا تھا اس لیے آپ احتیاطاً وہی باتیں اپنے واعظ اور تلقین میں بیان فرمایا کرتے تھے جن پر اکثر الناس کا اتفاق ہو اور کوئی اس سے کسی حالت میں مخالف نہ کر سکے۔

ایسے بدعت خیز و شرک انگیز زمانہ میں ضرور ایک ایسے نفس کی ضرورت تھی کہ جو سچے اسلام کا نور چمکائے اور ارکان اسلام کی خوب دھوم دھام سے اشاعت ہو وہ باتیں جن سے سراسر اسلام اور ہادی اسلام کی توہین ہوتی ہے مٹا دی جائیں بدعت اور سنت کو علیحدہ کر لیا جائے اور اس بت پرستی کی بیخ و بنیاد

---

[۱] ناظرین! یہ وہی شاہ ولی اللہ (قدس سرہ) ہیں جن کو آج علمی ہندوستان اپنا واجب التعظیم استاد مانتا ہے مگر اس زمانہ میں یہ حالت تھی جو مصنف نے بتائی ہے۔ بالکل سچ ہے ؎

یا نکد الدنیا متی انت مقصر ⁂ علی الحر حتی لا یکون لہ ضد

(ابوالوفاء)

اکھیڑ کر پھینک دی جائے۔ جس میں دہلی کا خصوصاً اور ہندوستان کا عموماً بچہ بچہ بتلا تھا۔

ناقابل برداشت بدعتوں اور شرمناک شرکوں کی حد ہو چکی تھی اور کہیں برائے نام دیکھنے سے بھی اسلام کا پتہ نہ رہا تھا اکبر شاہ گور پرست اور پیر پرست تھا اور وہ ایسے لوگوں کو پیر بناتا تھا اور انہیں ولی اللہ جانتا تھا کہ جن کے ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی ہو جن کی زلفیں لمبی لمبی اور عطر میں ڈوبی ہوئی ہوں جو پور پور چھلے پہنتے ہوں۔ جن کے کپڑے نفیس گیرو رنگے ہوں اور جو طبلہ کی چوٹ اور قوال کی ہائے ہائے پر لطافت سے گیتیں بھرنا جانتے ہوں جن کے ماتھے قبروں پر ٹکتے ہوں ایسے نفوس کی تعظیم قلعہ میں بہت دھوم سے کی جاتی تھی بادشاہ مع بیگموں کے ان کے پاس خود آیا کرتے تھے بیگمیں ان پر اور ان کی اولاد پر حلال تھیں اور وہ ایک نگہ کی محتاج رہا کرتی تھیں یہ زبوں حالت تھی اہل قلعہ کی بھلا پھر حامی دین علمائے کبار کی ان لوگوں کے آگے کیا خاک عزت ہوگی۔ جب مولانا فخرالدین صاحب جن کی ہیئت بالکل وہی ہوتی تھی جو اوپر بیان ہوئی نماز پڑھنے آتے تھے تو لوگوں کا اس قدر مجمع ہوتا تھا کہ تل رکھنے کو بھی جامع مسجد میں جگہ نہ ملتی تھی بڑے بڑے رئیس یہ آرزو کرتے تھے کہ کسی طرح مولانا صاحب کے جامہ کا دامن ہی مس کرلیں۔ اور ان کے مقابلہ میں جب شاہ عبدالعزیز صاحب جامع مسجد تشریف لے جاتے تھے تو سوائے چند محمدیوں کے اور کوئی ان کے ساتھ نہ ہوتا تھا۔

اس کی بالکل وہی مثال ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے جب ہجرت کی ہے تو صرف حضرت صدیق اکبرؓ ساتھ تھے مگر اس کے مقابلہ میں ابوسفیان کا بہت بڑا گروہ تھا۔ عوام الناس ایسے مجمعوں کو خدا کی طرف سے مقبولیت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بات نہیں یہ نری شیطانی باتیں ہیں اور انہیں اسلام اور ہادی اسلام کے اصول سے کوئی تعلق نہیں۔ دامن چومنا دامن پر بوسہ دینا یہ رومن کیتھلک کے عیسائیوں کا شعار ہے جو ان کے ہاں دو ہزار برس سے اب تک جاری ہے اسلام ان باتوں سے کوسوں دور ہے نہ کبھی آنحضرتؐ نے اپنے دامن چھوائے نہ آپ کے چار خلفاء نے ایسی زشتی اور زبونی کی پھر غیرت حق کو حرکت ہوئی اور ایسی حالت میں کہ جب علم دین بالکل مٹ چکا تھا اور ہندوستان میں اسلام کا خاتمہ ہو چکا تھا شیر اسلام (شاہ اسمٰعیل رح) کا ظہور ہوا اور اس نے اپنے قوت بازو اور تائید ایزدی سے شرک و بدعت کی تمام ظلمت کو مٹا کے حق کا نور چمکا دیا اور بدعت سنت میں فرق کر کے دکھا دیا یہ ایک ایسی زبردست خدا کی امانت تھی کہ سوائے شیر اسلام کے اور کوئی نہ اٹھا سکتا تھا اسی بہادر نے اٹھائی اور اس میں کامیاب ہوا۔ فقط

(۱)

پہلا باب

نام لقب خطاب۔ ولادت تعلیم

اسمٰعیل نام شاہ صاحب اور قاطع بدعت لقب شہید خطاب شاہ صاحب کی تاریخ ولادت میں کسیقدر اختلاف ہے مختلف روایتوں کو دیکھکر ۱۲ ماہ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ ہجری صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ فطرت کو پہلے منظور تھا کہ آپ کی پیدائش ایک ایسے خاندان میں ہو جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے ہندوستان میں لاثانی ہو اور اس خاندان کا ہر ممبر آسمان علم کا مہر جہاں تاب ہو یہ خاندان جس کی نسبت میں چند جملے تحریر کرنا چاہتا ہوں اپنی خاص نوعیت اور ذاتی صفات اور عام نفع رسانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ مہذب ممالک میں جہاں تہذیب و شائستگی نے قول ہار دیا ہے ایسے خاندان بہت کم دکھائی دیتے ہیں کہ جن کے ہاں کئی پشت سے علم و فضل کی ایک حالت رہی ہو اور صدی ڈیڑھ صدی تک کہ اس خاندان کا خاتمہ ہو جائے ہر ممبر اپنی لیاقت اور ضمیری جوہروں میں لاثانی اور عدیم المثال ہو۔

فطرت نے یہ عظیم الشان شرف شاہ اسمٰعیل صاحب کے خاندان کو دیا تھا۔ شاہ عبدالرحیم صاحب جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے دادا تھے ایک عجیب لیاقت اور غریب قابلیت کے شخص تھے آپ کے ضمیری اور روحانی جوہر اپنے میں گہری ممتازیت کی تہ رکھتے تھے آپ جیسے علم تفسیر میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ اسی طرح علم حدیث اور فقہ بھی آپ کو پانی تھا۔ جس نے ہندوستان میں پہلے حدیث کی درس و تدریس کی بنیاد جمائی ہے وہ شاہ عبدالرحیمؒ صاحب تھے۔ وہ ربانی اسرار اور الہامی نکات جو قرآن حدیث کے لفظ لفظ میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں انہیں مسلمانوں پر ظاہر کیا اور علم رسولؐ کی طرف سب کی دعوت کی لیکن صدیوں کی خرابی جو مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی معمولی تلقین اور وعظ سے نہیں جا تی شاہ عبدالرحیم صاحب نے ہر چند کوشش کی لیکن آپ کی کوشش بدعت اور شرک کے دریا کی خوفناک موجوں اور دہشت انگیز لہروں سے ہمنبرد نہ ہوسکی اور پس پا ہو کے کنارہ پر واپس چلی گئی۔ اس ناکامیابی پر بھی یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے ایک ایسا بیج بو دیا کہ بعدازاں آپ کی اولاد کی کوشش سے وہ پھلا پھولا اور لہلایا اور آخر شاہ اسمٰعیل صاحب کی بیش بہا کوششوں سے اس درخت میں پھل لگا اور الحمدللہ کہ وہ اب تک پھل دے رہا ہے اور تر و تازہ ہے۔

ہندوستان کی قسمت میں اوّل دن سے لکھا ہوا تھا کہ یہ مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی علوم کا حصّہ نہ لے اور اندلسی اور بغدادی علوم کی جان بخش ہوائیں کیا تو ایک طرف سے ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں

سے ٹکرا کر رہ جائیں یا بحر ہند کی موجوں میں دوسری طرف غرق ہو جائیں یا تیسری جانب سے ہندوکش کے خوفناک دروں سے گر گرا کے وہیں گم ہو جائیں۔

شاہ عبدالرحیم صاحب جنہوں نے پہلی ضرورت ہندی مسلمانوں میں علم نبوی کی اشاعت کی دیکھی واقعی ایک برتر الہامی خیال تھا جو بجلی کی طرح آپ کے دماغ میں کوندا شاہ عبدالرحیم صاحب نے ایک مدرسہ رحیمیہ کی بنیاد ڈالی اور اس میں علم حدیث کی تعلیم دینی شروع کی اس تعلیم نے چند سال میں اپنا قیمتی اثر مسلمانوں پر ڈالا اور اب جوق در جوق آپ سے حدیث سیکھنے کیلئے آنے لگے گویا اسی تاریخ سے مذہب بدعت اور شرک کے ساکن سمندر میں ایک تحریک سی پیدا ہونے لگی مگر یہ خفیف تحریک ایسی نہ تھی کہ ایسے بڑے عظیم الشان سمندر میں کچھ معلوم ہوتی اور ایک تموج خیز طوفان اس میں پیدا ہوتا۔ شاہ عبدالرحیم صاحب قوانین فطرت کی باریکیوں اور مفہوم کو خوب سمجھتے تھے وہ جانتے تھے کہ معمولی تختہ پر جب تک کہ اسے خراد نہ کیا جائے اور اس پر ملتانی نہ پھیری جائے کبھی صفائی اور آسانی سے لکھا نہیں جا سکتا اس لئے انہوں نے اپنی کوششوں کو بظاہر ناکامی کا جامہ پہنتے ہوئے دیکھ کے کچھ ہراس نہ کیا اور ہمیشہ دل میں یہ یقین رکھا کہ یہ ناکامیاں خوش آیند ہیں کیونکہ یہ بدیہی امر ہے کہ مرض ہر طرح بُرا ہوتا ہے۔ لیکن اس مرض کو مبارک کہنا چاہیئے جس کا انجام صحت ہو انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ کام تھوڑا کرنا چاہتی ہے مگر صلہ زیادہ چاہتی ہے اس فطرت پر جب محنتوں کا صلہ بظاہر ناکامی ملے تو ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ اس وقت طبیعت کی کیا کیفیت ہوگی اور وہ کب اولوالعزمانہ روح کے ساتھ شوق کے میدان میں قدم بڑھائے گی مگر وہ پاک نفوس جنہیں فطرت سے ممتازیت کا حصہ ملا ہے اور ربانی جلال پوران کے حجلۂ دل میں چمک چکا ہے وہ کبھی ظاہرا ہراس سے مایوس نہیں ہوتے اور ہمیشہ اپنی قیمتی محنتوں کا صلہ اپنی آئندہ نسلوں کیلئے وقف کر دیتے ہیں۔

شاہ عبدالرحیم صاحب جنہوں نے مدرسہ رحیمیہ کی بنیاد ڈالی تھی گو گورنمنٹ قلعہ کی طرف سے ان کی مطلق سرپرستی نہیں کی گئی اور نہ شاہ کی طرف سے طلبہ کے کچھ وظائف مقرر ہوئے پھر بھی اس مدرسہ کو خاصی رونق ہو گئی اور اب بعضے لوگوں کی زبان پر یہ مقدس الفاظ آنے لگے کہ بخاری میں یہ حدیث آئی ہے اور ابوداؤد یہ حدیث نقل کرتے ہیں یہ بات قابل ریمارک ہے ایسے بہت کم علماء تھے کہ جن کے پاس بخاری ہوتی یہاں تک کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کو تفسیر کبیر کے دیکھنے کی جب ضرورت ہوتی تھی تو شاہی کتب خانہ میں آپ تشریف لے جاتے تھے یہ دیکھکر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علم تفسیر اور حدیث کا کس درجہ کم رواج ہندوستان میں تھا کہ ایسے جلیل القدر علماء کے پاس

تفسیر کبیر تک نہ تھی۔

شاہ عبدالرحیم صاحب اتنے بڑے فاضل تھے کہ شاہ ولی اللہ جیسا فاضل اجل شخص یہ کہا کرتے تھے کہ میں اپنے باپ کے علم کے آگے ایسا ہوں کہ جیسے بحر کے آگے قطرہ یہ کچھ شاعرانہ مبالغہ اور جھوٹی تعریف نہیں ہے بلکہ جس نے شاہ عبدالرحیم صاحب کی تصانیف اور ان حواشی کو دیکھا ہے جو آپ نے معقول اور حدیث و فقہ کی کتابوں پر چڑھائے ہیں وہ ان سے شاہ ولی اللہ صاحب کے اس قول کی صداقت پوری پوری اندازہ کرسکتا ہے اس بدعت و شرک کے زمانہ میں جب لوگوں نے علم نبوی کو بالکل بھلا دیا تھا اس خاندان کے علم و فضل کی آوازیں ہندوستان کی چار دیواری سے نکلکر مسلمانوں کے ممالک روم و شام میں پہنچتی تھیں اور جس مسئلہ میں مکہ مدینہ کے علماء میں جھگڑا پڑتا تھا وہ ثالث بالخیر شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز کو بناتے تھے۔ ملا رشیدی مدنی اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے جو خط و کتابت ہوئی ہے اس سے ہم اپنے دعوی کی سند دے سکتے ہیں ایک خط میں ملا رشیدی نے یہ لکھا ہے۔

"شاہ صاحب آپ کا کچھ ایسا اثر بلاد اسلامیہ میں ہوا ہے کہ جب کوئی فتویٰ دیا جاتا اور علماء اس پر اپنی مہریں کرتے ہیں تو ہر شخص فتویٰ میں آپ کی مہر کا متلاشی رہتا ہے اور وہ فتویٰ جب تک اس پر آپ کی مہر نہ ہو زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھا نہیں جاتا۔ اگر آپ یہاں تشریف لے آویں تو ہم لوگوں کیلئے بڑے افتخار کی بات ہے اور سلطان ٹرکی بھی آپ کی بہت بڑی عزت کریں۔

اس خط سے اس مقبولیت کی پوری کیفیت معلوم ہوتی ہے جو شاہ عبدالعزیز صاحب کی بلاد اسلامیہ میں تھی اس کو ربانی مقبولیت کہتے ہیں اور یہ اصلی علم و فضل ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کا خاندان کچھ حد سے زیادہ مقبول انام تھا اور اس محترم خاندان کا ہر ممبر اپنی معاشرت کچھ اس طرز کی رکھتا تھا کہ کٹ ملانوں کا دست تظلم دراز ہونے کا موقع نہ پاتا تھا۔ آخر اسلام کا نصیبہ جاگا اور شاہ اسمٰعیل صاحب جیسا شیر اسلام پیدا ہوا[1]۔

فطرت نے پہلے ہی شاہ صاحب کیلئے قاطع بدعت کا لقب موزون رکھا تھا۔ ایسے جلیل القدر خاندان علماء میں یہ شرف آپ ہی کی قسمت میں لکھا تھا کہ آپ کھلم کھلا بدعتیوں اور مشرکوں سے مخالفت کریں اور اپنی خطرناک جرأت سے صاف طور پر احادیث نبویہ کی تلقین کریں جب حد سے مسلمانان ہند کی خراب حالت پہنچ گئی تو فطرت نے شاہ عبدالغنی صاحب کے ہاں

[1] اے آمدنت باعث آبادیٔ ما۔

آپ (اسمعیل) کو پیدا کیا آپ کی طفلانہ نظریں جب آپ اپنے گہوارہ میں تھے اس آئندہ اصلاح کی جو مسلمانوں میں ہونے والی تھی پیشین گوئی کرتی تھیں گو آپ دبلے پتلے اور نحیف پیدا ہوئے تھے لیکن آپ کی فراخ پیشانی اس بڑے نصیبہ کی شہادت دے رہی تھی جو آپ کو آئندہ حاصل ہونے والا تھا۔ شاہ عبدالغنی صاحب کی یہ رائے ہوئی کہ اس بچہ کو کسی شریف انّا کا دودھ پلایا جاوے لیکن آپ کی والدہ بی فاطمہ نے (باوجودیکہ وہ بہت ضعیف تھیں) یہ منظور نہ کیا۔ اور ایسے ہونہار بچہ کو خود حدِ شرع تک دودھ پلایا بچپن میں آپ حد سے زیادہ غریب اور خاموش تھے۔ شاہ عبدالغنی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میرے ہاں جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ کچھ ایسا چپ اور غریب ہے کہ رونا مطلق نہیں جانتا۔ اس نجیب اور شریف بچہ کی بچپن میں ایسی دھیمی اور حلیم فطرت تھی لیکن جوں جوں آپ بڑے ہوتے گئے مزاج میں انکساری آتی گئی جن سوانح لکھنے والوں نے آپ کو تیز مزاج لکھا ان کی غلطی اور اصلی واقعات سے کم علمی ہے۔ آپکا خلق جب آپ چھ برس کے تھے ایسا تھا کہ کل بچے آپ کے ساتھ کھیلنے میں خوش رہتے تھے۔ آٹھ برس کی عمر میں آپ نے قرآن شریف حفظ کر لیا اور یہ حفظ طوطے کی طرح نہ تھا بلکہ آپ کو کل قرآن مجید کے معنے پڑھائے گئے تھے گو اس زمانہ معصومیت میں ربانی نکات اور الہامی غوامض کو سمجھنا تو بہت مشکل تھا پھر بھی اکثر موقعوں پر جب اپنے ہمعصروں میں کھیلتے تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں یہ لکھا ہوا ہے اور تم یہ کرتے ہو۔

ظاہری کتابی تعلیم جو ہر بچہ کو دی جاتی ہے یہ ضرور نہیں ہوتا کہ ہر بچہ تعلیم سے مصلح قوم بن جائے مگر جسے فطرت اپنی بانگی اور ہنر کا نمونہ بنانا چاہتی ہے اس کے ضمیر کو پہلے ہی ربانی قابلیتوں اور ضمیری جوہروں سے آراستہ کر دیتی ہے ایسی حالت میں اگر اسے ظاہری تعلیم نہ بھی دی جائے جب بھی کچھ حرج واقع نہیں ہوتا اور اس کے ضمیری جوہر ایک نہ ایک دن اصلی تابانی اور درخشانی دکھا کے رہتے ہیں۔

اس جلیل القدر خاندان میں جس میں شیرِ اسلام کا ظہور ہوا ایک عجیب بات یہ تھی کہ کوئی بچہ کسی غیر مولوی کا شاگرد نہ تھا شاہ ولی اللہ صاحب نے جو کچھ پڑھا اپنے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم صاحب سے پڑھا اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے جو کچھ تعلیم پائی وہ اپنے والد شاہ ولی اللہ صاحب سے غرض اس واجب الاعتصام خاندان کا ہر ممبر اپنے ہی باپ یا چچا کا شاگرد رہتا تھا اور حقیقت میں جب یہ بات تھی کہ یہ خاندان سرچشمۂ علوم تھا پھر یہاں کا بچہ کیوں کسی بیرونی

عالم سے تعلیم پانے لگا یہ افتخار بھی ہندوستان میں اسی خاندان کو حاصل ہے ریاضی پڑھنے کے بعد جس کو ہم آئندہ بالترتیب بیان کریں گے۔

شاہ اسمٰعیل صاحب نے دو تین برس میں معمولی صرف و نحو کی کتابیں اپنے والد بزرگوار سے نکال لیں اور ابھی آپ کی گیارہ بارہ ہی برس کی عمر تھی کہ آپ کو علم صرف و نحو کچھ ایسا پانی ہو گیا کہ بڑے بڑے تجربہ کار لگانہ کھاتے تھے اس کے بعد آپ کو معقول کی کتابیں پڑھائی گئیں بھلا جس کا دماغ کامل عقل سے پہلے ہی فطرت نے آراستہ کیا تھا اسے ان معمولی کتابوں کا پڑھ لینا کیا مشکل تھا۔ آپ کو بارھواں سال شروع تھا جب آپ صدرا پڑھتے تھے آپ کے ساتھ اور بھی کئی بڑی عمر کے طلباء شریک تھے مگر قاری آپ ہی تھے صدرا جو ملاؤں میں ایک بڑی لاینحل کتاب مشہور ہے اقلیدس کے پانچویں مقالہ کے اس کے بہت سے مقامات محتاج ہیں چونکہ عوام علماء میں سے ریاضی کا علم بالکل اٹھ گیا اس لئے وہ ایسی ایسی کتابوں کو جن کا کچھ بھی تعلق ریاضی سے ہوتا بہت مشکل سمجھتے ہیں۔ شاہ اسمٰعیل صاحب آٹھ آٹھ دس دس صفحے صاف پڑھ جایا کرتے تھے۔ لیکن کبھی کسی مقام پر رکتے نہ تھے نہ کوئی بات دریافت کرتے تھے۔ نہ آپ مطالعہ کرتے تھے نہ گھر میں جا کے سبق یاد کرتے تھے تو اکثر یہ ہو جاتا تھا کہ جب آپ دوسرے دن سبق پڑھنے کیلئے کتاب کھولتے تھے تو یہ بھول جایا کرتے کہ کل سبق کہاں تک پڑھا تھا۔ ایک سن رسیدہ شخص عبدالکریم بخاری آپکا ہم سبق تھا وہ شاہ صاحب کے لگاتار بے پوچھے گچھے پڑھنے سے بہت جلتا تھا اور بہت سے مقامات بغیر سمجھے رہ جاتے تھے ایک دن شاہ صاحب ورق گردانی کرنے لگے اور انہیں اپنے کل کے سبق کا پتہ نہ لگا اس پر وہ بخاری ہنس کے کہنے لگا میاں صاحبزادے مکھی مار نشان لگا دیا کرو کہ کتاب کھولتے ہی تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں نے کل یہاں تک سبق پڑھا تھا۔ یہ سن کر شاہ اسمٰعیل صاحب ہنسے اور کچھ جواب نہ دیا۔

جتنے طلباء شاہ صاحب کے ساتھ پڑھتے تھے خوش ایک بھی نہ تھا وجہ یہ تھا کہ ہر طالبعلم صدرہ کے ہر ہر مقام پر بحث کرنا اور اسے سمجھنا چاہتا تھا اور یہاں سوائے روان عبارت پڑھنے کے نہ کہیں رکنا تھا نہ کسی مشکل مقام کو دریافت کرنا تھا۔

جب آپ ایک روز صدرا کے مشکل مقام کو پڑھ رہے تھے تو بخاری کو یقین تھا کہ یہاں یہ لڑکا ضرور ٹھہرے گا اور اس مقام پر ضرور رد و قدح ہو گی لیکن جب اس نے دیکھا کہ صاحبزادے صاحب کی یہاں بھی وہی کیفیت ہوئی جو اور مقامات میں ہوئی تھی تو وہ جھلا گیا اور اس نے جل کے

یہ سوال کیا صاحبزادہ تم کچھ سمجھے بھی یا یونہی گھاس کاٹتے چلے جاتے ہو شاہ صاحب نے نہایت حلیمی اور انکساری سے جواب دیا آپ کی سمجھ میں اگر کوئی بات نہ آئی ہو تو آپ دریافت فرمالیں۔ اس نے فوراً یہ سوال کیا کہ اسی مقام کو سمجھا دیجئے جس کو بلا دریافت کئے آگے بڑھ گئے شاہ عبدالغنی صاحب اور کل طلباء کی نظریں آپ کی طرف لڑ رہی تھیں اور ہر متنفس یہ دیکھتا تھا کہ دیکھیں اسمٰعیل بغیر استاد سے سمجھے اس مشکل مقام کو کیونکر حل کرتا ہے گویا یہی دن آپ کی قابلیت کے امتحان کا تھا۔ اس ہونہار بچہ نے اس عمدگی اور صفائی سے اس مقام کو چٹکیوں میں سلجھا دیا اور وہ وہ معنے بتائے کہ سب دنگ رہ گئے پھر صدرا کے حاشیہ پر اعتراض کیا اور کہا کہ اس نے جو کچھ معنے لکھے ہیں وہ غلط ہیں۔ میں یہاں اس تقریر کو نقل کر کے زیادہ وقت ناظرین کا نہ لونگا ہاں اس قدر لکھنا ضروری جانتا ہوں کہ یہ وہ عالم فطرت تھے کہ اگر میر باقر داماد ہوتا تو زانوے شاگردی طے کرتا۔[1]

جب آپ اس قریب قریب لاینحل مطالب کا حل کر چلے اور اپنے ضمیری جوہروں کی سب کو بانگی دکھادی تو شاہ عبدالغنی صاحب کی خوشی کا کچھ اندازہ نہ تھا۔ طلباء شرمندہ ہو گئے اور بخاری صاحب تو ایسے چت ہوئے کہ پھر انہوں نے سیدھا بخارا کا راستہ لیا۔

جب منطق کی وہ معمولی کتابیں جو اس وقت درس میں تھیں شاہ صاحب نے ختم کریں تو حدیث شاہ عبدالعزیز صاحب سے آپ نے پڑھنی شروع کی۔ علم حدیث ایک بڑا دشوار گذار علم ہے اس کی اہمیت کو وہی شخص جانتا ہے جسے حدیث کا کچھ علم ہے باینہمہ شاہ صاحب کو یہ مشکل علم بھی پانی تھا مولوی کرامت علی صاحب حیدرآبادی فرمایا کرتے تھے۔ میں مولانا شہید کا حدیث میں ہم سبق تھا مجھے خوب معلوم ہے انہوں نے کبھی مطالعہ نہیں کیا نہ پڑھے ہوئے کو کبھی پھیرا عام طلباء جو آپ کے ساتھی تھے مولانا شہید کو بے پرواہ کہتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ پڑھنے کی طرف مولانا کی توجہ نہیں ہے شب و روز تیر اندازی گولی چلانا اور گھوڑے پر چڑھنے کے سوا وہ کبھی کتاب کو کھول کے بھی نہیں دیکھتے۔ روزمرہ اس قسم کی باتیں سن سن کے شاہ عبدالعزیز صاحب نے طلباء کے مجمع میں مولانا شہید سے یہ شکایت کی کہ تم کھیل کود میں زیادہ وقت صرف کرتے ہو لیکن مطالعہ کتب نہیں کرتے اسمٰعیل نے عرض کیا آپ مجھ سے پڑھا ہوا کچھ دریافت فرماویں شاہ عبدالعزیز صاحب نے طلباء کے سامنے مولانا شہید سے دریافت کیا آپ نے فرفر بتادیا اور اس عمدگی سے بیان کیا کہ طلباء کا کل مجمع دنگ ہو گیا۔

ذہانت اور حافظہ یہ فطرت کی خاص بخششیں ہیں جو بعض بعض نفوس کو عطا ہوتی ہیں

[1] مولانا شہید کے جو معتقد علوم عقلیہ کا پڑھنا ناپسند کرتے ہیں۔ غور کریں۔

مولانا شہید کا خمیر کچھ ایسا قابل بنا تھا کہ اس پر تجلیات ربانی کا پرتو بخوبی پڑ سکتا تھا اور ہمیشہ وہ قوت جو ربانی نکات کے سمجھنے میں ید طولیٰ رکھتی ہے وقتاً فوقتاً اس کا جوش اس روشن ضمیر میں پیدا ہوتا رہتا تھا۔ ایسی صورت میں نہ کسی کی تعلیم کی اتنی ضرورت تھی نہ مطالعہ دیکھنے اور مغزپچی کرنے کی حاجت تھی۔ جو لوگ ضمیری جوہروں سے کسی قدر بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ میرے قول کی تصدیق خود بخود کریں گے اور جو قلب کے اتار چڑھاؤ اور اس کی لیاقتوں صفتوں سے محض نابلد ہیں نہ ان سے میرا کلام ہے نہ وہ اس باریکی کو سمجھ سکتے ہیں۔

اگر ہم چشم بصیرت کھولیں تو ہمیں معلوم ہو کہ روزمرہ ہماری آنکھوں کے آگے ایک ہی جماعت میں ایک ہی قسم کی تعلیم ہوتی ہے پھر کیا وجہ ہے ایک ہی قسم کی تعلیم پانے والوں میں سے کوئی تو علامہ دہر بن جاتا ہے اور بیسیوں قیمتی تصانیف کر ڈالتا ہے اور اکثر طلباء یوں ہی پٹے ٹوڈیاں مارتے رہ جاتے ہیں نہ انہیں کچھ حاصل ہوتا ہے نہ کسی قسم کی قابلیت آتی ہے حتیٰ کہ بات کرنیکا سلیقہ بھی نہیں آتا۔

یہ صحیح ہے۔ کہ محنت عجب چیز ہے۔ اور کیسا ہی غبی شخص ہو۔ محنت سے کچھ نہ کچھ حاصل ہو ہی جاتا ہے مگر پھر بھی فطری ضمیری جوہروں کی وہ تابانی جو لاکھوں میں کسی قلب پر چمکتی ہے نہ محنت سے حاصل ہوتی ہے نہ عرقریزی کچھ کام دیتی ہے وہ تو ضمیر اور دماغ پہلے ہی سے ان جوہروں سے آراستہ ہوتا ہے جو فطرت کی عین بخشش سمجھنا چاہئے۔

زمانہ میں ہر ملک اور ہر شہر میں بڑے بڑے مصلح ملک و قوم گذر گئے کیا انہوں نے ابجد خوانوں کی طرح اپنا سبق جپا تھا یا فَعَلَ یَفْعَلُ کی گردان کی تھی نہیں کچھ نہیں ؟ ان کیلئے معمولی تعلیم ایسی کافی تھی جیسے کئی صدی تک کسی ذہین شخص کو تعلیم دیتے چلے جاؤ اور بعد ازاں اس کی واقفیت کا اندازہ کرو۔ ان کی آواز میں اثر لوچ۔ درد خود بخود پیدا ہو جاتا ہے اور ان کی نگاہ میں وہ قدرت ہوتی ہے کہ جس کی طرف نگاہ بھر کے دیکھا اور اپنا رام بنا لیا یہی کیفیت شاہ اسمٰعیل صاحب کی تھی آپ کو ایک ایسی خاص بخشش عطا ہوئی تھی جس کی ایک زمانہ تک خود مولانا شہید کو خبر نہ تھی پھر دوسرے اس جوہر کی کیونکر شناخت کر سکتے۔

یوں تو اس واجب الاحترام جلیل القدر خاندان کا ہر ممبر یکتائے روزگار اور فرید العصر تھا لیکن مولانا شہید کی تعلیم کا ڈھنگ سب سے نرالا اور جدا تھا۔ گو ۱۶ برس کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہو گئے تھے پھر بھی یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اتنی سی عمر میں فارغ التحصیل ہونا اور پھر ہر کتاب

کو ازبر یاد رکھنا اور ان سے صدہا نکات اور باریکیاں پیدا کرنا یہ خاص صفت خدا کی طرف سے مولانا شہید ہی کو عطا ہوئی تھی۔

فطرت کو چونکہ آپ سے ایک عظیم الشان کام لینا تھا اس لئے جتنی صفتیں ایسے پاک نفس کے لئے لازم ہوتی ہیں وہ سب آپ میں موجود تھیں۔

تمام دینیات کی کتابوں کو اس چھوٹی سی عمر میں پانی کی طرح پی جانا گو بادی النظر میں مولانا شہید کی ذہانت اور حافظہ پر دال ہے لیکن غمیض، اور عمیق نظریں خوب سمجھ سکتی ہیں کہ ایسے ایک پاک نفس کا پیدا ہونا خداوند تعالےٰ کا بہت بڑا بھید تھا۔ جس کی کنہہ کو کسی قدر وہی پاک نفوس پہنچ سکتے ہیں جنہیں کلام ربانی سے دلچسپی ہے اور جنہوں نے وہی تعلیم روحانی ذریعہ سے پائی ہے۔ حقیقت میں یہ بہت صحیح ہے۔

جس نے اس کا زخم کھایا ہے اسے معلوم ہے تیغ ابرو کی صفت گھائل سے پوچھا چاہئے

مولانا شہید جب فارغ التحصیل ہوئے تو لوگ آپ کے پاس پانے کیلئے آنے لگے اور اسی چھوٹی سی عمر میں سب نے آپ کو اپنا مقتدے تسلیم کرلیا۔

تقریر نہایت شستہ منجھی ہوئی تھی اور آپ ہر مطلب کو اس عمدگی سے بیان فرماتے تھے کہ لوگ ہونٹ چاٹتے ہی رہ جاتے تھے شاہ عبدالعزیز صاحب کی تقریر اور بیان مشہور انام تھا اور یہ بات تمام لوگوں میں مشہور تھی کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے وہ طرز بیان اختیار کی ہے ان کے وعظ سے ہر مذہب اور ملت کا شخص خوش ہوکے اٹھتا ہے۔ حقیقت میں یہ پولیسی عمدہ اور لائق ہے اور ہر شخص اس امر کی تعریف کرتا ہے لیکن مولانا شہید کی تقریر میں جو صفت تھی وہ عجیب تر اور غریب سحر سے بھری ہوئی تھی لوگ گھروں سے ارادہ کرکے جاتے تھے کہ مولانا کی مخالفت عین وعظ میں کریں گے لیکن وہاں سوائے خاموشی کے کسی کو یارا نہ ہوتا تھا سامعین میں سکوت سلطنت کرتا تھا کیا مقدور تھا کہ وعظ کے بیچ میں کوئی کسی کی طرف اشارہ بھی کرلے۔

مولانا شہید کے زمانہ میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ بالکل غارت ہوگیا تھا شرفا اپنے بچوں کو مکتبوں میں بھیجنا عیب خیال کرتے تھے اور شہزادے تو گویا دشمن تعلیم ہی مشہور تھے اس لئے تعلیم کا کوئی اسٹینڈرڈ معیار نہ تھا نہ کوئی ایسی ترتیب تھی جس کے موافق بچوں کو تعلیم دی جاتی۔

مگر مولانا شہید کے خاندان میں پہلے بچہ کو ریاضی پڑھایا کرتے تھے تاکہ اس کی طبیعت میں سلامت روی آجائے گو یہ طریقہ شہر میں اور کسی خاندان میں جاری نہ تھا لیکن شاہ عبدالعزیز

صاحب کے خاندان میں ابھی تک اس کی مضبوطی سے پابندی کی جاتی تھی۔

اس لحاظ سے ضرور ہوا کہ پہلے مولانا شہید بھی ریاضی پڑھیں چنانچہ انہیں اوّل اقلیدس کے اصول موضوعہ وعلوم متعارفہ پڑھائے گئے۔ اس وقت مولانا شہید کی عمر مشکل سے چھ یا ساڑھے چھ برس کی ہوگی مولانا شہید کی معصوم فطرت نے بہت جلد اقلیدس کے یہ لازمی اصول نقش دل کر لئے اور انہیں کچھ ایسی دلچسپی ہوئی کہ وہ کھیل کود میں بھی اصول اقلیدس کو کھپانے لگے۔ مولانا شہید کی معصوم طبیعت کا اس لاجواب دلچسپی سے پورا امتحان ہوگیا اور شاہ عبدالعزیز صاحب آپ کے چچا نے یہ سمجھ لیا کہ اسمعیل کی طبیعت میں اعتدال اور سلامت روی ہے اور اس کی ذات سے یہ مستبعد نہیں معلوم ہوتا کہ وہ ضرور جوانی میں ہر علم کے حاصل کرنے میں زیادہ سرگرم ہوگا اور اس کی لیاقت وقابلیت فخر خاندان خیال کی جائے گی۔

بہ تحقیق معلوم ہوا ہے کہ مولانا شہید نے ایک مہینہ کے عرصہ میں اقلیدس کے چار مقالے ازبر کرلئے طوطے کی طرح سے نہیں بلکہ ان سے نئی نئی شکلیں بھی حل کرنے لگے۔ ایک تو شاہ عبدالعزیز جیسا استاد اور دوسرے مولانا شہید جیسا ذہن۔ طباع۔ عالی دماغ بچہ پھر بھلا وہ سحر نما ترقی کیوں نہ کرے گا اور لاکھ دو لاکھ طلباء میں اپنے کو افضل کرکے کیوں نہ دکھائے گا۔

پانچواں مقالہ شروع کرانے سے پہلے ضرور تھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب حساب پڑھائیں تاکہ پانچواں چھٹا مقالہ جس سے اربعہ متناسبہ بنا ہے بخوبی سمجھ میں آسکے۔ حساب کے پورے قواعد مولانا شہید نے پندرہ دن میں ضبط کرلئے لیکن عملی ضبط کے لئے ابھی دو ڈھائی مہینے کی اور ضرورت تھی جو پیارے شہید نے نہایت سرگرمی سے اپنی معمولی محنت سے حاصل کیا اسی طرح جبر مقابلہ علم مثلث مساحت وغیرہ وغیرہ غرض ریاضی کی جتنی شاخیں تھیں سب واجب الاحترام شہید نے طے کرلیں اور اب ریاضی میں لاجواب ہوگیا۔

ریاضی کے بڑے بڑے مسائل واجب التعظیم شہید چٹکیوں میں سلجھا دیتا تھا اور لاکھوں روپیہ کی رقموں کا جوڑ صرف دو چار منٹ کے تامل سے فوراً بتا دیتا تھا۔

علاوہ اور بدعت وشرک کی آفتناک صورت کے ایک غضب عام مسلمانوں میں اور بھی ساری ہو رہا تھا اور وہ یہ تھا کہ سوائے تفسیر و حدیث وفقہ کے دوسرا علم پڑھنا حرام ہے پڑھنے والا شخص مردود ہے مثلاً تفسیر مدارک والے کا یہ قول ہے۔

علم دین فقہ است تفسیر و حدیث ہر کہ خواند بیش ازیں گردد خبیث

جہلا میں اس خیال کا بڑا اثر تھا اور انہوں نے صدہا روایتیں اس قسم کی بنالی تھیں کہ دنیاوی علوم مثلاً تواریخ وجغرافیہ ریاضی - طبقات الارض - ہیاۤت - کیمیا وغیرہ وغیرہ کفر ہے چنانچہ یہی خیال اب تک علماء کے گروہ کا چلا آتا ہے کل روایتوں میں مشہور روایت حضرت شاہ نظام الدین صاحب کی بیان کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ صدہا برس سے پہلے اسلام کا رنگ ہندوستان میں کیا تھا جو اپنا آبائی بت پرستی کا اثر لے کے آئے تھے اور انہوں نے اسلامی عقلی اور نقلی علوم میں مطلق ترقی نہ کی تھی بلکہ اپنی تیغ زنی کی دہن میں وہ رہا سہا جو کچھ دین کے علوم اپنے ساتھ لائے تھے کھو بیٹھے - شاہ نظام الدین صاحب اولیا (جیسا کہ ان کے جید مقلدوں میں مشہور ہے) ایک دن اپنے ایک مرید کے مکان پر تشریف لے گئے اس نے اپنے روحانی باپ کی اسی تعظیم اور تکریم سے خاطر کی جتنی کہ ایک حد سے زیادہ خوش اعتقاد مرید کو سزاوار ہونی چاہیئے کھانا کھانے کے بعد اولیا صاحب نے اپنے مرید کی تمام چیزیں دیکھنی شروع کیں اور بھی کئی مرید آپ کے ہمراہ تھے بڑی دیر کے بعد کتب خانہ دیکھنے کی باری آئی کتابیں دیکھتے دیکھتے کہیں ایک کتاب جس کی سنہری جلد بندھی ہوئی تھی اولیا صاحب کے ہاتھ میں آ گئی جونہی اس کتاب کا نام ورق الٹکے پڑھا تو آپ لال ہو گئے طیش اور غیظ کے شعلے آنکھوں سے بھڑکنے لگے غصہ سے ہاتھ پیروں میں رعشہ پڑ گیا اور منہ میں کف بھر آئے - یہ غیر معمولی حالت دیکھکر مریدوں کے ہوش اڑ گئے اور ہر مرید اپنے دل میں سخت شرمندہ اور مخوف ہوا کہ کہیں مجھ سے تو کوئی خطا سرزد نہیں ہو گئی جو پیر صاحب ایسے ناراض اور آزردہ خاطر ہو گئے یہ فانی اور قاتل خوف چند سیکنڈ مریدوں میں دورہ کرتا رہا بعدازاں اولیا صاحب اپنے میزبان مرید کی طرف طوفانی اور غضب خیز لہجہ میں یہ بولے "مجھے سخت رنج اور غصہ آیا اور کہا کہ تو نے اپنے کتب خانہ میں تفسیر کشاف[1] رکھتا ہے"! یہ کہہ کے اولیا صاحب خاموش ہو رہے اور کہا کہ ابھی اس کتاب کو ضائع کردو حکم کی دیر تھی وہ کتاب مع اور معقولی کتابوں کے ضائع کر دی گئی اور مریدوں نے توبہ کر لی کہ آئندہ کبھی اس نوعیت کی کتابوں کی طرف توجہ مبذول نہ کریں گے نہ کبھی انہیں ہاتھ لگائیں گے -

یہ خیالات تھے جنہوں نے مضبوطی سے مسلمانوں کے دلوں میں جڑ پکڑ لی تھی اور جس کا اثر

---

[1] تفسیر کشاف جار اللہ زمخشری کی تصنیف ہے جس کو معتزلی کہتے ہیں اس کی لاجواب نحوی تفسیر کا مطلب چونکہ کٹ ملانے نہیں سمجھ سکتے اس لیئے اس کو خواہ مخواہ بدنام کرتے ہیں - افسوس ہے کہ اتنے بڑے مصنف کی قدر مطلق نہیں کی جاتی اور اسکو معتزلی سمجھ کے علیحدگی اختیار کی ہے - معتزلی ہونا منافی علم ولیاقت نہیں ہو سکتا جار اللہ زمخشری ایک فاضل اجل عالم تھا ایسا عالم کہ جس پر اسلام ہمیشہ فخر کرے گا - منہ ۱۲

مگر قوی، شباب تک جب پیارے شہید نے تعلیم پانی شروع کی باقی تھا۔
شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان میں علوم نقلیہ کے ساتھ علوم عقلیہ کا بھی رواج تھا اور ملانوں کو بھی کچھ مساوات ہوگئی تھی وہ بھی اتنی غرفش نہ کرتے تھے گو انہیں ایسے علوم کی (اس لئے کہ انہیں نہ آتے تھے) تعلیم بُری لگتی تھی اور حتی الوسع وہ اپنے واعظوں میں لوگوں کو رد کیتے تھے کہ سوائے تفسیر وحدیث وفقہ مسلمان کو دوسری چیز پڑھنا حرام ہے۔
ان بیہودہ خیالات پر جس میں شہر دہلی کا ایک بہت بڑا حصہ پھنسا ہوا تھا پیارا شہید چھوٹی سی عمر میں لائق ریاضی دان بن گیا۔ اس کے بعد اس نے منطق وغیرہ کی کتابیں پڑھیں تو اریخ اور جغرافیہ کا بھی اس والا شان خاندان میں رواج تھا کیونکہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک قصیدہ میں سوڈان کا حال بیان کیا ہے اور اس ملک کی مشرح کیفیت ادا کردی ہے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب اعلیٰ درجہ کے جغرافیہ دان تھے اور یہ ہمیں تحقیق ہوا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب علم جغرافیہ اور تاریخ سے کامل ماہر تھے جس کی شہادت ان کی تصانیف دے رہی ہیں۔
مولانا شہید کی پرشوق نظریں علم دین پر زیادہ پڑ رہی تھیں اور آپ کو دینوی علوم سے اتنی دلچسپی نہ تھی گو آپ ان کی تحصیل اشد ضروری اور انسان کے لئے لابد خیال فرماتے تھے۔
اس زمانہ میں مختلف قسم کے جغرافیے[1] مسلمان مصنفوں کے درس میں داخل تھے اور وہی جغرافیے مولانا شہید نے پڑھے تھے ہمیں تحقیق ہوا ہے کہ مولانا شہید کی توجہ ہندوستان کے علم جغرافیہ

---

[1] جو جغرافیے کہ مسلمانوں کے درس میں جاری تھے۔ حسب ذیل ہیں۔ (۱) جغرافیائے مسعودی جس کو طلائی چراگاہ کے نام سے پکارا جاتا ہے فاضل مسعودی نے ۹۵۷ء میں وفات پائی دیوگاگنیس نے اس کتاب کا ترجمہ کیا اس کتاب یا طلائی چراگاہ میں یورپ ایشیا۔ افریقہ اور ہندوستان کا جغرافیائی حال بڑے شرح وبسط سے لکھا گیا ہے گو بعض باتیں کسی قدر موجودہ زمانہ میں اختلاف رکھتی ہیں لیکن پہلے اہل یورپ کو جس نے دنیا کا جغرافیہ سکھایا وہ طلائی چراگاہ کتاب ہے۔ مسعودی لکھتا ہے میں بصرہ سے کارواں کی سڑک سیدھا کنتن (چین میں) پہنچا اور خراساں تبت اور الستان ہوتا ہوا پھر عرب میں چلا آیا۔ دوسری کتاب المسالک پڑھائی جاتی تھی۔ اس لاجواب کتاب کا مصنف ابن قرطبہ تھا۔ ۹۱۲ء میں اس فاضل جغرافیہ داں کا انتقال ہوگیا اس نے علاوہ سڑکوں اور شہروں کے محاصل اور خراج تک تحریر کیے ہیں۔
تیسری جغرافیہ کی کتاب قانون المسعودی تھی جس کا فاضل مصنف مشہور سنسکرت دان البیرونی ہوا

کی طرف بہت مبذول رہی اور آپ اپنی طالب علمی کی حالت میں ہندوستان خصوصاً پنجاب کے جغرافیہ کو زیادہ دیکھا کرتے تھے اور آپ کے آئندہ ارادہ کے لئے گویا یہی جغرافیہ زیادہ مفید تھا۔

جغرافیہ اور تاریخ جو مسلمانوں کے ایجاد کردہ نہ سہی ایجاد کردہ علوم کے برابر ہیں اور جن کی اشرفیت اور فضیلت تمام علوم سے زیادہ تسلیم کی گئی اور علمائے کبار کا ہمیشہ یہی شعار رہا ہے کہ وہ جغرافیہ اور تاریخ میں زبردست قابلیت پیدا کریں مگر افسوس یہ ہے کہ ہندوستان سدا سے ان علوم کی طرف سے بدنصیب رہا ہے چنانچہ جب سر تھامس رو جہانگیر کے دربار میں آیا تو بقول (ویلر) اس نے دنیا کا ایک جغرافیائی نقشہ پیش کیا دربار میں اس نقشہ کی ذرا بھی وقعت نہیں ہوئی اور اس سے کہدیا گیا کہ ہندوستان میں یہ باتیں فضول گنی جاتی ہیں اس سے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہندوستانی

ہے جس نے شہزادہ مسعود کے نام جو خاندان غزنی کا تیسرا حکمران تھا یہ کتاب تصنیف کی تھی۔

چوتھی کتاب عجائبات فطرت وفنون اسی فاضل مصنف البیرونی کی تصنیف سے درس میں داخل تھی جس سے سیاحوں اور تاجروں کو بہت مدد پہنچتی تھی اور دنیا کا حال آئینہ کی طرح معلوم ہوتا تھا۔

پانچویں کتاب نہفت الابصار درس میں تھی جسے بارھویں صدی کے آغاز میں الشریف سہیلی نے بڑی جانفشانی اور لاکھوں روپیہ صرف کرنے کے بعد تصنیف کی تھی اور پھر اس کتاب کو راجر شاہ سہیلی کے نام پر کر دیا تھا جسکا فوراً لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور عیسائیوں نے مسلمانوں کی تحقیق و تفحص سے فائدہ اٹھایا۔

چھٹی کتاب شریف ادریسی مشہور و معروف جغرافیہ دان کی تھی ۱۱۵۴ء میں اس کتاب اشاعت تمام یورپ میں ہوگئی تھی اور ہر زبان میں اس بیش قیمت کتاب کا ترجمہ کیا گیا۔ ادریسی نے زمین کو حصوں اور طبقوں میں تقسیم کیا ہے اور نہایت ہی قیمتی اطلاعیں ہمیں دی ہیں انگریزی مصنفوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ادریسی نے بطلیمی کی پوری تتبع کی ہے۔ رہا یہ صحیح بات کے ساتھ ہم آہنگی کرنا کچھ منافی علم و تحقیق نہیں ہو سکتا اور جہاں موقع ہوا ہے وہاں اس نے مخالفت بھی کی ہے اور یہی ہر فاضل کی شان ہونی چاہئے کہ سچ کی تائید اور جھوٹ سے مخالفت کرے۔

ساتویں کتاب سب سے زیادہ نامور ابوالفدا جغرافیہ دان کی بھی درس میں شامل تھی پس یہی چند جغرافیہ کی کتابیں تھیں جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان میں عموماً پڑھائی جاتی تھیں گو عام طلبہ ان کتابوں سے نفرت کرتے تھے اور ان قیمتی علوم کو فضول جانتے تھے یوں تو مسلمانوں کی صدہا کتابیں صرف علم جغرافیہ میں تالیف سے موجود ہیں مگر یہاں صرف ان ہی کتابوں کا تذکرہ کیا گیا جو مولانا شہید کو پڑھائی گئی تھیں۔ اور ان کتابوں میں سے بعض بعض کتاب قلعہ کے کتب خانہ سے بوقت ضرورت منگائی جاتی تھی۔ ملانے چونکہ ان روشن علوم کے ہمیشہ سے دشمن رہے ہیں اس لئے انہوں نے غریب مسلمانوں میں سے ان ضروری اور شریف علوم کو ایسا مٹایا کہ اب بڑے سے بڑا لکھا پڑھا آدمی بھی ان کتابوں کا نام تک نہیں جانتا۔

مسلمان ہمیشہ سے ان قیمتی علوم سے بدنصیب رہے ہیں مگر یہ بات تعجب سے دیکھی جاتی ہے کہ ہندوستان میں (شاید اور کہیں بھی ہو) شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان میں ان علوم کی قیمتی کتابیں درس تدریس میں داخل تھیں اور اس والا شان خاندان کا بچہ بچہ ان مذکورۂ بالا علوم کا سرپرست سمجھنا چاہیئے۔

مولانا شہید جنہیں اوّل دن سے تعلیم دی گئی تھی سب سے زیادہ تواریخ سے دلچسپی رکھتے تھے اور چونکہ بغیر جغرافیہ جانے تاریخ فضول ہے اس لئے پیارے شہید نے علم جغرافیہ کے حاصل کرنے میں بھی سعی بلیغ کی اور یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ ہمارا واجب الاحترام شہید جغرافیہ میں کسی طرح قاصر نہ تھا۔

اس کے بعد یا اس تحصیل سے پہلے جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں مولانا صاحب نے منطق کی کتابیں پڑھیں کیونکہ اصول فقہ کے لئے منطق پڑھنا ضرور ہے۔

بظاہر یہ تعلیم اس آئندہ ارادہ کو جو پیارے شہید کے دماغ میں مثل بجلی کے کوندرہا تھا کچھ سہارا دینے والی نہ تھی پھر بھی یہ ضرور تھا کہ آئندہ اہم معاملات کو سلجھانا اور نئے نئے الجھیڑوں میں سے موشگافیاں کرنا قسمت ہو چکی تھیں اس لئے لازمی تھا کہ آپ کتب معقول کی تعلیم پا کے ان پر عبور حاصل کرتے۔

القصہ مولانا شہید نے اس زمانہ بے ترتیب میں اس عمدگی اور باقاعدگی سے تعلیم پائی اور اسے پانی کر لیا جو آئندہ آپ کے اور آپ کی جماعت کے کام آیا اور جس مبارک تعلیم نے اب تک اپنا شیریں اور مقدس اثر لاکھوں بندگان خدا پر ڈال رکھا ہے۔ یہ دیکھکر تعجب ہوگا کہ مولانا شہید نے کبھی کسی علم کے سیکھنے میں اور طلباء کی طرح سے محنت نہ کی بلکہ جو کچھ استاد کے آگے پڑھا اسے پھر الٹ کے گھر میں نہیں دیکھا اس ذہین اور چونچال اور تیز طبیعت پر بے اختیار تعریف کرنیکو جی چاہتا ہے ایسے طباع طلباء کئی صدی کے بعد پیدا ہوتے ہیں جن کو معمولی تعلیم آسمان فضل پر پہنچا دیتی ہے۔ ارسطو جیسا فاضل حکیم جب پڑھنے بیٹھتا تھا تو ایک لوہے کا گولہ ہاتھ میں رکھ لیتا تھا اور پلنگ کے نیچے جست کا طاش رکھ لیتا تھا کہ جہاں نیند آئی اور وہ گولا ہاتھ چھٹکے طاش میں گر پڑا اس کی آواز سے فوراً ارسطو بیدار ہو جاتا تھا اور پھر اپنا سبق یاد کرنے لگتا تھا۔ بعض شب اسے پوری محنت کرتے ہوئے گذر جاتی تھی۔ اور مہینوں ہوش نہ رہتا تھا کہ دن اور رات کہاں گذرتی ہے اس کے مقابلہ میں مولانا شہید کی بے پروائی یاد کرنے کی ایسی حیرت انگیز ہے کہ جس نے قوانین فطرت کا مطالعہ نہیں کیا وہ یکایک ان باتوں کو باور نہیں کر سکتا۔ مگر جو کھوپریوں کے علم اور بناوٹ سے آگاہی رکھتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ روز ازل ہی میں خاص خاص صفتیں خاص خاص نفوس میں ودیعت کی گئی ہیں۔ کروڑوں مر گئے اور روزمرہ مرے چلے جاتے ہیں لیکن ہر قوم میں جو ممتاز لوگ ہو گئے ان کا

ثانی کئی صدی میں بھی مشکل سے دیکھنے میں آیا مثلاً اسلام میں چار امام اور بڑے بڑے مفسر گذر گئے مگر فطرت نے انکے گذرنے کے بعد کسی کو یہ شان علمی نہیں بخشی نہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا سا کوئی پیدا ہوا نہ امام شافعی اور امام مالک حنبل کا ثانی دیکھنے میں آیا نہ حضرت امام بخاری جامع احادیث نبویہ جیسا حامی دین متین پھر زمانہ کو دوسرا پیدا کرنا نصیب ہوا اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ نہیں یہ قانون فطرت کے خلاف ہے کہ ایک کے مرنے کے بعد دوسرا ویسا پیدا ہی ہو تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ان کی سی مقبولیت نصیب نہ ہوئی یہ کچھ ضرور نہیں کہ قوم اسلام ہی میں یہ بات ہو نہیں بلکہ یورپ میں جو دن بدن ترقی کرتا جاتا ہے یہی کیفیت ہے پہلے شیکسپیر ہی کو لو جو ڈراما کی نظم کا بجائے خود ایک موجد ہے جوں جوں صدیاں گذرتی گئیں اس کی ڈرامیٹک نظم کو مقبولیت ہوتی گئی اور آخر ایسے زمانہ میں جب ترقی کا تنت ہے یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس قسم کی نظم کوئی نہیں لکھ سکتا۔ نہ ملٹن کی سی لاسٹ آف پیریڈائز کسی کو اب تک لکھنی نصیب ہوئی اہل ہنود میں آج تک کالیداس جیسا شاعر اور بیاس جیسا جامع وید کوئی پیدا ہوا نہ آئندہ پیدا ہونے کی امید ہے۔

گو ہر صدی میں ہر قوم میں بڑے بڑے طباع اور ذہین پیدا ہوئے ہیں مگر مقبولیت ایک دوسری چیز ہے جسے مولیٰ بنائے وہی مقبول انام بنتا ہے۔ حالانکہ یہ ہم مانتے ہیں ؎

نکوئے گر رود زین بحر نیکو تر شود پیدا   چو گیرد قطرۂ راہ عدم گوہر شود پیدا

یہ صحیح ہے خدا نے بھی قرآن مجید میں فرمایا ہے "ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے" یہ خدا ہی کی ودیعت تھی جو مولانا شہید کو عطا ہوئی تھی اور اس بخشش کے لائق بھی وہی برتر ذات مولانا شہید کی تھی جہاں تک ہمیں تحقیق ہوا ہم نے مولانا شہید کی تعلیم کی نسبت لکھدیا۔ اس کے بعد میں صرف یہ لکھ کر اس بات کو ختم کرتا ہوں کہ جو کچھ مولانا شہید نے حاصل کیا وہ چودہ یا پندرہ برس کی عمر تک اور بعد ازاں آپ فارغ التحصیل ہو گئے کچھ مولانا شہید ہی پر چودہ پندرہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہونا موقوف نہ تھا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب اور آپ کے والد ماجد بھی پندرہ ہی برس کی عمر میں تحصیل علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہو گئے تھے، اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ محمد اسحٰق صاحب غرض اس واجب الاحترام خاندان کے کل ممبر پندرہ یا چودہ ہی برس کی عمر میں پڑھ پڑھا کے فارغ ہو ہو گئے تھے۔ اس خاندان پر کیا مقرر ہے جتنے اسلام کے ارکان گذر گئے انہوں نے اتنی ہی عمر میں تحصیل سے فراغت پائی تھی۔

صرف ان ہی الفاظ پر ختم باب کرتا ہوں کہ ہر علم کی جتنی کتابیں درس میں شاہ عبدالعزیز صاحب کے ہاں مقرر تھیں وہ سب مولانا شہید کو ازبر ہو گئی تھیں اور آپ کی فرصت اور خوشی پر موقوف تھا کہ آپ اور غیر معمولی کتابیں مطالعہ کرتے رہیں۔

دوسرا باب

مولانا شہید کی ورزشیں

ہندی اسلامی سلطنت کی ملکی اور مذہبی قوت کے ضعف نے سپاہیانہ فنون کو بھی مسلمانوں میں کمزور کر دیا تھا۔ روزمرہ کی خونخوار جنگوں سے امن مل گئی تھی اور اب اسلامی تلوار مضبوطی سے میان میں دی گئی تھی اور پھر یہ عہد و پیمان تلوار اور میان میں ہو گیا تھا کہ باہم کبھی مفارقت نہ ہو گی۔

اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں جب ہمارے قاطع بدعت کا ظہور ہوا مسلمانوں کے اولوالعزم ارادے مع ان کے اسلامی جوش وخروش کے خیرباد ہو گئے تھے اور ان میں صرف عیش پرستی اور سستی رہ گئی تھی گھوڑے پر چڑھنا نیزہ بازی کرنا اور تلوار سے نیبو کا کاٹنا میخیں اکھیڑنا۔ گولی چلانا شیروں کے شکار کھیلنا غرض اسی قسم کے سپاہیانہ کھیل جو سابق کے مسلمانوں کا روزمرہ یا زیور تھے کبھی کے رفوچکر ہو گئے تھے اور ان کی جگہ تکیوں میں بھنگ گھوٹنے کے ڈنڈوں سے شب و روز سروکار تھا بایں ہمہ پھر بھی مغلیہ سلطنت کا اثر کچھ نہ کچھ مسلمانوں کی طبائع میں باقی تھا اور ان کے جوش کی ٹھنڈی راکھ میں کبھی نہ کبھی پہلی چنگاری اپنی چمک دی جاتی تھی۔

دہلی میں ہر محلہ میں ایک نہ ایک اکھاڑا موجود تھا جہاں علاوہ معمولی لڑنت کے پٹے بازی بنوٹ وغیرہ کی بھی مشق ہوتی تھی۔ مگر یہ نظارہ سخت تعجب خیز ہو گا کہ مسلمان شرفاء ان ورزشوں سے نفرت کرتے جاتے تھے اور ان کی طبائع ان ورزشوں سے جو انسانی زندگی کیلئے درحقیقت قیمتی ہیں ہٹتی جاتی تھیں اور یہ تمام سپاہیانہ فنون زیادہ تر نیچ قوم میں محدود ہوتے جاتے تھے۔ اس کی وجہ امراء اور شہزادوں کی آرام طلبی تھی ورنہ اور کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا مولانا شہید جب اپنی کتابی تحصیل سے فارغ ہوئے اور اب آپ کو پبلک لائف کے میدان میں پہلے قدم رکھنے کا موقع ہوا تو اپنے ارادوں کی تکمیل اور اپنے ربانی فرائض کی انجام دہی کیلئے پہلے ضرورت سپاہیانہ فنون میں تکمیل پیدا کرنے کے لاحق ہوئی مولانا شہید کی معاشرت گو مولویانہ طرز کی تھی پھر بھی آپ کی تیز تیز نظریں اس بے نظیر جرأت اور بے مثال دلیری کی طرف بلند ہو رہی تھی جو ایک زمانہ میں مسلمانوں کو خاص ودیعت ہوئی تھی اور جس سے مسلمان ہمیشہ نام آور اور نیک نام ہوتے چلے آئے ہیں۔ آپ کی پیدائش گو مولویانہ گروہ میں ہوئی تھی لیکن آپ میں خالد جیسے بے دھڑک شجاع کی روح اور موسیٰ فاتح اندلس جیسے بے خطر دلیر کی طبیعت اور طارق جیسے عظیم الشان جنرل کا اولوالعزم ارادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

ایسی نڈر طبیعت بے دھڑک دلیری اور بے خوف شجاعت نے فطری طور پر مولانا شہید کو ابھارا کہ وہ مولویت کے امن پسند اور سیدھے سادھے دائرہ سے اپنے آپکو نکالیں اور دنیا کے بڑے بڑے جنرلوں اور لڑاکوں میں شریک ہوں مولانا کسی امیر اور شہزادہ کی صحبت زیادہ پسند نہ کرتے تھے گو اپنے خیال میں امراء اور شہزادے اپنی زندگی پُر شان اور فوق البھڑک سمجھتے تھے لیکن مولانا ایسی حالت کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سوانح عمری پڑھی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول یاد تھا کہ میں کسریٰ اور قیصر کی سلطنت ایک ادنیٰ مسلمان کی خون کی بوند سے کم قیمت سمجھتا ہوں اپنے لاثانی اور فاتحاں ممالک پیشواؤں کے حالات نے مولانا شہید کو انکے ارادوں میں اور بھی زیادہ مضبوط اور اس دشوار گذار راہ میں جس کو وہ طے کرنا چاہتے تھے زیادہ استوار بنا دیا۔

پہلے مولانا شہید نے گھوڑے کی سواری میاں رحیم بخش[۱] چابک سوار سے سیکھی۔ اور گھوڑے کی سواری میں اتنی مشق بڑھائی کہ چاہے جیسا چلبلا اور منہ زور گھوڑا ہو پھر بھی بے زین در کاب اس پر سوار ہو کر دوڑا سکتے تھے گو آپ دبلے پتلے اور متوسط قد تھے لیکن بلند سے بلند گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہی بے رکیب بآسانی چڑھ جانا اور پھر اتر آنا یہ ایک معمولی بات ہو گئی تھی۔ رحیم بخش کہا کرتا تھا کہ میں نے اتنی عمر میں اتنا کمال گھوڑے کی سواری کا حاصل نہیں کیا اور مولانا تم نے چٹکیوں میں تمام ترکیبیں اڑالیں۔ یہ بات قابل نوٹ ہے۔ کہ مولانا چالیس چالیس میل کا چکر گھوڑے پر مار آتے تھے اور ذرا بھی تکان غالب نہ ہوتی تھی۔

جب گھوڑے کی سواری بخوبی آ گئی تو آپنے پٹے بازی مرزا رحمۃ اللہ بیگ[۲] سے سیکھی۔ چند روز میں پٹے بازی میں بھی کمال حاصل کر لیا پھر بنوٹ میں کمال حاصل کیا اس کے علاوہ جتنے مشرقی فنون

---

[۱] رحیم بخش ایک سن رسیدہ شخص تھا لارڈ لیک نے ۱۸۰۳ء میں دہلی فتح کی ہے تو اس کا باپ الٰہی بخش لارڈ موصوف کے گارڈ میں تھا۔ رحیم بخش پہلے بدعتی اور گور پرست تھا لیکن بعد ازاں مولانا شہید کے طفیل سے سچا محمدی ہو کر مولانا صاحب موصوف کے ساتھ پشاور کے گرد و نواح میں ایک خونخوار میدان میں سکھوں سے لڑ کر شہید ہوا اس کی عمر سو کے پیٹے میں تھی لیکن نوجوانوں کی سی اولوالعزم طبیعت رکھتا تھا۔

[۲] مرزا رحمۃ اللہ بیگ تقریباً کل شہزادوں کا استاد تھا اور اپنے ہنروں میں اپنا ثانی آپ ہی تھا اسکی تنخواہیں شہزادوں کے ہاں سے مقرر تھیں اور بڑے بڑے رئیس زادے اسکی خوشامد کرتے تھے مولانا صاحب نے اس سے درخواست کی کہ میں بھی کچھ سیکھنا چاہتا ہوں اس نے مسکرا کے کہا کہ آپ مجھے کیا دینگے آپنے فرمایا نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی قیمتی ہدایات سے تیرا سینہ منور کروں گا گو یہ ایک معمولی جواب فسوال تھا لیکن مرزا اتنا خوش ہوا کہ اس نے وہ داؤں پیچ بھی جو وہ کسی کو نہ بتاتا تھا مولانا شہید کو چند روز میں بتا دئے۔ ۱۲

اس وقت رائج تھے مولانا موصوف نے سب اس قدر درک پیدا کر لیا کہ اگر ضرورت ہو تو ان قیمتی ہنروں کو کام میں لا سکیں آپ کے والد اور چچا یہ دیکھ دیکھکر ہنستے تھے اور انہیں تعجب ہوتا تھا کہ ہمارے کنبہ کا بچہ سپاہیانہ روح کا پیدا ہوا ہے کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ ہونہار بچہ آئندہ کیا کرے گا اور اس کے پرزور بازوؤں سے کتنے کتنے دشوار گذار کام حل ہوں گے نہ مولانا خود واقف تھے کہ میرے ہی بازوؤں میں زور قضا چھپا ہوا ہے ایک پوشیدہ قوت تھی کہ وہ طبیعت کو گدگدا رہی تھی اور دل از خود شجاعانہ کاموں کی طرف جا رہا تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب جن کی مذہبی پولیسی دہلی اور ہندوستان پر عجیب غریب اثر ڈال رہی تھی اپنے بھتیجے اسمٰعیل کی ان حرکات پر جو مولویانہ معاشرت سے بعید تھیں سخت تعجب کرتے تھے گو آپ بنگاہ نفرت سے نہ دیکھتے تھے نہ کبھی اشارتاً آپ نے منع فرمایا پھر بھی آپ سمیت تمام کنبہ کی متعجبانہ نظریں مولانا کے ان قیمتی اعمال پر پڑتی تھیں جو آئندہ حصہ زندگی میں نہایت ہی ضروری ثابت ہوئے۔

مولانا نے مہینوں اکھاڑے میں جو اپنے ہی مکان کے پاس متصل چتلی قبر اور حویلی اعظم خان بنایا تھا لڑنت کی ہے۔ ایک دن آپ لڑنت کر رہے تھے کہ دو شہزادے جو مرزا رحمۃ اللہ بیگ کے شاگرد تھے آئے۔ گو انہیں شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان کا بڑا ادب تھا پھر بھی مولانا کی صورت دیکھ کے وہ مسکرائے ان کا مسکرانا حقارت انگیز تھا اور وہ یہ سمجھ کے ہنسے تھے کہ مولویوں کو ان سپاہیانہ فنون سے کیا علاقہ۔

مولانا نے ان کی حقارت انگیز ہنسی کو تاڑ لیا اور جب آپ لڑنت کر چلے تو شہزادوں کی طرف مخاطب ہو کر یہ فرمایا میں ان کی اولاد میں سے ہوں جنہوں نے ایسی ہی حالت سے دنیا بھر میں اسلام کی اشاعت کی اور اسلامی سلطنتیں قائم کر دیں اور آپ ان کی اولاد میں سے ہیں جنہوں نے اپنی آرام طلب فطرت کے صدقہ میں اسلامی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہزادے نہ تھے پانچ لاکھ عرب جو آپ کی ماتحتی میں کسریٰ و قیصر کی سلطنت میں کام کر رہے تھے لال قلعہ کے رہنے والے اور شہزادے نہ تھے جو کچھ انہوں نے کام کیا وہ بھی زمانہ کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے اور جو کچھ آپ کے بزرگوں کی آرام طلب روح نے کیا وہ بھی زمانہ نہیں بھولا ہے صاحب عالم کوئی ہنر اور علم کسی کا خاص حصہ نہیں ہے اللہ اسی کو اپنی ودیعت سونپتا ہے جو اس کے قابل ہوتا ہے۔

مولانا صاحب کی یہ دھیمی اور سنجیدہ وزنی تقریر دونوں شہزادوں کے دل میں گھر کر گئی اور وہ

اپنی بیہودہ ہنسی سے نہایت ہی پشیمان ہوئے اور انہوں نے مولٰنا صاحب سے معافی مانگی۔ اس پر بھی مولٰنا صاحب نے ان سے دو دو ہاتھ کرنے چاہے بڑے انکار کے بعد وہ راضی ہوئے ان شہزادوں کی مشقیں بہ نسبت مولٰنا کے زیادہ پُرانی تھیں لیکن دو تین ہی ہاتھوں میں انہیں معلوم ہو گیا کہ جس ملازادہ پر ہم ہنستے تھے وہ سپاہیانہ فنوں میں ہم سے بدرجہا بڑھا ہُوا ہے۔ مولٰنا کی ذہین طبیعت جیسی علم کی طرف رہنما تھی ایسے ہی فنوں کی طرف بھی مددگارانہ رہبری کرتی تھی گولی لگانے میں مولٰنا نے اتنی مشق بڑھائی تھی کہ درخت پر سے چھوٹے چھوٹے جانوروں کو گولی سے گرادیا کرتے تھے۔ ایک دن شکار میں مولٰنا نے فخراً بیان کیا کہ یہ ناممکن ہے جانور میرے سامنے آئے اور پھر زندہ نکل جائے ایک ساتھی نے ہنس کے کہا اگر اس کی موت ہی نہ ہو تو آپ کیونکر اسے مار سکتے ہیں مولٰنا نے جواب دیا جب اس کی موت نہ ہوگی تو میرے سامنے آنے ہی کا نہیں۔ یہ برجستہ جوابی اکثر موقع پر سامعین کو حیرت و استعجاب میں ڈالتی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ (جب پانچ برس کی عمر تھی) اپنے ملازم کی گود میں جا رہے تھے کبھی اس کی انگلی پکڑ کے چلتے اور کبھی وہ گود میں لے لیتا غالباً باغ تھا یا کوئی سبزہ زار تھا کہ ایک شخص پانچ چھ کتے لئے ہوئے نکلا یہ کتے والا شخص مسلمان تھا اور اکثر کتوں کا شائق تھا۔ اس نے قریب آکے مولٰنا کے ملازم سے دریافت کیا کہ یہ کس کے صاحبزادے ہیں دریافت کرنے کے بعد وہ باتیں کرنے لگا پھر مولانا نے اس سے اپنی بھولی بھالی بولی میں کہا تم نے کتے کیوں پال رکھے ہیں مسلمان کتے نہیں پالتے اس نے کہا میاں کچھ بُرا ہے مولٰنا نے کہا رحمت کے فرشتے نہیں آتے جہاں کتے پلے ہوئے ہوں۔ اس نے مسکرا کے جواب دیا میں نے اسی لئے کتے پالے ہیں کہ فرشتے نہ آویں کیونکہ جب فرشتوں کی آمد و رفت بند ہو جائے گی تو پھر مجھے اپنی موت کا خوف نہ رہے گا مولانا نے جواب دیا کہ جو فرشتے تیرے کتوں کی روح قبض کرنے آئیں گے وہی تیری بھی قبض کریں گے غرض تو فرشتوں کی دستبرد سے نہیں بچ سکتا یہ سن کر وہ شخص ازحد خوش ہُوا اور مولٰنا کی خداداد ذکاوت کی تعریف کی۔

جب مولٰنا کل ضروری سپاہیانہ فنون کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو آپ نے تیرنا سیکھا۔ ہمیں یہ معلوم ہُوا ہے کہ آپ تین تین دن تک دریا میں پڑے رہتے تھے اس زمانہ میں طلباء کو سبق بھی برابر دیا جاتا تھا وقت معینہ پر جب طلباء جمع ہو جاتے تھے تو کنارہ پر آکے سبق پڑھا دیا کرتے تھے بعض روایتوں کے بموجب تین برس اور بعض اقوال کے بموجب چار برس کامل مولٰنا پانی میں رہے ہیں۔

اس کثرت سے پانی میں رہنے سے آپ کو جل مانس کا لقب دلوا دیا تھا۔ ہمارا مؤرخ ہمیں رپورٹ کرتا ہے کہ مولٰنا دریائے جمن کی راہ سے دہلی سے آگرہ اور آگرہ سے دہلی کئی کئی بار آئے اور خدا نے ہمیشہ آبی خوفناک جانوروں سے پناہ دی۔

آپ کو ہرگز یہ عادت نہ تھی کہ آپ اپنا کمال کسی کو دکھائیں اور واہ واہ کے محتاج ہوں یا کسی کی داد کی خواہش ہو بلکہ جن غرضوں سے فنون حاصل کئے جاتے تھے وہ ابھی دل ہی میں مضمر تھے اور کسی پر بھی اس کا ظہور نہ ہوا تھا اس پر بھی کئی نامی پیراکوں نے مولٰنا سے تیرنے میں بحث کی لیکن وہ بر سر نہ آسکے۔

یہ لکھنا سخت تعجب انگیز اور بھی ہو گا کہ مولٰنا اپنا شب کا کھانا بھی دریائے جمن کے کنارہ پر کھایا کرتے تھے اس عرصہ میں آندھیاں بھی آئیں تند و تیز ہوائیں بھی چلیں مینہ بھی برسا۔ کڑ کڑاتا جاڑا بھی پڑا جہاوٹوں نے بھی اپنا زور پورا دکھایا۔ دریا بھی خوب خوب چڑھا لیکن ان تمام فطرتی قوتوں نے مولٰنا کے عالی ہمم ارادوں اور اولوالعزمانہ عزم بالجزم میں ذرا بھی خامی پیدا نہیں کی۔

مولٰنا کی عمر تقریباً ۱۲ برس کی ہوگی کہ تمام ضروری فنون جنگی آپ کو بخوبی آگئے تھے اور آپ جنگ کے وقت ہر فن کو عمل میں لا سکتے تھے گو جنگ کا تجربہ مطلق نہ تھا لیکن وہ مادہ بخوبی موجود تھا جو تجربہ حاصل ہونے کا کافی معاون بن سکتا۔ جنگ کے اُتار چڑھاؤ اور جنگ کے داؤں پیچ اس میں شک نہیں بغیر مدت کے تجربہ کے نہیں آسکتے لیکن یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے مولٰنا نے اپنے کو اس قابل بنا لیا تھا کہ اگر اوّل ہی اوّل جنگ کا موقع ہو تو کوئی جنگجو مولٰنا کو فنون جنگ سے محض نابلد نہ سمجھے گا۔

جب مولٰنا نے تیراکی بھی سیکھ لی تو اب چند باتیں اور بھی باقی رہ گئی تھیں جن کو مولانا حاصل کرنا چاہتے تھے اور ان باتوں میں کسی کی استادی اور تعلیم کی بھی ضرورت نہ تھی یعنی پاپیادہ دوڑنا اور ایک

؎ دہلی میں اس زمانہ میں بڑے بڑے تیراک تھے جو اپنے کو جہاں سے افضل خاص اس فن تیراکی میں سمجھتے تھے مگر سب سے زیادہ ایک بھٹیارہ کی شہرت تھی جس کو شیخ سدو کہتے تھے اور اسی نام سے وہ زیادہ مشہور تھا گو اس کا اصلی نام کچھ اور تھا جسکا ہمیں پتہ نہیں لگا ہے لیکن وہ مشہور شیخ سدو کے نام سے تھا اس نے تیراکی میں یہ کمال پیدا کیا تھا کہ آلتی پالتی مارکے پانی کے سطح پر بیٹھ جاتا ایک زانو پر اپنا دزنی حقہ رکھ لیتا اور دوسرے زانو پر اپنے کسی کو بیٹھا لیا کرتا اور اس ہیبت کذائی سے دریا میں تیرتا ہوا چلا جاتا۔ واقعی یہ بات بہت مشکل تھی اسی سے اس کی تعریف ہوتی تھی اور دور دور کے تیراک شیخ سدو کی نہر کی بانگی دیکھنے کیلئے شہروں سے آتے تھے۔ اس نے ایکدن مولٰنا سے کہا ابھی آپ نے کچھ بھی تیراکی میں حاصل نہیں کیا ہے آپ فخر نہ کریں کہ مجھے کچھ آتا ہے مولٰنا نے جواب دیا نہ میں تیراکی کی روٹی کھاتا ہوں نہ تماشہ دکھاتا ہوں اس نے پھر سوال کیا آخر آپ کو اتنی محنت سے حاصل کیا ہوا آپ نے جواب دیا حاصل کچھ بھی

سانس آٹھ آٹھ دس دس میل چلے جانا پہلے مولٰنا نے پاپیادہ دوڑنا شروع کیا چونکہ آپ متقی اور مجرد تھے اور آپ کی روحانی قوت جسمانی قوت سے بڑھی ہوئی تھی اس لئے آپ ہمیشہ اپنی بساط سے زیادہ دشوار کام کرتے لیکن تکان غالب نہ ہوتی۔

چند مہینوں کی محنت اور مشق سے مولٰنا نے دوڑنے میں یہ درک پیدا کر لی کہ ایک سانس دس دس گیارہ گیارہ میل چلے جائیں اور تکان غالب نہ ہو۔

اس کے بعد ایکدوسری مشق مولٰنا نے اور بڑھائی یعنی جھلستی ہوئی دھوپ اور تپتی ہوئی سڑک پر آہستہ آہستہ برہنہ پا چلیں پہلے پہل تو آپ کے تلووں میں پھپھولے پڑ پڑ گئے لیکن بعد ازاں ایسی عادت پڑ گئی تھی کہ آپ جامع مسجد کے سرخ پتھر کے فرش پر (صحن میں) گھنٹوں آہستہ آہستہ گرمیوں میں ٹہلتے تھے اور ذرا بھی جلتی ہوئی زمین اور جان و تن کے جھلسا دینے والے روشن آفتاب کی آتش خیز کرنوں سے مضرت نہ پہنچتی تھی مولٰنا کی یہ غیر معمولی حالت دیکھکے کوئی آپ کو مجنون کہتا تھا اور کوئی کہتا تھا کہ کسی نے کوئی وظیفہ بتایا ہے وہ آپ پڑھتے ہیں لیکن دراصل ان میں سے کوئی بات بھی نہ تھی اور کوئی شخص اس غیر معمولی سختی کی برداشت کرنے کی کُنہہ کو نہیں پہنچ سکتا تھا؛

ہمیں اس بات کی اطلاع ملی ہے کہ مولانا دن بھر دھوپ میں ٹہلا کرتے تھے اور درد سر بھی آپکو نہ ہوتا تھا ایک شخص نے آپسے ایک دن دریافت کیا کہ آپ اپنی جان پر اتنی مصیبت کیوں توڑتے ہیں جبکہ قرآن شریف میں یہ حکم ہے اپنے نفوس کو تکلیف نہ دو مگر جہانتک انکی وسعت ہو آپنے فرمایا میں اپنے نفس پر اسی قدر محنت کا بوجھ ڈالتا ہوں جتنا وہ برداشت کر سکتا ہے پھر اس نے یہ جاہلانہ اور ناواقفیت کا سوال کیا آخر اسقدر سختی اٹھانے اور اپنی جان شیریں ہلاکت میں ڈالنے سے کیا نتیجہ ہے آپنے مسکرا کر جواب دیا کہ میں انسانی قوتوں کا جو خدا کیطرف سے ودیعت ہوئی ہیں فطری قوتوں سے مقابلہ کر کے اندازہ کرتا ہوں آیا انسان بحیثیت اپنی اشرفیت کے سب پر غالب آسکتا ہے تو میں نے اسکا تجربہ کر لیا کہ ہاں انسان اگر چاہے تو اسے خاک، باد آب، آتش مضرت نہیں پہونچا سکتی۔

نہیں صرف اتنا ہوا ہے کہ میں اپنے زبردست سے زبردست مخالفت سے پانی میں مغلوب نہیں ہو سکتا یہ سن کر وہ ہنسا اور اس نے آپ کے حاصل جواب کو حقارت سے سنا۔ سنا جاتا ہے کہ شب کو دونو کی بحث ٹھہری کیونکہ مولٰنا دن کو اس کے ساتھ آپ بازی کر کے عوام الناس کو تماشہ دکھانا نہ چاہتے تھے شب کو مقابلہ ہوا تو مولٰنا نے اس کو آگے رکھ لیا اور اس قدر غوطے دے کہ وہ بول اُٹھا۔ یہاں تک کہ اس کی تاب و توان نے جواب دے دیا اور آخر مولٰنا نے اس خیال سے کہ یہ مر نہ جائے اسے ادھمؤا کنارہ پر اٹھا کے ڈال دیا۔ مولانا میں بڑا ہنر تیراکی کا یہ تھا کہ آپ پچیس پچیس بانس پانی میں رہا کرتے تھے اور سانس نہ چڑھتا تھا۔

مولانا کا یہ جواب ایسا حکیمانہ تھا جس سے فطرت اللہ کا اصلی منشا ظاہر ہوتا تھا اور یہ کھلتا تھا کہ آپ نے انسانی قوتوں کے اندازہ کرنے کا کیا سہل اور آسان رستہ نکالا تھا۔

جب انہیں بھی آپکو پورا ملکہ ہو گیا تو اب آپنے بھوکا اور پیاسا رہنا شروع کیا لیکن اس بھوکے پیاسے رہنے میں اپنے فرائض کی انجام دہی میں کچھ فرق نہ آتا تھا اور کسی طرح آپ سست نہ ہوتے۔ شدہ شدہ آپ نے اتنی مشق بڑہائی کہ اگر تین چار روز تک کھانے کو نہ ملے تو آپ بے تاب و تواں ہو کے بیکار نہ ہو جائیں۔ یہ معتبر ذریعہ سے سُنا گیا ہے کہ آپ تین دن کامل گرمیوں کے دنوں میں بے پانی رہ سکتے تھے اور کسی قسم کی افسردگی واقع نہ ہوتی تھی۔ گو لب خشک ہو جاتے تھے اور حلق سُوکھ جاتا تھا مگر اسپر بھی اپنی معمولی کڑاکے کی آواز میں وعظ کہنے سے نہ رُکتے تھے اور اسی طرح محنت کرتے تھے۔

کڑکتے جاڑوں میں آپنے اپنے کو برہنہ رہنے کا اکثر عادی بنایا تھا۔ لوگ جاڑے میں لحافوں میں گھسے پڑے رہتے اور آپ اکہرے کپڑوں سے اپنے مکان کی چھت پر ٹہلتے رہتے تھے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ بغیر مدتوں کی مشق کے آپ میں جاڑے میں برہنہ پھرنے کی قدرت ہو گئی تھی نہیں ہر مشق بتدریج بڑہائی تھی اور یہ ثابت کر کے دکھا دیا تھا کہ انسان فطرت کی ہر قوت پر غالب آسکتا ہے۔

کم سونے میں بھی مولانا نے کمال حاصل کیا تھا اور ہمارے سوانح کا ناظر تعجب سے سنیگا کہ مولانا آٹھ آٹھ دس دس دن تک نہ سوتے تھے اور آپنے آخر میں اتنی قوت بڑہالی تھی کہ جب چاہیں سو رہیں اور جب چاہیں جاگ اُٹھیں اور ہمیں معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ اسمیں ایک منٹ کا بھی عرصہ نہ ہوتا تھا مثلاً ابھی پُورے دس بجے ہیں اور سُوئی پُورے دس پر پہونچگئی اور مولانا سونا چاہتے ہیں تو نصف منٹ آپکو نیند کے رستہ دیکھتے میں لگیگا۔ یا آپ شب کے دو بجے جاگنا چاہتے ہیں تو یہ ناممکن ہے کہ دو پر نصف منٹ زیادہ گذر جائے یا دو میں نصف منٹ کم رہے جب آنکھ کُھل جائے جب مشق پوری بڑھگئی تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اپنے ارادہ میں مولانا نیل ہوئے ہوں۔

جب یہ تمام قوتیں کم و بیش مولانا کے قبضہ میں آگئیں تو آپنے زیادہ دیر وعظ کہنے کی عادت بڑہائی اور ہمیں معلوم ہوا ہے (بشرطیکہ وہ صحیح ہو) کہ بعض اوقات مولانا کو سید احمد صاحب کی ہمراہی میں ایک ہی دن میں تین تین چار چار بار وعظ کہنے کا دو دو تین تین گھنٹے اتفاق ہوتا تھا لیکن یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپکی آواز بیٹھ گئی ہو اور حلق سے آواز نہ نکلتی ہو یا وعظ کہنے میں پانی پینے کی ضرورت ہوتی ہوئے۔

غرض تمام ضروری و ورزشیں جو آئندہ ارادوں میں جان ڈالنے والی تھیں مولانا کے چند سال میں انمیں کمال پیدا کر لیا اور اب آپ چاق چوبند ہو گئے اور اپنے فرائض کی انجام دہی میں پہلا قدم رکھنے کا قصد ظاہر فرمایا۔

مولانا خوب جانتے تھے کہ روحانی قوت کا اُبھار اور اُسکی پائداری جسمانی قوت باقی رہنے سے متصور ہے

اسی سے کل مذہبوں میں اسلام کو فخر ہے کہ اس نے جسمانی قوت کیساتھ روحانی قوت کے بڑھانے کی ہدایت کی ہے اور دین کیساتھ دنیا کا پاس و لحاظ رکھنے کیلئے بھی فرمایا ہے۔

(۳) تیسرا باب

مولٰنا شہید کا پہلا وعظ اور عوام الناس کی شورش

رمضان المبارک گذر چکا ہے اور الوداع کا دن ہے ہزاروں مسلمان ہر طبقہ اور گروہ کے الوداع کی نماز پڑھنے کیلئے جامع مسجد میں جمع ہیں بڑے بڑے واعظ اور مولوی بھی اپنے معتقدوں اور مقتدیوں کیساتھ بیٹھے ہیں حوض پر فوارے چھوڑے جا رہے ہیں اور سودے والے بھی خوانچے لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ غرض عجیب لطف آرہا ہے ساتھ ہی اس غل وشور اور کشمکش کے یہ بھی چرچا ہو رہا ہے کہ مولٰنا اسمٰعیل صاحب وعظ فرمائینگے عوام الناس کو چنداں اسکا خیال نہیں ہے لیکن لکھے پڑھوں کے گروہ میں ایک تحریک سی پھیل رہی ہے اور ہر شخص یہ کہتا ہے دیکھئے مولانا صاحب کیا فرماتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب بھی خاموشی سے اس افواہ کو سن رہے ہیں لیکن کچھ نہیں کہتے طلبہ کا جمگھٹا اور انکی بحثم بحثا عجیب دلچسپی دکھا رہی ہے۔ ہر طالبعلم اپنے خیال میں افلاطون اور ارسطو کا قبلہ گاہ بن رہا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ مولوی اسمٰعیل کو ایک بات میں بند کردونگا۔ مولٰنا شہید نے گو پہلے یوں کھلم کھلا وعظ نہ فرمایا تھا لیکن انکے خیالات کی کچھ سن گن لوگوں کے کانوں میں پہونچ گئی تھی اور پہلے اسکے کہ وہ اپنے خیالات پبلک میں ظاہر کریں عام مسلمان خصوصاً مولٰنا فضل حق صاحب اپنی منطق اور فلسفہ کے نشہ میں سرشار بے پروایانہ وضع میں بیٹھے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولٰنا موصوف کو مولوی اسمٰعیل صاحب جیسے عالم کی کچھ پروا نہیں ہے۔

ایک طرف کا تو یہ رنگ ہے اور دوسری طرف صوفیوں کا گروہ جلوہ افزا ہے انہیں بھی مولٰنا شہید کے وعظ کا چرچا ہو رہا ہے ہر صوفی سو پچاس مرید (رنگین کپڑے زیب تن) اپنے ساتھ رکھتا ہے جو اسکے ساتھ اس ادب سے چلتے ہیں جسکی نظیر پہلے اسلامیوں میں بہت کم نظر آتی ہے۔

مولانا اسمٰعیل صاحب عاجزانہ صورت بنائے پہلی صف میں خاموش بیٹھے ہیں انہیں کسی کی کانا پھوسی کی پڑا ہے اور نہ کسی کی گپ شپ کا خیال ہے اور سہی میں آپ مستغرق ہیں نہ کوئی مرید ساتھ ہے نہ مقتدی پیچھے بیٹھا ہوا ہے نہ معتقد ہمراہی میں ہے۔ تنہا ہیں لیکن اپنے ساتھ قہار سلطان کو جسکو یہاں سجدہ کرنے آئے ہیں دل کی پوری عاملانہ قوت سے سمجھتے ہیں یہی آپکا مایۂ فخر ہے اور یہی آپکا ایمان اور دین ہے۔

ادھر نماز ہو چکی اور ادھر مولانا شہید دلیرانہ بیچ کے در میں آکھڑے ہوئے۔ آپکو دیکھتے ہی غول کے غول آآکر جمع ہونے لگے اور ہر طبقہ اور درجہ کے آدمی جنمیں طلبہ علمائیں وغیرہ سب تھے آکے جمع ہو گئے اور ہر شخص ہمہ تن گوش ہو کے مولٰنا

شہید کا پہلا وعظ سُننے کا شائق بنگیا۔

جب کثرت سے لوگ جمع ہوئے اور مولٰنا شہید نے اس کثرت سے مسلمانوں کو جمع اور اپنے وعظ کا شائق پایا تو پہلے کڑاکے کی آواز میں یہ پڑھا: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ لَہُ الۡمُلۡکُ وَلَہُ الۡحَمۡدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے وہ اکیلا ہے کوئی اسکا شریک نہیں ہے اُسی کو سلطنت ہے اور اُسی کو تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے مولٰنا شہید نے اس خوش لہجگی اور کڑاکے کی آواز میں کہا کہ سامعین کے دل پر ایک چوٹ لگی اور سب کے دل کانپ گئے اور کثرت سے مسلمان بے اختیاری کی حالت میں اس شدت سے روئے کہ بعض آوازیں رونے کی خاموشی میں بلند ہوگئیں اور خاموشی کی پرامن سلطنت میں رخنہ پڑگیا اس کے بعد دوبارہ اسی کڑاکے کی آواز میں یہی پڑھا پھر اسیطرح سامعین کے کلیجے ہل گئے اور اب ہر شخص اور بھی زیادہ وعظ سُننے کا شائق دکھائی دینے لگا پھر مولانا صاحب نے یہ فرمایا[۱] مسلمانو! تم جانتے ہو دنیا میں جس نبیؐ نے وحدت پرستی کا پُرزور اعلان دیا وہ ہمارا آخرالزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوا ہے۔ گو کل نبی خاص وحدت پرستی پھیلانے کیلئے مبعوث ہوئے تھے لیکن سب سے زیادہ ہمارے فخر انبیاء مفخر موجودات ہی کو یہ شرف ملا ہے کہ آپکا ایسی حالت میں کہ جدھر نظر جاتی تھی سوائے بُت پرستی کے رواج اور بُت پرستوں کے زور شور کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا اور ہر شخص انتہادرجہ بُت پرستی میں غلو رکھتا تھا اور ہزاروں کوس خدا پرست کا پتہ بھی نہ تھا۔ مخالفانہ نظریں وہ بھی شدت اور غضب کے ساتھ نبیؐ پر پڑ رہی تھیں اور ایک متنفس بھی خدا پرستی کی تصدیق کرنیوالا نہ تھا اس نفرت انگیز دائرۂ بت پرستی میں دلیرانہ یہ فرمانا کہ خدا ایک ہے کوئی اسکا شریک نہیں۔ تمام دیوی اور دیوتا محض نکمے اور بیکار ہیں نہ صرف مسلمانوں ہی کا بلکہ تمام عالم کا حد سے زیادہ مایۂ افتخار ہے کلام اللہ کو اوّل سے آخر تک دیکھ جاؤ جسقدر توحید پرستی پر زور دیا ہے وہ اور کسی الہامی کتاب میں کم ملیگا۔ قرآن مجید میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ اس قدر کھلا ہوا اور روشن ہے کہ ہر مسلمان بشرطیکہ اسلام اور ہادیٔ اسلام سے اسے محبت ہو، بخوبی سمجھ سکتا ہے تمام خدا پرستی کے منازل اور راہیں اسقدر صاف ہیں جتنی ممکن ہوسکتی ہیں نادان سے نادان شخص

۱؎ ہمیں افسوس ہے کہ ہم شاہ صاحب کا وعظ بلفظہٖ نقل نہیں کر سکتے اسلئے کہ جو کاغذات منشی ہیرالال کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ملے ہیں وہ علاوہ پارہ پارہ ہونے کے ایسے بدخط لکھے ہوئے ہیں کہ ہم بلفظہٖ نقل کرنیکا فخر حاصل نہ کر سکے ہاں یہ خوشی کی بات ہے، ہم نے مولٰنا شہید کے خیالات کا اس پریشان تحریر سے اقتباس کر لیا اور اسے اپنی طرز پر ادا کر دیا لیکن ناظر کے اطمینان کیلئے یہ لکھدینا کافی ہے کہ ہم نے بالکل اپنی عبارتیں مولٰنا شہید کے بکھرے ہوئے خیالات ادا کر دیئے ہیں اور جگہ بجگہ وہ آیتیں و حدیثیں نقل کر دی ہیں جو وعظ کے پریشان کاغذوں میں ہم نے لکھی دیکھیں۔ بایںہمہ ہم فخر سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو عبارتیں ہمیں صحیح وسالم ملی وہ ہم نے بجنسہٖ درج کر دی۔ اس عبارتیں ہم نے احتیاطاً دستبرد نہیں کی گو ہمیں اس میں دست اندازی کرنیکا حق حاصل ہے اسلئے کہ وہ مولٰنا شہید کے قلم کی لکھی ہوئی نہیں ہے پھر بھی ہم نے اس خیال سے کہ اس عبارتیں بہت سے الفاظ اور فقرے مولانا شہید کے ہونگے بلفظہٖ درج کر دی ہے گو بعض مقام سے عبارت کی سخت بے ربطی نے ہماری اس خواہش کو بھی پورا نہ ہونے دیا۔ بہرحال مولانا شہید کا پورا اسلامی جوش اس عبارت سے اندازہ کریگا۔ جن احادیث کو مولانا نے اپنے وعظ میں فرمایا ہے میں نے تلاش کر کے کہ اس کا راوی کون ہے حاشیہ پر ہر حدیث کے ساتھ لکھدیا ہے ۱۲

بھی اس سے اسی قدر مستفیض ہو سکتا ہے جتنا ایک عاقل شخص۔ جس مطلب کو صاف طور پر خداوند تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بیان فرما دیا ہے اور اس سے کوئی منکر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے: وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ۔ اور بیشک ہم نے تیری طرف کھلی باتیں اتاریں اور منکر ان سے وہی ہوتے ہیں جو لوگ بے حکم ہیں۔" یہ بدیہی طور پر ثابت ہو گیا کہ خالق ارض و سما نے ایسی کھلی باتیں اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے اتاریں کہ ہر فرد بشر اُن سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے ہاں صرف ایسے لوگ منکر ہو سکتے ہیں جو بے حکم ہیں اپنی خدا کے کھلے حکموں کو نہیں مانتے اور اپنے بیجا تمرد اور ناروا سرکشی کے نشہ میں ان روشن احکام سے روگردانی کرتے ہیں۔

یہ خوب سمجھ لو جو کتاب تمہاری ہدایت کیلئے بذریعہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم بھیجی گئی وہ ضرور ایسی ہونی چاہئے جسے بلا تکلیف تم سمجھ سکو اور اس سے تمہیں بخوبی ہدایت ہو۔ خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ (اللہ ایسا ہے جس نے انہیں ایک رسول کھڑا کیا کہ اسکی آیتیں اُن پر پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور عقل کی باتیں سکھاتا ہے اور بیشک وہ پہلے سے گمراہی صریح میں تھے)

آپ بخوبی سمجھ گئے ہونگے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ناپاکوں کو پاک کرنے اور جاہلوں کو عالم بنانے اور نادانوں کو عاقل بنانے اور احمقوں کو دانا اور سمجھدار بنانے کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ آپ نے اُن اَن پڑھوں کو عقل کی باتیں سکھائیں اور انہیں جہان سے افضل بنا دیا اور ایسی کتاب کا سبق دیا جو انکی روحانی اور جسمانی پاکی کی ایک کامل مددگار اور معاون بنی اور انہیں تمام اُن ناپاک آلائشوں اور منغض بیہودگیوں سے پاک کر دیا جنمیں وہ صدہا برس سے پھنسے ہوئے تھے وہ غلیظ اور قابلِ نفرت عادتیں جو انکی گھٹی میں پڑی ہوئی تھیں اور جن ناقابل بیان خباثتیں میں وہ ایک زمانہ مدید سے پھنسے ہوئے تھے انہیں اس طرح پاک کر دیا کہ وہ دوبارہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور پھر اُنکے ایسے نتھرے ہوئے خیالات ہوئے جن پر آج اسلامی عالم ناز کرتا ہے۔

آپ جانتے ہونگے کس وجہ سے انہیں جہان کی بُرائیاں آ گئی تھیں اور کس زبون اور زشت خصلت نے انکی پاکیزہ اور بیگناہ فطرت کو طہارت سے دُور کر دیا تھا وہ صرف بُت پرستی شرک اور خدا سے دُوری تھی جس نے انہیں برباد کر کے ہلاکت کے کنارہ تک پہونچا دیا تھا۔

انھوں نے اپنے سچے خالق کی قوتوں کو تقسیم کر دیا تھا اور اسکی عظیم الشان اور غیر قابل تقسیم قوت کے حصے کر کے اپنے ہاتھ کے گھڑے ہوئے بُتوں اور سنگی دیویوں میں بانٹ دیئے تھے وہ اپنی دیویوں اور بُتوں کو جنہیں سجدے کرتے تھے بادلوں اور ہواؤں پر حکمران چاند سورج پر قادر خیال کرتے تھے وہ عقل کے دشمن جانتے تھے ہمارے ہی ہاتھ کے گھڑے ہوئے بُت ہماری مشکلکشائی کرینگے بعضوں نے چاند سورج کو اپنا معبود بنا لیا تھا اور انہیں کے

آگے سجدے کرتے تھے۔ انسانی نیکی اور اشرفیت کو مٹانے والا یہی ایک بہت بڑا عیب تھا جو مخلوق میں خون کی طرح رگوں میں ساری ہو رہا تھا۔ غیرتِ حق کو حرکت ہوئی اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا الحمدللہ آپکی نبوّت کا جو نشا تھا وہ پورا ہوا خدا کا سچا جلال عالم پر چمکا اور دریائے باسفورس سے ٹگریس تک اور ٹگریس سے جمنا تک اس نور کا کامل پرتو پڑ گیا۔

مگر میں افسوس سے دیکھتا ہوں کہ بعض کوتاہ اندیشیوں اور ملکی جنگوں کے اُتار چڑھاؤ سے جو سلطنت ہند میں رہے اور اہل ہنود کے ربط و ضبط سے اکثر ایسے خیالات جنہیں ٹھیٹ اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے موجودہ نسلوں میں پائے جاتے ہیں جن سے رُوحانی قوتوں کو شکست ملی اور اسلامی برکتوں نے ہند سے اپنا کوچ کیا۔

دیبی دیوتاؤں یا جن پریوں یا پیر شہید کی پرستش یا اُنسے حاجتیں طلب کرنا یا انکی قبروں پر اعتقاد اور صدق دلی سے چڑھاوا چڑھانا یا ضرورت کے وقت انہیں پکارنا جو دراصل بُت پرستوں اور نصرانیوں کا شعار تھا زمانہ کی دستبرد سے ہمارے بھائیوں میں بھی جاری ہو گیا جسے ایک سچے مسلمان کی آنکھ نہایت حسرت و یاس سے دیکھتی ہے ہم نے خدا و رسول کے علم کو بُھلا دیا فطرت اللہ کا وُہ منشا جس سے آخرالزمان نبی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔ بالکل نسیًا منسیا کر دیا۔ اسی سے ہمیں دینی اور دنیاوی تنزّل حاصل ہے اور اسی سے ہماری یہ گت بنی کہ ہم آخر کار دنیا کی متبذّل قوموں میں شمار کئے جانے لگے۔

بایں ہمہ ابھی ہمیں بہت کچھ اصلاح کی امید ہے اور ہم اپنے ربّ کے سچے کلام پر بھروسہ کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یقیناً ہم اگر اپنی یہ بُری عادتیں چھوڑ دینگے اور گناہوں سے توبہ کرینگے تو فلاح کا رستہ دیکھنے میں کوئی شبہ باقی نہیں ہے۔ چنانچہ خداوند کریم اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا (اگر تم بُری چیزوں سے بچتے رہو گے جو تمہیں منع ہوئیں تو ہم تمہاری تقصیریں معاف کرینگے اور تمہیں عزت کے مقام میں داخل کرینگے" یہ سچ ہے اگر تم نیک نیتی سے خدا سے ڈر کر اپنے بُرے اعمال سے توبہ کرو گے تو خوب سمجھ لو خداوند کریم کا یہ وعدہ تمہارے ساتھ پورا ہوگا اور پھر اُسکی برکتوں سے مالا مال ہو گے اور تم پر اُس کی رحمتیں نازل ہونگی۔

خدا کی بیشمار بخششوں کی سرتاج ایک بخشش وحدت پرستی ہے یعنی خدا کو ایک جاننا اور اسی پر اپنی تمام اُمیدیں اور ضرورتیں موقوف رکھنا اور یہ سمجھنا کہ ہمارا سچا مشکلکشا وہی ہے اور وُہی ہمیں ہدایت کرنیوالا ہے کیا تمہیں اس کا خیال نہیں تم پانچوں وقت کی نماز میں ہر رکعت کیساتھ پہلے کیا آیت پڑھتے ہو۔ بھائیو! وہ سورۂ فاتحہ ہے جسمیں یہ مضمون درج ہے "تو ہی ہمارا معبود ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں" اسلام میں یہ ایک پہلی تعلیم ہے جو ہر مومن کو دیجاتی ہے خدا کی بیشمار عنایتوں کا خیال کرو کہ وہ اپنے بندوں کو کس کس طریقہ سے تعلیم دیتا ہے اور انہیں نیکی اور سچی عبودیت کا کس دریادلی اور رحم سے رستہ بتاتا ہے اس نے سکھایا ہے

تم جب میری عبادت کرو تو ہر بار یہی کہو ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرتے ہیں" جب دن بھر میں صدہا بار ہماری زبان سے یہی نکلیگا۔ تو ہمارے خیالات اور اعمال پر بھی اسکا اثر ہوگا اور پھر ہم اپنی ضرورتیں کبھی کسی پیر شہید یا جن پری پر موقوف نہ رکھینگے اور ہماری انسانی شرافت اور فضیلت کے دامن پر دھبہ نہ آئیگا خدا کا جلال کامل طور سے ہماری روح پر چمکیگا اور ہم اللہ کے پیارے بندوں میں سے ہو جائینگے۔

بھائیو! تم اپنی پانچوں وقت کی نمازیں کیا پڑھتے اور ان نمازوں سے کیا سیکھتے ہو یا ان نمازوں کا مفہوم کیا سمجھتے ہو اسلام کے روشن اصول ہمیں بتاتے ہیں کہ اس عبادت کا سچا مفہوم یہ ہے ہم پر ہمیشہ خدا کا خوف طاری رہے اور کبھی اسکے آگے دوسرے کو معبود نہ بنائیں اس پر بھروسہ کریں اور اپنی تمام قوتوں کا انحصار اسی کی تائید پر موقوف سمجھیں بغیر اسکے نجات دارین کبھی نہیں ہو سکتی جیسا نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں:۔ اَلصَّلٰوۃُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَۃُ یُکَفِّرُوْنَ مَا بَیْنَھُنَّ مَا اجْتُنِبَتِ الْکَبَائِرُ (ترجمہ) پانچوں نمازیں اور جمعہ دوسرے جمعہ تک ان گناہوں کو دور کرتی ہیں جو انکے درمیان ہوں اگر بڑے گناہوں سے اجتناب کیا جاوے۔ خداوند کریم کے دربار میں جب ہم نہایت اطاعت اور نہایت فروتنی نہایت انکساری سے حاضر ہوتے ہیں اسوقت ہمیں یہ حکم ہوتا ہے کہ ہم یہ کہیں تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں تو ہمیں وہ رستہ دکھا جسپر تیری برکت نازل ہوتی ہے اور اس راہ سے بچا جسپر تیرا غصہ ہے پھر بڑے افسوس اور حسرت کا مقام ہے خدا کے دربار میں تو حاضر ہو کر ہم یہ عرض کریں اور جب وہاں سے اپنے گھر آویں تو کسی پیر شہید کی قبر پر چلہ باندھنے جاویں اور یہ عہد کرائیں جب ہمارا فلاں کام نکل آئیگا تو ہم آپکی یہ نیاز دلوائینگے۔ ڈوب مرنے کی جگہ ہے خدا کے آگے تو یہ التجا اور یہ وعدہ اور پھر شہید کی قبر پر یہ چڑھاوا اور یہ حاجت طلب کرنا۔

ہمارے یہ کام نہایت ہی خوفناک اور تباہی کرنیوالے ہیں اور یہی وہ کمبخت افعال ہیں جو ہمیں دین و دنیا میں بدنام کرینگے اور کبھی ہمیں اسلامی برکتیں حاصل نہ ہونگی اور ہم دین تو دین دنیا میں بھی اپنے پرائے کی آنکھ میں ذلیل و خوار ہو جائیں گے اور ایک عالم میں نکو بنے رہینگے۔

یہ کس حسرت و یاس سے دیکھا جاتا ہے کیا تو وہ زمانہ نہ تھا کہ اسلام نے بہت دھوم دھام سے یہ اعلان دیا تھا۔ شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (ترجمہ) اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا"

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ؕ

(ترجمہ) تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو کہ اللہ تمہیں چاہے اور تمہارے گناہ بخش دے"

اسلام کی صرف یہی ایک نشانی ہے کہ خدا کو واحد جاننا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکا پاک نبی سمجھنا اگر یہی ایک بات نہیں ہے تو کس منہ سے کہا جاتا ہے ہم مسلمان ہیں اب اسکے علاوہ کسی کا ایمان ہے تو اسپر افسوس اگر

ذرا ہم اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور اپنے اعمال کیطرف دیکھیں جنہوں نے ہمیں ٹھیٹ اسلام سے بہت دور پھینک دیا ہے تو ہمیں معلوم ہو کہ ہم خدا اور اُسکے نبی سے کتنے برگشتہ ہیں اور اس سے اپنی جانوں پر کیا غضب توڑ رہے ہیں ہمارے کیسے کچے عقیدے ہیں اور ہمارا ایمان کیسا ضعیف ہے۔ اللہ جلشانہ کی محبت ہمارے دل میں مطلق نہیں رہی اور ہم اپنی معمولی ضروریات پر کہیں شیخ سدو کا بکرا کرتے ہیں اور کہیں سید احمد کبیر کی گائیں کرتے ہیں اور کبھی پریوں کا کونڈا کرتے ہیں اور کبھی حضرت علی مشکلکشا (یہ خطاب شیعوں نے حضرت علیؓ کو دیا ہے اور اسی کا اثر تمام سنیوں پر پہنچ رہا ہے) کا دونا کرتے ہیں کبھی کسی قبر پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں اور کبھی کسی پیر کی قبر پہ چلہ باندھتے ہیں۔ غرض ہم اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے کیا کیا کچھ شرک و بدعت نہیں کرتے اور پھر کتنی دور اسلام سے جا پڑتے ہیں۔

ہمارے ایمانی ضعف کا یہ سارا طفیل ہے اگر ہم میں ایمانی ضعف نہ ہوتا تو یہ بیہودہ باتیں کبھی ہم سے ظہور میں نہ آتیں جہاں خداوند کریم صاف طور سے اپنے کلام مجید میں یہ فرماتا ہے تو دعا کر میں قبول کرونگا۔ وہاں ہم محض اپنی دلی کمزوری جوش اور نالائم جذبہ کے مطیع ہو کے اس بیش قیمت وعدہ پر تو نگاہ نہ کریں اور اِدھر اُدھر بھٹکتے پھریں۔ تف ہے ہماری اس حمیتِ اسلامی پر اور اخ ہے ہماری اس مسلمانی پر۔

یہ نہیں جانتے کہ جن سے تم اپنی حاجتیں طلب کرتے ہو وہ بھی تمہاری طرح خدا کے محتاج ہیں۔ جب وہ اپنی مشکلکشائی نہیں کر سکتے تو تمہاری کیا کر سکتے ہیں۔ وہ خداوند کریم کے عاجز بندے ہیں اور انکی بخشش صرف اُسی کی مرضی پر موقوف ہے اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ انکی نجات بھی ہوئی یا نہیں کیونکہ سوائے ان چند صحابہؓ کے جنکی بشارت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہم کبھی قطعاً کسی کو ناجی اور ناری کہنے کے مجاز نہیں ہیں تو تم آپ خیال کر سکتے ہو کہ جب اُن کے ناجی ہونیکی کوئی شہادت تمہارے پاس موجود نہیں ہے پھر کسطرح ان سے حاجتیں جا کے طلب کرتے ہو اور انہیں اپنا مشکلکشا بنا رکھا ہے کیا تم سے بھی زیادہ کوئی محسن کش اور احسان فراموش ہو سکتا ہے خداوند تعالیٰ تم پر کیسا مہربان ہے اور تم سے کیسی محبت رکھتا ہے اور تم اس سے بھاگے بھاگے پھرتے ہو۔ ہمارا فرض ہے اور یہی ہمارا مذہب ہمیں بتاتا ہے کہ ہر حالت میں اسی کی طرف رجوع کریں کیونکہ جبتک ہم اسکی طرف رجوع نہ کرینگے ہماری بخشش نہیں ہو سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا (وہ رجوع لانیوالوں کو بخشتا ہے)

بعض ہمارے بھائی یہ بہانہ کرتے ہیں کہ ہم ان پیروں شہیدوں سے اپنی حاجتیں طلب نہیں کرتے بلکہ انکے وسیلے سے خدا سے مانگتے ہیں اور اپنے اس دعوٰی کی دلیل دنیاوی معاملات پر منحصر رکھتے ہیں کہ جبتک کوئی شخص سفارشی نہ ہو امیر کے دربار تک رسائی نہیں ہوتی مگر یہ خیال انکا جیسا رکیک ہے اسی قدر کم عقلی پر دلالت کرتا ہے۔ امیر کے دربار اور خداوند تعالیٰ کے دربار کی مناسبت نہیں ہو سکتی۔ امیر کسی حاجتمند کی حاجت بغیر عرض کئے نہیں جان سکتا اور خدا کو اپنی کل مخلوق کا رتی رتی علم ہے۔ امیر بغیر اطلاع کئے نہیں پہچان سکتا کہ مجھ سے کون ملنا چاہتا ہے لیکن خدا صرف دل کے ارادے

سے جان جاتا ہے پھر ایسے عالم الغیب چھپی اور پوشیدہ چیز کو جاننے والے مخلوق کے دلی خیالات کا علم رکھنے والے کے دربار میں کسی سفارشی کی ضرورت ہے اور نہ کسی اطلاع کرنیوالے کی حاجت ہے شریعت کا رستہ صاف اور کھلا ہوا ہے دین کی رحمت ہمپر پوری ہو چکی ہے اسکی تکمیل کی ضرورت اب نہیں رہی۔ پھر کیا ضرور ہے کہ غیر ضروری باتوں کیطرف ہم اپنا دل رجوع کریں اور اسلام کے روشن احکام سے برگشتہ ہوں فقط ؂

یہ اُس قیمتی وعظ کا خلاصہ ہے جو مولنا شہید نے اوّل بار الوداع کے دن فرمایا گو وعظ اتنا بڑا ہے کہ پندرہ سولہ جزو میں اگر پورا تحریر کیا جاوے تو بمشکل تمام ہووے لیکن ہم نے اس پریشان اور بے ربط تحریر سے جو ان کے منشی ہیرالال کے ہاتھ کی نہایت جلدی میں لکھی گئی تھی بشکل بڑے غور وفکر کے بعد یہ خلاصہ کر لیا ہے اور بہت سی حدیثیں اور آیتیں نقل ہیں لیکن وہ ایسی اشاروں میں لکھی گئی ہیں کہ ہم سے مطلق نہیں پڑھی گئیں۔ بہرحال مولانا کے پُرجوش اسلامی خیالات کا اسی سے ایک اندازہ ہوسکتا ہے اس سادے سیدھے وعظ سے جو بالکل اسلامی عقائد کو ظاہر کرتا تھا عوام الناس میں خوفناک تحریک پھیل گئی اور ان کے فاسد خیالات کے سمندر میں ایک مہیب تموج پیدا ہو گیا وہ نیاز نذر کرنیکے مدت سے عادی تھے وہ اس بات کو اپنا دین و ایمان سمجھتے تھے کہ ضرورت کے وقت پریوں کا کونڈا کریں اور سید احمد کبیر کی گائے اور شیخ سدو کا بکرا کریں انہوں نے یہ تقریر کاہیکو سنی تھی کہ یہ ساری باتیں بدعت و شرک ہیں اور اسلام سے انہیں کچھ علاقہ نہیں ہے اسلام میں اگر توحید کے مسئلہ پر غور کیا جاوے تو واقعی ایسا نازک اور باریک ہے کہ بمشکل آدمی شرک سے بچ سکتا ہے مثلاً یہ سمجھنا کہ ابر آپ پانی برساتا ہے اسلام میں شرک ہے اور یہ عقیدہ رکھنا کہ پانی کھیتوں میں اناج پیدا کرتا ہے شرک ہے چہ جائے کہ اپنی حاجتوں کے انبار کو پیر شہید کی گردن پر رکھنا اور انہی پر اپنی تمام ضروریات کے حل ہونیکو موقوف سمجھنا یہ تو صریح کفر اور شرک ہے۔ اپنی کسی حاجت پر خدا کے سوا کسی کو پکارنا یہ ایک کمزور خیال ہے جو ضعیف طبائع میں اکثر اٹھتا ہے انسان کی طبیعت میں قدرتی احسان فراموشی اور محسن کشی کا مادہ بہت ہے مگر اُن پاک اور مقدس انفاس کا ذکر نہیں جنپر اسلام کی پوری برکتیں نازل ہو چکی ہیں اور دین خدا کا پورا جلال اپنی تابانی انکے جملہ قلوب پر دکھا چکا ہے وہ ہر حالت میں خدا ہی کو پکارتے ہیں اور چاہے انپر کیسی ہی مصیبت آکے واقع ہو وہ خداوند کریم کے سوا کسی کی بھی مدد نہیں چاہتے یہی انکا مایہ لسباط ہے اور اسی پر انہیں ناز اور فخر ہے وہ خدا پرست قوم جس نے اول وحدت خدا پرستی کا دنیا میں نور چمکایا مسلمانوں کی مرحوم قوم ہے۔ خدا وہ دن نہ کرے کہ اسکی خدا پرستی کی صفت منکر گور پرستی بُت پرستی اور تعزیہ پرستی کی صفت بن جائے یہ سب جانتے ہیں خدا کے آگے سب عاجز ہیں کسی کی یہ مجال نہیں کہ کسی کی سفارش اللہ کی درگاہ میں کرسکے حشر میں جب تمام پیغمبروں کی اُمتیں باری باری سے اپنے نبیوں کے پاس جائینگی اور بزاری یہ عرض کرینگی کہ آپ ہماری شفاعت خدا کے آگے کیجئے تو وہ خوف باریتعالیٰ سے کانپیں گے اور یہ کہینگے کہ ہم میں مجال نہیں ہے کہ ہم تمہاری

سفارش کرسکیں۔ ایک نبی دوسرے نبی کے پاس بھیجیگا اور وہ بھی کہہ کے ٹال دیگا حتیٰ کہ ہمارے آخرالزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئینگے اور آپ خداوند تعالیٰ سے (اُسکے حکم سے) سب کی شفاعت (مومنین سے غرض ہے) چاہینگے۔ انبیاءً علیہم السلام جو معصوم (بیگناہ) ہیں انکی یہ کیفیت ہے وہ خدا سے کسی کی سفارش کرنے کے مجال نہیں ہیں پھر ہم حیران ہیں کہ یہ کیونکر سمجھ لیا گیا اگر فلاں شہید یا ولی کی نیاز دلوائی جائیگی اور اُسکی قبر پہ لال ڈورا باندھ دیا جاویگا اور منت مانی جائیگی محض اس امید سے کہ یہ خدا سے ہماری سفارش کردینگے تو ہماری ضرورت یا ہماری مشکل حل ہو جائیگی۔ یہ کتنے قہر کا مقام ہے خصوصاً مسلمانوں کیلئے جنکے اسلام کے خلاف ایسے عقیدے ہوں اور پھر وہ اپنے کو مسلمان کہیں۔ یہ سچ ہے کہ ضرورت دنیا میں ایک ایسی قہر کی چیز ہے کہ جسکے سبب انسان سے ناگفتہ بہ افعال صادر ہوتے ہیں اور ایسے ایسے قبیح کاموں کے کرنے کی جرئت کرتا ہے کہ اگر ضرورت نہ پڑتی تو کبھی نہ کرتا مگر پھر بھی مسلمانوں کیلئے خدا کے وعدے ایسے زبردست سہارا دینے والے ہیں اگر وہ انپر غور کریں اور اپنے دلمیں سمجھیں اور انکا پورا الیقین اپنے قلب میں کرلیں تو کبھی بھی ضرورت کا خوفناک جن انہیں نہ ستاوے اور وہ ہمیشہ محض اللہ کے بھروسہ پر مصیبت کے وقت بھی مطمئن اور خوشحال رہیں سب سے زیادہ ایسے لوگوں پر بھی افسوس ہے جو ضرورت کے وقت یا اپنی سخت تر مصیبت کی حالت میں جب وہ اپنے معاونین کی مدد سے ناامید ہو جاتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں خدا ہی سے مدد چاہنی بہتر ہے اور اُسکی مشکلکشائی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا تو وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں اور خدا انکی مدد کرتا ہے کیونکہ خدا نے خود وعدہ فرمایا ہے جو مجھے سچے دل سے پکارتا ہے مَیں اُسکے پاس پہنچتا ہوں اور جب وہ احسان فراموش اس مصیبت سے رہائی پاتے ہیں تو اپنے ناپاک خیالات اور نامقدس افعال کیطرف رجوع ہوتے ہیں اور پھر دین و دنیا میں خسارہ پاتے ہیں جنکی حالتوں پر خداوند تعالیٰ خود افسوس کرتا ہے اور فرماتا ہے:۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝

" پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے پوری اسی پر نیت رکھ کے اور جب انہیں زمین پر بچالایا تو لگے شرک کرنے "

ایسے نالائق اور بھونڈے طبائع پر افسوس۔ اس آیت کا صاف یہ مفہوم ہے اگر کشتی میں سوار ہو اور کوئی بحری یا سماوی آفت آکے واقع ہو تو خدا ہی سے مدد مانگو کیونکہ وہی ناگہانی بلاؤں سے بچاتا ہے اس سے صریح خداپرستی کی اور کیا تعلیم ہو سکتی ہے مگر ہٹ دھرم اور ضدی بندے نہیں سمجھتے۔

جب یہ وعظ جسکو ہم نے مختصر طور پر لکھا ہے۔ مولانا صاحب نے فرمایا تو اکثر مسلمان ناراض ہوئے اور انہوں نے باہم یہ کانا پھوسی کرنا شروع کی کہ مولانا نے بزرگان دین کی سخت توہین کی ہے اور بڑی بے ادبی سے پیش آئے ہیں اور نیاز نذر کو بُرا بتاتے ہیں۔ غرض باتوں کے بتنگڑے بنگئے اور نئے نئے اتہامات اور الزامات وعظ میں جنکا سان و گمان بھی نہ تھا مولانا کی بیگناہ ذات پر لگائے گئے۔ کسی نے یہ مشہور کیا انہوں نے نبی کی توہین کی

اور کہا وہ ہم سے زیادہ (معاذ اللہ) نہیں ہیں کسی نے یہ کہا وہ حدیث و قرآن پر اعتراض کرتے ہیں اور اپنے آگے کسی کی کچھ حقیقت نہیں جانتے۔ غرض وہ باتیں جن سے سراسر دشمنی ٹپکتی تھی مولانا کے سر چپکائی گئیں اور خدا واسطہ کی وہ وہ باتیں جن سے مولانا کی ذات والا بہت دور تھی زبردستی آپکے وعظ میں داخل کرنی چاہیں۔

یہ لوگ اپنی ان چالاکیوں میں کامیاب ہوئے اور مولانا کے خلاف تمام شہر میں ایک جوش پھیل گیا چند سنجیدہ لوگ انصاف پرست بزرگ جو اس جلسہ میں موجود تھے جنہوں نے مولانا کی تقریر خوب گوش دل سے سُنی تھی۔ ایک عام مخالفت کے آگے کچھ دم نہ مار سکتے تھے انہیں اپنی جانوں اور عزت کا خیال تھا کہ کہیں اس طوفان بے تمیزی کے ہم ہی نذر نہ ہو جائیں۔

طلبہ کے گروہ میں بھی اسکا چرچا ہونے لگا اور انہوں نے بھی خواہ مخواہ کی مخالفت میں قدم رکھا۔ یہاں عجیب کیفیت تھی کہ طلبہ اور غیر طلبہ سب ایک ہی کھوپڑی کے لوگ تھے۔ بھلا جب شاہ عبد العزیز صاحب کی مستورات بیوی کی صحنک کرتی تھیں اور کوئی منع نہ کرسکتا تھا تو اور گھروں کا کیا کہنا جو لوگ تعزیہ پرستی کرنی دین ایمان جانتے تھے اور سیتلا کو پوجتے تھے ان کے آگے دین اسلام کی ایسی باتیں بہت ہی گراں گذرینگی اور خواہ مخواہ مخالفت کرنے پر تیار ہونگے۔ طلبہ اس بات پر آمادہ ہوئے کہ ہم مولانا سے اس بارہ میں گفتگو کرینگے کہ کیوں نہیں ولیوں اور شہدا کو وسیلہ خدا کی درگاہ میں بنایا جائے اور ان سے کیوں نہ حاجتیں طلب کی جائیں بعض اس بات پر آمادہ تھے ہم حدیث میں گفتگو کرینگے اور مولوی فضل حق صاحب کے شاگرد تو بہت سرگرمی سے اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ ہم معقول میں مولانا سے بحث کرینگے۔ غرض ہر شخص اپنے اپنے خیال کے مطابق مولانا کی مخالفت پر ٹوٹ پڑا اور شہر دہلی میں نئی نئی افواہیں نئی نئی باتیں مولانا شہید کی نسبت روز اڑنے لگیں لیکن یہاں تک کہ عورتوں میں بھی اسکی گفتگو شروع ہوگئی اور وہ بھی مخالفت کے ہتھیاروں کو مولانا کے مقابلہ میں استعمال کرنے لگیں بیٹنے کوسنے دینے اور مولانا کا نام لے لیکے پیٹنا۔ ایکدن مولانا شہید عصر کی نماز پڑھ کے جامع مسجد میں حوض پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک بڑھیا مولوی صاحب کے پاس آئی اور اس نے کہا مولوی صاحب مُوا اسمٰعیل کون نیا مولوی پیدا ہوا ہے جو یہ کہتا ہے بیوی کی صحنک نہ کرنی چاہیئے۔ آپنے جواب دیا۔ بڑی بی مُوا اسمٰعیل نہیں کہتا بلکہ جس بیوی کی تم صحنک کرتی ہو اُسکے باپ نے منع کر دیا ہے کہ میری بیٹی کی صحنک نہ کیا کرو۔ یہ سنتے ہی وہ یہ کہنے لگی جب بیوی کا باپ یہ کہتا ہے میری بیٹی کی صحنک نہ کیا کرو میں اسپر صدقے گئی۔ آئندہ سے نہ کیا کرونگی۔

ل تواریخ عجیبہ موسوم بہ سوانح احمدی صـ۳ میں بغیر کسی شہادت صریح کے یہ لکھا ہوا ہے کہ صحنک وغیرہ کی رسمیں شاہ عبد العزیز صاحب کے خاندان میں بھی جاری تھیں مگر میں اسکا یقین نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ خاندان سچا عامل بالحدیث ہونیکا افتخار رکھتا تھا بہرحال اس سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ امرا اور شرفا ہی کی مستورات شرک و بدعت میں مبتلا نہ تھیں بلکہ مولویوں اور ولیوں رکھنے بڑوں کی عورتیں بھی ایسا ہی کرتی تھیں اور کوئی نہیں کہنے والا نہ تھا ایسی بڑی بات جیسی کتاب کو رکا مصنف لکھتا ہے بغیر کسی کافی اور بڑی شہادت کے ہم نہیں

LIBRARY

واری جاؤں یہ بات ہے تو سچ نا؟ آپنے فرمایا خدا گواہ ہے یہ بالکل سچ ہے۔ وہ بڑھیا مولانا کی بلائیں لینے لگی اور دعا دیتی ہوئی چلی گئی۔ اس سے ناظر سوانح اس عام مخالفت کا اندازہ کر سکتا ہے جو مولنا شہید کی عورت و مرد میں پھیل گئی تھی اور یہ ضرور ہونا تھا صدیوں کی بُری عادتیں جو دہلی والوں کی گھٹی میں بیٹھگئی تھیں یکایک بغیر ایک عظیم الشان جھگڑے کے نہ جا سکتی تھیں۔ مولنا شہید کو ایک ایک ادنیٰ واقع کی روزمرہ رپوٹ گذرتی تھی اور آپ ہر مخالفت کی خبر کو نہایت سنجیدگی سے سُنتے تھے اور اُسپر غور کرتے تھے۔ لطف یہ تھا کہ ابھی وعظ نہایت دھیما تھا اور جو بات یا ہدایت کیگئی تھی وہ صیغہ غائب میں کیگئی تھی اور ابھی ان رسوم کی بابت بہت کم بیان کیا گیا تھا جو قلعہ اور قلعہ کے باہر کی جاتی تھیں۔ ابھی تقلید اور پیر پرستی کی بحث ہی نہیں ہوئی تھی نہ اسپر کسی قسم کے اعتراض کئے گئے تھے۔ ایسے سادے وعظ پر جب یہ غل و شور ہوا تو اسکا اندازہ ہو سکتا تھا کہ جب کھلم کھلا ہر مسئلہ پر بحث کی جائیگی تو کیا آفت برپا ہوگی۔ مولنا شہید نے خطرہ کے وزن کو پورا پہچان لیا اور گو ابھی عمائد و اعیان شہر اس طرف رجوع نہ ہوئے تھے اور نہ ابھی مولوی فضل حق صاحب کی مخالفانہ کارروائی شروع ہوئی تھی پھر بھی عقلمندی یہ تھی کہ ہر طرح سے بندوبست کیا جائے اور ایسا نہ ہو مخالف غافل پاکے کوئی جسمانی مضرت پہنچائیں۔

آپنے پہلے چند بڑے بڑے بدمعاشوں کے سرغناؤں کو اپنی جادو بھری تقریر سنا کے مرید کیا اور انہیں اپنا ایسا معتقد بنایا کہ وہ اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ ہوگئے مصلحت اسکی مقتضی تھی کہ یہ کارروائی کیجائے کیونکہ دن بدن مخالفت کی آگ بھڑکتی جاتی تھی اور خدا کی شان سے روزمرہ ایسی ایسی باتیں سرزد ہوتی تھیں کہ اس مخالفت میں اور جان پڑتی تھی مثلاً ایکدن مولوی سمٰعیل شہید معہ اپنے چند معتقدوں کے جامع مسجد میں حوض پر بیٹھے ہوئے تھے اس عرصہ میں خدام زیارت[1] کی چیزیں لیکے اکبر شاہ کیلئے قلعہ میں جانے لگے تھے

[1] تبرکات جو جامع مسجد میں رکھے ہوئے ہیں محمد شاہ کے وقت قلعہ سے جامع مسجد میں لا کے رکھے گئے تھے کیونکہ وہاں فسق و فجور بہت ہوتا تھا اور یہ خیال کیا گیا ہے کہ قلعہ پر اسی لئے تباہی پڑی ہے جہاں یہ تبرکات رکھے ہوئے ہوں وہاں اس قسم کی عیاشی ہو جسکی نظیر دنیا میں کم ملیگی۔ ان تبرکات میں موئے مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جبہ شریف نبی اکرمؐ نعلین شریف نبی اکرمؐ۔ قدم مبارک نبی اکرمؐ۔ پارہ کلام مجید نوشتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ پنجہ شریف حضرت علیؓ۔ قرآن شریف نوشتہ حضرت امام حسنؓ۔ موئے مبارک حضرت حسنؓ۔ پارہ کلام مجید نوشتہ حضرت امام حسینؓ شہید کربلا۔ موئے مبارک حضرت امام حسینؓ۔ پارہ کلام مجید حضرت امام جعفر صادق۔ غلاف روضۂ اطہر نبی اکرمؐ۔ غلاف کعبہ شریف۔ ان تبرکات کی تاریخ یہ ہے۔ جب تیمور لنگ نے دمشق فتح کیا ہے اور وہاں کی غنائم اسکے قبضہ میں آئی ہیں تو سب متبرک چیزیں جو اسکے قبضہ میں آئیں وہ مذکورہ بالا تھیں۔ یہ وہ دمشق ہے جو کئی صدی تک بنی امیہ کا پایہ تخت رہ چکا تھا اور یہاں شاہی جبروت کی انتہا ہو چکی تھی۔ یہ تبرکات تیمور نے بہت ادب سے اپنے قبضہ میں رکھے۔ اور جہاں جاتا اپنے ساتھ لیجاتا۔ چنانچہ جب وہ ہندوستان میں آیا تو ان تبرکات کو بھی ساتھ لایا۔ اسکے آگے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ تبرکات شریف بابر بادشاہ کے ہاتھ

(باقی صفحہ ۵۹ پر)

لوگ جامع مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے سب کھڑے ہو گئے اور سب نے نہایت خوش اعتقادی سے اُٹھ کے تعظیم دی اور کلمہ طیبہ پڑھنے لگے مگر مولٰنا شہید اور آپکے رفقاء بیٹھے رہے اور تعظیم پر مطلق توجہ نہ کی۔ تمام معتقدین اشیائے زیارت جل کے خاک ہو گئے اور خدام تو اسقدر ناراض ہوئے کہ انکا بس نہ چلا ورنہ وہیں خون خرابا کر ڈالتے وہ سیدھے اکبر شاہ ثانی کے دربار میں حاضر ہوئے، زیارت کی چیزیں دیکھ کے اکبر شاہ سرتا پا کھڑے ہو گئے اور بڑے تپاک سے سب کو آنکھوں سے لگایا اور ان پر بوسہ دیا۔ یہ کہہ کے خدام رونے لگے اور انہوں نے ہاتھ باندھ کے کچھ عرض کرنا چاہا۔ اکبر شاہ نے انکے رونے اور عرض کرنے پر توجہ مبذول کی اور کہا تم کیوں روتے ہو۔ وہ اور بھی

(بقیہ از صفحہ ۴۶) کیونکر بڑ گئے۔ ایک روایت کے بموجب معلوم ہوا کہ بابر ان تبرکات کو لیکے بلخ روانہ ہوا۔ جب بابر کی وفات ہو گئی تو یہ تبرکات بخارا میں چلے آئے اور وہاں ایک عرصہ تک رہے۔ ہندوستان میں جب شاہجہان کی سلطنت ہوئی تو اس نے ان تبرکات کو اس بنا پر کہ یہ میرے پردادا بابر کی ملک تھی امیر بخارا سے واپس منگا لئے اور انہیں نہایت ادب سے موتی مسجد میں رکھا بعد ازاں مقدس چیزیں دہلی کے لال قلعہ میں چلی آئیں اور جب عالمگیر دکن پر حملہ آور ہونے کیلئے روانہ ہوا تو یہ مقدس چیزیں لال قلعہ سے جامع مسجد میں مغربی جانب داہنی مینار کیطرف رکھدیں بـ۱۸۵۷ء کے طوفان خیز غدر میں بڑی جانفشانی سے یہ تبرکات محفوظ کئے گئے اور سرائے روح اللہ خان میں انہیں بڑی حفاظت سے رکھا گیا۔ ۱۸۶۳ء میں جب جامع مسجد واگذار ہوئی۔ عمائد شہر دہلی ان تبرکات کو اس سرائے سے جامع مسجد میں لے آئے اور جنوب رویہ بارہ دری میں انہیں محفوظ کیا چنانچہ وہ ابتک موجود ہیں۔ یہ تاریخ ان تبرکات کی ہے جو ہماری آنکھوں کے آگے رکھے ہیں خدام تبرکات کی بیان کی ہوئی تاریخ ہے مگر کسی معتبر تواریخ میں ہم نے اسکا کچھ ذکر نہیں پڑھا۔ سر ولیم میور صاحب نے مختلف تبرکات کا تذکرہ کیا ہے (دیکھو لائف آف محمد صـ ۵۵۹ کا فٹ نوٹ) لیکن ان تبرکات کی بابت وہ کچھ نہیں لکھتا۔ حضرت عثمان غنی رضؓ کے قرآن کی نسبت اُسے ابن بطوطا ادریسی کی شہادتیں پہنچی ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے معائنہ کیا تھا لیکن میور پھر یقین نہیں کرتا اور کہتا ہے ہزاروں خاندانی تغیر و تبدل کے بعد نا ممکن ہے کہ تبرکات محفوظ رہے ہوں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کا نظر ثانی کیا ہوا قرآن حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کے استعمال میں آتا تھا یہانتک کہ آپنے اپنے دست مبارک سے قرآن لکھا تھا اہل شیعہ کے یقین اور خیال کے بموجب مشہد علی میں حضرت علیؑ کے ہاتھ کا قرآن لکھا ہوا رکھا ہے اور اسپر آپکے دستخط بھی ثبت ہیں۔ قرآن مجید کے چند اوراق حضرت علی رضؓ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے لاہور توشہ خانہ میں موجود ہیں اسیطرح حضرت امام حسینؓ کی قلم کے لکھے ہوئے قرآن بھی محفوظ بیان کئے جاتے ہیں اسکے بعد میور پھر اپنے پچھلے نوٹ میں لکھتا ہے (لائف آف محمدؐ صفحہ ۵۵) وھو ھذا :-

"مسلمان ہمیں اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ حضرت عثمان کے دست مبارک کا لکھا قرآنی نسخہ ابتک موجود ہے یعنی شہادت کے وقت جو قرآن آپکا دیکھ رہے تھے وہ ہنوز انطرطوس میں بحفاظت تمام رکھا ہے اور لوگوں کا یہ بھی بیان ہے کہ اسکے اوراق قرطبہ کی بڑی مسجد میں رکھے ہوئے تھے اور ان تعریفات کا بیان لکھا ہے جو اُن اوراق پر ظہور میں آتی تھیں وہ اوراق اسیطرح فیض (دار الخلافہ مراکو) میں پہنچا دیئے گئے۔ ابن بطوطا نے جب چودہویں صدی میں بصرہ کا سفر کیا ہے بیان کرتا ہے یہ عثمانی قرآنی نسخہ بصرہ کی مسجد میں تھا خلیفہ کے خون کے قطرے ہنوز الفاظ قرآنی پر بین طور پر معلوم ہوتے تھے اور وہ الفاظ یہ تھے (خدا تیرا انتقام تیرے دشمنوں سے لیگا (سورہ ۲ ۱۳۸) روایت کے بموجب معلوم ہوا کہ مظلوم خلیفہ کا خون ان الفاظ پر بہ نکلا تھا۔ انکے علاوہ اور نسخے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت کے لکھے ہوئے روایت کیا جاتا ہے مصر القاہرہ مراکو دمشق میں مکہ اور مدینہ کیطرح محفوظ ہیں جو نسخہ مدینہ منورہ میں ہے اسکے نیچے یہ نوٹ دیا ہوا ہے حضرت عثمانؓ کے حکم کے بموجب یہ قرآن جمع کیا گیا اور ترتیب دیا گیا ہے اور اس نوٹ میں انکی ترتیب دینے کے مشورہ میں شریک ہونیوالوں کے نام بھی لکھے ہوئے ہیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت عثمان رضؓ

(بقیہ صفحہ ۴۸ پر)

روئے، یہانتک کہ اُنکی ہچکی بندھ گئی۔ آخر اکبر شاہ کے متواتر اصرار پر خدام نے جھرجھری اور رونی آواز میں کہا اسمٰعیل نے جو شاہ عبدالعزیز صاحب کا بھتیجا ہے بڑا ہی ستم کر رکھا ہے۔ وہ برملا دینِ اسلام کی توہین کرتا ہے اور نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا مطلق ادب نہیں کرتا۔ ابھی یہ تبرکات جب کوٹھڑی شریف میں سے نکلے ہیں تو جتنے مسلمان تھے سب کھڑے ہو گئے لیکن وہ اور اُس کے مرید نہ کھڑے ہوئے اور ہیں اور تبرکات کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھا۔ حضور ظلِ اللہ اور خلیفہ رسول اللہ ہیں۔ اگر خداوند زمین و زمان کی سلطنت میں ایسا دشمن اسلام (افسوس) مار ڈالا نہ گیا یا جلاوطن نہ کیا گیا تو خدا کے ہاں کیا جواب دیا جائیگا یہ سُن کے اکبر شاہ بہت ہی متردد ہوئے۔ کیونکہ وہ خود کمپنی کے ایک پنشن خوار ملازم تھے۔ انکا اختیار یہ نہ تھا کہ بلاوجہ کسی شخص کو پکڑ کے مار ڈالیں یا جلاوطن کردیں۔ ہاں یہ ضرور تھا وہ انگریزوں سے شکایت کہہ سکتے تھے اور خوش قسمتی سے اُنہیں یہ یقین تھا کہ اگر میں کسی کی شکایت کرونگا تو کمپنی اسپر اعتبار کرکے اسپر کاربند ہوگی پھر بھی اس عاقل بادشاہ نے ایسے روشن اور نیک نام خاندان کے ایک ممبر پر خدام کے کہنے سے دست اندازی نہیں کی بلکہ یہ مناسب سمجھا کہ پہلے مولوی اسمٰعیل صاحب کو بلائیں اور اُن سے منہ بمنہ گفتگو کرلیں تاکہ مولٰنا کے عقائد کا پورا علم ہوجائے اور پھر جو کارروائی کی جائے پیچھے اسپر پچھتانا نہ کرنا پڑے۔ اپنے دل میں یہ خیال کرکے اکبر شاہ نے خدام کی تسکین کردی اور کہا تم رنج نہ کرو۔ میں اسبات کا بندوبست کرونگا۔ چنانچہ مولٰنا کو اکبر شاہ نے بلایا۔ مولانا شہید سمجھ گئے کہ کچھ نہ کچھ دال میں کالا ہے آپکے معتقدوں اور کُنبہ کے بعض ممبروں نے مشورہ دیا آپ پہلے رزیڈنٹ سے مل لیں اور اپنی مخالفت کی ساری حقیقت بیان کردیں مباداآپکو اکبر شاہ کچھ مضرت پہونچائے مگر آپنے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی:-

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ[ل]

(ترجمہ) تو کہہ نہ پہونچیگا ہمیں ہرگز مگر وُہی جو لکھدیا اللہ نے وہی ہے صاحب ہمارا اور چاہیئے مسلمان اللہ ہی پر بھروسہ کریں)

اور آپنے فرمایا کہ میں نے اپنے خیال میں کوئی جرم نہیں کیا ہے نہ دنیوی نہ دینی پھر میں کیوں خوف کھاؤں۔

ل یہی آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس میں اس وقت پڑھی تھی جب آپ بطریق سے اسکے کیمپ میں ملنے گئے اور لوگ مُصر ہوئے تھے کہ دشمن کی فوج میں تنہا تشریف لیجاویں اور آپنے اس آیت کے بھروسہ پر کسی کی بھی پرواہ نہ کی (واقدی جلد ۲ صفحہ ۳۸۹)

(بقیہ از ص ۴۷) کے عہد کا ایک نسخہ بھی اب تک موجود ہو جبکہ صدہا خاندانوں کے اختلافات ظہور میں آئے جبیں اسلامی دنیا کا ہر حصہ مبتلا تھا۔ کوئی بہت پرانا نسخہ عثمانی قرآنی نسخہ کہدیا جاتا ہوگا (میور کا نوٹ ختم ہوگیا)

جب ایسی تاریخی اور عینی شہادتوں پر میور کو یقین نہیں آتا تو دہلی کے تبرکات کی نسبت جنکی کوئی تاریخی شہادت نہیں ہے کیا کہا جاسکتا ہے

اور ابھی مجھے یہ بھی علم نہیں ہے اکبر شاہ کا خیال میری نسبت کیا ہے میں اکی ناحق کیوں شکایت کروں میں دلیری سے اسکے پاس جاتا ہوں اور جو کچھ وہ دریافت کریگا اسکا شافی جواب دیا جائیگا۔

آخر آپ بڑی دلیری سے اکبر شاہ کے دربار میں پہنچے مگر یہاں ہم یہ لکھنا بھول گئے۔ دربار میں جانے سے پہلے آپنے اکبر شاہ کو یہ لکھ کے بھیجا تھا۔ اگر آپ مجھے دربار میں بلاتے ہیں تو میں اُن تمام درباری قیود سے معاف کیا جاؤں جو آپکے ہاں ایک لازمی امر ہے ہیں، اسلامی طریقہ سے ملونگا اور جیسا ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تہذیب سکھائی ہے ہم اسی طرح عملدرآمد کرینگے۔

اکبر شاہ نے بعد فکر وغور اور مشورہ کے یہ بھی تسلیم کر لیا۔ پھر مولنا شہید دربار اکبری میں داخل ہوئے جاتے ہی السلام علیکم کہا اور اکبر شاہ نے بڑی گرمجوشی سے اسکا جواب دیا۔ ملاقات پرائیویٹ تھی۔ سوائے دو تین خواجہ سراؤں کے اور کوئی نہ تھا۔ اکبر شاہ ایک گدی پہ بیٹھے ہوئے تھے۔ شاہ صاحب بھی پاس جاکے بیٹھ گئے۔ اکبر شاہ نے نہایت خندہ پیشانی سے مصافحہ کیا اور آپکے خاندانِ عالی کی تعریف کرنے لگے۔ اسکے بعد اکبر شاہ نے یہ کہا میں نے آپکی نسبت مختلف افواہیں سنی ہیں۔ چونکہ مجھے انکی تصدیق کرنی ضرور تھی اسلئے میں نے آپکو تکلیف دی ہے کیا خدانخواستہ آپکے ایسے خیالات ہیں آپ اسلام اور بانیٔ اسلام کی نسبت توہین آمیز الفاظ استعمال کرنے بُرے نہیں جانتے۔ یہ سُن کے مولانا شہید نے پہلے کلمہ طیبہ پڑھا اور پھر دین اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کیے اور اس خوش اسلوبی سے بیان کیے کہ اکبر شاہ حد سے زیادہ محظوظ ہوئے۔ اور آخر میں انہیں رقت آگئی۔ وہ ہرچند چاہتے تھے کہ اپنے کو ضبط کریں لیکن نہ کر سکے اور اسقدر پھوٹ پھوٹ کر روئے کہ انکی ہچکی بندھ گئی جب یہ تمام باتیں ختم ہو گئیں تو اکبر شاہ نے دبی آواز سے یہ کہا کہ جب رسول مقبول کی آپکی نظر میں یہ فضیلت اور بزرگی ہے۔ پھر آپنے جمعہ گذشتہ کو تبرکات کی کیوں نہیں تعظیم دی۔ میرے خیال میں شاید یہ بات غلط ہو کیونکہ آپکی ذات سے یہ بعید ہے آپ تبرکات کی تکریم نہ کریں۔ مولنا شہید نے جواب دیا نہیں یہ صحیح ہے میں نے تبرکات کی تعظیم نہیں کی اسلئے کہ میں انہیں تبرکات نہیں سمجھتا۔ نہ ایسے تبرکات کی جو فرضی ہیں اسلام میں تعظیم کرنے کا حکم آیا ہے۔ یہ سُن کے اکبر شاہ چونکے اور کہا یہ افسوس کی بات ہے آپ تبرکات کی عزت نہیں کرتے۔ اس پر شاہ اسمٰعیل صاحب نے یہ کہا کہ اگر یہ تبرکات ہوتے تو آپ انکی زیارت کو جاتے نہ کہ یہ تبرکات آپکی زیارت کو یہاں آتے۔ یہ سُنتے ہی اکبر شاہ کو سناٹا آگیا اور انہوں نے مولنا شہید سے معافی مانگی اور کہا آئندہ میں یہ بدعت کبھی نہ کرونگا۔ پھر مولانا نے اکبر شاہ کے ہاتھوں کیطرف اشارہ کیا جس میں سونے کے کڑے تھے اور جنمیں ایک بیش قیمت پتھر (جواہر کی قسم) جڑا ہوا تھا اکبر شاہ نے مولنا شہید کے کہنے پر کہ مرد کو سونا پہننا حرام ہے فوراً کڑے اُتار کے مولانا کے حوالہ کیے مولانا شہید بڑے ذہین اور رسا طبیعت کے تھے۔ انہیں اپنے ہموطنوں کی مشتبہ طبائع کا پورا اندازہ تھا اور وہ اپنی بدنامی کا حتی الوسع خیال کرتے تھے اسلئے

آپ نے وہ کپڑے واپس کر دیئے اور فرمایا انہیں فروخت کر کے مساکین کو دیدیں میں نہیں لے سکتا۔ گو میں بھی محتاجوں کو دے سکتا تھا لیکن لوگ یہ طعنہ ماریں گے کہ اسمٰعیل نے اکبر شاہ سے کپڑے اتروا کے آپ اینٹھ لئے۔ اسی لئے سونا پہننے پر اعتراض کیا ہوگا۔ لہٰذا میں ایسی بدگمانیوں سے حتی الامکان بچنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کے اکبر شاہ اور بھی خوش ہوئے اور نہایت عزت و توقیر سے مولانا شہید کو رخصت کیا۔ ہمیں ایک راوی کی روایت کے موجب اطلاع ملی ہے کہ مولانا کو ایک خلعت فاخرہ سات پارچے کی بھی عنایت ہوئی تھی اور رخصت کرتے وقت اکبر شاہ نے یہ دعا دی تھی "خدا کرے اسلام کے پیچیدہ کاموں کی مشکل کشائی تمہاری ہی قوتِ بازو سے ہو"۔ جب مولوی اسمٰعیل صاحب کا یہ اعزاز ہوا تو اور بھی مخالفوں کے دانت کھٹے ہوئے اور انہیں اپنے خیالات میں ناکام ہونا پڑا۔ ابتک تاک کے امین آنکھیں پھاڑے ہوئے یہ رستہ دیکھ رہے تھے کہ اب ہم یہ سنیں اسمٰعیل قلعہ میں بے عزت کیا گیا ہے اور اکبر شاہ نے اُسے قید کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ مگر وہاں اور ہی صورت نظر آئی۔ یہ وجہ اور بھی ان کی بے بنیاد دشمنی کی آگ بھڑکانے والی تھی۔ آخر نوبت باینجا رسید کہ سر بازار آپ پر حملے کرنے کی تدبیریں ہونے لگیں۔ جس سے مخالفین کے غصہ کا پورا جوش معلوم ہوتا تھا۔

اس عرصہ میں مولانا اپنی تدبیروں سے باز نہ رہے جس آگ کو انہوں نے بھڑکایا تھا اسکے اختتام پر پہنچانے کو موجود تھے یا جس کام کو اٹھایا تھا اُسکو پورا کرنیکا وہی جوش باقی تھا اور اب اسی مخالفت میں آپ نے دوسرے وعظ کا ارادہ کیا اور یہ وعظ اور بھی خوفناک اور دلی والوں کے لئے ایک مہیب صورت کا ثابت ہوا۔

ضروری تمہید

(مولانا شہید کے مختلف مضامین پر وعظ اور مولوی فضل حق صاحب کی تلخ تر مخالفت)

پہلے اس سے کہ ہم مولانا شہید کے وعظ اور اس تلخ تر مخالفت کا تذکرہ کریں جو مولوی فضل حق صاحب نے مولانا شہید سے برتی تھی اور اپنی تمام سررشتہ داری کی قوت مولانا شہید کے مقابلہ میں صرف کر دی تھی۔ یہ بہتر ہوگا کہ ان دو نو علماء کا تذکرہ کریں اور دونو کی علمی قابلیت اور زہد و تقویٰ اور حمیت اسلامی کا مقابلہ کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کریں۔ تاکہ انہیں دونوں کے افعال اعمال اور ضمیری جوہروں کے جانچنے کا پورا پورا موقع ملے۔ یہ بحث چونکہ دلچسپ ہے اسلئے امید ہے شوق سے پڑھی جائیگی

پاکی اور تقدس جو اسلام کے نونہال بچے ہیں ہمیشہ اسکی گود میں نہایت لاڈ سے پالے گئے ہیں اور جن پاک اور برتر نفوس نے اسلام قبول کیا انہوں نے بھی ان بچوں کو ایسے لاڈ اور احتیاط سے پرورش کی جسطرح کہ اسلام کی گود میں پلتے تھے۔ اس انتظام کے لئے کہ لاڈ کی یہ چاہت اہل اسلام میں سے نہ نکلجائے انہیں بذریعہ علم تہذیب سکھائی گئی اور ادب اور شائستگی سے اُن کے دل کو منور کیا اور انکے ضمیری جوہروں کو اپنے جلال اور جبروت کی پوری درخشانی سے تاباں

کیا گیا۔ خداوند تعالیٰ کے علم سکھانے سے (خواہ منقولی ہو یا معقولی) یہ مراد ہے کہ ہمارے اخلاق درست ہوں اور ہماری تہذیب و بنیادی دینی شائستگی کے ساتھ ترقی کرے ہم اسلام کے سچے فرمانبردار اور پیارے مقتدی بنجائیں اور ہماری ذاتی طہارت اور دلی صفائی سے غیر اسلام کی نگاہوں میں اسلام کی توقیر بڑھے اور وہ اسکی طرف رجوع ہوں۔

اسلام جو دنیا میں اپنے کو کل ادیان کا سرتاج سمجھتا ہے ہمیشہ زیادہ تر اسی علم پر فخر کرتا ہے کہ جسکے ساتھ ایمان کا بھی نفظ ہے۔ اسمیں شک نہیں علم کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو قاطع اسلام یا ایمان ہو پھر بھی ایسے شخص کی ذات سخت نفرت انگیز ہے جو علم حاصل کر کے اُسے اپنی ناپاک نفسانی خواہشوں اور حیوانی جذبات سے حظ حاصل کرنے کا آلہ بنائے اور اپنی انسانی برتری اور فضیلت اسلامی اور حرمت علمی کو مٹا کے ذلت کے آخری درجہ پر پہنچ جائے۔ ایسے شخص کو کیا عالم کہیں اور کن شرمناک الفاظ میں اُسکی اور اُسکے علم کی تعریف کریں علم بجائے خود کوئی مضر چیز نہیں ہے لیکن دل اور دماغ کی خوبی ایسی کہ علم مضر اور مہلک بنجاتا ہے وہی خنک پانی ہے جو روح کو تازہ اور معدہ کو سیراب کرتا ہے وہی پانی اگر ایک ایسے مریض کو دیا جائے جسکا پھیپھڑا گل چکا ہو اور ہر دم بردم واپسین کا شبہ ہو تو وہ ایک گھونٹ پینتے ہی عالم ارواح کو سدھار جائیگا ایسی حالت میں ہم پانی کو مہلک نہ کہیں گے بلکہ اس ظرف کو مریض بتائینگے کہ جو ایسی عمدہ شے سے بجائے مستفید ہونیکے اپنی جان دے۔ ہمارے دین کی کتاب یعنی قرآن مجید میں روشن اور صاف الفاظ میں یہ لکھا ہوا ہے:۔

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

اللہ اُن کے درجے بلند کریگا جو تم میں ایمان اور علم رکھتے ہیں

فطرۃ اللہ کا اصلی مفہوم اور کلامِ ربانی کا اصلی منشاء صرف یہی ہے کہ وہ علم علم ہے جسکے ساتھ ایمان ہو اور وہ علم کچھ علم نہیں ہے جس کے ساتھ بد دیانتی بدنیتی زنا اور شراب خواری جو انسانی شرافت اور فضیلت کا خون کرنیوالے ہیں ہوں۔ علم انسانی ضمیری جوہر دل کو چمکاتا ہے لیکن ایسے علم کو سلام ہے جس سے وہ اعلیٰ جوہر اور بھی مدھم پڑجائے اور پھر انمیں ایسا رنگ آجائے کہ انکی ہستی تک مٹ جائے۔

اسلام نے ہمیشہ اپنی روشن اور سب سے برتر تعلیم پر فخر کیا ہے اور اسکا فخر ہر صدی میں بیجا نہیں بلکہ بجا ثابت ہوا ہے۔ یونانیوں کے علوم و فنون جو پادریوں کی بیجا خود غرضانہ تعلیم سے نیست و نابود ہو گیا تھا عرب ہی بعد ازاں اُسکے سرپرست بنے اور انہوں ہی نے انکو زندہ کر کے نئی تحقیقات کی پوشاک پہنا دی لیکن ہمارا روئے سخن خاص علمائے دین کی طرف ہے کہ اُن کیلئے کیا کیا احتیاط شرط ہے اور پہلے کس کس قدر احتیاط کرتے تھے۔

دنیادی علوم کا عالم اگر کسی قدر خلاف شرع بھی ہوگا جب بھی اسکا اثر قوم کے بچوں پر نہیں پڑ سکتا لیکن جو شخص مولوی کے نام سے مشہور ہو اور مذہبی مباحث میں سب سے زیادہ حصہ لے اور وہ کھلم کھلا وہ افعال کرے جو

حرام ہوں اور شریعت محمدی کی اس سے سخت توہین ہوتی ہو تو ایسے شخص سے ایک کندہ ناتراش جاہل نمازی بہتر ہے بجائے اس کے ہم ایک متقی اور پرہیزگار حامی دین متین مولوی کے مقابلہ میں لسے کھڑا کریں اور دونو کے علوم کی جانچ کریں۔ پھر بھی ہمارا فرض ہے کہ بوجہ ہمعصر ہونے اور باہمی نوک جھونک ہونے کی جہت سے دونو کی قابلیت علمی اور اتقائے دینی کا تذکرہ کریں۔

ہمارے مذہب میں جہاں مذہبی علمائے بحث کی گئی ہے وہاں یہ صاف طور پر کھول دیا گیا ہے جو خدا سے ڈرتا ہے وہ عالم ہے اور جو خدا سے نہیں ڈرتا ہمیں کچھ سمجھ نہیں ہے خواہ وہ تمام معقولی علوم کا حافظ ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

(اُس کے بندوں میں اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جنہیں سمجھ ہے)

خداوند تعالیٰ نے صاف طور پر فرما دیا ہے جو کچھ ہم نے اپنے کلام میں بیان کیا ہو خواہ امثال ہوں یا اور پہلو ہوئے ہوا سکو وہی لوگ سمجھتے ہیں جنہیں سمجھ ہے اس سمجھ سے مطلب دین میں سمجھ ہونے کی ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ صدہ شمس بازغہ اور بو علی سینا کی تصنیفات میں سمجھ ہو جیسا کہ اس نے صاف الفاظ میں یہ ارشاد کردیا:۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعٰلِمُوْنَ

(اور یہ مثالیں ہم آدمیوں کیلئے بیان کرتے ہیں اور انہیں بوجھتے وہی ہیں جنہیں سمجھ ہے)

فطرۃ اللہ کا جو منشا ہم نے اوپر بیان کیا وہ آگے آنیوالی آیت میں صاف طور پر ظاہر ہو گیا۔ اسلام کی پہلی سیڑھی یہ تقوی و طہارت ہے اور جب ایک ایسا شخص جسکے نام کیساتھ مولویت کا لفظ ہو اور وہ تقوی و طہارت سے عاری ہو تو پھر اسپر مولوی کا اطلاق حکم دین کے لحاظ سے ہرگز نہیں ہوسکتا جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ

(اے آدم کی اولاد میں نے تمہیں پوشاک دی کہ تمہارے عیب چھپاوے اور رونق بخشی اور بہتر ہیں پرہیزگاری کے کپڑے)

اس آیت کی تفسیر میں مفسروں نے لکھا ہے لباس سے مراد علم ہے اور ریش سے مراد یقین ہے اور لباس تقویٰ سے مراد حیا ہے جب علم کیساتھ حیا و یقین کی صفتیں نہیں ہیں تو ایسے دینی علم پر تین حرف خدا کے آگے ایسے علم والے جاہل اور فاسق ہیں۔ بار بار خداوند تعالیٰ ایسے لوگوں کو جاہل کہتا ہے جو قرآنی آیتوں پر عمل نہیں کرتے اور احکام ربانی سے روگردانی کرتے ہیں مثلاً زور دے کے باریتعالیٰ یہ فرماتا ہے:۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

بلکہ یہ قرآن اُن کے سینے میں جنہیں سمجھ عطا ہوئی ہے صاف نشانیاں ہیں۔

قرآنی آیات بینات کے علاوہ بہت سی احادیث بھی موجود ہیں جنہیں یہ بیان ہوا ہے خداوند تعالیٰ کی سچی ہدایت

اُسی کو پہنچی ہے اور وہی سیدھے رستہ پر ہے جسکو دین میں سمجھ ہے یعنی جس نے دینیات پڑھکر اور عمر کا بہت بڑا حصہ اس میں صرف کرکے تحصیل کیا اور پھر اس پر عمل نہ کیا وہ محض بیکار اور ناکارہ ہے۔

ہر مسلمان پر خصوصاً ایسے شخص پر کہ جس نے نبی اور خدا کا علم حاصل کیا اور پھر اس نے عمل کے وقت روگردانی کی اسکی کمینہ طبیعت اور سفلگی اس شرافت کو مٹا کے خاک میں ملا دیتی ہے جو نفس انسانیت کا روز ازل سے جوہر ہو چکی ہے ایک سچا مسلمان اپنے اتقا اور خدا پرستی طہارت اور تقدس نفسانی اپنے ضمیری جوہروں کی تابانی۔ دیانت نیک نیتی اخلاق کی شائستگی اور خیالات کی نجابت پر افتخار کرنے کا مجاز ہے۔ کیونکہ یہ جتنی صفتیں ہیں سب ایک مسلمان کیلئے خاص ہیں اور جنہیں یہ صفتیں نہیں گویا وہ خدا کے سچے جلال کی روشنی اور اسلامی برکتوں سے محروم اور اسکی بخششوں اور لازوال نعمتوں سے بدنصیب ہیں جیسا کہ حدیث نبوی میں آیا ہے:۔

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَيُلْهِمْهُ رُشْدًا [1]

جس کی اللہ بہتری چاہتا ہے اُسے دین میں سمجھ دیتا ہے اور اسے راہ الہام کردیتا ہے

اس سے یہ ثابت ہوگیا جسے دین میں سمجھ نہیں ہے اسکے لئے بہتری ہی نہیں ہے وہ ہمیشہ زشتی اور زبونی میں اپنی زندگی برباد کریگا اور کبھی نہ دین میں نہ دنیا میں سرسبز ہوگا کسی بندے کیلئے خدا کا بہتری نہ چاہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ بندہ اپنے بداعمال سے پورا مغضوب ہو چکا ہے اور اب نہ اسکی فلاح کی کوئی امید ہے نہ اسکی نجات کی علما کی شان میں یہ حدیث نبوی موجود ہے یعنی "العلماء[2] ورثة الانبیاء" (عالم انبیا کے وارث ہیں) ظاہر ہے کوئی درجہ درجۂ نبوت سے بڑھ کے نہیں ہے اور جب ایسے اعلیٰ درجہ کی وراثت عطا ہوئی تو وہ شخص کس اتقا اور پرہیزگاری کا ہونا چاہئے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے "عالم[3] کے واسطے زمین اور آسمان میں جو چیز ہے مغفرت طلب کرتی ہے" اس سے زیادہ اور کوئی منصب نہیں ہو سکتا جس کیلئے آسمان و زمین کے فرشتے بھی مغفرت چاہیں۔ ایک اور حدیث میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا ہے "حکمت[4] شریف کی بزرگی زیادہ کرتی ہے اور مملوک کو اتنی بلندی بخشتی ہے کہ بادشاہوں کے تخت پر بٹھا دیتی ہے" اس حدیث میں نبی اکرمؐ نے علم کا نتیجہ دنیا میں ارشاد فرما دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف[5] الفاظ میں اس امر کا فیصلہ کردیا کہ علم دین حاصل کرکے جو آہیں سمجھ نہ پیدا کرے اور اسکی ہدایت نہ کرے منافق ہے چاہے کیسا ہی عالم ہو دینی یا دنیوی علوم کا مفہوم یہی ہے کہ اس سے نیک باتیں سیکھ کے ان پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی ہدایت کریں اور جب کسی دینی عالم سے یہ دونو کام

---

۱ یہ حدیث بخاری و مسلم نے روایت کی ہے اور اسمیں ویلہمہ شدہ نہیں ہے اس جملہ کو طبرانی نے جامع کبیر میں زیادتی کیا ہے۔
۲ ابوداؤد و ترمذی نے ابو درداء سے نقل کیا ہے ۳ یہ ٹکڑا پہلی حدیث ابو درداء کا ہے ۴ ابونعیم اور عبدالغنی ازدی نے اس سے روایت کیا ہے ۱۲

نہیں ہوتے وہ نبی عربی کی حدیث کے مطابق منافق ہے جیسا کہ ارشاد ہوا۔

خَصْلَتَانِ لَا يَكُوْنَانِ فِيْ مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَفِقْهٌ فِي الدِّيْنِ ؕ[1]

(دو خصلتیں ہیں کہ منافق میں نہیں ہوتیں اول خوبی ہدایت دوم دین میں سمجھ)

ہمارے مفخر موجودات امین خدا نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے خوب صاف الفاظ میں مولوی کی شان بیان فرما دی کہ پھر کسی تشریح اور تفسیر کی ضرورت نہیں رہی نہ کوئی مسلمان اس سے انکار کر سکتا ہے وہ حدیث یہ ہے۔ آدمیوں[2] میں سے بہتر اور ایماندار عالم ہے کہ اگر لوگ اُسکے پاس حاجت لیجاویں تو انہیں فائدہ پہنچائے اور اگر اس سے بے پروائی کریں تو وہ اپنے نفس کو اس سے بے پرا کرے جس عالم میں یہ دو صفتیں نہیں ہیں وہ نبی عربی کی حدیث کے مطابق کبھی نیاب بندوں میں سے نہیں ہو سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام نے جتنی علم اور اہلعلم کی توقیر کی ہے اور کسی مذہب میں یہ بات نہیں ہے نہ مسیحی مذہب کو یہ فخر حاصل ہوا ہے اور نہ زرتشتی مذہب نے اس میدان میں اسلام کے برابر قدم رکھا ہے اور نہ آریہ مذہب میں عالم اور علم کی بابت اس بے مثال عزت اور لاثانی توقیر کا نام آیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے:۔

"ایک[3] قبیلہ کا مر جانا ایک عالم کے مرنے کی نسبت آسان تر ہے"

ان ہی روشن اصول پر اسلام فخر کرتا ہے وہ ایک عالم کی جان کے آگے ایک قبیلہ کی جان کی کچھ قیمت نہیں سمجھتا لیکن یہاں ایسے عالم سے مراد ہے جسکا ذکر اوپر کی لکھی ہوئی حدیثوں میں کیا گیا۔

اس[4] میں شک نہیں کہ عالم زمین پر خدا تعالیٰ کا امانتدار ہے اور جس نے خدا کا امانتدار بنکے اسمیں خیانت کی اس کے برابر کوئی نالائق دین محمدی میں نہیں ہو سکتا۔

خدا کی مخلوق کی بہتری اور اصلاح کی کنجی حکمران اور علماء کے ہاتھ میں ہوتی ہے اگر یہی دونوں بگڑ جائیں تو دین و دنیا میں مخلوق کا پھر کہاں ٹھکانا مل سکتا ہے۔ نبی اکرم یہاں خود ارشاد فرماتے ہیں:۔

میری[5] امت میں دو قسمیں ایسی ہیں کہ اگر وہ درست ہوں تو سب لوگ درست ہو جاویں اور اگر وہ بگڑ جاویں تو سب لوگ بگڑ جائیں۔ ایک امیر یعنی حکمران اور دوسرے فقہا (یعنی عالم)

ایسا فاضل اور مولوی یا عالم جسکی وجہ سے فسق کو ترقی ہو وہ سو منافقوں کا ایک منافق ہے اور اس سے بدتر اسلام میں کوئی نہیں ہے۔ اپنے نفس کی زبونی بُرے نتیجے دکھاتی ہے نہ کہ خدا کی صدہا مخلوق کو تباہ کرنا اور انہیں گمراہ کر دینا مذہب اسلام میں عالم کی فضیلت بڑے زور شور سے بیان ہوئی ہے کہ اس سے افضل کوئی قرار ہی نہیں دیا گیا۔

---

[1] ترمذی نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے [2] بیہقی نے موقوف روایت کی ہے۔ [3] طبرانی نے ابودرداء سے روایت کیا ہے [4] ابن عبدالبر نے حضرت معاذ سے روایت کیا ہے [5] ابن عبدالبر اور عبدالنعیم نے بسند ضعیف روایت کیا ہے

یہانتک کہ بڑے زاہدوں اور عابدوں پر عالم کو فضیلت بخشی ہے جیساکہ ارشاد ہوا ہے :۔

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى اَدْنٰى رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِي [1]

(عالم کی بزرگی عابد پر ایسی ہے جیسے میری بزرگی میرے ساتھیوں میں سب سے کمتر شخص پر)

پھر ایک اور حدیث میں آیا ہے۔

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ [2]

(عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی سب ستاروں پر)

پھر ایک اور حدیث میں آیا ہے اور وہ اور بھی زیادہ توجہ کے قابل ہے۔

يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلٰثَةٌ الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ [3]

(قیامت میں تین آدمیوں کی شفاعت قبول ہوگی انبیاء کی پھر علما کی پھر شہیدوں کی)

اس سے یہ ثبوت بدرجہ اولیٰ ہوگیا کہ انبیاء کے بعد علمائے دین کا درجہ ہے ہمیں یہی ثابت کرنا تھا اور اسی کو ہم ثابت کرچکے۔ اب ہم مولوی فضل حق صاحب اور مولنا شہید کی بابت کچھ لکھنا چاہتے ہیں جو بحث اور بھی دلچسپ ہوگی مولوی فضل امام صاحب مولوی فضل حق صاحب کے والد ماجد ایک مسکین مسلمان تھے۔ گو دنیاوی امور نے انہیں گھیر رکھا تھا۔ پھر بھی وہ اسلامی ارکان ادا کرنے کے کچھ نہ کچھ عادی ہی تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پڑھے لکھے بھی تھے چونکہ ہمیں انکی بابت کوئی بحث نہیں کرنی اسلئے نہ انکا مبلغ علم دیکھنا ہے نہ ان کے چال چلن کی جانچ کرنی ہے صرف ہمیں مولوی فضل حق صاحب سے بحث ہے۔

مولوی یا منطقی صاحب ایک اعلیٰ درجہ کے معقولی تھے اور یہ مشہور تھا کہ صدرا جیسا منطقی صاحب پڑھاتے ہیں شہر میں اور کوئی نہیں پڑھا سکتا۔ اسمیں شک نہیں کہ ہمارے مولوی منطقی صاحب اعلیٰ درجہ کے لائق اور فائق شخص تھے اور یہ بھی مسلم الثبوت ہے کہ آپ طلبہ کے پڑھانے کے ایسے پابند تھے کہ ناواجب موقع پر بھی نہ چوکتے تھے۔ یعنے جب آپ طوائف کے ہاں ہوتے تھے اس حالت میں بھی سبق پڑھانے میں دریغ نہ کرتے تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے آپ ادیب بھی بہت بڑے تھے اور شاعر بھی اعلیٰ درجہ کے تھے یہانتک کہ ان کے بہت سے قصائد عربیہ بے نقط دیکھے گئے ہیں۔ ان قصائد پر نظر کرنے سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے مصنف یا شاعر ایک غیر معمولی لیاقت کا شخص ہے اور اسے خداداد ذہانت اور تیز طبعی کا بہت بڑا حصہ ملا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اکثر اشعار عرب کے روزمرہ سے گرے ہوئے ہیں اور بعض نحوی غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ باینہمہ

---

[1] ترمذی نے ابوامامہ سے روایت کیا ہے اور حسن صحیح کہا ۱۲ [2] ابوداؤد ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے
[3] ابن ماجہ نے حضرت عثمان رضی سے روایت کیا ہے ۱۲

مضمون کی عمدگی مطالب کی درستی میں کوئی کلام نہیں ہے ہم یہاں ان اشعار کو لکھکر دکھاتے مگر جب رسالہ تیرہ[1] صدی میں تمام حواشی (جو مولوی فضل حق صاحب نے منطقی کتب پر چڑھائے تھے۔ اور اشعار کی پوستکندہ کیفیت درج ہے اور جس کی ترتیب مولانا سید احمد صاحب رامپوری نے دی ہے۔ پھر کیا ضرور ہے کہ ہم اپنے صفحے اس بحث میں سیاہ کریں جن اصحاب کو شوق ہو وہ اس رسالہ میں دیکھ سکتے ہیں۔ بعض حواشی معقولی کتب پر عجیب و غریب قابلیت سے مولوی منطقی صاحب نے چڑھائے ہیں لیکن مولوی صاحب موصوف کی وقعت کو کم کرنیوالا وہ نظارہ ہوگا جب ان لاجواب حواشی کو دوسرے علماء کے حواشی کا مترادف پائینگے اور جن سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک نے دوسرے کی نقل کرلی ہے۔

بہر حال ہمیں اس بات کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ مولوی فضل حق صاحب اپنی عالی دماغی جودتِ طبع اور علوم عربیہ (معقولات) میں قابلیت تامہ رکھتے تھے۔ اور یہ بات تعریف کے قابل تھی کہ درسی کتابیں ریاضی و منطق و ہیأت کی ایسی ازبر تھیں کہ باوجودیکہ وہ اپنی دلربا کی طرف اپنی طبیعت مائل رکھتے پھر بھی اپنے نکتہ چین اور جھکی شاگردوں کا اطمینان کردیتے تھے۔ یہ بات تعریف کے قابل ہے کہ مولوی صاحب موصوف کی جدت پسند طبیعت اور عالی دماغی نے انہیں زمرۂ علمائے دینی میں پابند نہ رہنے دیا بلکہ انکی لاثانی معقولی قابلیت اور قانونی دماغ نے مجبور کیا کہ وہ ملازمت انگریزی کریں گو پہلے انہیں کوئی عہدہ ملا ہو لیکن آخر وہ سرشتہ دار بنگئے تھے۔ اور اس سرشتہ داری میں انہیں وہ دبدبہ اور شوکت و قوت حاصل تھی جو اس زمانہ میں ڈپٹی کمشنر کو ہے آپکے مکان پر اہلِ مقدمہ کا دربار لگا رہتا تھا اور زندگی نہایت عزت اور آرام سے بسر ہوتی تھی۔ بایں ہمہ یہ بات قابلِ مدح ہے ہمارے منطقی مولوی سرکاری کاروبار کی اس کثرت پر بھی طلبہ کو پڑھاتے تھے اور مولوی مفتی صدرالدین کی طرح اپنے خالی وقت کا کچھ نہ کچھ حصہ طلبہ پر قربان کر رکھا تھا۔

انکی معاشرت پر ہمیں ضرور نہیں کہ ہم نکتہ چینی کریں کیونکہ گو وہ مولوی کے نام سے مشہور تھے لیکن سرکار انگریزی کے ملازم بن کے انہوں نے اپنے کو دائرہ علما سے خارج کرلیا تھا۔ جب مولنا شہید کے وعظ پر نئے نئے حاشیے یار لوگوں نے چڑھائے اور شہر میں خواہ مخواہ ایک تلاطم برپا ہوا تو منطقی صاحب بھی انکی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے بھی اپنی سرشتہ داری کی اسٹیج پر شہید کی مخالفت کا ایک پارٹ ایکٹ کرنے کو پسند کیا۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے ہمارے منطقی صاحب کو لوگوں کی افواہوں کا کہانتک خیال تھا اور وہ عوام الناس کی بکواس کو کہانتک صحیح جانتے تھے لیکن یہ افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ آپکو اپنی سرکاری قوت کی مخالفانہ آزمائش کا پہلا موقع

[1] مولوی امیر احمد صاحب مرحوم نے مولوی فضل حق صاحب کی تصانیف (حواشی، اشعار وغیرہ) پر تیرہ سو اعتراض کئے ہیں اور اس رسالہ کا نام تیرہ صدی رکھا ہے مولوی شبلی صاحب نعمانی نے ان کثیر التعداد اعتراضوں کا جواب دینا چاہا تھا مگر بن نہ پڑا۔

شہید پر ملا جو یقیناً ان الزامات سے بالکل بری تھا جو اسپر قائم ہوئے تھے۔ نئی نئی تدبیریں ہونے لگیں اور روزمرہ مشورے اس امر میں ہوئے کہ جسطرح ہو سکے مولنا شہید کو عین موقع پر زک دیں۔ رزیڈینٹ کے کان میں بھی یہ بات ڈالدی کہ مولنا شہید کے وعظ سے امن میں خلل پڑنے کا خوف ہے۔ پھر بھی ابھی بہت خیر تھی منطقی صاحب کے غضب نے طول نہ کھینچا تھا اور وہ صرف اسے ایک معمولی بات سمجھکر ابھی زیادہ زور بھی نہ دیتے تھے۔

ایکدن جب مولانا شہید اپنے مکان پر طلبہ کو پڑھا رہے تھے منطقی صاحب نے چند طالبعلم بحث کرنے کیلئے بھیجے اور بعض نکات درسی کتابوں کے انہیں سمجھا دیئے اور یہ پٹی بھی پڑھادی۔ اگر شکست مشت ہوجائے تو تم چوکنا نہیں میں سب بند وبست کر لونگا۔ ان طلبہ کا لیڈر جو بحث کرنے چلے تھے ایک شخص عبد الصمد نامی بنگالی تھا اور یہی گویا فضل حق صاحب کے شاگردوں میں بڑا ذہین اور طبّاع مشہور تھا وہ بعض وقت خود بدولت کو بھی کچھ نہ سمجھتا تھا اور اس کی خداداد ذہانت اور قوت تفہیم نے ایسا بہکایا تھا کہ وہ بڑے بڑوں کی عیب گیری کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کرتا تھا۔ تعداداً یہ آٹھ دس طلبہ تھے جو مولوی شہید کے پاس بحث کرنے کیلئے آئے یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ پیارے شہید کو کہانتک اپنے دوست منطقی کا علم تھا۔ ہاں کئی وجوہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ پڑھے لکھوں میں اوّل نمبر مخالفت میں منطقی صاحب کا ہے جب یہ بحث کرنیوالے پہونچے ہیں تو شہید بخاری پڑھا رہے تھے۔ بجائے اس کے کہ یہ خاموش بیٹھ کے گوشگذار کرتے اور جب سبق ہو چکتا تو در بحث وا ہوتا انہوں نے تو جاتے ہی ایک شگوفہ یہ چھوڑ دیا۔ جبتک آپ ہم سے بحث نہ کرلیں کبھی طلبہ کو نہ پڑھائیں اس میں جاہل بہکتے ہیں اور آپکو عالم سمجھ کے آپکی بات تسلیم کر لیتے ہیں۔

یہ ایسا ناتراشیدہ اور نامہذب حملہ تھا کہ کیسا ہی سکین سے سکین شخص ہو اسے بھی غصہ آجائے اور پیارا شہید تو ابھی نوجوان تھا۔ فطری طور پر اس ناملائم دخل سے پیارے شہید کو غیظ تو بہت آیا لیکن قرآن کی اس آیت نے کہ جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور معاف کرنے کی عادت رکھتے ہیں" کسی قدر دھیما کر دیا اور نہایت حلیمی اور انکساری سے یہ جواب دیا۔ "جو کام میں کر رہا ہوں خواہ وہ ناواجب طریقہ سے ہو خواہ واجب طور پر آپکو لازم ہے آپ خاموش رہیں اور جب میں اپنا فرض منصبی ادا کرلوں پھر آپ مجھ سے ہر سوال کرنیکے مجاز ہیں" یہ جواب اسی قدر معتدل تھا جتنا خیال میں آسکتا ہے پھر بھی یہ کیونکہ ممکن تھا کہ ان کے حسد کی آگ کو معتدل جواب کا خنک پانی بجھا سکتا۔ انہوں نے اور بھی سختی سے یہ جوابدیا "ہم تمہیں اس فرض سے اسلئے روکتے ہیں کہ مخلوق اللہ ظلمت اور گمراہی میں نہ پڑے اور بحیثیت ایک حنفی ہونے کے ہمارا فرض ہے کہ ہم کبھی وہ کام نہ کرنے دیں خصوصاً اپنی آنکھوں کے آگے جس سے دینِ خدا میں رخنہ پڑے" انکی یہ حد سے زیادہ بڑھی ہوئی گرم باتیں پیارے شہید کے شاگردوں کو بھڑکانے کیلئے کافی تھیں۔ اگر انہیں ایک زبردست اور پُر اثر آواز اپنے استاد

کی نہ روکتی تو ضرور سر پھٹول ہو جاتی اور وہ آواز یہ تھی "تم ہرگز خفا نہ ہونا انہوں نے کچھ بھی مجھے نہیں کہا جتنا ہمارے رسول مقبول کو مخالفین ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتے تھے اور آپ اُف تک نہ کرتے تھے اور یہ دعا دیتے تھے" خدا تم پر رحمت کرے" کیا تمہیں وہ یاد نہیں رسول مقبول کے ایک قرضخواہ یہودی نے چادر کھینچی تھی اور اس نا ملائمت سے اپنا قرض مانگا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر لال پیلے ہوئے تھے مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا تھا اور یہ فرمایا تھا عمرؓ چادر تو میری گھسیٹی ہے تجھے غصہ کیوں آیا" یوں ہی شاگردوں نے یہ سُنا وہ بے حس و حرکت سمندر کی طرح ساکن ہو گئے۔ اور صورتِ بُت وہ اپنے جلیل القدر استاد کی طرف تکنے لگے۔ بعد ازاں مولانا شہید نے کہا بھائیو! جو کچھ تمہیں سوال کرنا ہو کرو، انہوں نے چھوٹتے ہی یہ دریافت کیا ہم صرف آپ سے[1] یہ دریافت کرتے ہیں آپ امام ابو حنیفہؒ کو کیسا سمجھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک بڑا زبردست فقیہہ فخرِ مسلمین خیال کرتا ہوں۔

طلبہ | جو فقہی مسائل اُنکے ہیں آپ انہیں تسلیم کرتے اور مانتے ہیں؟

شہید | اکثر کو تسلیم کرتا ہوں مگر بعض وہ مسائل جو حدیث میں موجود ہیں ....

ابھی پورا کہنا نہ پائے تھے کہ وہ بول اُٹھے "آپ میں اتنی سمجھ ہو گئی کہ آپ اُنکے بعض فقہی مسائل کو ناپسند اور اکثر کو پسند کرنے کے مجاز ہیں"!

شہید | نہیں حاشا وکلا میں نے دعویٰ نہیں کیا بلکہ میں یہ کہتا ہوں امام اعظمؒ کو جو حدیث نہیں پہونچی اور وہاں انہوں نے اپنی رائے سے بیان کیا اور اس کے خلاف حدیث موجود ہے تو ہمارا فرض ہے کہ حدیث نبویؐ کے آگے امام اعظمؒ کے قول یا رائے کو تسلیم نہ کریں۔

طلبہ | اور جو اس کے خلاف کرے اُسے آپ کیا کہتے ہیں؟

شہید | ابھی تک میں نے اسکی بابت کوئی غور نہیں کیا۔ پھر بھی میں اتنا کہتا ہوں چاہے میرا خیال درست ہو چاہے نادرست۔ وہ اچھا نہیں کرتا۔ کیونکہ امام صاحب خود فرماتے ہیں "اگر میرے قول کے خلاف کوئی حدیث ملے تو اُس میرے قول کو نہ مانو"!

طلبہ | کیا امام اعظمؒ صاحب حدیث نہیں جانتے تھے؟

شہید | جانتے کیوں نہیں تھے مگر وہ زمانہ احادیث کی اختراعات کا ایسا غضبناک تھا کہ یکایک ہر حدیث کو تسلیم کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اکثر مسائل میں اپنی رائے سے کام لیا ہے۔

طلبہ | کیا اس سے وہ ملزم ٹھہر سکتے ہیں؟

---

[1] سیر دہلی کے صفحہ ۲۵۵ سے صفحہ ۲۶۰ تک یہ کل طویل مناظرہ یا سوال و جواب مندرج ہیں۔

شہید | نہیں ہرگز نہیں ان کا دامنِ تقدس ہر بیجا الزام سے بالکل پاک ہے۔ ہاں اگر یہ کہتے کہ صحیح حدیث پہونچنے پر بھی تم میرے ہی قول پر عمل کئے جاؤ تب تو جائے اعتراض ہو سکتی ہے اور جب وہ یہ نہیں فرماتے پھر اُن پر کسی طور کا الزام قائم کرنیوالا جھوٹا ہے۔

ان سوال وجواب میں کوئی بات ایسی نہ تھی کہ بحث کرنیوالوں یا سوال کرنیوالوں کی آرزو برآتی چونکہ اب بھی اُنکی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں اور وہ غصہ میں تھر تھرا رہے تھے۔ انہوں نے یہ بے جوڑ سوالات کرنے شروع کئے۔

طلبہ | ایسے بھی مسائل ہیں جن سے امام صاحب کو اور تین اماموں پر فضیلت ہو سکتی ہے۔

شہید | اس کا جواب دینے کے لئے میں ابھی تیار نہیں ہُوں۔

طلبہ | پھر آپکو آتا ہی کیا ہے آپ تو بالکل ہی نہیں جانتے۔

شہید | مَیں نے ابھی تک اپنی علمیت کا دعویٰ نہیں کیا جو تم مجھے یہ کہتے ہو۔ یہ تمہاری سراسر زیادتی ہے۔

طلبہ | زیادتی نہیں ہے ہمارا مذہب یہ ہے کہ امام اعظم تینوں اماموں سے افضل ہیں اور اسے ہم ثابت کر سکتے ہیں۔

شہید | ممکن ہے ایسا ہو اور آپ ثابت بھی کر دیں لیکن جب میرے پاس چاروں جلیل القدر ائمہ کی لیاقت جانچ کرنیکا کوئی آلہ نہیں ہے پھر مَیں کیونکر اپنی رائے دے سکتا ہُوں مَیں چاروں کو واجب التعظیم خیال کرتا ہوں اور میرا یہ مذہب ہے جو کچھ اُنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی ہے اُسکا عظیم الشان صلہ تو خداوند حقیقی نے اُنہیں دیا ہی ہوگا لیکن اس کے خلاف ہماری گردن پر اُنکے اتنے احسان ہیں اور قیامت تک مسلمانوں پر رہینگے کہ وہ اُن سے سبکدوش نہیں ہو سکتے :

یہ سُن کے طلبہ خاموش ہوئے اور اب اُنہیں زیادہ سختی کا بھی موقع نہیں رہا۔ عبدالصمد بنگالی جو سب کیطرف سے محض طفلانہ اور بے جوڑ سوال کر رہا تھا اور دندان شکن مگر منکرانہ جوابوں پر بھی اسکی تسلی نہ ہوتی تھی سوچتے سوچتے یہ تواریخی سوال کرنے لگا۔ "آپ بڑے عالم ہیں آپکا خاندان بھی بڑا فاضل ہے اور تمام علوم آپکو حاصل ہیں آپ یہ تو بتائیے کہ امام ابوحنیفہؒ کون تھے ؛ کہاں کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے کس کس سے تعلیم پائی اور اُن کے شاگرد کون کون سے تھے۔ ذرا معلوم تو ہو کہ آپ ائمہ دین کے حالات سے کتنے واقف ہیں۔

شہید | (تبسم آمیز لہجہ میں) اس طول وطویل بیان کرنے کی تم مجھے ناحق تکلیف دیتے ہو۔ کتابیں بھری پڑی ہیں ان میں دیکھکر مشرح حال بخوبی معلوم ہو جائے گا۔

طلبہ | (زہر خندہ کر کے) یہ تو ہم جانتے ہیں کتابوں میں سب کچھ بھرا پڑا ہے ہمیں تو یہ دیکھنا ہے آپکو بھی کچھ آتا ہے۔ یا یُوں ہی دُور کے ڈھول سُہاونے ہیں۔

شہید | (ہنس کے اور بطور مضحکہ کے) اگر تم میرا امتحان لینے آئے ہو تو بھی تمہیں پہلے انعام کی فکر کرنی چاہئیے

کیونکہ اگر میں تمہارے امتحان میں پورا اُترا تو تمہیں ضرور انعام دینا ہوگا اور اگر تم محض استفادہ کے طور پر دریافت کرتے ہو تو تمہیں ایسی سختی نہیں کرنی چاہیئے۔ تلامذہ کے خلاف شان ہے کہ وہ اس سختی سے گفتگو کریں۔

مولانا شہید کی اس تقریر نے عبدالصمد بنگالی کے چھکے چھڑوا دیئے اور اب کسی قدر نادم ہوا مگر اسکے دل میں ایک کریدسی پیدا ہو رہی تھی۔ اسلیئے وہ اپنی ضد اور سوالات سے دستبردار نہیں ہوا تاہم وہ بہت نرم ہو گیا اور مولنا شہید کی ملامت اُسکے دل میں کُھب گئی۔ اسکا یہ جثہ پھر نہ رہا کہ وہ کہتا ئیں امتحان لینے آیا ہوں۔ بلکہ اب اُس نے کسی قدر نرم زبانی سے یہ کہا: اچھا بطور استفادہ ہی سہی۔ آپ میرے سوالات کا جواب دیں:۔

شہید اسکا کچھ مضائقہ نہیں۔ بہت خوشی سے مَیں تمہارے حکم کی تعمیل کرنے کو موجود ہوں۔ یہ کہہ کے آپنے یہ جواب ان تواریخی سوالات کا ارشاد فرمایا:۔

آپکا اصلی نام نعمان ہے اور کنیت ابو حنیفہ ہے اور لقب امام اعظم ہے اور شجرہ نسب یہ ہے۔ نعمان بن ثابت لبغا نوطی بن ماہ بن عسکر بن خیفان ابن شہ ہے آپ ۸۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے آپکے والد ثابت پہلے پہل حضرت علیؓ کی خدمت میں کوفہ حاضر ہوئے اور علاوہ اور تحائف عجمیہ کے آپنے خاگینہ حضرت علیؓ کی فرمائش سے اپنے باورچی سے پکوا کے پیش کیا۔ حضرت علی انڈوں کا خاگینہ اور عجمی تحائف لیکر بہت خوش ہوئے اور ثابت کو دعائے خیر دی۔ جب امام ابو حنیفہ بڑے ہوئے تو شعبی کی ترغیب سے علم کیطرف متوجہ ہوئے۔ یہ بحث بڑی دقیق ہے کہ آپنے کسی صحابی کو اپنی آنکھ سے دیکھا تھا اور آپکو تابعی ہونے کا افتخار بھی حاصل تھا۔ چونکہ مجھے ایسی کچھ ردو قدح نہیں کرنی ہے مَیں تواریخ پر بھروسہ کرکے یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپنے اپنے بچپن کے زمانہ میں انس صحابی کو دیکھا تھا جو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے خدمتگذار تھے۔ امام صاحب کا زمانہ بچپن و جوانی ایک پر آشوب زمانہ تھا۔ ایسے زمانہ میں بعض وجوہ سے آپ علم کلام کی طرف متوجہ ہوئے مگر بعد ازاں چند اصحاب کی ترغیب سے آپ اوّل حماد کے حلقہ درس میں شامل ہوئے حماد نے ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ گو ابھی امام ابو حنیفہ کو پورا حدیث میں ملکہ نہیں ہوا تھا پھر بھی چسکا لگ گیا اور آپ اس قابل ہو گئے تھے کہ فقہی مسائل کی جنکی اس زمانہ میں ضرورت تھی کچھ جانچ پڑتال کرتے۔ اس کے بعد آپنے قتادہ کی شاگردی کی۔ پھر آپنے سلیمان و سالم بن عبداللہ سے حدیث پڑھی سلیمان حضرت میمونہؓ کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے تھیں غلام تھے اور فقہائے سبعہ میں فضل وکمال کے لحاظ سے انکا دوسرا نمبر تھا۔ پھر بیروت میں (جو بندر دمشق ہے) اوزاعی سے تعلیم حدیث پائی۔ اس کے بعد سب سے زیادہ فخر حضرت امام باقر علیہ السلام کے حلقہ درس میں شامل ہونے کا امام اعظم کو حاصل ہوا۔ جب آپکی بہت شہرت ہوئی اور ہزاروں آپکے شاگرد بنگئے تو یزید بن عمر بن ہبیرہ گورنر کوفہ نے آپکو میر منشی اور افسر مقرر کرنا چاہا لیکن آپنے انکار کیا۔ یزید نے بہت سمجھایا اور زبانی ڈراوا دیا لیکن آپ اپنے

انکار ہی پر قائم رہے۔ ناچار اس نے آپکو دُرّے لگوائے۔ ہنوز یہاں دُرّے کھانے پر بھی انکار ہی تھا۔ روزمرہ وہ ابوحنیفہ کو اپنے سامنے بلاتا تھا اور میرمنشی کا بستہ پیش کرتا تھا اور ایک طرف دُرّہ رکھتا تھا کہ اسے قبول کرو نہیں یہ دُرّہ موجود ہے۔ آپ فرمادیا کرتے تھے مَیں جب انکار کر چکا تو اگر مار بھی ڈالیگا تو مَیں منظور نہ کرونگا۔ یہ مجھ سے کبھی نہ ہوگا کہ تو ایک مسلمان کے قتل کا حکم دے اور مَیں اسپر مُہر کردوں۔ جب وہ بہت تنگ ہُوا تو اس نے امام صاحب کو چھوڑ دیا آپ رہائی پاتے ہی فوراً مکہ معظمہ چلے آئے اور ۱۳۷ھ ہجری تک وہیں رہے بلکہ ایک روایت یوں بھی ہے کہ آپنے اڑتیسواں سال بھی وہیں گذارا۔

جب ۱۳۲ھ ہجری میں بنو اُمیہ کے خاندان کا خاتمہ ہوگیا اور سلطنت اسلام حضرت عباس عم رسول اللہؐ کی اولاد کے قبضہ میں آئی تو پہلا حکمران ابوالعباس سفاح ہُوا اُس نے بہت ہی قلیل زمانہ حکومت کے بعد وفات پائی اسکے بعد اسکا بھائی منصور تخت خلافت پر متمکن ہوا لیکن اُس نے کوفہ کی آب و ہوا مزاج خلافت کے خلاف دیکھ کے نئے دارالخلافہ کی بنیاد ڈالی اور یہاں عَلَم خلافت فرّاٹے بھرنے لگا۔ منصور کو امام ابوحنیفہؒ سے جانی عداوت تھی اور وہ چاہتا تھا کہ انہیں قتل کرڈالے عداوت کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپنے ابراہیم کا بغاوت میں ساتھ دیا تھا! امام صاحب بھی اس خونی عزم سے ناواقف نہ تھے جب انہوں نے یہ دیکھا کہ منصور بغداد چلا گیا تو آپ مکہ سے کوفہ تشریف لے آئے مگر منصور نے گو تخت خلافت کو بغداد میں بدل دیا تھا پھر بھی کوفہ میں اُسکی حکومت تو تھی اُس نے فوراً ابوحنیفہؒ کو بغداد طلب کیا اور داخلہ کے دوسرے دن دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ دربار میں جس نے امام ابوحنیفہ کو پیش کیا وہ ربیع تھا جو حجابت کا عہدہ رکھتا تھا اس نے یہ کلمے امام صاحب کی نسبت پیش کرتے وقت کہے تھے "یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے"۔ منصور گو آپکو قتل کرنیکا بہانہ ڈھونڈتا تھا پھر بھی اسکی علم دوست طبیعت نے اُسے مجبور کیا کہ آپکی قدر کرے چنانچہ اسی خیال سے اُس نے آپکے لئے قضا کا عہدہ تجویز کیا۔ امام صاحب نے صاف انکار کیا اور کہا کہ مَیں اسکی قابلیت نہیں رکھتا۔ منصور نے غصہ میں بھر کر کہا "تم جھوٹے ہو" امام صاحب نے کہا اگر مَیں جھوٹا ہوں تو میرا قابلیت نہ رکھنے کا دعوٰی سچا ہے کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں مقرر ہو سکتا۔ پھر امام صاحب نے بہت سی وجوہ بیان کیں کہ اس وجہ سے مَیں عہدہ قضا قبول نہیں کرسکتا۔ منصور نے قسم کھا کے کہا کہ تم کو ضرور قبول کرنا پڑیگا۔ اس کے مقابلہ میں امام صاحب نے بھی دلیری سے قسم کھائی کہ مَیں ہرگز قبول نہ کرونگا۔ ربیع مارے غصّہ کے تھرّا گیا اور اس نے گرم لہجہ میں یہ کہا ابوحنیفہ تم امیرالمومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو' امام صاحب نے جواب دیا "ہاں کیونکہ امیرالمومنین کو قسم کا کفّارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ سہل ہے۔

جب یہ ردّ و بدل ہوئی تو منصور نے آپکو قیدخانے میں بھیجدیا۔ چار برس آپ قیدخانہ میں رہے اور بماہ رجب ۱۵ تاریخ ۱۵۰ھ ہجری میں آپکی وفات ہوگئی۔

یوں تو امام صاحب کے کوڑیوں شاگرد تھے مگر سب میں مشہور و معروف امام محمد اور امام ابویوسف تھے۔ مولانا شہید یہاں تک پہنچے تھے کہ عبدالصمد نادم ہوا اور جو کچھ اس نے سخت زبانی کی تھی اسکی دل سے معافی مانگی اور آپکا ایک مضبوط معتقد بنگیا اور جتنے اس کے ساتھ آئے سب نے آپکی اطاعت قبول کی۔ جب مولوی فضل حق صاحب کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو وہ اور بھی رنجیدہ ہوئے اور اب انہوں نے مولانا شہید کو اذیت دینے کی نئی نئی تدبیریں کرنی شروع کیں؛

مولانا شہید نے اس عرصہ میں بارہا وعظ فرمایا تھا مگر جامع مسجد میں جمعہ کے دن معرکہ کا وعظ فقیری پر دوسرا فرمایا جس سے اور بھی مخالفین کو بھڑکنے کا موقع ملا۔

مولانا شہید کا دُوسرا وعظ فقیری پر [۱]

(آپ نے معمولی آیت قرآنی پڑھنے کے بعد فرمایا) "اے مومنین میں آج آپکو ایسی باتیں سُناؤنگا جو حضرت رسول اللہ صلعم کے فرمان اور تمہاری موجودہ حالتوں میں موازنہ کرینگی۔ موجودہ زمانہ میں عموماً لوگوں کی زبان پر یہ ہے کہ فلاں شخص فقیر ہے اور فلاں صاحب کرامت ہے۔ ایک حضرات صوفیہ کا گروہ ہے جو دریائے فقر میں ڈوبا ہُوا ہے اور ہزاروں اُنکے مرید بھی ہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ انکی فقیرانہ معاشرت پر حملہ کروں یا اسپر اپنی کچھ رائے دُوں بلکہ میں چاہتا ہوں (اگر اللہ میری مدد کرے) کہ فقیر کی اصلی حالت تمپر بیان کردوں۔ کہ ہادیِ اسلام اور نیز خود خداوند تعالیٰ نے کس شخص کو فقیر گردانا ہے اور کون کونسی صفتیں ایسی ہیں جو ایک فقیر میں ہونی لازم ہیں۔ دراصل فقر حاجت کا نام ہے اور بے حاجت ہونیکو فقیر نہیں کہتے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ سوائے خداوند تعالیٰ کے ہر چیز فقیر ہے۔ کیونکہ اسکو اپنے دوسرے وقت موجود ہونے کی حاجت ہے مگر میں تمہیں اس منطقی اُلجھاؤ میں پھنسانا نہیں چاہتا جو حقیقت فقر کی خدا و رسول صلعم نے بیان کی ہے وہ میں تمہیں سمجھا دیتا ہوں تاکہ اس سے تم اصلی اور بناوٹی فقیر کے شناخت کرنے میں غلطی نہ کرو۔

فقیر جسکو ہم دوسرے الفاظ میں محتاج کہہ سکتے ہیں اپنے ساتھ ایک وسیع معنے رکھتا ہے شریعت غرا نے اس شخص کو فقیر تسلیم کیا ہے جو سوائے خدا کے سب سے بے نیاز ہو اور جو دوسروں کا محتاج ہو وہ ہرگز فقیر کے لقب سے پکارے جانیکا مستحق نہیں (جزاک اللہ فی الدارین خیراً ایک جوشیلی آواز سامعین میں سے آئی)۔ بھائیو! یاد رکھو ایسی فقیری سے جو دوسروں کا محتاج بنادے خود رسول مقبول نے

---

[۱] تذکرہ مشاہیر دہلی جلد ۲ صـ۱۱۱ و تواریخ علمائے دہلی صـ۳۱۲ "

بھی پناہ مانگی ہے جہاں آپ ارشاد کرتے ہیں اعوذبک من الفقر یعنی مفلسی سے مَیں تیری پناہ مانگتا ہُوں۔ دوسری حدیث اَور بھی ان ہی گرم الفاظ میں آئی ہے وکاد الفقران یکون کفراً۔ قریب ہے کہ فقیری کفر ہوجائے؟ حقیقت میں خدا اپنے کسی بندہ کو ایسے فقر میں مبتلا نہ کرے جس میں اضطراب پایا جاتا ہو جیسا سعدی شیرازی نے لکھا ہے ے جزایں ذرکت در آنہم بصد پریشانی۔

لیکن مَیں کہتا ہُوں ایسا شخص جو دولتمند ہو اور ہزاروں روپے کا سامان رکھتا ہو اور پھر اسکی ہوسنا کی اُسے چین نہ لینے دے اور وہ سخت پریشان ہو سَو فقیروں کا ایک فقیر ہے۔ اُن ہی کے لئے یہ جملہ بھی چسپاں ہوسکتا ہے "آناں کہ غنی تراند محتاج تراند" مگر ایسا مقدس فقر جسکی دعا رسول مقبولؐ نے کی ہے یہ ہے: اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْناً وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْناً۔ یعنی الہٰی مجھکو زندہ رکھ مسکین اور مار مجھکو مسکین" کیونکہ اوّل میں مضطر کا فقر مراد ہے جس سے آپنے پناہ مانگی ہے اور جس فقر کی دعا مانگی ہے وہ یہ ہے کہ اقرار مسکنت اور ذلت اور احتیاج کا خدا کی طرف ہے۔ اب دونوں حدیثوں میں مخالفت نہ رہی۔

اَے مومنین! تم نے یہ بغور سنا اور دیکھا کہ شریعت غرا نے کس فقر کو جائز اور کس فقر کو ناجائز قرار دیا مگر موجودہ زمانہ میں افسوس ہے کہ صرف رنگین کپڑے اور گلے میں پانسو دانوں کی تسبیح ڈالنے کا نام فقیری قرار دے لیا ہے چاہے اسکے اعمال اور افعال کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔ خدا و رسولؐ کے فرمودہ کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ جہاں عوام الناس نے اس رنگ و روغن کا کوئی شخص دیکھا اُسے ولی سمجھ لیا اور یہانتک مبالغہ آمیز خیالات اسکی طرف منسوب ہونے لگے کہ جو ٹھیٹ اسلام سے کوسوں دُور ہیں کہیں اسکے ہاتھ پر بیعت کی جاتی ہے اور کہیں اس سے طلب مغفرت کی آرزو کی جاتی ہے اور کہیں اُسے پہنچا ہُوا مانا جاتا ہے کہیں اسکے ہاتھوں میں زمین و آسمان کے خزانوں کی کنجی دیجاتی ہے اور خبر نہیں اسکی نسبت کیا کیا خوش اعتقادیاں کیجاتی ہیں۔ مَیں کسی خاص شخص پر اپنی رائے قائم کرنا نہیں چاہتا بلکہ عموماً ہندوستان کے اُن حصص میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں اور یقیناً کوئی کونا ایسا نہیں ہے جہاں مسلمان نہوں ایسے ہی فقیروں کو معاذاللہ مشکلکشا تسلیم کیا جاتا ہے اور اپنی دینی اور دنیوی بہبودی کا دارومدار ان ہی پر رکھا جاتا ہے اب یہ دیکھنا بہت مشکل ہے آیا اس قسم کے بنے ہوئے فقیر بھی اپنے کو اپنے معتقدوں سے ایسا منوانا چاہتے ہیں اور اپنے کو ان صفات سے جو خدا و رسول کیلئے خاص ہو گئی ہیں شہرت دینا چاہتے ہیں یا یہ مضمون ہے کہ ع پیراں نمے پرند و مریداں ہمے پرانند" مَیں انکی نسبت اپنی کوئی قطعی رائے قائم نہیں کرتا۔ دل کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے مگر انکی ظاہرا معاشرت اس خیال کرنے میں مدد دیتی ہے کہ انہوں نے جو جو کچھ باتوں کے بتنگڑے بنا دیئے ہیں اور جسطرح

وہ اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اس سے صاف اظہار ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو ولی بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ منوانا چاہتے ہیں۔ وہ کسی مقبرہ میں یا کسی پیر شہید کی قبر پر گیرُوا کپڑے پہن پہن کے بیٹھے رہتے ہیں بظاہر لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کھاتے اور شب و روز روزہ سے گذارتے ہیں مگر انکی توانائی اور چاق وچست رہنے میں کوئی فرق نہیں آتا ان کے یہ کرتب محض جاہلوں کو دہوکا دینے اور فریب میں پھنسانے کے ہوتے ہیں۔ شعار اسلام سے اے بھائی مسلمانو! انکی یہ باتیں بہت مستبعد ہیں میں تمہیں نصیحت کرتا ہُوں کہ ایسوں سے جہانتک تم سے ہو سکے اپنا دین و ایمان بچاؤ۔ ۵

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی :: بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر ہووے

اُن کی صحبت بظاہر خوش اور سعید معلوم ہوتی ہے لیکن انکا زہریلا اثر نہ صرف تمہارے مالوں کو زہر آلود بنا دیگا بلکہ تمہارے دین کو بھی ایسی سخت مضرت پہونچیگی کہ تم ہاتھ ملتے رہجاؤ گے۔

اگر مَیں اپنی طرف سے ایک لفظ بھی کہوں تو اُلٹا میرے مُنہ پر مارو چونکہ تم مسلمان ہو اور تمہارا ایمان حدیث و قرآن پر ہے اس لئے جو کچھ مَیں کہونگا۔ انہی دو مقدس مجموعوں سے کہونگا اور جسے بحیثیت ایک مسلمان ہونیکے تمہارا فرض ہوگا کہ اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرو۔ لو سُنو خدا تعالیٰ کس فقیر کی شان میں ارشاد کرتا ہے اور کس فقیری کی فضیلت بتاتا ہے:۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ؛

یعنی وہ مہاجر فقیر جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی اور مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اسکے رسُول کی"

اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اصلی فقیر وُہ ہے جس نے اپنا تن مَن دھن سب خدا کی راہ میں قربان کردیا اِس لئے خدا کی رضا مندی اور فضل انہیں حاصل ہو۔ خدا کی رضا مندی کی تلاش میں گھروں سے بے گھر ہونا اور اپنے اس مال کو جو زندگی کا جزو اعظم کھو کے حاصل کیا ہے لُٹا دینا یہ شان فقیری ہے اور حقیقت میں ایسا ہی شخص فقیر ہے۔ برخلاف اس کے آجکل ہم جن فقیروں کو دیکھتے ہیں جو فقیری کے پردہ میں بیچارے غریبوں کا مال غصب کرتے ہیں یتیموں کے حلقوں سے نوالہ نکالتے ہیں اور اپنی تن پرستی کی دُھن میں انہیں کچھ بھی نہیں دکھائی دیتا کہ کہاں جارہے ہیں اور ہم نے کونسی راہ اختیار کی ہے۔ مَیں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ آیا کبھی بھی انہوں نے دین خدا کی مدد کی یتیموں پہ کبھی بھی انہیں رحم آیا اور کبھی بھی اُن کے دل میں یہ خیال آیا کہ ریاضت کر کے کچھ پیدا کریں اور

وہ مساکین جو لنگڑے لولے ہیں اُن کا پیٹ بھریں۔ یا اپنے متعلقین کو جنکا ان پر حق ہے خوش رکھنے کی کوشش کریں۔ جو کچھ اُنہیں خیرات دیتے ہو اپنے معصوم بچوں کے حقوق کا ان کے دینے میں ذرا پاس ولحاظ نہیں کرتے خوب سمجھ لو کہ اسکا جواب تمہیں خدا کے ہاں دینا ہوگا۔ قرآن مجید میں جن مساکین کے دینے اور انکی مدد کرنے کا حکم ہے وہ دین اللہ کے خادم بہت بیدست دپاہیں جنکی نسبت ارشاد ہُوا ہے:۔ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا

"یعنی دینا ہے ان مفلسوں کو جو اٹک رہے ہیں اللہ کی راہ میں اور چل پھر نہیں سکتے ملک میں"۔ اس آیت سے یہ مراد بھی ہے کہ ایسے لوگ جنہوں نے اللہ کی رضا مندی میں اپنا گھر لُٹا کے اپنے کو وقف کردیا۔ اور اب دشمنانِ دین کی وجہ سے وہ ملک بملک روزی کمانے کیلئے نہیں جاسکتے انکا معاون اللہ ہے مگر اس کے مقابل میں جو روزی پیدا کرسکتے ہیں۔ اور چل پھر سکتے ہیں۔ خدا اپنے وعدہ کے موافق انکی روزی پہنچائیں کبھی انکی مدد نہ کریگا۔ اے مومنین! فقیر کی شان یہ ہے کہ اپنا خون پسینہ ایک کر کے کچھ پیدا کرے۔ اس سے اپنا بھی پیٹ بھرے اور محتاجوں کو بھی دے۔ نہ کہ فقیر کی یہ شان ہے کہ غریبوں بیچوں رانڈوں یتیموں کا مال ہڑپ کرجائے اور خبر نہ ہو۔ تم نے دیکھا ہے کوئی ایسا شخص جو اپنے کو فقیر کہتا ہے آجتک اس نے اپنی ریاضت سے دو پیسے پیدا کئے ہوں ایک میں چنے چبا کے اپنا پیٹ بھرا ہُوا ہو اور دوسرے پیسہ سے کسی رانڈ اور یتیم کا پیٹ بھرا ہو (ایک طرف سے سخت زاری وبکا کی آواز بلند ہوئی)

اگر مسلمان بننے کی آرزو ہے تو خدا کی سچی رضا مندی کے دل سے خواہشمند ہو یاد رکھو بغیر اسکے ہرگز نجات نہ ہوگی۔ سچے مستحقوں کو نہیں دیتے اور ان موٹے تازوں کو کما کما کے دیتے ہو جو خود محنت کرسکتے ہیں مگر نہیں کرتے۔ خدا و رسُول کا فرمانا تو ایک طرف انکا وجود قوم میں سخت مضر ہے ہماری نسلیں اسیطرح برباد ہوتی جاتی ہیں۔ اور کوئی انکی مطلق پرواہ نہیں کرتا جب لوگ انہیں دیکھتے ہیں۔ کہ بے محنت ومشقت انہیں ملا چلا جاتا ہے وہ بھی انکی دیکھا دیکھی یہی ڈھچر بنا لیتے ہیں اور جاہلوں کو تمام عمر ملک درملک ٹھگتے پھرتے ہیں۔ نئے شعبدے سیکھتے ہیں اور نادانوں کو اپنے جَل میں پھنساتے ہیں۔ کیا تمہیں نہیں معلوم رسولِ خدا نے مخلوق میں کسے افضل گردانا ہے لو سنو میں کیا کہتا ہوں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے دریافت کیا لوگوں میں سے کون بہتر ہے۔ عرض کیا جو مالدار ہو اور اللہ کا حق اپنے نفس ومال میں ادا کرتا ہو۔ آپؐ نے ارشاد کیا یہ شخص اچھا ہے مگر جس کو

مَیں نے پوچھا ہے وہ نہیں پھر اصحاب نے عرض کیا۔ خدا اور رسُول اسے بہتر جانتے ہیں کہ کون شخص بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا ففقیر یعطی جھدہ وہ فقیر اپنی جانفشانی کی چیز دیوے اس سے تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ افضل وہ شخص ہے جو باوجود محتاج ہونے کے اپنی جانفشانی سے کچھ پیدا کرے اور اسمیں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں دے۔ اس حدیث پر نظر کر کے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ آجکل جو شخص اپنے کو فقیر اور ولی اللہ اور نجانے کیا کیا کہتا ہے کیا واقعی وہ افضل ہو سکتا ہے اور شریعتِ غرا اسے کہاں تک لوگوں پر فضیلت دے سکتی ہے۔ وہ کبھی خدا اور رسُول کا پیارا نہیں ہو سکتا۔ جو خود نہ محنت کرے اور دوسروں کو فریب میں پھنسا کے اپنا گھر بھرے اور امیروں کی طرح اپنی زندگی بسر کرے۔

اب مَیں تمہیں نقیری کا دوسرا رنگ دکھانا چاہتا ہُوں اور وہ رنگ مجذوبیت کا ہے تم روزمرہ اکثر قبروں پر دیکھتے ہو گے۔ بعض فقیر ہاتھوں میں ڈبل ڈنڈا لیکے کُودتے ہیں۔ اور خدا کی جناب میں گستاخانہ کلمات نکالتے ہیں اور یہ کہتے ہیں بھیج نہیں مَیں ڈنڈا مار کے تیرا عرش توڑ ڈالُونگا۔ جاہل بیچارے یہ دیکھ کے سمجھتے ہیں۔ فقیر صاحب بڑے پہونچے ہوئے ہیں خبر نہیں انہیں کتنی رسائی حاصل ہے کہ یہ خدا کے عرش کے ٹکڑے اُڑائے دیتے ہیں۔ اور وہ بیچارے جو اُن سے بن آتا ہے، لے لیکے دَوڑتے ہیں اور انہیں دیتے ہیں۔ اگر انہوں نے نذرانہ قبول کر لیا تو اپنی نجات سمجھتے ہیں اور نہ قبول کیا تو انہیں یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہمارے لئے کوئی آفت آسمانی نہ مستعد ہو اور کسی وقت آ کے ہمارا فیصلہ نہ کر دے انکی جان بھی بسبب جہالت کے عجیب کشمکش میں پھنسی رہتی ہے۔ ایک تو اپنا پیٹ کاٹ کے دیں۔ اور دوسرا یہ غضب مُول لیں۔ الٰہی توبہ۔ خدا ان پر رحم کرے۔ خوب سمجھ لو اے بھائی مسلمانو! خداوند تعالیٰ ان باتوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور اُس کی ذات پاک ان بناوٹی جذبوں سے بہت دُور ہے۔ صرف دنیا کو اپنا معتقد بنانے اور ان سے اُنکا مال اینٹھ لینے کے یہ سارے زبوں فریب ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے:-

اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الْفَقِیْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِیَالِ

(یعنی اللہ تعالیٰ اس فقیر صاحبِ عیال کو پسند کرتا ہے جو سوال نہ کرے)

نبیٔ اکرم کا تو یہ ارشاد ہو اور تم اس بے ادب گستاخ فقیر کو مجذوب اور خدا کے پاس پہونچا ہوا تسلیم کرو تم خود سمجھ سکتے ہو اگر کوئی شخص تمہارے بزرگوں کو کھڑے ہو کر برسرِ راہ گالیاں دے تو تمہیں کتنا بُرا معلوم ہو اور تم سے کچھ نہ ہو سکے تو تم ضرور اس کیطرف پھر کے نہ دیکھو گے چہ جائیکہ

لہ ابن ماجہ بروایت عمران بن حصین رض

تمہارے برحق خالق اور روزی دہندہ کو ان بے ادب اور گستاخ الفاظ سے یاد کرے اور تم اسے وُلی جان کے اور اُس کی طرف اپنا مال ومتاع جو تمہارے بچّوں اور لواحقین کا حق ہے، لیکے دوڑو اور اسکی ایک نظرِ التفات کے طلبگار رہو کاش اگر اتنا خوف خود خداوند تعالیٰ سے تمہیں ہو تو پھر اُس کے پیارے بندوں میں سے ہو جاؤ۔

جن فقیروں کی نسبت رسول مقبولؐ نے بشارت دی ہے کہ امیروں سے پانسو برس پہلے داخلِ جنّت ہونگے وہ یہ بے ادب لُچّے گنڈے نہیں ہیں بلکہ اُن فقیروں سے مطلب ہے جو محتاج ہوکے اپنی جانفشانی سے پیدا کیا ہُوا مال خود بھی کھاتے ہیں اور محتاجوں کو بھی دیتے ہیں جیسا رسول مقبولؐ نے فرمایا ہے: "یدخل فقراء اُمتی الجنة قبل اغنیأهم بخمسمأة" یعنی میری اُمّت کے فقیر دولتمندوں سے پانسو برس پہلے جنّت میں جائینگے جو حدیث میں ابھی تمہارے آگے بیان کر چکا ہُوں۔ جس میں افضل شخص کی نشانی نبیؐ اکرم نے بتائی ہے۔ یہ حدیث اَور بھی اسکی تائید کرتی ہے حقیقت میں وہ فقیر افضل ہے اور دولتمندوں سے پانسو برس پہلے جنّت میں جائیگا جس نے اپنی ریاضت سے کمایا۔ اس میں سے کچھ آپ کھایا اور کچھ خدا کی راہ میں دیا۔

یہ کہیں ثابت نہیں کہ کسی ولی کو محنت کرنا حرام ہو اور اُس کیلئے جائز ہو کہ وہ دوسروں کا ہاتھ تکے اور نئے نئے ڈھچر بنا کے دنیا ٹھگنے کے لئے کھڑا کر دے۔

دولت دنیا جو مومن کی زینت اور آرائش کیلئے نہیں ہے اور جس سے خدا نے نفرت دلائی ہے ہمارے اس زمانہ کے فقراء کی زندگی اور ایمان کا جزءِ اعظم ہو رہی ہے۔ کون صوفی اور پہنچا ہُوا فقیر ایسا ہے جو اپنی ریاضت میں محو ہو اور دنیا کو اسی حد تک پیدا کرے جو اُسے زندہ رکھ سکے اور تمام تعیش خیز سامانوں سے جو خدا کی یاد سے اسے غافل کر دیں سخت پرہیز کرے۔ مَیں خیال کرتا ہُوں کوئی بھی ایسا نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ہے بھی تو اسپر صد رحمت ہو۔ آجکل جو بڑے بڑے ولی اولیا مشہور ہیں۔ ان کے گھر نہایت قیمتی سامانوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں اور وہ انمیں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان نفیس نفیس سامانوں نے اُنکا رہا سہا دین بھی برباد کر دیا۔ اور انہیں نفس کا ایسا بندہ بنا دیا وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتے۔ ان کا ہمسایہ تو فاقہ کشی کرتا ہے اور وہ اپنے معتقدوں کے صدقہ میں روز زردہ مطنجن اڑاتے ہیں۔ ہر وقت دیگیں اُن کے مکان میں کھنکتی رہتی ہیں۔ اعلیٰ اعلیٰ درجہ کے کپڑے پہنتے ہیں اور سیروں عطر اپنی پوشاک میں لگاتے ہیں اور مشہور یہ کرتے ہیں کہ ہم ان عطریات کا اسلئے استعمال کرتے ہیں کہ ہمارے نبیؐ کو خوشبو بہت پیاری تھی۔ یہ انکا نرا دھوکا اور فریب ہے

اس صورت میں تو وہ رسُول اللہ کی تقلید کرتے ہیں لیکن جو اور فرمان نبیٔ اکرم کے ہیں ان سے انہیں کچھ غرض نہیں۔

خدا تعالیٰ کا ارشاد اپنے بندوں کیلئے کیسا زبردست ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے "وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا" یعنی تھام رکھ اپنے کو اُنکے ساتھ جو پکارتے ہیں رب اپنے کو صبح و شام طالب ہیں اُسکے منہ کے اور انکو چھوڑ کر رونق دنیا کی زندگی تلاش میں تیری آنکھیں نہ دوڑیں اور اسکا کہنا مان جسکا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کیا"

خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے بندوں کو رونق دنیا کی زندگی کی تلاش سے روکا ہے اور منع فرمایا ہے کہ ہماری یاد سے جسکا دل غافل ہے اُسکا کہنا نہ مان۔ یہاں فرمُودہ خدا کے خلاف کیا جاتا ہے۔ اور دوڑ دوڑ کے اُنہی کا کہنا مانا جاتا ہے جنکا دل خدا کی یاد سے غافل ہے۔ اے بھائیو! یہ یاد رکھو کہ جیسے وہ خود غافل ہیں تمہیں بھی خدا کی یاد سے غافل کر دینگے۔ پھر دین و دنیا میں تمہارا ٹھکانا نہ رہیگا۔ اور اگر اب بھی تم نہ مانو تو خدا کے ساتھ مقابلہ کرنیکی تیاری کر لو۔ وہ تمہیں اپنی راہ چلانا چاہتا ہے۔ اور تم اس سے ضد کر کے دوسری راہ چلنا چاہتے ہو۔ تمہاری بربادی کیلئے تمہاری یہ سمجھ کافی ہے۔

دنیا کا مال و متاع جسے ایک اعجوبہ سمجھ لیا ہے صرف اسلئے ہے کہ اس سے ہمارا تن ڈھکے اور پیٹ بھر جائے اور ساتھ ہی ہم محتاجوں کا جو اسکے مستحق ہیں پیٹ بھر سکیں۔ اگر کروڑ روپیہ ہے تو اسی قدر ایک دیندار خرچ کر سکتا ہے جتنا شریعتِ محمدی نے اسے اجازت دی ہے اور اگر صرف محدود رقم کی آمدنی ہے تو اسی قدر اٹھا سکتا ہے پھر کیا ضرور ہے کہ اپنی قیمتی زندگی کا جزِ اعظم کھو کے فریب اور دغا سے روپیہ پیدا کیا جائے اور عارضی زندگی کے لئے ہمیشہ کے واسطے عذاب مول لیا جائے۔

درحقیقت رسُول مقبول نے کیا خوب فرمایا ہے :- طوبیٰ لمن ھدی الی الاسلام وکان عیشہ کفافا وقنع بہ۔ یعنے خوشحالی ہو اس کو جو ہدایت کیا گیا ہو اسلام کی طرف اور اسکی معیشت بقدر گذران ہو اور اسی پر قانع ہو" پھر نبی صلعم نے خود فقیروں کی طرف مخاطب ہو کے یہ ارشاد کیا یامعشر الفقراء اعطوا اللہ الرضیٰ من قلوبکم تظفروا بثواب فقرکم والا" یعنے اے فقیروں کے گروہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اپنے دلوں سے کرو کہ تمہیں تمہارے فقر کا ثواب ملے ورنہ نہیں ملیگا" کیا خدا کی رضاجوئی اسی میں ہے کہ ہم اپنے کو ولی کے نام سے شہرت دیں

اور لوگوں کو نجاتِ آخرت دِلوانے کا ٹھیکہ لے لیں تمام جہان کے مال کو ہڑپ کرجائیں اور ہر وقت یہ نگاہ ہو کہ لوگ ہمارے جال میں آکے پھنسیں اولیاء اللہ کی قبور پر جاکے خود بھی اپنی حاجتیں طلب کریں اور اپنے ساتھ اَوروں کو بھی گمراہ کریں یا مولانا روم کی مثنوی خوش آوازی سے پڑھنے کا نام فقیری اور اسکا بھائی تصوّف ہے کیا خوبرو امردوں کے گانے پر تھرکنے کا نام فقیری رکھا ہے۔ کیا ان لمبی لمبی زلفوں میں ولایت گھُسی ہوئی ہے ۔ کیا یہ ٹیڑھا بے ڈھنگا عصا عصائے موسیٰ کا حکم رکھتا ہے۔ کیا اسی کو عین اسلام کہتے ہیں. کیا یہی فرمودۂ خدا و رسُول ہے ۔ توبہ کرو اللہ کے پاس اپنی مغفرت چاہو اور جو کچھ کر چکے ہو اس سے باز آؤ۔ اب بھی کچھ نہیں گیا ہے ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ❊ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست ❊ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اگر کوئی دنیا دار ہوسِ دنیا میں مبتلا ہو تو اس قدر قابلِ نفرین نہیں لیکن وہ شخص یادہ گردہ جو تارک الدنیا مشہور ہو اور پھر حرام و حلال کی شناخت نہ کرکے دنیا کمانے میں محو ہو جائے وہ کس قدر قابلِ نفرین ہے۔ لیکن مَیں کہتا ہوں، اے مسلمانو! تم اُن کیلئے دعا کرو کہ خدا ان پر رحم کرے حقیقت میں وُہ لوگ قابلِ نفرین نہیں ہیں بلکہ لائق رحم ہیں ۔ بڑا قہر یہ ہے کہ ایسے لوگ جنہوں نے جاہلوں کی نگاہ میں اپنا ظاہر درست بنایا ہے بہ نسبت خدا پرستوں کے زیادہ پُوجے جاتے ہیں ۔ ۔ ۔

.. ..

.. .. ضعف اسلام کی تمہارے دلوں میں ایک یہی بڑی نشانی ہے حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں سے ایک چھٹا ہُوا رند ہزار درجہ بہتر ہے جو برملا بازار میں کھڑے ہوکے شراب پئے اور کسبی کے کوٹھے پر جاوے کیونکہ اس کو اس خرابی میں مبتلا دیکھکے کوئی بھی اس کی طرف رجوع نہ ہوگا۔ نہ اسکی تقلید کسی فعل میں کریگا ۔ بلکہ اسے سخت حقارت کی نظر سے دیکھیگا اسلئے جو گناہ وہ کرتا ہے اس میں صرف اسی کی ذات کو مضرت پُہنچتی ہے مگر ایسا شخص جو لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے اپنا ظاہر درست کرے ۔ پانچ وقت کی نماز اسکی ناغہ نہ ہو وظیفہ وظائف کا ہر دم چرچا رکھے اور اللہ کے سوا دوسرا لفظ نہ کہے ۔ خوب سمجھ لو کہ ایسا شخص بھولے بھالے مسلمانوں کے حق میں کالا ناگ ہے ۔ جسکا کاٹا کبھی نہیں بچ سکتا ۔ فقط !!

مولانا شہید کا یہ وعظ تو بہت بڑا تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ آگے کے ورقے اس وعظ کے جو منشی ہیرالال کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں گم ہوگئے اور پھر کئی ورق کے بعد مطلب شروع ہُوا ہے لیکن ایسے کرم خوردہ

اوراق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید فقیری اور تصوف پر وعظ دیا تھا ایک ٹکڑا نقل کر دیا۔ گو مجھے لفظ بلفظ نقل کرنے کا فخر حاصل نہیں ہوا پھر بھی یہ میری خوش قسمتی ہے کہ اس ردّی یادداشت میں سے مَیں نے مولٰنا شہید کے وعظ کی عبارت اور کسی قدر جملوں اور الفاظ کا ہیر پھیر کر کے مفہوم پورا ادا کر دیا۔ الفاظ غیر مانوس ہونے کی وجہ سے بدلے گئے ورنہ ایسا تبادلہ نہیں کیا ہے کہ جس سے مطالب میں کچھ فرق آوے اور مفہوم بدل جائے۔ اوّل تو لکھنے والا کا اُستھ دوسرے اکبر شاہ ثانی کا زمانہ تیسرے جلدی میں لکھنا ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ اگر وُہی اُردو عبارت بلفظہا نقل کر دی جائے تو ناظرین کی کیا سمجھ میں آئے اور مولانا شہید کا مفہوم کیونکر ادا ہو۔ ہاں اس کے مقابل مولوی اسمٰعیل صاحب کے جو نامے یا خطوط دستخطی ہمارے ہاتھ لگے ہیں وہ ہم ضرور بعینہٖ نقل کرینگے اس میں ایک لفظ کا بھی تغیر و تبدّل نہ ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ ایسے ولیوں صوفیوں اور فقیروں کو سلام ہے جو نفس کے بندے ہو کے مال جمع کرنے کی دُھن میں لوگوں کو ٹھگتے پھرتے ہیں۔ اور جو کچھ انکے پاس ہے اُس پر مطلق قناعت نہیں کرتے۔ ناخدا ترسی سے ناواقفوں کا اپنے مکر کی اُلٹی چھُری سے گلا کاٹتے ہیں اور اُف نہیں کرتے۔ کبھی نبی کو خواب میں بلا لیتے ہیں اور کبھی خدا کو اپنے میں بُلوا لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ صرف دولتِ دنیا کمانے کیلئے کیا کیا فریب گانٹھتے ہیں۔ مگر خوف خدا اور موت کی تاک جھانک کا خیال نہیں رہتا۔ جو ہر دم کمینگاہ میں لگی ہوئی ہے۔

حضرت امام غزالی کا ایک قطعہ جس کا ترجمہ عربی سے فارسی میں کیا گیا ہے۔ اس جگہ لکھ دینا کافی سمجھتا ہوں۔ بس وہی میرے ریویو کا پورا مفہوم ہو جائیگا۔ (مگر صرف ان دنیا طلب فقیروں اور صوفیوں کے لئے جو مذہب کی آڑ میں دنیا کماتے ہیں)

قطعہ

زاری ببارگاہ خدا کن نہ پیش خلق	قانع بیاس باش کہ این ست عز و ناز
مستغنیا نہ کن بسر از خویش و ذی رحم	آنکس غنی بود کہ شد از خلق بے نیاز
اے محو منع و جمع ترا دہر در مکیں	اندازہ میکند کہ شاید درے فراز
رائے ہمی زند کہ بتو مرگ چوں رسد	روزانہ یا شبانہ کند بر تو ترکتاز
مال و منال جمع نمودی و لے بگو!	ایام صرف نیز کنی جمع بس دراز
مخزوں برائے وارث تست آنچہ جمع گشت	از اں تست صرف تو لئے آنچہ ماند باز
خرم دل آں کسے کہ یقین کرد بر خدا	کو روزیش دہد کہ کریم ست و کارساز

ردیش ہمیشہ تازہ برآید ز ترک آز فکر معیشتش نکند گاہ دیدہ باز	پس ہیچ ذلتے نبرد آبروے او در ساحتِ قناعت خوش سایہ ہر کہ خفت

پانچواں باب (۵)

گورنمنٹ انگریزی کی انصاف پسندی۔ سرکار انگریزی کیطرف سے وعظ کی ممانعت

مولانا شہید کی رزیڈنٹ سے ملاقات اور وعظ کا حکم

پہلے اس کے کہ ہم اس سنگین دشمنی کا تذکرہ کریں جو شہر دہلی کے عوام الناس نے پیارے شہید سے برتی تھی مختصر طور پر سرکار انگریزی کی انصاف پسند کارروائی کا ذکر کر دیتے ہیں۔

لارڈ لیک نے جب ۱۸۰۳ء میں دہلی فتح کی تو شاہ اور اہل شہر کو مرہٹوں کی جابرانہ قید سے رہائی دلوائی مرہٹوں کا دہلی پر قبضہ دہلی کیلئے بدفالی کا دیباچہ تھا۔ جب شاہ کی بیعزتی کی جاتی تھی تو رؤسائے دہلی کی کیا خاک عزت انکی نگاہ میں ہوتی۔ عدالتیں اُدھڑی پڑی تھیں۔ کوئی قانونی کارروائی مطلق نہ ہوتی۔ مرہٹہ اگر کسی کو بیجا ستاتا تھا تو کوئی دریافت کرنیوالا نہ تھا۔ نہ اس کے لئے فوجداری کی عدالتیں تھیں نہ کوئی دادرسی کی کورٹ تھی۔ چاروں طرف ظلم اور زبردستی حکومت کی تھی۔ یہی نہ تھا کہ مسلمان ہی ستائے جاتے ہوں بلکہ ہندو بھی سخت نالاں تھے۔ دکانیں معمولی گفت وشنید پر لوٹ لی جاتی تھیں اور دکاندار کسی سے فریاد نہ کر سکتا تھا۔ حمید الدین عراقی لکھتا ہے کہ میں چاندنی چوک میں جارہا تھا کہ ایک مرہٹہ سوار نے ایک بزار سے ڈھاکے کی ململ کا تھان مانگا۔ اس نے مفت دیدینے سے انکار کیا۔ فوراً اُس کے انکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کی مشکیں باندھ لی گئیں اور اُس کی دکان میں آگ لگا دیگئی۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ شاہی خاندان کا ممبر سر بازار مرہٹہ کے ہاتھ سے کوڑے نہ کھائے"

فاضل عراقی کے یہ واقعات چشمدید ہیں اس سے زیادہ یہ نظارہ قابل ماتم ہوگا کہ مرہٹوں کے زمانہ میں ڈولیوں کی رسم بالکل جاتی رہی تھی۔ شرفائی مستورات نے باہم ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا کیا ممکن تھا کہ کوئی شریف زادی ڈولی میں نکلے اور بسلامتی اپنے گھر پہنچے۔ نئے نئے وزن اور سکوں کی گوناگونی نے تجارت کو بہت بڑا نقصان پہنچایا تھا۔ گیہوں بیشک روپیہ کے دو تین من ہو گئے تھے۔ لیکن یہ سستا سماں اسلئے زیادہ فائدہ بخش نہ تھا کہ مفلسی نے لوگوں کو گھیر لیا تھا نوکری عنقا صفت ہو گئی تھی۔ اور مسلمانوں کی بربادی کی پوری تدبیریں کی جاتی تھیں۔ جب یہ کیفیت ہوئی تو ناچار نابینا شاہ دہلی نے اپنے کو انگریزوں کے سپرد کیا اور التجا کی آپ ہمیں آکے پناہ دیں۔ مرہٹوں نے ہمارا ستیاناس کر دیا ہے۔ درخواست پر

لارڈلیک فوج لیکے بڑھے اورمعمولی جنگوں کے بعد بیدھڑک دہلی پر قابض ہوگئے ۔ یہ تاریخ عروج دہلی کی شمار کرنی چاہیئے ۔سرکار انگریزی نے شاہ کے قدیمی حقوق بحال کردیئے اور جو درباری توقیر ایک خودمختار حکمران کیطرف سے خودمختار شاہ کی کیجاتی ہے ۔ بہت فراخ دلی سے کیگئی ۔

انصاف کی عدالتیں کھل گئیں اور ملازمت کو وسعت دیگئی ۔ بعدازاں اکبر شاہ ثانی تخت نشین ہوئے انکی بھی ایک بیش قرار تنخواہ اور چند علاقے کوٹ قاسم وغیرہ بحال رکھے گئے ۔ شہر میں بھی گہما گہم ہوگئی اور قلعہ میں بھی رونق نظر آنے لگی ۔ شاہ کی سفارش اور کہنے کا بہت کچھ پاس ولحاظ کیا جاتا تھا ۔ تاہم شہر کا انتظام سرکار کمپنی کے سپرد تھا ۔ اور وہ اسکی ذمہ دار بھی تھی ۔ لائق مسلمان بڑے بڑے عہدوں پر مقرر ہونے لگے اور عموماً مقدمات کا فیصلہ انہی کی رائے پر ہوتا تھا ۔ ہر مذہب کو آزادی تھی ۔ وعظ خوب دھڑاکے سے کئے جاتے تھے اور سرکار کمپنی کیطرف سے ذرا بھی مزاحمت نہ ہوتی تھی ۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ کوئی کارروائی ایسی نہ ہو جس سے امن میں خلل پڑنے کا خوف ہو ۔

یہی زمانہ گویا مولٰنا شہید کی ریفارمیشن کا آغاز تھا اور یہی زمانہ اس تلخ تر دشمنی کا تھا جو خواہ مخواہ حاسد مولانا سے کرتے تھے ۔ جب مختلف مضامین پر وعظ ہوئے تو لوگوں میں جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں ایک شورش سی پھیلگئی ۔ اور چاروں طرف ایک دند مچگیا ۔ بھلا وہ تو مدت سے مختلف پیروں شہیدوں سیتلا ماتا کے پوجنے کے عادی تھے انہیں اکیلے خدا کی پرستش کا ہیکو اچھی معلوم ہوتی وہ بھڑکتے بھڑکتے مولانا شہید کے نیقری کے وعظ سے پورے بھڑک اٹھے اور اب انہوں نے عدالت کیطرف رجوع کرنی شروع کی کیونکہ اکبر شاہ کی طرف سے تو صاف جواب مل چکا تھا مگر عدالت میں جانے سے پہلے انہیں ضرور ہوا کہ وہ مولوی فضل حق صاحب سے مشورہ کرلیں کہ کیا تدبیر کرنی چاہیئے ۔ مولوی فضل حق صاحب رزیڈنٹ کے بڑے منہ چڑھے اور معتبر تھے ۔ اور وہ انہی کے کہنے پر زیادہ چلتا تھا ۔ جب یہ لوگ سررشتہ دار صاحب کے پاس پہونچے اور ساری کیفیت عرض کی تو وہ آبدیدہ ہو کے کہنے لگے ۔ کہ اسمٰعیل دین محمدی کی بیخکنی کئے بغیر نہیں رہنے کا ۔ یہ مولوی منطقی صاحب کا پہلا جملہ تھا جو انہوں نے پیارے شہید کی نسبت استعمال کیا ۔ عوام الناس نے پھر یہ فریاد کی کہ وہ صوفیوں کو برملا گالیاں دیتے ہیں اور ہم سنتے ہیں کیا کریں ۔ آپ کچھ مدد کریں ۔ ورنہ سارے مسلمان اس پر آمادہ ہیں کہ شہر سے جلاوطن ہو جائیں ۔

مولوی فضل حق صاحب پہلے ہی شہید کی طرف سے خون کے گھونٹ پی رہے تھے اور دانت پیس رہے تھے ۔ انہیں اپنی کامیابی کی یہ فال نیک معلوم ہوئی اور انہوں نے فوراً اپنے منشی سے

ایک عرضی عام مسلمانوں کی ناراضی کی صاحب رزیڈنٹ کو لکھوائی اور اسپر پندرہ سو دستخط کرائے اور وہ عرضی رزیڈنٹ کو ان الفاظ میں کہہ کے دی۔

"حضور میں کئی بار عرض کر چکا تھا۔ آپنے توجہ مبذول نہیں فرمائی۔ دیکھئے معاملہ طول پکڑتا جاتا ہے کیا عجب ہے کہ ذراسی بے توجہی پر فوجی قوت کی بلوائی دفعہ کرنے کیلئے ضرورت ہو اس عرضی میں جسپر پندرہ سو مسلمانوں کے دستخط ہیں۔ صرف مولوی اسمٰعیل کے وعظ کو بالکل روکدینے کی التجا کیگئی ہے۔ اب حضور کو اختیار ہے چاہیں جو کچھ اس میں کارروائی کریں"!

یہ سنتے ہی رزیڈنٹ کے ہوش اُڑ گئے اور اُس نے اس عرضی کو کئی کئی بار بغور دیکھا۔ اور یہ الفاظ زبان پر لایا "تعجب ہے شاہ عبدالعزیز کا بھتیجا ایسا فسادی ہوگا" مولوی فضل حق صاحب نے دوسری تدبیر یہ کی تھی کہ سو پچاس آدمی اپنے ساتھ لیگئے تھے اور انہیں سکھا دیا تھا کہ جس وقت صاحب نیچے کیطرف دیکھیں تم واویلا و پکار کرنا اور جو کچھ تمہیں بیان کرنا ہوگا۔ اسمیں چوکنا نہیں۔ غرض یہی ہوا مولوی منطقی صاحب کی مراد بر آئی اور کوتوال کے نام حکم بھیجدیا گیا کہ آئندہ سے مولوی اسمٰعیل صاحب وعظ کہنے نہ پائیں۔ ادھر خود مولٰنا شہید کے پاس بھی ایک حکمنامہ بھیجدیا کہ تمہیں سرکار کمپنی کے حکم کی تعمیل کرنی ہوگی اور تمہارے وعظ سے چونکہ امن میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے اسلئے روکدیا گیا۔ تاحکم ثانی تم عام طور پر وعظ نہیں کہہ سکتے۔" برق انداز نے یہ حکمنامہ رزیڈنٹ کیطرف سے مولٰنا شہید کو دیا۔ آپ نے خاموشی سے اس فرمان کو لے لیا اور کچھ نہ کہا۔ آپکے معتقدین پریشان و خستہ آپکے پاس آنے لگے اور سخت افسوس کرنے لگے مگر اُس سے چارہ ہی کیا تھا۔ اور گورنمنٹ کا مقابلہ کون کرسکتا تھا؟

اصلی کارروائی تو یہ تھی جو لکھی گئی لیکن شہر میں عجیب عجیب افواہیں اڑ رہی تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ مولٰنا اسمٰعیل قید ہوگئے۔ کوئی کہتا تھا کہ انہیں جلاوطن کرنے کا حکم ہوا ہے کوئی کہتا تھا انہیں پھانسی دیجائیگی۔ کوئی یہ بڑ ہانکتا تھا کہ انکا گھر بار ضبط کرنے کیلئے برق انداز گئے ہیں۔" غرض دشمنوں نے خوب خوب اپنے جلے پھپھولے پھوڑے اور سوائے زہر اگلنے اور بے بنیاد گپوں کے انہیں اور کچھ بن نہ پڑا۔ "ملاکی دوڑ مسجد تک" مشہور مثل ہے فضل حق سے جو کچھ ہونا تھا وہ کرچکے تھے اور شہر والوں سے جتنی مخالفت ہوسکتی تھی انہوں نے کمی نہ رکھی تھی۔ چالیس دن تک وعظ بند رہا۔ آپکے دوستوں نے مختلف مشورے دیئے کہ یہ کرو اور یوں رزیڈنٹ کے پاس سفارش پہنچاؤ لیکن آپنے ایک نہ سنی اور فرمایا خدا خود اپنے دین کی حفاظت کریگا مجھ سے زیادہ اُسے علم ہے۔"

بڑے بڑے رئیس جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے معتقدین میں سے تھے۔ خواہ شیعہ ہوں یا سُنی آ آکے سمجھانے لگے۔ کہ آپ اپنے بھتیجا کو روکئے۔ یہ بڑی بدنامی کی بات ہے۔ شاہ صاحب سب کو یہی جواب

دیتے تھے۔ جب تک اسمٰعیل سے خلاف شریعت امر سرزد نہ ہو میں کیونکر اُسے روک سکتا ہوں۔ وہ کوئی فساد انگیز تقریر نہیں کرتا۔ کہ اس پر میں معترض ہوں آخر کوئی معقول وجہ بھی تو ہونی چاہیئے جس سے میں اسکی کارروائی میں دست اندازی کر سکوں"۔

جب اعیانِ شہر شاہ عبدالعزیز صاحب سے یہ جواب پاتے تھے تو اپنا سا مُنہ لیکے چلے جاتے تھے۔ سوائے وعظ تعلیم و تعلم کا سلسلہ اسی طرح جاری تھا۔ اور اسے کوئی روک نہ سکتا تھا۔ شاہ اسمٰعیل صاحب کو اپنے وعظ کے بند ہو جانے کا اسلئے اور بھی زیادہ قلق تھا کہ مسلمان پھر اسی شرک و بدعت میں پھنس جائینگے جس سے انہیں کسی قدر نفرت دلائی ہے اور دوسرے اس امر کا قلق تھا۔ کہ میری ضد سے لوگ اور بھی شرک و بدعت کرنے لگیں گے۔ یہ تمام خیالات ایسے زبردست تھے۔ جنہیں ذرا بھی کلام نہیں ہو سکتا مگر مجبوری تھی۔ خدا کو یہی منظور تھا کہ علاوہ اور ستائے جانے کے پیارا شہید اس فانی کشمکش میں پھنسے۔ اور پلنگ پر سینکڑوں کروٹیں بے چینی کی حالت میں بدلتا رہے۔

آخر سوچتے سوچتے شاہ اسمٰعیل صاحب نے اپنی وجہیں رزیڈنٹ کو لکھ کے بھیجیں اور ثابت کیا کہ اگر میرا وعظ بند رہیگا تو یہ خرابی واقع ہوگی۔ جونہی رزیڈنٹ نے پیارے شہید کی درخواست کو پڑھا۔ آنکھیں کھل گئیں۔ اور قدرتی طور پر اس کو پیارے شہید کی تحریر کا بغیر کسی شہادت کے ایسا یقین ہو گیا۔ کہ فوراً سررشتہ دار صاحب طلب کئے گئے۔ جونہی وہ حاضر ہوئے رزیڈنٹ نے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے مولوی فضل حق صاحب کہ آپنے چالیس دن تک شاہ اسمٰعیل صاحب کا وعظ بند رکھا میری رائے میں یہ بالکل غلط کارروائی ہوئی ہے۔ اور ایسے بڑے مولوی کیساتھ ناجائز برتاؤ کیا گیا ہے۔ ابھی حکم لکھدو کہ وعظ کھولا جائے اور جو کوئی مزاحم ہوگا اُسے قانوناً سزا دیجائیگی۔ یہ سنتے ہی مولوی منطقی صاحب کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور اِدھر اُدھر ہکا بکا تکنے لگے۔

اب یہ تو مجال نہیں تھی کہ رزیڈنٹ کی کچھ تردید کرتے اور اسے اونچ نیچ سمجھاتے بہکاتے۔ اب فریب دینے کا زمانہ جاتا رہا تھا۔ رزیڈنٹ نے بعد ازاں کوتوال کے نام دوسرا حکم جاری کیا اور لطف یہ ہے۔ کہ مولوی منطقی صاحب ہی نے وہ حکم لکھا۔ ایک معافی نامہ لکھ لیا گیا اور اسپر دستخط بھی ہو گئے لیکن بدقسمتی سے مولوی فضل حق صاحب نے اپنے بستہ ہی میں دبا رکھا اور اُسے جاری نہ کیا۔

ناظر اس قہرناک دشمنی کا اندازہ کر سکتا ہے جو منطقی صاحب علی التواتر بیگناہ شہید سے کر رہے تھے۔ اور لطف یہ تھا کہ ابھی تک کوئی جواب پیارے شہید کیطرف سے نہ دیا گیا تھا۔ ورنہ یہ ناممکن تھا جس نے اپنی بہادری سے پشاور اور قندھار سکھوں سے چھین لیا تھا وہ منطقی صاحب کو دنداں شکن جواب نہ دیسکتا

تھا۔ مگر نہیں صبر اور تحمل اس عظیم الشان اصلاح کی کتاب کا دیباچہ تھا۔ جسے وہ لوگوں میں سُنانا چاہتا تھا۔ اور اس بڑے کام کیلئے سنجیدگی متانت مخالفین کے طعنوں سے بے پروائی۔ محتاط طبیعت لازمی بلکہ فرض تھی جیسی اخلاق کی وسعت کی ضرورت تھی۔ اسی قدر دشمنوں کی گالیاں سہنے کا عادی ہونا بھی لابُد تھا؛ یہ سب صفتیں مولانا شہید نے اپنے میں دیکھ لی تھیں۔ جب اتنے بڑے کام کا بیڑا اُٹھایا تھا جسکی نظیر ہندوستان میں مذہب اسلام کی تواریخ میں نہیں ملتی۔

مولانا شہید کی تقریر اور تحریر میں قطعی اثر بہت تھا۔ اور ساتھ ہی اس کے درخواست دینے پر آپکو یقین بھی تھا کہ ضرور مجھے سرکار کمپنی کی طرف سے وعظ کہنے کا حکم ہوجائیگا۔ مگر جب تین چار روز گذر گئے تو آپکو بڑا تردد ہُوا کہ ہاں ناں کا کچھ جواب نہیں آیا۔ خیال بھی درست تھا۔ اگر انکار ہوتا اور پہلا حکم بحال رکھا جاتا تو معلوم ہوجاتا اور جو پہلا حکم منسوخ کردیا جاتا تو یہ لازم تھا کہ فوراً ہی اطلاع دیجاتی۔ اس تردد کو مٹانے کے لئے آخر شاہ صاحب نے یہ ارادہ کیا کہ خود رزیڈنٹ سے ملیں اور اس سے گفتگو کریں تاکہ یہ تردد دور ہو؛ آپنے خارجی طور پر دریافت کرکے کہ فلاں وقت ملنے ملانے اور فرصت کا ہوتا ہے۔ سیدھے کوٹھی پر پہونچے۔ ساتھ میں صرف مولوی عبدالصمد بنگالی اور مولوی عبدالرحیم محدث تھے اور ایک آپکا منشی ہیرالال تھا اور ایک خدمتگار تھا۔ پہلے آپنے جاکے اطلاع کرائی جُونہی رزیڈنٹ نے سنا کہ شاہ اسمٰعیل آئے ہیں فوراً باہر نکل آیا اور باہر برانڈے سے آکر لیگیا۔ حد سے زیادہ عزت کی اور بار بار یہ کہا:۔ " آپنے بڑا ہی سرفراز کیا "

معمولی مزاج پرسی کے بعد رزیڈنٹ نے خود یہ الفاظ کہے:۔

" مولوی صاحب ہمارے سررشتہ دار کی غلطی سے آپکے وعظ بند کردینے کا حکم میں نے جاری کردیا تھا لیکن جب آپنے واجبی اور معقول وجہیں لکھیں تو مَیں نے اُسی وقت حکم ثانی لکھوا دیا تھا کہ وعظ قدیمی طور پر جاری کیا جائے اور کوئی مزاحم نہ ہو۔ غالباً آپ وعظ فرماتے ہونگے "

مولوی اسمٰعیل صاحب نے اس حکم سے اپنی لاعلمی ظاہر فرمائی۔ اسپر وہ حیران ہُوا اور اس نے تیزی سے کہا " بشاید آج چھٹا روز ہے کہ اس حکم ثانی کے صادر ہونے کا مَیں قطعی حکم دیچکا ہوں۔ کیا وجہ ہے کہ فضل حق نے اس کی تعمیل نہیں کی " شاہ صاحب نے فرمایا " جو دستخطی عرضی میرے خلاف گذری تھی اسکی سچائی کا مولوی فضل حق صاحب کی اس بے نظیر عداوت سے اندازہ ہوسکتا ہے فوراً ایک برق انداز روانہ کیا گیا کہ بہت جلد فضل حق کو لائے۔ چنانچہ منطقی صاحب تشریف لائے اور شاہ صاحب کی صورت دیکھتے ہی تن بدن میں رعشہ پڑگیا اور سمجھ گئے کہ آج خیر نہیں ہے۔

ہم یہاں اس نا ملائم زجر و توبیخ کو نہیں لکھتے جو رزیڈنٹ نے منطقی صاحب کی کی ۔ صرف ناظرین کے اندازہ اور جانچ پر چھوڑا جاتا ہے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فضل حق صاحب تین مہینے کیلئے معطل کئے گئے اور وہ دونو احکام فوراً جاری ہو گئے ۔ گو پیارے شہید کو اپنے دوست مولوی منطقی کے معطل ہونے کا صدمہ تو ہوا لیکن وہ کر ہی کیا سکتے تھے ۔ گو سفارش کا ارادہ کیا لیکن ایسی التجا کرنی اپنی شان کے خلاف جانی ۔ اور آپ اُٹھ کے وہاں سے چلے آئے ۔ رزیڈنٹ صاحب نے اسی عزت اور تپاک سے رخصت کیا ۔ یہ موقع ہمارے منطقی صاحب کا حد سے زیادہ ذلت کا تھا ۔ علاوہ ناکامی کے اُنکا معطل ہونا انکی پارٹی پر اَور بھی غضب ہوا ۔ ہر چند انہوں نے سفارشیں پہونچائیں ۔ اور اپنے بحال ہونے کی کوشش کی ۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا ۔ ناچار انہیں تین مہینے کیلئے شہر چھوڑنا پڑا ۔ اور وہ سیدھے رامپور چلےگئے ۔ انکی پارٹی نے تو مولانا شہید کے جلاوطن ہونے کی جھوٹی اڑائی تھی ۔ لیکن انکا لیڈر سچ مچ بیچارہ شہر چھوڑ کے چلا گیا

یہ بھی خدا کی بہت بڑی حکمت تھی حقیقت میں وہی اپنے کاموں کے بھیدوں سے خوب واقف ہے ۔ جیساکہ ۱۸۵۷ء کا غدر انگریزوں کے حق میں مفید ثابت ہوا ۔ اسی طرح مولانا شہید کا چالیس دن وعظ بند رہنا ان کے لئے کیمیا بنگیا ۔ شہر میں عوام الناس کی شورش بھی دھیمی پڑگئی اور اب اتنی مخالفت بھی نہ رہی بایںہمہ لوگ اب بھی دانت پیستے تھے ۔ اور رستوں میں مولانا شہید پر پھبتیاں اُڑتی تھیں ڈھیلے پھینکے جاتے تھے اور گالیاں دیجاتی تھیں مگر یہ تمام باتیں محض کمظرفی کی تھیں اور وہ بھی معمولی تھیں جو کہ ریفارمروں کیساتھ عوام الناس کیا کرتے ہیں ۔ ہاں ان باتوں کا سہارنا بیشک بڑا کام اور سہار نے والے کی کامیابی کا دیباچہ ہے ۔ یہ واقعہ ایک ایسا تھا جس سے شہر میں تہلکہ پڑ گیا ۔ اور سب کی رنگتیں فق ہوگئیں اب یہ اڑنے لگا ۔ کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے رزیڈنٹ پر جادو کر دیا ہے کوئی کچھ کہتا تھا اور کوئی کچھ رائے زنی کرتا تھا ۔ ساتھ ہی اس کے میاں فضل حق کی اس فاش شکست سے ایک یہ بھی اثر ہوا کہ لوگ کچھ ٹوٹ ٹوٹ کے ادہر آنے لگے اور باہم ہر جگہ گفتگو ہونے لگی ۔

جُونہی مولانا صاحب گھر میں تشریف لائے ۔ سب نے آپکو مبارکباد دی اور مرحبا صد مرحبا کے نعرے بلند ہوئے پھول برسائے گئے اور خوشیاں منائی گئیں ۔

یہ سال ۲۳ واں مولانا شہید کو تھا ۔ اس سن و سال کا بچہ جب اس پایہ کا ہو تو کیا خیال کیا جاسکتا ہے سوا اسکے اَور کچھ نہیں کہ مسلمانوں کی اصلاح کی گارنٹی روز ازل ہی سے پیارے شہید سے ہوگئی تھی اور یہ ناممکن ہے کہ کیسا ہی فاضل شخص ہو جب بھی اتنی سی عمر میں اپنے ہمچشموں پر اثر نہیں ڈال سکتا ۔

جو الزامات مولانا شہید پر لگائے گئے پہلے انکے ازالہ کی فکر کرنی تھی ۔ گو یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ وہ

محض جھوٹے اور غلط تھے ساتھ ہی اسکے مولوی اسمٰعیل صاحب کا فرض تھا کہ وہ عام جلسوں میں ان اتہامات کو اپنے اوپر سے اٹھادیں اور لوگوں کو بدگمانی کا رستہ نہ دیں۔

یہ زیادہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ آپکے وعظوں کی اتنی دہوم مچی کہ مخالفین بھی جوق جوق آنے لگے "مجموعہ واقعات" والا خود اپنے کانوں سے سنا ہوا ایک بوڑھے کا قول نقل کرتا ہے۔ جو دہوپ میں لکڑی ٹیکے ہوئے بہت زور سے چلا جارہا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا خدا کرے مَیں وعظ شروع ہونے سے پہلے وہاں پہنچ جاؤں۔ ایک بچہ اس کے ساتھ تھا۔ جو غالباً اسکا پوتا معلوم ہوتا تھا لیکن بعدازاں معلوم ہوا کہ وہ اسکا بیٹا ہے۔ کیونکہ بوڑھے کے جلدی چلنے پر اس نے یہ کہا: "ابا جان رات کو تو پڑے ہوئے دعا مانگ رہے تھے کہ خدا اسمٰعیل کے وعظ میں نہ لیجائے مگر اب اتنی جلدی چل رہے ہو اور کہتے ہو کہیں وعظ شروع نہ ہو گیا ہو۔ یہ کیا بات ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا" یہ تو سچ کہتا ہے لیکن مَیں کیا کروں جب وعظ کا وقت ہوتا ہے تو از خود دل اچٹتا ہے گھڑی بھر بھی صبر نہیں ہوتا" پھر وہ بچہ کہنے لگا۔ آپ تو کہتے تھے کہ وہ ہم لوگوں کو گالیاں دیتا ہے۔ بوڑھے نے چٹخارے بھر کے کہا۔ یہ اُسی کی گالیوں میں تو مزا ہے کہ پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ اور سُننے کو جی چاہتا ہے۔ مجموعہ واقعات والے کے اس قول سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ مخالفین کی زبان پر بھی آپکے پُرتاثیر کلمات کے چسکے موجود تھے۔ پہلا الزام جو مولانا پر قائم کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ آپ آئمہ دین کی عزت نہیں کرتے خصوصاً امام ابوحنیفہؒ صاحب کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ دوسرا الزام یہ تھا کہ اہل تصوف اور اولیاء کی مطلق پروا نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں بُرا بتاتے ہیں۔ تیسرا الزام یہ تھا کہ نبیؐ کو بے حقیقت (معاذاللہ) جانتے ہیں۔ چوتھا الزام یہ تھا کہ تقلید امام اعظمؒ کو حرام بتاتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی نکتہ چینیاں اور افتراپردازیاں تھیں جو آپکی پاک ذات پر عائد کیجاتی تھیں۔ سب سے پہلے مولانا شہید نے اپنا یہ فرض جانا کہ وہ ان چاروں الزامات کو اپنے پر سے اٹھادیں اور عوام الناس کی شورش اور غلط فہمی کو بالکل مٹادیں۔

ہم آئندہ بابوں میں ان معاملات پر پوری بحث کرینگے۔ ہمیں افسوس ہے کہ وہ وعظ جو مولانا شہید نے ان خاص مضامین پر فرمائے ہمیں بجنسہٖ نہیں ملے لیکن یہ ضرور ثابت ہے کہ وہ تحریر کئے گئے۔ کیونکہ منشی ہیرالال کے بہت سے پراگندہ کاغذ لیسے ہیں جن سے کچھ کچھ پتہ چلتا ہے۔ پھر بھی ہمیں آپکی تصنیفات سے آپکے خیالات اور دینی عقائد کا جو علم ہوا ہے اس کے وسیلہ سے ہم ان مضامین پر جنہیں ابتک اکثر اصحاب نے صرف غلط فہمی اور زیادہ تر پارٹی فیلنگ کی وجہ سے تسلیم کررکھا ہے بسیط بحث میں ادا کردیں اور سمجھادیں کہ وہ سچا دیندار تھا۔ اور اسپر کسی قسم کی بدگمانی کرنا دین و دنیا میں اپنا مُنہ کالا کرنا ہے ؎

(۶) چھٹا باب

مولانا شہید کی متواتر کامیابیاں صریح خلافِ شرع امور میں اصلاح

یہ صحیح ہے کہ حق کو کہیں زوال نہیں ہوتا گو چند روز کیلئے کذب چمک جاتا ہے اور کوتاہ بینوں کو یہ دکھلائی دیتا ہے کہ اس چمک میں صدق کی جھلک دکھائی دیتی ہے لیکن نہیں بعدازاں چند روزہ زندگی خود بخود اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ ناحق کو فنا ہے اور حق کو فنا نہیں۔ اگر اسے سات پردوں میں بھی بند کردو گے جب بھی اسکا جلوہ وہیں سے دکھائی دیگا۔ لاکھ چاند پر خاک ڈالو پھر بھی کچھ نہیں ہوتا کوئی چاہے کہ خاک ڈال کے اُسے میلا کرلے یہ ناممکن ہے۔

ہزاروں ریفارمر دنیا میں ہر ملک اور قوم میں پیدا ہوئے اُنکے ساتھ بھی زیادتیاں کیگئیں جو پیارے شہید کیساتھ دہلی میں ہوئیں مگر وہ ارادے کے پُورے اپنے کام میں مستعد رہے اور انہوں نے وہ بیج بویا جو پودا بنا اور وہ پھلا پھولا اور اسی کا ہم آج پھل کھا رہے ہیں۔ نبی عربی پر جو مظالم بُت پرستوں نے توڑے تھے انکی نظیر تمام دنیا کی تاریخ میں نہیں ہے۔ طائف میں کمینہ آدمیوں کا آپ پر سنگباری کرنا اور آپکا زخمی ہو کے واپس چلا آنا۔ بار بار پیارے شہید کے دل کو مخالفین کی بیجا سختیاں سہنی اور اُف نہ کرنے پر مجبور کرتا تھا ابن اسحٰق کا قول ہے :۔

"اگر کوئی شخص ناکامی میں بھی کوشش کئے جائیگا اور جی نہ ہاریگا تو آخر وہ ناکامی بھی کامیابی کی صورت میں بدل جائیگی۔ خدا نے قرآن میں خود بشارت دی ہے "میں صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہوں"

بُردباری، سکینی۔ اخلاق اپنے فرض کی انجام وہی میں سرگرم رہنا ایک زبردست مقناطیسی کشش رکھتا ہے جو مخالفین کو اپنی طرف ایک نہ ایک دن جبراً کھینچ لاتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ کئی برس تک پیارے شہید کے معتقدین اتنے کم رہے جنکا شمار انگلیوں پر ہوسکتا تھا مگر اس ناکامی سے کسی قسم کی دلشکنی مولٰنا شہید کو حاصل نہ تھی۔ ایکدن آپ وعظ فرمانے کیلئے تشریف لیجا رہے تھے۔ بغل میں حمائل تھی اور وارفتانہ قدموں سے جا رہے تھے۔ ایک بڈھے شخص نے جس نے اپنی جان اسلام پر قربان کرنے کا ارادہ کرلیا تھا آبدیدہ ہو کے کہا :۔

"اے ہمارے نوجوان ہادی تو اس طرح راہِ حق دکھانے میں کوشش کرے اور تیری کوشش یوں رائیگاں جاوے۔ افسوس کیسے سنگدل لوگ ہیں جو تیری بات نہیں سنتے اور اگر سنتے بھی ہیں تو اس پر عمل نہیں کرتے"

آپ نے مسکرا کے جواب دیا:۔

"بڑے میاں ہر کام بتدریج ہوتا ہے۔ صدیوں کی خرابی صدیوں ہی میں دفع ہو سکتی ہے۔ یکایک کوئی سنگلاخ پر بیج ڈال نہیں سکتا۔ اس امید سے کہ یہ بار آور ہو اور جسکا یہ خیال ہے وہ ہوا پر نقش کرنے چاہتا ہے۔"

بوڑھے نے منہ اٹھا کے یہ دعا دی:۔

"تو قطعی کامیاب ہوگا اے نوجوان ہادی۔ خدا تیری عمر میں کامیابی کے ساتھ برکت دے۔"

دوسرے راہگیر نے بہت زور سے آمین پکاری۔ یہ دعا فوراً مقبول ہوئی اور اسکا اثر دو گھنٹے کے بعد ظاہر ہو گیا۔ جب آپ وحدانیت پر وعظ فرما رہے تھے اور ایک پُر اثر اور پُر جوش لہجہ میں ربانی مطالب کو حل فرما رہے تھے تو قریباً دو سو آدمیوں کے گروہ نے غل مچا کے یہ کہا ہم نے شرک و بدعت سے توبہ کی اور آئندہ ہم عہد کرتے ہیں کہ کبھی اپنی حاجتیں سوائے خدا کے کسی کے پاس نہ لیجائینگے۔ قرآنی مطالب میں بیشک زبردست اثر ہے لیکن ساتھ ہی اس کے اثر کا دوسرے دل پر تو ڈالنے کیلئے بھی زبان کی خصوصیت درکار ہے جیسا سانچہ ہوگا ویسے ہی پُرزے ڈھلینگے۔ جب خدا کی لازوال قوتوں پر دل سے بھروسہ ہے اور جو کچھ زبان سے کہا جا رہا ہے دل میں اس سے بھی زیادہ یقین ہے۔ پھر تاثیر خود بخود سامعین پر ہوگی۔

ہمیشہ بڑے بڑے فارغ التحصیل طلبہ خاص اس نظر سے آتے ہیں کہ ہم فلاں مسئلہ میں مولنا شہید سے مناظرہ کرینگے لیکن وعظ سننے کے بعد کسی میں یارا نہ رہتا تھا کہ کچھ بھی زبان سے کہہ سکے۔ ہر بات تسلیم ہی کرتے بنتی تھی اور یہ شبہ بھی کسی کے دل میں نہ رہتا تھا کہ اسمیں کوئی بھی غلطی ہے۔

مولانا شہید کے مختلف وعظ اپنا اثر برابر پھیلاتے جاتے تھے اور گروہ کے گروہ سچے دیندار بنتے جاتے تھے۔ جوں جوں کامیابی ہوتی جاتی تھی دوسری طرف دلی عداوت بھی بڑھتی جاتی تھی۔ یہانتک کہ مفتی صدر الدین صاحب[1] کے مکان پر ایک جلسہ ہوا اور اسمیں مولوی حاجی قاسم امام عیدگاہ دہلی اور دینا[2] بیگ خاں اس جلسہ کے سرغنہ تھے اذیت دینے میں تو ان لوگوں نے کوئی کمی نہ کی تھی لیکن جب یوں بس نہ چلا تو تعصب نے آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دی کہ وہ بالکل ہی اندھے ہو گئے اور ان دونوں نے باری باری سے پہلے تو وعظ کہا اور اس میں بیگناہ پیارے شہید پر تبرے بازی کی اور بعد ازاں یہ ریزولیوشن پاس ہوا کہ جس چیز کو اسمٰعیل حلال کہے ہم اسے حرام کہیں گے اور جسے وہ حرام کہیگا ہم اسے حلال کہیں گے۔"

---

[1] مولوی مفتی صدر الدین صاحب مولانا شہید کے بڑے گہرے معتقدین میں سے تھے اور اس جلسہ میں وہ خود شریک بھی نہ تھے (مجموعہ واقعات ص۱۲۱) [2] دینا بیگ خان وہ شخص تھا جس نے پیارے شہید کی شہادت کی خبر سنکر اس خوشی میں بکثرت شیرینی جامع مسجد میں تقسیم کی تھی۔ مجموعہ واقعات ص۱۰۱۔

اس صریح ہٹ دھرمی اور قابلِ نفرین ضد کا اثر اہلِ جلسہ پر جنہیں عموماً مولانا شہید کے خلاف ہی تھے نہ ہوا اتنی سی عقل اَن پڑھ میں بھی ہوتی ہے۔ آخر کو وہ مسلمان تھے اور ان کے بزرگوں کی چند بے عنوانیوں سے اُن کے عقائد میں فرق آ گیا تھا۔ مگر نہ ایسا جیسا حاجی قاسم امام عیدگاہ دہلی اور دینا بیگ خاں کا خیال تھا۔ خدا کی قدرت ہے کہ تاریکی میں ہمیشہ نور چمکتا ہے اس تاریک تر جلسہ میں جہاں بکثرت بدعتی جمع تھے۔ خدا پرستی کا نور چمکا اور باہم یہ گفتگو کرنے لگے۔ ہم ایسا کبھی نہ کرینگے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب سوٗر اور شراب کو حرام کہتے ہیں یہ کیونکر ممکن ہوگا۔ ہم اُسے حلال کہنے لگیں گے۔ حاجی قاسم کی محض ہٹ دھرمی ہے۔

اس جلسہ کا اُلٹا اثر بدعتی گروہ پر پڑا اور وہ محمدی دائرہ کیطرف رجوع ہونے لگے۔ یہانتک کہ ایکدن میں اگر "ہم مجموعہ واقعات" والے کی بات کو سچ مانیں تو آٹھ سو آدمی دیندار ہوئے تھے انہوں نے قبروں پر سجدہ کرنا چھوڑ دیا اور پیروں شہیدوں کی اپنی حاجات برآری کے لئے نیاز نذر دلوانا ترک کر دیا اور یونہی جتنی بدعتیں کرتے تھے ان سب سے توبہ کی۔

یہ کامیابیاں بظاہر کچھ وقعت نہ رکھتی تھیں لیکن انہیں ہی ایسے جوہر شامل تھے جو بعد ازاں چمک کے رہے اور ایسی تابانی دکھائی جن کی روشنی ہنوز جھلک مار رہی ہے۔

جب بدعتیوں کو پے درپے یہ فاش شکستیں ملیں تو اب انہوں نے مخالفت کا دوسرا پہلو بدلا اور وہ پہلو یہ تھا کہ ہر گلی کی نکڑ پر ایک مُلّا نا کھڑا کر دیا کہ وہ مولانا شہید کو کافر بنائے اور گمراہ کہے غرض سوائے تبرّے کے اَور کچھ نہ کہے۔ جب اس قسم کے وعظ ہونے لگے تو دو چار جگہ لاٹھی بھی چلگئی۔ کیونکہ اب محمّدیوں کا گروہ بھی بڑھتا جاتا تھا۔ شہر میں دو تین جگہ لاٹھی چلی تھی گو گورنمنٹ کمپنی کیطرف سے اکبر شاہ کے مشورہ کیساتھ وعظ بند کر دیئے گئے۔ مُنہ در مُنہ گالیاں مولوی اسمٰعیل صاحب سنتے تھے۔ لیکن کچھ نہ کہتے تھے جس عظیم الشان فرض کا انہوں نے بیڑا اٹھایا تھا۔ اس کے انجام دینے کیلئے اس سے بھی زیادہ اور کہیں زیادہ طعن و تشنیع سُننا اور اذیت اٹھانا ضرور تھا۔

کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ آپکے وعظ میں دس پانچ ہندو اور درجنوں بدعتی مسلمان نہ ہوتے ہوں بلکہ یہانتک جو اپنے مذہب شرک و بدعت میں پختہ تھے وہ جانکے نہ آتے تھے۔ مبادا ہم پر کوئی اثر مولوی کے وعظ کا پڑے۔ دہلی میں تو مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ مگر پنجاب میں جو بدعت خیز خطہ ہے کچھ کم مخالفت مولانا شہید کیطرف سے انکی طبائع میں نہ تھی۔ تمام پنجاب دانت پیستا تھا۔ کہ جسطرح ہو کوئی جاکے مولوی اسمٰعیل کو قتل کر آئے۔ یہ حد سے زیادہ مسلمانوں کی بدبختی کا زمانہ تھا کہ وہ سکھوں کی سلطنت کے قابلِ رحم مظالم میں مٹے جاتے تھے۔ انکا تو کچھ ہو ہی نہ سکتا تھا۔ ایسے موقع پر کہ رنجیت سنگھ نے اذان پکار کے کہنا منع

کر دیا تھا۔ کوئی مذہبی رُکن کُھلم کُھلا ادا نہ ہو سکتا تھا۔ رمضان میں سکھ زبردستی مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کے کھانا کھلاتے تھے۔ اور انکے روزے تڑوا ڈالتے تھے۔ مولویوں کی سکھوں کے راج میں وہ گت بنی تھی۔ کہ توبہ سُور کے گوشت کی بوٹیاں معمولی جرائم میں انکے مُنہ میں جبراً ٹھوسی جاتیں اور انہیں مجبور کیا جاتا۔ کہ تم اسے کھاؤ کھا لیا تو جانبر ہو گئے نہ کھایا تو تلوار سے سر قلم کر دیا گیا۔

ایسے ظالمانہ اور حد سے زیادہ جابرانہ سلطنت میں تو کبھی پنجاب کے مسلمانوں کو یہ خیال نہ ہوا کہ ہم اپنے کو اس بلائے بے درماں سے نجات دیں اور ایسے اظلم حکمرانوں کو تہ تیغ کریں۔ بہادری نے جوش مارا تو ایک بیچارے شہید کی جان پر جو تنہا تلوار حمائل کئے ہوئے جنگل کے قبرستان میں پھرا کرتا تھا۔ یہ کچھ ضرور نہ تھا کہ ہر وقت تلوار ہی پاس ہو۔ نہیں بعض وقت لکڑی بھی نہ ہوتی تھی۔ اور آپ صرف اللہ کے بھروسہ پر قانع ہو کے آزاد اِدھر اُدھر پڑے پھرتے تھے۔ لاہور میں ایک رنگریز رہتا تھا جو رنجیت سنگھ سے تعلق پیدا کر کے بڑا امیر کبیر ہو گیا تھا۔ اسکی بیٹی سے رنجیت سنگھ نے شادی کر لی تھی! اور اُسے ایک جاگیر بھی دیدی تھی۔ وہ لڑکی تو رنجیت سنگھ کے محل میں بھی مسلمان ہی رہتی تھی۔ اسکا حُسن ہی خونخوار سکھوں سے اسکی جان کا محافظ تھا۔ ورنہ رنجیت سنگھ کی تیغ براں کی وہ کبھی کی شکار بنجاتی۔ مگر یہ رنگریز خوشامد میں آ کے کچھ سکھ سا بنگیا تھا۔ اور پیشوایانِ دین اسلام کو بعض سکھوں کے خوش کرنے کیلئے گالیاں دیا کرتا تھا۔ بایں ہمہ وہ بدعتی بہت بڑا تھا اس کے گاؤں میں دو تین قبریں تھیں جنکی پرستش خود بھی کرتا تھا۔ اور دوسروں کو بھی کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ وہ رسول مقبول کی شان میں بے ادبانہ الفاظ کہہ دینے کوئی گناہ نہ سمجھتا تھا۔ لیکن ان اہل قبور کے خیالی ناموں کا بڑا پاس لحاظ رکھتا تھا۔ اس شخص کا پہلے نام غلام رسول تھا اور بعد ازاں اس نے صرف اسلام کی ضد میں اپنا نام بندۂ رنجیت سنگھ رکھ لیا تھا۔ دہلی کے بدعتیوں سے بھی اسکی خط و کتابت تھی اور بعضوں کا اس نے وظیفہ بھی لگا رکھا تھا۔ جب انکی یہاں سرد بازاری ہونے لگی۔ اور لوگ اسلام اور اسکے روشن اصول سے واقف ہونے لگے۔ تو انہوں نے بندۂ رنجیت سنگھ سے جا کے شکایت کی۔ کہ ہماری قبروں پر چڑھاوا بھی بہت کم چڑھتا ہے۔ اور لوگ کچھ غیر معتقد سے ہوئے جاتے ہیں۔ جو اس کے معتقدین میں سے نہیں ہیں۔ وہ بھی بعض وقت ایسی باتیں کہہ اُٹھتے ہیں کہ ہمیں انکے عقائد میں بھی شبہ معلوم ہوتا ہے۔ نہ وطن ہی چھوڑتے بن پڑتی ہے اور نہ کچھ اور بن آتا ہے۔ کیا کیا جائے۔ بندۂ رنجیت سنگھ ایسے خیالات کا جانی دشمن تھا۔ اس نے سنتے ہی یہ کہا تم بھی بڑے نامرد ہو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ رات برات کو اُسے قتل کروا ڈالا ہوتا جھگڑا ہی جاتا۔ کوئی توپخانہ اُس کے پاس نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا پھر تم اتنا کیوں ڈرتے ہو۔ اور تم نے ناحق اتنی سی بات کے لئے اتنی بڑی مسافت طے کی۔

دہلی والے رو رو کے یہ کہنے لگے۔ ہم پہلے ہی بلا سوچے سمجھے منہ اٹھائے ہوئے یہاں نہیں چلے آئے ہیں۔ سارے ہی جتن کر لئے۔ ایک بھی نہ چلا۔ کوئی تدبیر ہم نے اٹھا نہ رکھی۔ مگر متواتر ناکامی اٹھائی۔ اسکا علاج ہی کیا۔ ان باتوں سے دلی والے تو بہت ہار گئے۔ اور اب ان سے از خود کچھ نہیں ہوتا ہے۔ ہاں کوئی انہیں اکسانیوالا پیدا ہو تو کچھ کام چلے۔ اس کے بعد جو جو کچھ تدبیریں کی تھیں وہ سب دہرا دیں۔ یہ سن کے بندۂ رنجیت سنگھ چونکا اور پھر اس نے تامل کر کے کہا تم گھبراؤ نہیں۔ سب کا بندوبست میں کرونگا۔ وہ ایک ہی آدمی ہے اسکا پار اتار دینا کتنی بڑی بات ہے۔

کئی دن کے مشورہ کے بعد چار آدمی اپنے گاؤں سے دیئے۔ وہ چاروں گرانڈیل جوان تھے۔ یہ لوگ زمیندار نہ تھے۔ بلکہ میروہ کے بیٹے پوتے تھے۔ یہ مسلمان تو تھے لیکن بیچارے اصول اسلام سے محض ناواقف تھے۔ بندہ رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آ کے وہ اپنے سارے خیالات کی پونجی کھو بیٹھے تھے۔ بایںہمہ انکی خداداد ذہانت اسکی مقتضی نہ تھی۔ کہ بندۂ رنجیت سنگھ کی قبر کی بے معنی پرستش سے کوئی مضمون نہ تراشتے اور اسکے بدنما اثر کی جانچ نہ کرتے۔ وہ رئیس زادے تھے۔ اور انہیں مدت سے حق کی تلاش تھی۔ چونکہ اس عرصہ میں انہیں کوئی ہادی نہ ملا تھا۔ اس لئے بیچارے تذبذب میں پڑے پڑے ٹوئیاں مار رہے تھے۔

خیر اس صفت اور نوعیت کے شخص پیارے شہید کے قتل کیلئے تیار ہوئے۔ ان جوانوں میں جنکی عمر ۲۳/۲۲ برس سے زیادہ نہ تھی قدرتی تہذیب موجود تھی۔ اچھی بری باتیں انکی طبائع پر جدا گانہ اثر ڈالتی تھیں گو وہ پنجابی نژاد تھے۔ پھر بھی انمیں شائستہ بننے اور خدا پرست ہونیکا مادہ مضمر تھا۔ بندۂ رنجیت سنگھ نے ان چاروں کو خوب سمجھا دیا اور ساری باتیں بتا دیں۔ اور یہ قرار دیا جسکی تلوار اسمٰعیل کی گردن پر پہلے چلیگی۔ اور جس کے ہاتھ سے وہ پہلے گریگا۔ اسکو ایک ہزار روپیہ اور ٹیکا اور ایک تلوار ملیگی۔ ان نوجوانوں نے ہنسکر کہا ایسے شخص کے مارنے کیلئے تو ایک ہی ہم میں سے کافی ہے۔ چار کی کیا ضرورت ہے۔ بہر حال نتیجہ یہ ہوا کہ بدعتی ان نوجوانوں کو اپنے ساتھ لیکے دہلی روانہ ہوئے "مجموعہ واقعات" والے نے ان نوجوانوں کی دلچسپ حکایت لکھی ہے۔ جسے میں ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:۔

"راہ میں نوجوانوں نے دریافت کیا کہ جس شخص کے قتل کرانے کیلئے تم ہمیں لیجاتے ہو وہ کون ہے۔ اس نے کیا جرم کیا ہے اور تمہیں اس سے ابتک کیا نقصان پہنچا ہے" انہوں نے جواب دیا "اصل یہ ہے کہ وہ قبر پرستی سے منع کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے قبر پر بیٹھ کے چلّہ کھینچنے یا کسی ولی کی قبر پر مراد بر آنے کے لئے کلاوا باندھنے، بڑے پیر کی گیارھویں کرنی اور مردوں کی فاتحہ دلوانی اور سید احمد کبیر کی گائے کرنا منع ہے۔ دن بدن لوگ بہکتے جاتے ہیں۔ اور ہماری روزی میں فرق آتا جاتا ہے"

یہ سن کے نوجوانوں نے گردن نیچی کر لی اور بڑی دیر تک سوچتے رہے پھر انہوں نے سوال کیا۔ یہ باتیں وہ منع تو کرتا ہے لیکن انکے بجائے کن باتوں کے کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ سوال نہایت معقول تھا۔ اور اس سے سائل کی دانائی اور انصاف پسندی معلوم ہوتی ہے انہوں نے جواب دیا کہ وہ یہ کہتا ہے صرف ایک خدا کی پرستش کرو۔ اُس کے دربار میں کسی کو سفارشی نہ بناؤ اُسکے پیغمبر کو سچا نبی جانو۔ اس تقریر نے نوجوانوں کے دل پر اچھا اثر کیا حق کی تلاش میں، جو ایک بیچینی اور کریدسی ہورہی تھی۔ اس میں کسی قدر کمی واقع ہوئی۔ لیکن ابھی یہ بات نہ تھی کہ انہیں دین خدا کے صول معلوم ہو گئے تھے بلکہ ان کی لوحِ قلب ایسی تھی، جس پر دین خدا کے نقوش ہو سکتے تھے۔

غرض وہ دہلی پہنچے کئی دن تک تو اہل بدعت نے انہیں چھپائے رکھا۔ پھر بھی یہ افواہ اُڑ گئی کہ شاہ اسمٰعیل کے قتل کیلئے پنجابی بلائے گئے ہیں۔ یہ سُن کے پیارا شہید بھی چوکنا ہوا کیونکہ جان بچانی فرض تھی اور اِدھر اُدھر مخبری کیلئے آدمی چھوڑ دیئے کہ اسکی تحقیق کر کے لاؤ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ اہل بدعت نے بڑی چالاکی کی تھی کہ دہلی کی گلیاں اور رستہ دکھانے کیلئے اُنہیں ڈولیوں میں پھراتے تھے۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ تک وہ ڈولیوں میں پھرتے رہے بعدازاں یہ غل بھی مچا کہ وہ لوگ ڈولیوں میں پھرتے ہیں تاکہ شاہ صاحب پر پوشیدگی اور بے خبری میں حملہ کریں۔

جب یہ ڈولیوں کی خبر اُڑ گئی تو انہوں نے دوپہر اور شب کو مختلف اوقات میں انہیں نکالنا شروع کیا اس زمانہ میں عموماً ہتھیار تو سب ہی باندھتے تھے اور کچھ ممانعت نہ تھی پھر بھی نوجوان پیش قبض چھپا چھپا کے نکلتے تھے۔ پیارے شہید کی صورت بخوبی پہچنوادی گئی تھی۔ اور اب وہ گھات میں لگے پھرتے تھے۔

ایکدن دوپہر کا وقت تھا۔ آفتاب کی روشن کرنیں گرم گرم اور تیز تیز زمین پر پڑ رہی تھیں۔ در و دیوار اور آسمان و زمین جھلستے تھے وہ قہرناک وقت تھا کہ دُور دُور سڑک پر کوئی متنفس نظر نہ آتا تھا۔ بس چیل انڈا چھوڑتی تھی۔ اہل بدعت کو خبر لگی کہ مولوی اسمٰعیل تنہا فتحپوری کے حوض پر ٹہل رہے ہیں۔ شاید وہ کسی خاص خیال میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں ہے۔ اس سے بہتر موقع اہل بدعت کو کہاں مل سکتا تھا۔ انہوں نے ایک نوجوان کو روانہ کیا کہ وہ جا کے اسمٰعیل کا سر لے آئے۔ وہ جوان سیدھا فتحپوری میں آیا۔ کُل حجروں کے کواڑ بند پائے اور اِدھر اُدھر مسجد میں ایک شخص بھی چلتا پھرتا نہ دیکھا۔ در و دیوار تنور بن رہے تھے۔ جسطرح بھاڑ میں چنے بھن جاتے ہیں۔ اس طرح حوض کی پتھریلی زمین ہورہی تھی کہ اگر کوئی چاہے تو بآسانی چنے بھون لے۔ شاہ اسمٰعیل صاحب نے نیچی نگاہ کئے ہوئے بے تکان گشت لگا رہے تھے۔ جوان نے پہلے اپنا پیش قبض سنبھالا جوتیاں چپکے سے اُتار کے ایک طرف رکھیں

اور برہنہ پا نیچے کی طرف جانے لگا۔ جونہی اُس نے زمین پر قدم رکھا پیر کے تلوے بھڑتا ہو گئے اور اُسے اسقدر تکلیف ہوئی کہ جلدی سے پھر جوتی پہن لی۔ اور اب یکایک اُسکے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مولوی اسمٰعیل تو کوئی پہونچا ہوا ولی ہے۔ آہستہ آہستہ اس جلتے ہوئے پتھر پر ٹہل رہا ہے۔ اور اسے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوتی۔ یہ خیال ایسا قوی ہوا کہ آخر کار عقیدت کی سورت میں بدل گیا۔ اور اب اس نے اپنا خنجر نکال کے مولوی اسمٰعیل صاحب کے سامنے رکھدیا اور جو کچھ کیفیت تھی ساری بیان کر دی مولانا شہید نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا خدا کی تجھ پر رحمت نازل ہوئی۔ وہ سب کا سچا ہادی ہے تو اپنا خنجر اُٹھالے اور جا خدا تجھے ہدایت کرے۔

نوجوان نے ہاتھ باندھ کہا میں کہاں جاؤں۔ جدھر میں گیا۔ پریشانی دست و گریبان رہی لیکن آپکی صورت اور گفتگو سے گونہ اطمینان ہوا ہے۔ اب مجھے اپنا غلام تصور کیجئے اور راہِ حق سکھائیے۔

شاہ صاحب کے مزاج میں مذاق بہت تھا لیکن وہ مذاق جسکی رسول مقبول نے اجازت دی ہے اور بعض[له] وقت آپ بھی کیا کرتے تھے یعنی جس میں جھوٹ نہ ہو اور دوسرے شخص کی غیبت نہ ہوتی ہو آپنے اسی معمولی مذاق سے یہ فرمایا۔ بھائی تم پنجابی ہو عموماً پنجابی پیر پرست اور گور پرست ہوتے ہیں میں نہ پیر ہوں نہ میرے ہاں کوئی قبر ایسی ہے جسپر آٹھویں دن کا میلا ہو اور چڑھاوا چڑھتا ہو۔ میں ایک اکیلے خدا کی پرستش کرتا ہوں اور اُسی کی قرآن وحدیث کے مطابق حتی الوسع تعلیم دیتا ہوں۔ اگر تمہیں خدائے واحد کی پرستش کی تعلیم لینی ہو

له حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگوں نے ایکدن نبی اکرم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کبھی ہم سے مزاح بھی کرتے ہیں فرمایا البتہ اگر کبھی مزاح کرتا ہوں تو سچ بات کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ (ترمذی نے یہ حدیث نقل کی ہے) حضرت انس رضی سے روایت ہے کہ نبی اکرم کبھی کبھی اپنی ازواج مطہرات سے مزاح فرمایا کرتے تھے۔ اور حضرت امام حسن رضی اللہ سے روایت ہے کہ ایکدن ایک بڑھیا آپکی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے اس سے فرمایا کہ جنت میں کبھی کوئی بڑھیا نہ جائیگی۔ وہ رونے لگی۔ آپنے فرمایا تو اُس وقت بڑھیا نہ رہیگی کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَنْشَاْنٰھُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰھُنَّ اَبْکَارًا۔ یعنے ہم نے وہ عورتیں اٹھائیں ایک اٹھان پر اور پھر کیا انہیں کنواریاں (ترمذی در شمائل مرسلاً) اور زید بن اسلم سے روایت ہے کہ ایک عورت اُمّ ایمنؓ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی۔ اور عرض کیا کہ آپکو میرا شوہر بلاتا ہے۔ آپ نے فرمایا تیرا شوہر وہی ہے ناجس کی آنکھ میں سفیدی ہے اس نے عرض کیا (گھبرا کے) اسکی آنکھیں تو اچھی ہیں انیں سفیدی نہیں ہے آپنے فرمایا کہ بیشک ہے اُس نے بقسم کہا کہ نہیں۔ پھر آپؐ نے ارشاد کیا کہ کوئی ایسا شخص نہیں جسکی آنکھ میں سفیدی نہ ہو یعنی حلقہ چشم ہر انسان کا سفیدی اور سیاہی دونو رکھتا ہے۔ (زبیر بن بکار و ابن الدنیا بروایت عبداللہ بن اسہم فہری)

جو ٹھیٹ اسلام ہے۔ تو میرے ساتھ مزدوری کر کے حلال کی روزی سے پیٹ بھرو اور اگر بچ رہے تو حقیقی محتاج کو دو اور ہمیشہ خدا پر بھروسہ رکھو بس یہی میری تعلیم اور یہی میرا مذہب ہے۔ اگر تمہیں دین اسلام کے یہ اصول اچھے معلوم ہوں۔ تو میرے ساتھ بھی رہنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ جہاں جی چاہے رہو اور انہی پر عمل کرو۔ اور حضرت کیلئے پانچوں وقت کی نماز میں صرف خدا سے دعا کرتے رہو" یہ تقریر سن کے وہ جوان کچھ وجد میں آگیا اور خداوند حقیقی کا سچا نور اس کے حجلۂ دل میں ایسا چمکا کہ اس نے جوتی اتار کے جو وہ سیر بھوپال تک پہن آیا تھا پیارے شہید کے ہاتھوں پر بوسہ دیا۔ اور کہا "یہ غلام تو اگر دھکے بھی دیجئے گا۔ جب بھی نہیں ٹلیگا۔ آخر وہ پیارے شہید کے ساتھ تازیست رہا۔ اور جب قندھار کی سرحد میں منافقین کے مقابلہ میں شہید ہوا تو اسکا سر پیارے شہید کے زانو پر تھا۔ لہو اسکی پیشانی سے پونچھتے جاتے تھے اور وہ اپنی اسی مسکراتی ہوئی صورت میں جیسی صحت کی حالت میں اسکی تھی پیارے ہادی کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ آخر اس کی جان پاک

(بقیہ از صفحہ ۴۲) ایکدن ایک اور عورت آپکی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا مجھے ایک اونٹ سواری کو ملے۔ آپنے فرمایا میں تیری سواری کیلئے اونٹ کا بچہ دونگا۔ وہ حیران ہوئی اور اس نے عرض کیا کہ بچہ لیکے میں کیا کرونگی وہ مجھے کیسے اٹھائیگا آپنے فرمایا جو اونٹ ہوتا ہے وہ اونٹ ہی کا بچہ ہوتا ہے (ابوداؤد ترمذی بروایت انس ؓ) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے لڑکے نے ایک لال پالا تھا اور وہ اس سے کھیلا کرتا تھا جب آپؐ ان کے گھر جاتے تو اس لڑکے سے فرماتے "یا ابا عمیر ما فعل النغیر" یعنے اے ابوعمیر تیرا لال کیا ہوا (بخاری و مسلم) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں جنگ بدر میں رسول اللہؐ کے ساتھ تھی۔ آپؐ نے فرمایا آؤ ہم تم دوڑیں دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے۔ میں نے اپنا دوپٹہ مضبوط باندھ لیا۔ ایک نشان کھینچ کر اسپر کھڑی ہوئی اور دوڑی مگر آنحضرت ؐ آگے نکل گئے اور فرمایا کہ یہ ذی المجاز کا بدلہ ہے۔ ذی المجاز ایک جگہ کا نام ہے جب حضرت عائشہ ؓ چھوٹی تھیں حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے انہیں کچھ لینے کو بھیجا تھا۔ آپنے فرمایا کہ یہ چیز مجھے دے حضرت عائشہ ؓ نے انکار کیا اور آپؐ انکے پیچھے دوڑے مگر وہ ہاتھ نہ آئیں۔ اسی واقعہ کو عبداللہ بن حسن کی روایت سے زبیر بن بکار نے دوسری طرز سے بیان کیا ہے وہاں جنگ بدر کا ذکر نہیں ہے کیونکہ جنگ بدر میں آپ موجود نہ تھیں ضحاک بن سفیان کلابی نہایت بدصورت آدمی تھے۔ جب وہ بیعت کو آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عائشہ بھی موجود تھیں اور اسوقت تک پردہ کا حکم نہ ہوا تھا۔ بیعت کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس دو بیبیاں اس سرخ عورت یعنی عائشہ ؓ سے بھی اچھی ہیں اگر آپ نکاح کریں تو ایک کو میں آپکے واسطے بھیجدوں۔ حضرت عائشہ ؓ نے دریافت کیا کہ وہ خوبصورت ہیں یا تم۔ انہوں نے کہا کہ میں ان سے کہیں اچھا ہوں۔ اس سوال وجواب ہونے پر آنحضرت ہنس پڑے کہ یہ شخص اتنا بدصورت ہونے پر بھی اپنے کو نہایت خوبصورت سمجھتا ہے۔ (زبیر بن بکار و ابویعلی)

عالمِ ارواح کو سدھاری اور وہ اسلامی شہداء میں سے شمار ہُوا۔

غرض مولنا شہید اسے اپنے ساتھ اسی وقت گھر لے آئے۔ دوسرے دن وہ اپنے تین دوستوں کو بھی لے آیا۔ اور انہوں نے بھی طریقہ محمدی اختیار کیا۔ ایسی ایسی کامیابیاں گو بظاہر حقیر معلوم ہوتی ہوں لیکن حقیقت میں ان میں بڑا اثر تھا۔ ایک گروہ میں سے ایک کا بدعت و شرک کو ترک کرکے خالص خدا کی سرپرستی کو قبول کرنا اور اسی کا بندۂ رضا ہونا عجیب و غریب فتحیابی کا اثر اپنے میں رکھتا تھا۔

مولنا شہید کی ہدایت کسی خاص گروہ کی طرف محدود نہ تھی۔ آپ ہر انسانی سوسائٹی میں خواہ کیسی ہی ناپاک کیوں نہ ہوتی، جانا اور حتی الوسع انہیں ہدایت کی طرف بلانا اپنا فرض منصبی خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک کتاب میں کسبیوں کی ہدایت کرنے کے بارے میں یوں لکھا ہے:۔

صاحب ذکر جلی ایک قسم کا قصہ مولوی محمد علی صاحب رامپوری کی زبانی تحریر کرتے ہیں۔ کہ ایک روز مولوی اسمٰعیل صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسے کے دروازہ پر کھڑے تھے آپنے دیکھا کہ بہت سی جوان اور خوبصورت عورتیں رتھوں اور بہلیوں میں سوار ہوکر بلا پردہ کہیں کو جارہی تھیں۔ مولوی صاحب نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون عورتیں ہیں۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ سب کسبیاں فلاں کسبی کی کسبن کے گھر کچھ تقریب ہے، وہاں جارہی ہیں۔ مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہیں اس شخص نے کہا کہ ہاں مسلمان ہیں۔ تب مولانا نے فرمایا کہ جب مسلمان ہیں تو ہماری بہنیں ہیں کیا خداوند تعالیٰ ہم سے نہیں پوچھیگا کہ اسقدر مسلمان عورتیں بدکاری اور زناکاری میں گرفتار تھیں اور تم نے انکو نصیحت نہیں کی۔ اسواسطے اب تو میں انکے مکان پر جاکر انکو نصیحت کرونگا آپ کے رفیقوں نے کہا کہ آپکے وہاں تشریف لیجانے سے آپکو بدنام کردینگے کہ کنجروں کے واڑے میں بھی آپ جانے لگے۔ آپنے فرمایا کہ اسمٰعیل کو اس بات کی کچھ پروا نہیں۔ جب اللہ اور رسولؐ کا حکم سُنانے کو نکلا تو ہر ایک کو سُناویگا اس کے واسطے سب کلمہ گو مومنین کا حق برابر ہے آپ نے اوّل اپنے دل سے کہا کہ اے دل اگر تیرے بدن کی بوٹیاں کاٹ کر چیلوں کو کھلادیں یا تیرے جسم کو ہاتھی کے پاؤں سے باندھکر کھچوائیں۔ کیا تو اُس وقت بھی اللہ ہی کی بات بولتا رہیگا۔ دل نے کہا ہاں جبتک میرے اندر سانس ہیں۔ خدا کی بات کہنے سے کسی عذاب اور عقوبت سے بھی باز نہ آؤنگا!

جب شام ہوئی مولانا صاحب درویشوں کا سا بھیس بدل کر اس کسبن کے مکان پر پہنچے۔ جہاں سب کسبیاں جمع ہوکے کچھ گا بجا رہی تھیں۔ آپنے وہاں جاکر دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا "اداللہ والیو اداللہ والیو" اسوقت چند چھوکریوں نے دروازہ پر آکر پوچھا کون ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ

فقیر ہے کچھ صدا سنائیگا اور تماشا دکھائیگا۔ وہ سمجھیں کہ کوئی تماشا گر فقیر ہے دروازہ کھولکر اندر بلالیا آپ نے اندر جاکر کے بہت نرمی سے پوچھا کہ بڑی بی صاحبہ کہاں ہیں انہوں نے کہا کہ اوپر بالاخانہ میں مع اپنے مہمانوں نے جشن کر رہی ہیں۔ مولانا صاحب اوپر تشریف لیگئے اور دیکھا کہ بڑی بی صاحبہ بڑے تزک اور شان سے مع اپنے مہمانوں کے کرسیوں پر بیٹھی ہیں۔ چاروں طرف شمعدان روشن ہیں۔ چونکہ مولانا صاحب ایک نامی گرامی اور مشہور شخص ایک بڑے گھرانے کے صاحبزادے تھے۔ باوجود بھیس بدلنے کے بھی وہ آپکو پہچان گئیں اور اپنی اپنی کرسیوں پر سے اٹھ کے آپ کے سامنے مؤدب کھڑی ہوگئیں اور پوچھا کہ حضرت آپ نے کیونکر تکلیف فرمائی۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں کچھ صدا سنانے آیا ہوں۔ تم سب جمع ہو کے اپنی اپنی جگہ میں آرام سے بیٹھ جاؤ۔ چونکہ انکی ہدایت کا وقت آگیا تھا۔ سب ایک جگہ جمع ہو کے بیٹھ گئیں۔ مولوی صاحب نے حمائل کھول کے ایسی خوش الحانی سے قرآن پڑھا کہ اسی کو سن کے لوٹ پوٹ ہوگئیں۔ پھر آپنے ان آیتوں کے معنے بیان کر کے ہر ایک چیز دنیاوی کی بے ثباتی کا اسطرح ذکر کیا کہ یہاں نہ حسن وجوانی کو قیام ہے نہ مال و زندگانی کو۔ یہاں کی ہر چیز فانی اور زوال پذیر ہے۔ یہ بیان ایسی شرح و بسط اور فصاحت و بلاغت سے ہوا کہ ہر ایک نے رونا شروع کیا اسکے بعد مولانا نے موت اور جان کندنی کی سختی اور اس وقت کی بیکسی اور وحشت اور اس عالم کی مفارقت کا افسوس ایسے پُردرد طور سے بیان کیا کہ ساری عورتیں ہوش باختہ ہوگئیں۔ پھر اسکے بعد قبر کی تنہائی اور منکر و نکیر کا سوال اور وہاں کے عذاب کا بیان اس زور سے کیا کہ قیامت کے دن بدکاروں کے گروہ کے گروہ گرفتار کر کے حاضر کئے جائینگے اور جو کوئی اس فعل بدکاری کا دنیا میں سبب اور وسیلہ یا موجد و معاون ہوا ہے وہی اس دن اس گروہ کا پیش رو ہوگا۔ جب بروز قیامت تم فرداً فرداً بجرم بدکاری گرفتار ہو کے حاضر کیجاؤگی تو ہر ایک زانیہ کیساتھ سینکڑوں اور ہزاروں زانی و بدکار بھی بلائے جائینگے جنکی زناکاری و بدکاری کا تم باعث اور وسیلہ ہوئیں اور تمہارے ہی ناز و ادا نے انہیں اس آفت میں پھنسایا تھا تو خیال کرو کہ ایسی حالت سے جبکہ سینکڑوں اور ہزاروں زانی و بدکار تمہارے پیچھے ہونگے۔ اللہ رب العزت کے سامنے تمہارا کیا حال ہوگا۔ یہ بیان بھی ایسا گرم ہوا کہ کسبیوں کی ہچکیاں بندھ گئیں تب آپنے آپ توبہ سے اُن خستہ حالوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرنے کیلئے توبہ کی فضیلت بیان کرنی شروع کی اور کہا کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اس بیان وعدۂ عفو اور شرح غفاری اس غفور رحیم سے ان بے دلوں کو کچھ ہوش آیا۔ معاً اس کے آپ نے نکاح کی

فضیلت بیان کرنی شروع کی اور آخر میں فرمایا کہ جس کا دل جس سے چاہے اس سے نکاح کرلے اور اپنے افعالِ ماضیہ سے تائب ہو جائے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ یعنے آنحضرتؐ نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنیوالا ایسا ہو جاتا ہے۔ گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا!!

جب یہ وعظ ہو رہا تھا اس کی شہرت تمام شہر میں ہو کر ہزاروں خلقت اُسکے سُننے کو وہاں آکے جمع ہو گئی تھی۔ راستے بند ہو گئے تھے۔ آس پاس کے کوٹھے اور بالاخانے خلقت سے بھر گئے تھے۔ اس دلپذیر وعظ کا نتیجہ یہ ہُوا کہ جسقدر جوان عورتیں قابلِ نکاح اس مجمع میں موجود تھیں سبھوں نے توبہ کر کے نکاح کر لئے اور جو بوڑھی اور سن رسیدہ نائکہ وغیرہ تھیں انہوں نے محنت و مزدوری سے اپنی گذران کرنی شروع کی۔ فقط کتاب تواریخ عجیبہ کی تحریر ختم ہو گئی۔

اس بے نظیر کامیابی نے اہل بدعت کے دل ہلا دیئے اور اب پُرانی بُڑھیوں کیطرح یہ رونا لے بیٹھے کہ اسمٰعیل کو یا تو جادُو آتا ہے یا کچھ موکلوں کو ایسا تابع کر رکھا ہے کہ وہ فوراً اپنا اثر دیتا ہے مگر انکی ان ہوائی باتوں کو تسلیم کرنیوالے ان ہی کے گروہ کے خوش فہم تھے اور جس میں ذرا بھی عقل تھی وہ باوجود مخالف ہونے کے اتنا ضرور سمجھتا تھا کہ اسمٰعیل اپنے خیال میں پختہ ہے اور اسکی تقریر میں غیر معمولی اثر ہے۔

اس کامیابی نے ایک نتیجہ بخش سماں دکھایا اور وہ یہ تھا کہ بڑے بڑے علماء آپکے وعظ میں تشریف لانے لگے۔ یوں تو ہزاروں مضامین تھے جنپر آپ وعظ فرما سکتے تھے مگر زیادہ تر ان برائیوں کے دفع کرنے کیلئے وعظ فرماتے تھے جو اسوقت مسلمانوں کو گھیرے ہوئے تھیں اور یہی باتیں زیادہ اثر رکھتی تھیں۔ مثلاً پہلے بہت بُری بات یہ تھی کہ جامع مسجد کے حوض پر خوانچہ والوں کا آنا موقوف ہو۔ بھلا عبادتخانے میں یہ ناپاک بدعت کب موزون تھی۔ ایکدن آپ نے صرف اسی پر وعظ فرمایا اور آپکا وعظ سنکر لوگوں کو اس قدر جوش آیا کہ اگر انہیں روکدیا نہ جاتا تو شائد وہ خوانچہ والوں کا مارے لکڑیوں کے بھیجہ نکال دیتے۔ وعظ کہنے کے بعد آپ نے اکبر شاہ کی خدمت میں ایک درخواست لکھی اور اسپر تمام حاضرین جلسہ کے دستخط کرائے اور یہ التجا کی کہ جامع مسجد میں سودا بیچنا موقوف ہوا اور اسکی سیڑھیوں پر کھلونے نہ فروخت ہونے پائیں۔ اکبر شاہ نے فوراً منظور فرمایا اور اطلاع عام دیدی کہ آئندہ سے سب سودے والے مسجد تک آنے کیلئے بھی بند کئے گئے[1]۔ یہ ایک بڑی اصلاح تھی جسکو خواص و عوام نے پسند کیا۔ اپنے دوسرے وعظ میں آپنے

[1] آجکل تو یہ غنیمت ہے کہ سودے والے مسجد میں آکے فروخت نہیں کرتے۔ لیکن باہر انکا مجمع لگا رہتا ہے اور کوئی جامع مسجد کا ممبر قلیل نفع کیلئے ان سے ہُوں بھی نہیں کرتا۔ یہ تو سب کچھ تھا۔ بڑا غضب یہ کر رکھا ہے کہ الوداع کے دن جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بُت پرستی ہوتی ہے یعنی کھلونے بکتے ہیں مسلمان مسجد کے پاس مندر بننے پر تو اہلِ ہنود سے سر پھٹول کرتے ہیں لیکن خدا کے گھر میں جو بُت پرستی ہوتی ہے اُسکا بسہولیت تدارک اُن سے نہیں ہو سکتا۔ ۱۲

تبیح رسم کو روکا۔ جو شرفاء کے خاندان میں پھیلی ہوئی تھی۔ یعنی نکاحوں میں اہل ہنود کی رسمیں ہونی اور راہیں نہیں اسلامی اصول سمجھنا عورتوں کے خیالات ایسے سخت اور شدید ہوتے ہیں۔ کہ جو بات انکے ذہن میں جم جاتی ہے اسکا نکلنا مشکل پڑجاتا ہے مگر مولانا شہید کے متواتر وعظوں نے انکی مت بھی پلٹی اور انہوں نے بھی آئندہ سے توبہ کرلی۔ اگر خیال کیا جائے تو یہ اصلاح سب سے بڑی تھی کہ یکایک صدیوں کے خیالات عورتوں کے بدل دیئے

سیتلا کی پرستش

بُت پرستی کا چونکہ گھر گھر رواج تھا اور عموماً مسلمان اُسے عیب بھی نہ سمجھتے تھے اور طرح طرح کی بدعتوں میں گرفتار تھے اسلئے انکی مستورات بھی ان سے اس شرک و بدعت میں کئی قدم آگے تھیں۔ وہ بالکل ہندوؤں کیطرح ماتا مائی کی پرستش کرتی تھیں۔ اور یہ سمجھتی تھیں اگر ہم ماتا مائی کو نہ پوجینگے اور انکے آستان پر چڑھاوا نہ چڑھائینگے۔ تو ہمارے بچے ضائع ہوجائینگے الحمدللہ کہ مولنا شہید بڑی کوشش کے بعد اسمیں بھی کامیاب ہوئے اور قطعاً ہر گھر سے سیتلا یا چیچک کی پرستش کی رسم مٹادی۔

تعزیہ داری اور ماتم کرنا

دہلی میں کوئی خاندان شریفوں کا ایسا نہ تھا جس کے ممبر شیعہ سُنی دونوں نہوں کسی کی ننہال شیعہ تھی تو کسی کی ددیال شیعہ تھی۔ چنانچہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب کے نانا شیعہ تھے[1] جو بعد ازاں سُنی ہو گئے تھے یہ تعجب کی بات نہیں ہے جس ملک میں کہ دو نو معزز گروہ رہتے ہوں اور پھر مسلمان ہوں۔ وہاں باہمی تعلق کا نہ ہونا حیرت انگیز ہے۔ خدا کو دونوں قومیں واحد جانتی ہیں۔ رسولِ مقبول کو برحق سمجھتی ہیں۔ خلافت کا جزوی جھگڑا ہے جسے جہلاء نے زیادہ خوفناک بنادیا ورنہ کوئی عاقل اور مہذب شیعہ کبھی تبرا بھیجنا اچھا نہیں سمجھ سکتا اس تعلق نے سُنی مستورات پر یہ قابلِ شرم اثر ڈالا تھا کہ وہ محرّم میں اپنے بچوں کو حضرت امام حسین کے نام کا سقہ بنا کے تعزیوں کے نیچے سے نکلنے کو بھیجتی تھیں اور سمجھتی تھیں کہ اس بچہ کی زندگی اور ترقی مال و دولت اسی کام کے انجام دینے پر موقوف ہے۔ محرم کی یکم تاریخ سے دہم تک چوڑیاں پہننی، مہندی لگانی۔ نفیس کپڑے پہننے تیل اور عطر کا استعمال کرنا۔ پان کھانا۔ شادی بیاہ کرنا حرام خیال کرتی تھیں۔ وہ نویں تاریخ سر کھول کے بھوسہ اُڑاتی تھیں اور بشدت ماتم کرتی تھیں اور وہ اپنی ان باتوں کو اسلام سمجھتی تھیں انکا عام مقولہ یہ تھا کہ جس نے برسویں دن حضرت امام حسین شہید کربلا کی شہادت پر ایک بھی آنسو بہایا۔ اس کے لئے ایک موتی کا محل جنت میں تیار ہوگا۔

مولانا شہیدؒ نے انہی شنیعہ افعال پر متواتر وعظ فرمانے شروع کئے۔ آخر رفتہ رفتہ یہ اثر ہوا کہ انکے مرد خود انہیں ایسے بدنما کام کرنے پر ردکنے لگے اور بعد ازاں سُنیوں کی مستورات میں سے یہ رسم بالکل جاتی رہی۔

[1] مجموعہ واقعات صفحہ ۱۵۶۔

قبر پر چلّے باندھنا

شرفاء کی خواتین میں گور پرستی کی بھی انتہا ہوگئی تھی اور اس پردہ میں بد وضع لوگوں کی بن آتی تھی اور وہ اپنی ناوا جب خواہش حاصل کرنے کیلئے شریف زادیوں پر تاک جھانک کیا کرتے تھے۔ ہر سال بڑی بڑی قبروں پر شرفاء کی بہو بیٹیوں کے ہجوم رہتے تھے اور کوئی روکنے والا نہ تھا۔ پردہ کی کچھ بھی پروا نہ کی جاتی تھی۔ مولانا شہیدؒ نے انکے مَردوں کو غیرت دلائی اور قرآن و حدیث کی باتیں سنائیں اور انکے آگے علاوہ دینی نافرمانی کے جو وہ کرتے تھے دنیاوی بے عزتی کا بھی نقشہ کھینچا۔ خدا خدا کرکے وہ ساری باتیں بند ہوگئیں۔ اور عورتوں کا قبروں پر جانا موقوف ہُوا۔

عورتوں کا مرید کرنا اور ہونا

چونکہ چاروں طرف سے بدعت و شرک کے دروازے کھُلے ہوئے تھے اور ہر فرد بشر دنیا کا طالب نظر آتا تھا۔ دوسرے کا مال اینٹھ لینا بھی ایک بڑی حکمت سمجھی جاتی تھی! اسلئے اس رستخیز میں پنجاب کے بعض اضلاع میں اُن عورتوں کا بھی ظہور ہُوا کہ جو صرف عورتوں ہی کو مرید کرتی پھرتی تھیں چونکہ یہ بالکل ایک نئی بات تھی اور مَردوں کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے عورتوں کو کسی قدر لحاظ بھی تھا۔ وہ بہت جلد جلد مرید ہونی شروع ہوگئیں۔ اگر تحفہ عزیزیؔ[1] والے کا قول صحیح ہے تو ایک سال میں ان عورتوں نے صرف پانی پت اور کرنال وغیرہ قصبوں سے ڈیڑھ ہزار عورتیں اپنی مرید کی تھیں۔ اس کے بعد یہ عورتیں دہلی میں بھی آئیں۔ جسکا دلچسپ حال "تحفہ عزیزی[2]" والا اپنا چشم دید بیان کرتا ہے۔ جسپر اعتبار کرنے کا ہمارے پاس بہت عمدہ قرینہ موجود ہے۔ اول تو بڑی بات یہ ہے کہ مجموعۂ واقعات میں بھی اسکا دو ایک جگہ تذکرہ پایا جاتا ہے لیکن اس نے کچھ ایسے مبہم طریقہ سے بیان کیا ہے۔ گویا اس کی نگاہیں یہ واقعہ زیادہ ناموَر اور دلچسپ نہیں ہے۔ بہر حال اسکے صحیح ہونے پر ہم بھروسہ کر کے تحفہ عزیزی میں سے عبارت ذیل نقل کرتے ہیں۔ جو ناظر کی دلچسپی بڑھانے کے لئے اپنے میں کافی مادہ رکھتی ہے۔ وھو ہذا:۔

"جب مَیں شاہ عبدالعزیز صاحب سے حدیث پڑھا کرتا تھا۔ تو مجھے ساتھ ہی اسکے یہ بھی شوق تھا کہ ہر سوسائٹی میں جاؤں اور اسکی حالت سے واقفیت حاصل کروں۔ شب و روز مولویوں کی صحبت میں رہتا تھا۔ پھر بھی خشک مغزی کا مجھ میں نام و نشان نہ تھا۔ میری ملاقات شہر میں عموماً سب ہی سے تھی۔ اور کوئی کارخانہ ایسا نہ تھا کہ جہاں لوگ مجھے نہ جانتے ہوں۔ ایکدن مَیں مصوّروں کے ہاں بیٹھا ہُوا تھا کہ مَیں نے اپنے ایک دوست کو خاموش اور سُست بیٹھا ہُوا دیکھا۔ اس سے سبب دریافت کرنے کے بعد معلوم ہوگیا کہ اسکی بیوی پانی پت میں ان

[1] تحفہ عزیزی ص ۲۱، [2] تحفہ عزیزی ص ۲۵۹ تا ۲۵۳ ۱۲

عورتوں کی مرید ہو گئی ہے اور کچھ ایسی بیخودی اس پر چھا گئی ہے کہ ہر وقت انہی کی خدمت میں رہتی ہے۔ اور اپنا سارا زیور بھی ان ہی کی نذر کر رکھا ہے۔ پھر مجھے اسی مصور کی زبانی معلوم ہُوا کہ اپنی بیوی کی وجہ سے اس نے اپنے بڑے مکان کی آرائش ان ہی مرید کرنیوالی عورتوں کیلئے کی ہے۔ یہ سُن کے مجھے ان پنجابی عورتوں کے حالات دریافت کرنے کا بہت شوق ہُوا اور مَیں نے ایک نظر انہیں دیکھنا بھی چاہا۔ مَیں اسی فکر میں تھا کہ میرے دوست مصور نے مجھ سے کہا کہ مَیں کیا تدبیر کروں اور یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ میری بیوی ان کے پھندے سے بچ جائے۔ کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ وہ اسے بھی اپنی لونڈی گیری میں پنجاب لیجائینگی۔ مَیں نے دلاسا دیا اور کہا۔ شرعاً مرد کو اختیار ہے کہ وہ اس خرافات پیری مریدی سے عورت کو روکے۔ اور یہ خبر نہیں کس شریعت میں جائز ہے کہ عورتیں عورتوں کو مرید کرتی پھریں۔ میرے اس کہنے پر مصور کچھ چوکنا ہُوا۔ اور اُسے یقین ہو گیا کہ اگر مَیں زیادہ جبر اس بارہ میں اپنی بیوی پر کرونگا تو شاہ اسمٰعیل صاحب بھی اسے برا نہ بتائینگے۔ مَیں نہ کوئی مفتی تھا نہ مولوی۔ نہ ان بحثوں سے اتنی دلچسپی تھی۔ میرا مذاق اگر تھا تو صرف یہ کہ مختلف خیالات کا باہم مقابلہ کروں اور ہر سوسائٹی کی حالت کو بغور ملاحظہ کروں۔

اتفاق سے دو چار ہی دن میں وہ عورتیں بھی دہلی میں داخل ہوئیں۔ انکے ساتھ کوئی مرد نہ تھا تمام خدمتیں متفرق عورتوں کو سپرد تھیں۔ تقریباً انکی بیس پچیس تعداد ہوگی اور یوں ان کا بھیڑ بھڑکا اسباب کی وجہ سے بہت دکھائی دیتا تھا۔ یہ عورتیں جو مرید کرتی تھیں دو بہنیں تھیں جن کی عمر پچاس پچاس برس سے کم نہ تھی انہیں قرآن شریف اچھا یاد تھا اور نہایت خوش لہجگی میں پڑھتی تھیں۔ معمولی مسائل کی دس بیس حدیثیں بھی یاد تھیں۔ سب سے زیادہ یہ تھا جس سے جاہل عورتیں ان کے داؤں میں آجاتی تھیں کہ وہ شعبدہ باز پوری تھیں۔ آناً فاناً میں خود بخود نوبجاتیں اور اپنی مریدہ سے کہتیں کہ خدا نے ہم میں حلول کیا۔ زمین پر عصا مارنے سے ایک گڑھا ہو جاتا اور اس میں پانی بھر جاتا۔ بیری یا آم کی خشک ٹہنیوں میں صرف اسپر تھوکنے سے ہرے پتے لگجاتے اور پھل بھی نمودار ہو جاتا۔ بعض وقت تین بجے شب کے جب بالکل سنسانی اپنی سلطنت کرتی ہے۔ ملائکہ کی آمد و رفت بھی دکھائی جاتی تھی۔ جو اوپر سے نیچے آتے اور پھر اوپر چڑھ جاتے وہ اپنی بعض باتوں اور سوالات کا جواب آسمانی آواز سے لیتیں جو اس طرح آتی گویا آسمان سے کوئی پکار رہا ہے۔ مَیں نے خفیہ طور پر یہ بھی سُنا تھا کہ یہ شعبدہ باز عورتیں اپنے کو نبیہ کہتی ہیں سب سے زیادہ انکا ایک شعبدہ بڑا بھاری تھا اور وہ یہ کہ مُردوں کو زندہ کر دیتی تھیں!

انکا آنا تھا کہ قلعہ کی بیگمیں سب سے پہلے اُن پر ٹوٹ پڑیں۔ اس کثرت سے جانی شروع ہوئیں کہ انکے ہوش دحواس بھی اُڑ گئے۔ اب انہیں اتنا وقت بھی نہ ملتا کہ اپنا شعبدہ بازی کا مصالح تیار کریں آخر دق ہو کے انہوں نے یہ مشہور کیا کہ ہمارے پاس وُہی عورت آدے جو ہمارے ہاتھ پر بیعت کرے۔ دہلی کی خلقت عجیب خیالات کی ہوتی ہے اسپر بھی عورتیں نہ رُکیں۔ سب سے زیادہ قلعہ ٹوٹا ہُوا تھا۔ کہ رتھوں اور بہلیوں کو سڑک پر چلنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ نذرانے گذرنے لگے اور اس قدر روپے کا نچھاور ہُوا۔ کہ وہ دو عورتیں مالامال ہوگئیں۔ یہ تعجب ہے کہ انکا شہر دہلی میں سوائے پندرہ سولہ دن کے زیادہ قیام نہ ہُوا۔ اور جب انکی شہرت کا سلسلہ تمام حصص دہلی میں پھیلنے لگا تو وہ چل دیں۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ اس سے کتنے سال بعد غرضیکہ یہ صحیح ہے کہ دہلی میں یہ خبر مشہور ہوئی تھی۔ کہ کلکتہ سے بردہ فروشی کے جرم میں گرفتار ہوکے عبور دریائے شور کیگئیں اور جس وقت انکی تلاشی لیگئی تھی تو ۳۲ لاکھ روپیہ کا نقد زیور اُن کے پاس سے برآمد ہُوا تھا۔“

فقط تحفہ عزیزی والے نے مولانا شہید کا اس مشہور واقعہ میں کوئی ذکر نہیں کیا ہے کہ آیا اس اصلاح کی اسٹیج پر بھی مولانا نے کوئی حصہ لیا تھا۔ یا خاموشی ہی سے سیر دیکھا کئے۔ لیکن مجموعہ واقعات[۱] والا صاف طور پر یہ لکھتا ہے:۔

”گو ان شعبدہ باز عورتوں کی یہاں (یعنی شہر دہلی میں) بڑی آؤ بھگت ہوئی لیکن مستورات پر دائمی قبضہ پانے کی دال نہیں گلی۔ مولٰنا نے یہانتک اپنے معتقدین سے کہا تھا۔ کہ اگر یہ اپنے اس فعل کو ترک نہ کردیں تو ان پر جہاد کرنا چاہیئے۔ یہ نبتہ بن کے دینِ خدا میں رخنہ ڈالنا چاہتی ہیں۔“

بھلا جس شہر کی چار دیواری میں مولٰنا شہید کی یہ آواز گونجتی ہو کہ خدا ایک ہے کوئی اسکا شریک نہیں اُسی کی ہم عبادت کرتے ہیں اور اُسی سے مدد مانگتے ہیں۔ وہاں ان بیجابنوں کا ڈھکوسلہ کیونکر چل سکتا تھا۔ بڑے بڑے بدعتی پسپا ہوتے ہوئے چلیگئے تھے۔ اور دن بدن نورِ خدا پھیلتا جاتا تھا۔

قبروں پر حال آنا صوفیوں کا گیتیں بھرنا۔ بعض غلط الزامات کے مشہور ہونے کی وجہ

مَیں اپنے پہلے کسی باب میں لکھ آیا ہُوں کہ ہندوستان خصوصًا دہلی میں اہل تصوف کا زور شور محمد شاہ رنگیلے کے زمانہ سے بہت ہوگیا تھا اس سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاتا۔ کہ اسلام کے ابتدائی زمانوں ہی میں اسکی بنیاد پڑ گئی تھی۔ صوفیوں کے والاشان گروہ میں ہزاروں ایسے ایسے بڑے بڑے علماء ہوئے ہیں جن پر اسلام ہمیشہ فخر کریگا۔ وہ نہ صرف مسلمانوں کی نگاہ میں وقعت سے دیکھے جاتے ہیں بلکہ اہل یورپ نے بھی انکی بہت سی کتابوں کا اپنی زبانوں میں ترجمہ کرلیا ہے۔ اور ان کے آداب ومحاسن اور حسن اخلاق کے دل سے مدح خوان ہیں۔ ہمارا روئے سخن ان صوفیائے کرام کیطرف نہیں ہے جو آسمان اسلام کے چمکتے تارے ہیں۔ بلکہ ان ظاہرا

[۱] مجموعہ واقعات صفحہ ۶۵

صوفیوں سے غرض ہے جنہوں نے ولیوں کی صورت بنالی ہے اور در اصل دل میں ناجائز افعال کرنے کا مذاق کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہُوا ہے۔ پیارے شہید نے جب جھُوٹے صوفیوں کا دہلی میں یہ عروج دیکھا اور ہزاروں جہلا عوام الناس کو انکا گرویدہ پایا تو یہ خیال کیا جبتک انکی اصلاح نہ ہوگی کبھی اسلام میں عمدگی نہیں پیدا ہوسکتی۔ روز مرہ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرماتے تھے کہ ہر قبر پر تقریباً خوبصورت نوعمر قوال خوش الحانی سے عشقیہ غزلیں گاتے ہیں۔ اور بیسیوں صوفی انکی آواز اور صورت پر ناچتے ہیں۔ انکی لمبی لمبی زلفیں عطر میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ خوشبودار مصالح میں نفیس ڈھاکے کی ململ کے کپڑے رنگے ہوئے ہیں اور کسبیوں کی طرح گتیں بھری جارہی ہیں۔ عام جاہل مسلمان انہیں پہنچا ہُوا اور ولی جانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں شانِ اسلام اور فرمودۂ خدا و رسُول یہی ہے قوالوں کے جتنے بچّے ہوتے وہ بیش قرار تنخواہوں پر صوفیوں کے ملازم ہوجاتے اور جہاں انکی نوعمری کا زمانہ منقضی ہُوا موقوف کردیئے گئے اور انکی جگہ دوسرے بے ریش و بروت آجاتے۔ یہ بات عام طور پر مشہور تھی دصوفیوں کے دائرہ میں اجب حسن صوت کے ساتھ حسن صُورت نہو کبھی حال نہیں آسکتا۔ انکا لہک لہک کے حافظ کی عشقیہ غزلیں پڑھنا اور پھر ظاہردار صوفیوں کا تھرکنا اور ایسی گتیں بھرنا کہ کسبیاں بھی جھیپ جاتی تھیں۔ عین اسلام (معاذ اللہ) خیال کیا جارہا تھا۔ پیارے شہید کیلئے یہ ایک خوفناک نظارہ تھا کہ شریعتِ محمدیہ پر بے ادبی سے کھُلی جارہی ہے اور کوئی دریافت کرنیوالا نہیں ہے۔ آخر آپ نے بہت دھُوم دھام سے عین قبروں ہی کے قریب وعظ فرمانے شروع کئے۔ ادھر ڈھولک پر چوٹ پڑتی اور اُدھر پیارے شہید کا وعظ ہوتا۔ ہزاروں آدمی قوالی میں موجود ہیں کبھی پیارے شہید پر حقارت کی آوازیں بلند کرتے ہیں اور کبھی مُنہ چڑاتے ہیں مگر انکا یوں بُرا بھلا کہنا خوش آیند تھا۔ پہلے دن تو ایکدو اشخاص قوالی میں سے ٹوٹ ٹوٹ کے آنے لگے اور بعد ازاں مجمع ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہنچی کہ قوالی ہورہی ہے اور یہ غل مچا۔ شاہ صاحب وعظ کہنے کیلئے تشریف لے آئے۔ گروہ کے گروہ اٹھ کے چلے آئے اور انہوں نے قوالی اور گانے بجانے کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔

ایکدن آپ شاہ نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں وعظ فرمارہے تھے۔ ایک صوفی نے باآواز بلند جھرجھری آواز میں یہ کہا:۔

"آپ کیوں ہاتھ دھو کے دین کے پیچھے پڑے ہیں۔ ہمارا ستیاناس ہوگیا اور آپکے ہاتھ کچھ نہیں لگتا۔ اپنے باوا اور چچا ہی کو دیکھو انہوں نے کبھی ایسی باتیں نہیں کیں۔ حالانکہ وہ بھی بہت بڑے فاضل ہیں لیکن تم تو بڑا ہی غضب ڈھارہے ہو۔"

آپ نے خاموشی سے اس آواز کو سُنا اور پھر اس کا یہ جواب دیا:۔

"میرا جہانتک خیال ہے مَیں فرمودۂ خدا و رسُول بیان کرتا ہوں۔ مجھے اپنی قبر میں جانا ہے۔ دوسرے

لے نوٹ ہذا کا حاشیہ صفحہ ۹۴ پر ملاحظہ ہو ۱۲

کی ذات پر میں کچھ حکمران نہیں ہوں ‘‘
ایسی ایسی آوازیں بازار میں اکثر پڑتی تھیں لیکن پیارے شہید کو ناگوار نہ معلوم ہوتی تھیں اور اگر اُن کے معتقدینی محمدی عوام الناس کے آوازے کسنے پر ناراض ہوتے تھے۔ آپ مسکرا کے انہیں یہ کہہ کے تھپک دیا کرتے تھے۔ ناراض ہونے کی جگہ نہیں۔ بظاہر یہ تو قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے کہ انکی روزی میں خلل انداز ہوتا ہوں۔ پھر جو کچھ یہ شکایت کریں انہیں کرنے دو۔ جب حق کا نور اُن کے حجلۂ قلب پر چمکیگا۔ یہ آپ اندازہ کر لینگے۔ اسمٰعیل جو کچھ کہتا تھا۔ وہ صحیح تھا یا ہماری خیالی باتیں صحیح ہیں۔ آپ نے راگ اور اس کے سُننے پر کئی وعظ فرمائے۔ ان کا مضمون صرف یہی تھا کہ :-

’’ راگ کی یہ حالت جو قبروں پر کی جاتی ہے شرع میں درست نہیں ہے۔ بہت سے بزرگانِ دین راگ سُنا کرتے تھے۔ لیکن وہ راگ کیسا ہوتا تھا جس میں موسیقی کے ارکان کی قیود نہ ہوتی تھی اور نہایت سادگی سے دف پر گانا گایا جاتا تھا۔ چند نابالغ لڑکیوں کا دف بجا کے عید کے دن باہم بیٹھ کے گانا اور نبی اکرمؐ کا منع نہ کرنا بلکہ یہ فرمادینا ’’عید کا دن ہے اُنہیں گانے دو‘‘ یہ معنے نہیں رکھتا جو ہمارے ظاہردار صوفیوں نے سمجھ لئے ہیں۔ اول تو وہ لڑکیاں ہی ناسمجھ تھیں۔ دوسرے عید کا دن تھا تیسرے وہ یہ بھی نہیں جانتی تھیں کہ گانا بجانا کسے کہتے ہیں اور اس کے ارکان کیا ہیں۔ وہ بمنزلہ ایک کھیل کے کھیلتی تھیں۔ مثلاً جیسے گڑیاں کھیلنی آنحضرتؐ نے جائز قرار دیدیں لیکن صرف بچیوں کیلئے اسی طرح ایسے گانے بجانے کو بھی جو موسیقی کے قواعد کی کل قیود سے آزاد تھا ارشاد کر دیا۔ یہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوعیت کے گانے سُننے اور اس پر تھرکنے اور گتیں بھرنے کی مومنین کو اجازت دی ہو بلکہ صحابہؓ تو صرف سادے گانے میں بھی اتقدر تشدد کرتے تھے کہ عام لوگوں میں انکا خوف پھیل رہا تھا۔ ایک[۲] لڑکی نے یہ منت مانی تھی کہ کہ جب فلاں مہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب واپس تشریف لے آئینگے تو میں دف بجا کے اُنہیں اپنا گانا سُناؤنگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ لڑکی نبی اکرمؐ کی خدمت میں دف لے کے حاضر ہوئی اور اس نے اپنی منت ماننے کا سارا ماجرا بیان کر دیا۔ آپؐ نے اُسے

[۱] حضرت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے پیروان کو جب بہت تکلیف دی تو آپنے مکہ والوں سے جان بچانے کیلئے اپنے معتقدین سے ہجرت کیلئے ارشاد فرمایا تھا جب وہ سب مدینہ چلے گئے اور مکہ کے بہت سے گھر ویران ہوگئے تو عتبہ بن ربیعہ نے کعبہ میں نبی اکرمؐ سے یہ کہا ’’اے میرے چچا کے بیٹے اس ساری ویرانی اور تباہی کا تو ہی باعث ہوا ہے، نہ تو دعویٰ نبوت کرتا نہ ہمارا شہر ویران ہوتا‘‘ (طبری صد ۱۲۲۲ ابن ہشام صد ۲۱۴)

[۲] ابن ہشام صد ۹۰۹

اجازت دیدی۔ وہ دف بجا بجا کے گانے لگی۔ اُسکا گانا وہی بچیوں کا سادہ سید ھا تھا۔ جو عموماً ہُوا کرتا ہے۔ اتنے میں اُس نے سامنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آتا ہُوا دیکھا۔ خوف کے مارے تھرا گئی اور اپنا دف زمین پر رکھ کے اسپر ہو بیٹھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی آپؐ نے بہت خوش ہو کے ارشاد فرمایا "عمرؓ سے شیطان بھی ڈرتا ہے"! یہ احکام تھے اور یہ خیالات تھے کہ نبیؐ اکرم نے بچی کے بے جوڑ گانے کو بھی شیطانی افعال سے تعبیر کیا۔ اور پھر حضرت عمرؓ کا یہ خوف بچہ بچہ کے ذہن میں کہ آپ معمولی گانے کو بھی ایسا بُرا جانتے ہیں۔ ہمارے لئے برحق حقیقت اور سچی نصیحت کا کس قدر مادہ رکھتا ہے۔

اگر واقعی ہم مسلمان ہیں اور نبی عربی سے ہمیں اسلام کے باعث نسبت ہو سکتی ہے پھر کونسی بات ہے جو فرمودہ خدا و رسولؐ پر عمل کرنے سے ہمیں روکتی ہے اور ہم ذرا سی دیر کی نفسانی لذائذ کے مقلد بنکے ان وسائل کو جن پر ہماری نجات کا بالکلیہ دار و مدار ہے کھو بیٹھے ہیں۔ کتابیں موجود ہیں۔ حضرات صوفیہ سابقہ کے حالات قلمبند ہو گئے ہیں پھر حجت اور شبہ پیدا کرنے کا کونسا مقام باقی ہے۔ یہ عجب تماشہ کی بات ہے کہ اپنے کو مسلمان بھی کہتے جائیں اور پھر اسلام کے احکام سے رُو گردانی بھی کرتے جائیں"!

اس اس قسم کی اکثر باتیں پیارا شہید وعظ میں بہت زور دے دے کے فرماتا تھا اور کسی میں یہ یارا نہ ہوتا تھا کہ حق کو جھٹلا سکتا۔ آخر ان پے در پے کے دعظوں سے ایک عظیم الشان اصلاح ہوئی۔ گور پرستی جو قوالی سے زیادہ زندہ تھی، دن بدن تنزل پذیر ہونے لگی اور آخر ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہنچی کہ صوفی اپنی سرد بازاری کی تاب نہ لا کے خود بخود جلا وطن ہونے لگے اور ادھر اُدھر ریاستوں میں جا کے اپنا مسکن کیا۔ ہاں یہ ضرور ہُوا کہ صوفی دہلی سے چلے تو گئے لیکن عوام الناس کے دلوں پر یہ جما گئے کہ اسمٰعیل صوفیوں کو بُرا بتاتا ہے اور بزرگان دین کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔

جب اس کی شورش زیادہ مچی تو آپ نے ایک ضخیم کتاب[1] اصل تصوف نامی بڑے بڑے جلیل القدر صوفیوں کے بیان میں تصنیف فرمائی اور اسکے اکثر نسخے نقل کرا کے مختلف لوگوں کے پاس بھیجدیئے جس سے

---

[1] اس کتاب کا نام "حقیقتِ تصوف" ہے۔ غدر میں اسکے بہت سے نسخے ضائع ہو گئے ہیں۔ شاید ہندوستان میں کسی کے پاس موجود ہوگی کشمیر میں میرے ایک دوست نے مجھے دکھائی تھی۔ مَیں نے سرسری طور پر دیکھ کے واپس دیدی اسمیں شک نہیں کہ جو کچھ مولنا شہید نے اسمیں کمال کیا ہے اور سچے صوفیوں کی تعریف میں رطب اللسانی کی ہے اس سے مولانا کی انصاف پسندی معلوم ہوتی ہے اور تمام ان غلط الزامات کی تردید ہوتی ہے جو خواہ مخواہ ابتک آپ پر

بہت کچھ عوام الناس کے خیالات کی اصلاح ہوئی اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اسمٰعیل بڑا جید صوفی ہے۔

ہمارے ہاں یہ عام عیب پھیلا ہوا ہے اور اسمیں تقریبًا سب ہی مبتلا ہیں کہ جسکی نسبت جو کچھ سُن لیا بلاتحقیق اور تفتیش کے اسے یقین کرلیا اس سے غرض نہیں کہ وہ صحیح ہو یا غلط اسی طبیعت نے ایک عام نارضی مسلمانوں میں مولانا شہید کے خلاف پھیلا دی اور ابتک مسلمانوں کا بڑا گروہ پیارے شہید کو ملزم گردانتا ہے حالانکہ جو الزامات اس ذات والا پر قائم کئے ہیں کبھی کسی کو یہ نصیب نہیں ہوا۔ کہ انکی پوست کندہ کیفیت دریافت کرتا اور حق و ناحق میں تمیز کرتا۔ بمبئی میں عمومًا مولانا اسمٰعیل کے نام سے لوگ جلتے ہیں لیکن جلنے کی وجہ صرف وہ سُنی سنائی باتیں ہیں جنکی کچھ بھی بنیاد نہیں ہے اور وہ محض بے اصل ہیں۔ ایکدفعہ جمعہ کو میں بمبئی کی جامع مسجد میں گیا۔ تو نماز پڑھنے کے بعد مجھے میرے ایک دوست نے ٹھیرالیا۔ میں وہیں بیٹھ گیا کئی شخص اور بھی میرے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ انکی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ لکھے پڑھے ہیں وہ باہم مولوی اسمٰعیل صاحب کا ذکر تحقیر آمیز الفاظ میں کر رہے تھے۔ اور ایسی ایسی بے بنیاد باتیں قائم کر رہے تھے۔ جو میرے کانوں میں جہانتک مجھے یاد ہیں کبھی نہ پڑی تھیں۔ ایک شخص تو یہ کہہ رہا تھا کہ تقویۃ الایمان میں سوائے کفر کے کچھ نہیں ہے۔ نبیؐ اور آپکے صحابہؓ کو برملا گالیاں دیگئی ہیں۔ دوسرا شخص بولا کہ صوفیوں کو تو ایسا سخت لکھا ہے کہ ہندو عیسائی بھی کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ یہ نا واجب باتیں سُن کے مجھ سے رہا نہ گیا۔ ہر چند میں چاہتا تھا کہ انکے خیالات میں خلل اندازی نہ کروں لیکن جب قرآن کا یہ ارشاد ذہن میں آیا کہ حق کی بات چھپانی نہیں چاہیئے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کے انکے پاس جا بیٹھا۔ اور میں نے نہایت ادب سے انکی خدمت میں یہ عرض کیا: آپنے تقویۃ الایمان دیکھی ہے؟ انہوں نے نہایت سادگی سے بے پروایانہ لہجہ میں یہ جواب دیا نہیں ہم نے نہیں دیکھی نہ ہم اُسے دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے نہایت عاجزی سے انکی خدمت میں عرض کیا بڑے ظلم کی بات ہے آپ نے ایک چیز ملاحظہ نہیں کی اور اسکی بابت اس مضبوطی سے رائے قائم کیجاتی ہے میری اس بات سے وہ نا راض ہوئے اور انہوں نے میری طرف حقارت کی نظر سے دیکھا۔ پھر میں نے یہی التماس کیا۔ کہ میرے خیال میں زیادہ بہتر یہی ہوگا کہ آپ اُسے ملاحظہ فرما کے اسپر رائے قائم کریں۔ بڑی ردوکد کے بعد انہوں نے میری بات مان لی۔ میں نے انہیں تقویۃ الایمان بھجوا دی۔ آٹھویں دن جب وہ مجھ سے ملے تو ان کے خیالات ہی بدلے ہوئے تھے۔ اور وہ سچے موحّد تھے۔

یہ بیان کرنے سے میری غرض صرف یہ ہے کہ ہماری عادت میں داخل ہوگیا ہے جہاں ہم نے کسی کی نسبت کوئی بُری افواہ سُنی اس کی استواری سے شہرت دینے لگے اور ایسا یقین کرلیا گویا ہم اپنے خیال میں اسے تحقیق کرچکے ہیں۔ یہ غلط فہمی پہلے سے چلی آتی ہے اور بدخواہوں نے محض اپنی نفسانیت

سے جو الزامات مولنا شہید پر قائم کئے۔ انکی اس دھوم دھام سے عوام الناس میں اشاعت ہوئی کہ شائد کسی حق بات کی بھی اتنی جلدی نہ ہوتی۔ جو کتابیں آپنے تصنیف کی ہیں موجود ہیں جن تواریخ میں آپکا ذکر خیر ہے وہ مِٹ نہیں گئیں۔ انہیں تو کوئی دیکھتا نہیں اور جو کچھ اس کے ذہن میں آتا ہے کہہ گذرتا ہے!

جو وعظ پے در پے مولانا نے شرک[1] اور مروجہ تصوف پر فرمائے انہیں لوگوں نے بڑی بڑی مبالغہ آمیز رنگ آمیزیوں سے شہرت دیا اور ایسے ایسے حاشیے ان پر چڑھا دیئے جنکا وعظ میں معاذ اللہ اشارہ تک بھی نہ

[1] شرک کی چار قسمیں ہیں۔ شرک فی العلم۔ شرک فی التصرف۔ شرک فی العبادۃ۔ شرک فی العادۃ۔ شرک فی العلم سے یہ غرض ہے کہ کوئی نبی اور ولی چھپی ہوئی باتوں کو نہیں جانتا تھا۔ جبتک خود خداوند تعالیٰ انکو کسی بات پر آگاہ نہ کرے۔ اس عقیدے کے خلاف سمجھنا شرک فی العلم ہے۔ گویا خدا کی غیب دانی کے علم کے ساتھ دوسرے کو شریک کرنا۔ خود ہمارے آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی غیب کی بات معلوم نہ ہوتی تھی۔ مثلاً جب چند نافہموں نے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے دامنِ تقدس پر دھبہ لگانے کی کوشش کی اور نبیؐ کے ذہن میں شبہ ڈالا۔ آپکو اصلی واقعہ کی صداقت و غیر صداقت کا علم نہ ہوا۔ یہانتک کہ خدا نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیگناہی اور پاکی بتائی۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی نجومی کوئی رمال کوئی پیر شہید پوشیدہ باتیں بیان کرتا ہے شرک فی العلم کے دائرہ میں داخل ہوتا ہے۔ یہ بھی شرک فی العلم ہے کہ مدد کے وقت سوائے خدا کے کسی کو پکارنا یا اس کا نام دشمن پر حملہ کرتے وقت لینا مثلاً بعض جہلاء کا قاعدہ ہے کہ وہ "یا علی مدد" کہتے ہیں یا "یا علی" کہہ کے دشمن پر حملہ کرتے ہیں۔ (دوم) شرک فی التصرف۔ یہ خیال کرنا کہ خدا کی قوت کے ساتھ دوسرا شخص بھی قوت رکھنے میں شریک ہے۔ جو شخص کسی پیر شہید وغیرہ کو خدا کے درمیان واسطہ ٹھیراتا ہے وہ شرک فی التصرف میں مبتلا ہے مثلاً بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم ان پیروں یا اولیا کی نیاز نذر اس نظر سے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں خدا کے نزدیک پہنچا دیتے ہیں۔ اسطرح سے دوسروں کو شفیع گردانے یا خدا کے درمیان ایک واسطہ بنانے کی تین قسمیں ہیں مثلاً ایک مقدمہ شاہ کی خدمت میں پیش ہے۔ وزیر نے ملزم کی شفاعت چاہی۔ شاہ نے وزیر کے رتبہ کا لحاظ کر کے اس مجرم کی خطا کو بخش دیا۔ اسے شفاعت وجاہت کہتے ہیں لیکن یہ خیال کرنا کہ اسطرح خدا بھی اپنے کسی مقرب یا وزیر کا پاس و لحاظ کر کے کسی مجرم کا گناہ بخش دیگا صریح شرک ہے۔

دوسری قسم شفاعت کی یہ ہے کہ بادشاہ بیگم یا شہزادے شاہ سے سفارش کریں اور کسی مجرم کی خلاصی چاہیں۔ شاہ صرف ان کی محبت سے اس مجرم کو بخش دے، اُسے شفاعت محبت کہتے ہیں لیکن یہ خیال کرنا کہ خدا بھی کسی سے ایسی محبت رکھتا ہے جیسے شاہ کو بادشاہ بیگم اور بچوں سے ہے اور اس محبت سے وہ مجرم کا گناہ بخش دیگا سخت شرک ہے۔ خدا کی عدالت میں کسی فردِ بشر میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ اپنی محبت کے

تھا مگر پھر بھی حق کی فتح ہوئی۔ حق چمک کر رہا اور پیارے شہید نے اسلام کی جو کچھ خدمت کی ہزاروں لاکھوں مسلمان اس بے نظیر احسان سے کبھی سبکدوش نہ ہونگے۔ مسلمانوں سے گذر کے یورپین مصنفوں نے بھی قبول کرلیا ہے کہ اسمٰعیل نے دین میں بہت بڑی اصلاح کی ہے!

جب متواتر وعظوں کی بھرمار ہوئی تو دہلی کے عمائد کو آپکے وعظ سُننے کا اسقدر چسکا لگا کہ پہلے ہی سے

(بقیہ از صفحہ ۹۷) دباؤ ڈالنے پر خدا پر تکیہ کرتا ہو۔ یہ اسکی بے انتہا مہربانیاں اور مخلوق خدا کے ساتھ احسان ہیں کہ اس نے لفظ حبیب اور لفظ خلیل سے یاد کیا ہے۔ وغیرہ۔ لیکن پھر بھی بندہ بندہ ہی ہے۔ کسی میں یہ یارا نہیں کہ عبودیت کی حدود کے باہر اپنے قدم بڑھا سکے یا بندہ کے مرتبہ سے وہ اپنا سر اونچا کر سکے۔ تیسری قسم کی شفاعت یہ ہے کہ خود شاہ کی مرضی ہے شفاعت کرنے یا کسی مجرم کی خطا معاف کرنے کی لیکن اسے خوف ہے کہ قانونی جبروت وجلال کو اس سے کچھ نقصان نہ پہنچے۔ وزیر نے شاہ کی خواہش اور مرضی پہچان لی اور اس نظر سے مجرم کی شفاعت چاہی۔ یہ شفاعت قانونی ہے اسے شفاعت باذن کہتے ہیں۔ اس قسم کی شفاعت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن کرینگے۔ لیکن یہ خیال کرنا کہ نبی میں اس کے علاوہ بھی شفاعت کی قوت ہے۔ شرک فی التصرف میں داخل ہوتا ہے۔ خود قرآنِ مجید میں موجود ہے کون ہے جو انکی شفاعت اللہ کے آگے کر سکتا ہے۔ مگر جسے اللہ چاہے۔ قرآن وحدیث میں جہاں کسی نبی اور پیغمبر کی شفاعت کے متعلق تذکرہ ہے اس سے مطلب اسی تیسری قسم کی شفاعت سے ہے۔

(۳) شرک فی العبادۃ۔ کسی مخلوق کے آگے پرستش کی نظر سے جُھکنا شرک فی العبادۃ ہے نہایت تعظیم سے خم ہونا اور ہاتھ پر ہاتھ سینہ پر رکھ کے کھڑا ہونا کسی شخص کے نام پر روپیہ خرچ کرنا اسکی یادگاری میں روزہ رکھنا اور کسی ولی شہید پیر کی قبر کے لئے فقط زیارت وتقرب کی نظر سے سفر کرنا، اور اُسے پکارنا۔ قبر پر چادر سے پوشش کرنی اور کسی مقبرہ میں قبر پر نماز پڑھنی قبر کے پتھر پر بوسہ دینا مقبرہ کی دیواروں سے اپنا مُنہ اور پشت ملنی۔ یہ ساری باتیں شرک فی العبادۃ میں داخل ہیں۔ مومن کی شان ہرگز نہیں ہے کہ وہ ان خرافات بلاؤں میں اپنے کو مبتلا کر کے شان مومنیت میں تنقص پیدا کرے۔ یہ سخت شرم کی بات ہے کہ جو فرائض حج بیت اللہ میں جا کے ہم انجام دیتے ہیں انہی کو عام قبور پر ادا کریں۔ یہ باتیں نہ صرف دین ہی میں خرابی پیدا کرتی ہیں بلکہ انسانی اخلاقی سوسائٹی پر اسکا خوفناک اثر پیدا ہوتا ہے۔ ان خیالات پر انسان کبھی زندگی کے مرتفع مدارج حاصل نہیں کر سکتا اور عین انسانیت کے سچے جلال کی تابانی کبھی اُسے نصیب نہیں ہو سکتی ہے۔

(۴) شرک فی العادۃ ہے مثلاً فوق الفطرۃ رسومات کو اپنے ساتھ جاری رکھنا اور ان پر عقیدہ رکھنا کہ یہ غیب کی باتوں کیطرف ہماری رہنمائی کرینگے مثلاً استخارہ[1] وغیرہ سے خدا کی مرضی اور اسکی چھپی ہوئی باتوں کو تلاش کرنا

[1] یہاں استخارہ مسنونہ مراد نہیں بلکہ وہ استخارہ مراد ہے جو تسبیح کے دانوں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ مصحح ۱۲

مفتی صدرالدین وغیرہ کہلا بھیجتے تھے۔ آپ قرآن شریف کی فلاں آیت پر وعظ فرمائیگا اور پھر وہ اس آیت کی تفسیر اپنے اپنے گھر میں دیکھ دیکھ کے جاتے تھے۔ یہ اندازہ کرنے کیلئے دیکھیں کس تفسیر کا مضمون مولٰنا شہید سناتے ہیں مگر جب وہ وعظ سنتے تھے انہیں یہ معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ مولانا صاحب نے بیان فرمایا ہے بالکل نئے نئے نکات ہیں جو انکے کانوں میں کبھی نہیں پڑے۔ یہ خداداد ذہانت اور ربانی انکشاف تھا۔ جو خصوصیت سے اس فرد اولا کو بخشا گیا تھا۔ یہ وہ چوکھٹ ہے کہ مخالف بھی آ کے اپنی پیشانیاں ٹکاتے تھے اور انہیں دم زدن کا یارا نہ تھا۔

جن چند اصلاحوں کو ہم نے بیان کیا ہے بظاہر ناظر کو ان کی کچھ بہت بڑی شان نہ معلوم ہوگی لیکن جب وہ دہلی اور اہل دہلی کی حالت اور تعصب کو دیکھیگا۔ اس وقت اُسے اندازہ ہوگا کہ پیارے شہید نے جو کچھ کیا بےنظیر کیا اسکے ضمن میں ایک نادرالوجود واقعہ کا ذکر کرتا ہوں جو نہایت ہی دلچسپ اور لذیذ ہے۔ مجھے امید ہے کہ ناظر اس واقعہ کو سُن کے دلچسپی کے ساتھ ایک نیا سبق حاصل کریگا۔

چند روایتیں بڑے شدومد سے بیان کی جاتی ہیں جو مشہور انام ہیں اور شائد محمدی گروہ کے لوگ سوائے اہل تصوف کے اسکے یقین کرنے میں کچھ پس و پیش بھی کریں لیکن مَیں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں وہ ساری باتیں صحیح ہیں۔ ہاں کلام اسمیں ہے کہ انکی نوعیت کیا ہے؟

عموماً یہ مشہور ہے کہ فلاں صوفیوں کے جلسہ میں ایک بے ادب معترض بھی آگیا تھا اُس نے صوفیوں کے حال اور تھرکنے پر ہرزہ سرائی کی۔ فوراً ایک رقص کناں صوفی کی نظر اس پر پڑی اور وہ بھی اُنکے ساتھ ٹھنیاں کھانے لگا۔ اجمیر میں مَیں نے عرس[1] کے دنوں میں خود اس قسم کا واقعہ ایسے اشخاص کی زبانی سُنا جن کے اقوال کا مجھے ہر طرح

(بقیہ از صفحہ ۹۸) شرک فی العادۃ کے دائرہ میں گرفتار ہوتا ہے۔ نیک اور بدشگونوں پر اعتماد اور اعتقاد رکھنا اور بعض دنوں کو خوش قسمت اور بعض کو بدقسمت اور عبدالنبیؐ جیسے نام رکھنا سب شرک العادۃ میں داخل ہیں نبی کی قسم کھانا یا علیؑ اماموں اور پیروں کی قسم کھانا گویا ان میں وہ پُرجلال جبروت تسلیم کرنی ہے جو خدا کیساتھ شامل ہے یہ بات اشراک فی الادب میں داخل ہے۔

[1] یہ عرس کیا تھا گویا ایک نمائش تھی تقریباً کل ہندوستان سے فقرا اور تاجر آتے تھے۔ لاکھوں روپیہ کا مال فروخت ہوتا تھا اور نہ صرف بارہ ہی دن بلکہ مہینہ دو مہینے تک عجیب کیفیت رہتی تھی۔ اس میلہ کے تنزل کے اسباب بہت سے بیان ہوئے لیکن ہمارے مورخ نے جو خاص سبب لکھا ہے وہ یہ ہے:" چند فقیروں نے ایک سخت ناواجب کام کیا مسلمانوں کی طرف سے تو پہلوتہی ہوئی اور انہیں معاف کر دیا گیا۔ لیکن فریق ثانی اہل ہنود تھے انہوں نے رزیڈنٹ سے مدد چاہی اور ان فقیروں کو گرفتار کرا دیا انہیں معمولی سزائیں مل گئیں مگر بعد ازاں وہ بڑی بڑی سفارشوں سے چھوٹ گئے۔ اس دن سے عوام الناس کیطرف سے فقیروں کی اتنی خاطر و مدارات نہ ہوتی تھی۔ ہر شخص کھٹک گیا تھا۔ اس کے علاوہ

اعتبار ہو سکتا تھا۔ ایک شخص نے مجھ سے آکے بیان کیا۔ آج بڑا ہی غضب نازل ہوا۔ ایک صوفی پور پور چھلے پہنے ہوئے ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی لمبی لمبی عطر بیز زلفیں حال کی سرخوشانہ حالت میں کھڑا ہوا گیتیں بھر رہا تھا۔ اتنے میں ایک شخص نے اسکی یہ صورت شکل دیکھ کے کہا "تھرکنا بھی ایسی ہی زنانی صورت کو زیبا ہے"۔ یہ سنتے ہی نوجوان صوفی نے تیز نظروں سے اس شخص کیطرف دیکھا اور وہ مرغ بسمل کیطرح تڑپنے لگا اور اس اسقدر بسر ٹپکا کہ اگر شاہ صاحب کی خدمت میں بشدت التجا نہ کی جاتی ضرور اس کی جان جاتی رہتی۔ اسکا عام مجمع پر بہت بڑا اثر ہوا اب ہزاروں آدمی اس فقیر کے پاس دوڑے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ روپیہ الگ برس رہا ہے اور لوگ مرید جدا ہو رہے ہیں۔

یہ سنتے ہی میں نے اپنے ذہن میں اس واقعہ کی صداقت کی گو چند محمدیوں کو اسکا یقین نہ آیا۔ ایسے ہی چند صوفی دہلی میں بھی شاہ اسمٰعیل صاحب کو مات دینے اور بیہوش کرنے کے لئے بلائے گئے تھے۔

ماہ ربیع الاول کی گیارہ اور بارہ تاریخ قدم شریف میں جو فراشخانہ کی کھڑکی کے باہر واقع ہے بہت بڑا عظیم الشان عرس ہوتا تھا۔ مولانا شہید نے اپنا یہ التزام کرلیا تھا کہ ایسے مجمعوں میں جانا اور وعظ فرمانا۔ چنانچہ آپکو خبر لگی کہ ایسے صوفی بھی یہاں تشریف لائے ہیں۔ جو چشم زدن میں کبوتر کیطرح لٹا دیتے ہیں اور جبتک ان ہی کی عنایت نہیں ہوتی جانبری کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔

آپنے اپنے دل میں مصمم ارادہ کرلیا کہ ایسے زبردست کشش رکھنے والے فقیروں سے میں ملونگا اور انکی اصلی حالت دریافت کرونگا۔ آیا جو کچھ کہا جاتا ہے اسکی حقیقت کیا ہے۔

چونکہ آپکو عموماً دہلی کے لوگ خوب پہچانتے تھے۔ اسی لئے آپ نے سپاہیانہ لباس[۱] پہنا اور چھٹی تاریخ دس بجے شب معتقدانہ صورت میں وہاں پہونچے۔ دربار ہو رہا تھا۔ اور سو دو سو آدمی نہایت ادب سے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے معزز مورخ نے اس دربار صوفیہ کا جسمیں پیارا شہید بھی موجود تھا۔ چند ید نقشہ کھینچا ہے: وہو ہذا:-

"اس عظیم الشان میلہ میں جو بارہ دن تک قدم شریف میں رہتا تھا۔ اور جسمیں صدہا قسم کے فقیر اور

---

[۱] سیر دہلی صفحہ ۹۳ تذکرہ مشاہیر دہلی صفحہ ۹۴/۹۵ تواریخ علمائے دہلی صفحہ ۱۱۱ "

[۲] سیر دہلی صفحہ ۹۵۔ اس دربار کے لکھنے والے مورخوں نے بھی یہ تذکرہ کیا ہے لیکن وہ بہت اختصار کیساتھ اس واقعہ کو لکھتے ہیں۔ عموماً مشرقی مورخوں سے (وہ بعض ہیں اکثر نہیں ہیں) یہ بات ضرور رہ جاتی ہے کہ بعض اوقات لائق بیان واقعات کا ذکر نہیں کرتے اسلئے کہ ان کو ان واقعات سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ اور جس واقعہ سے دلچسپی ہو خواہ ناظر پسند کرے یا نہ کرے اسے بڑی رنگینی سے بیان کیا جائیگا۔ لیکن ہم سیر دہلی والے کے حد سے زیادہ ممنون ہیں کہ اس نے ہمیں قابل بیان واقعات کو معرض تحریر میں لاکے بے انتہا دلچسپی دی ہے۔"

تاجر آپ کے شامل ہوتے تھے۔ جلال شاہ صاحب کے آنے کی دہوم دہام اور داخل ہونے پر خاطر و مدارات میں جو کچھ لطف آتا تھا وہ قابل بیان ہے۔ شہر میں داخل ہونے پر انکی پیشوائی کی جاتی تھی اور بڑے بڑے شہزادے اور امراء انہیں ہاتھوں ہاتھ اس بڑے خیمے میں پہنچا دیتے تھے جو خاص شاہ کی طرف سے ان کیلئے ایستادہ کیا جاتا تھا۔ جلال شاہ کے ساتھ ہمیشہ دو تین سو مرید آیا کرتے تھے۔ یہ فقیر امیرانہ سامان رکھتا تھا۔ بڑے بڑے ایرانی غالیچے اور جواہرات کا بکثرت سامان اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ اور یہ قابلِ تعریف بات تھی کہ اس کے ہاں سے خیرات بہت ہوتی تھی۔ علاوہ اور صفات کے جن سے فقیر موصوف ہوتے ہیں۔ یہ صفت بہت بڑی تھی کہ وہ صورت دیکھتے ہی یا آنکھیں ملاتے ہی آن کی آن میں ہر شخص کو بیہوش کر دیتا تھا۔ اس کے معتقد تمام شہزادے اور امیرزادے تھے۔ اسکی وضع خود امیرانی تھی۔ اس لئے غریبوں کو ذرا دخل کم ملتا تھا۔ باینہمہ یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ غربا پر گوناگوں نوازشات کیا کرتا تھا اس کی موجودگی میں یہ کسی کا یارا نہ ہوتا تھا جو ایک دوسرے کی طرف اشارہ بھی کرے بات کرنا تو کجا۔ عموماً شب کا دربار ہوا کرتا تھا کئی کوڑی قیمتی فانوس روشن ہوتے تھے۔ حاضرین کو شیرینی تقسیم ہوتی تھی اور عطر ملا جاتا تھا۔ جو شخص جاتا خواہ وہ کیسا ہی غریب کیوں نہ ہوتا اس کی یکساں خاطر داری ہوتی تھی۔ جلال شاہ کی عمر ۳۸ برس سے زیادہ نہ تھی۔ نہایت چھریرے جسم کا خوبصورت نوجوان تھا۔ غریبوں سے بخندہ پیشانی پیش آتا۔ اور امراء سے کسی قدر تبختر انہ وضع میں ملتا تھا۔ بات بہت کم کرتا تھا اور ایسا بہت کم اتفاق ہوا ہے جو وہ کبھی کھِل کھلا کے ہنسا ہو۔ ہاں بعض وقت مسکرا دیتا تھا۔ جب مولانا شہید پہنچے ہیں اور پائیں میں بیٹھنے لگے ہیں جلال شاہ نے دیکھتے ہی آپکو اپنے پاس بلایا اور باصرار اپنے ہی پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ آپ سادگی سے وہاں بیٹھ گئے۔ ابتک جتنی باتیں دربار میں ہوئیں۔ سب مولانا شہید کو پسند آئیں لیکن جب اُسکے پاس تبرک لائے گئے۔ وہ سرتاپا کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ سارا مجمع بھی کھڑا ہوا مگر مولانا شہید آہستہ آہستہ سے پیچھے سرک کر ہو بیٹھے۔ اس رستخیز میں کسی کی نظر مولانا پر نہ پڑی لیکن جلال شاہ نے دیکھ لیا کہ یہ اجنبی شخص نہیں اٹھا۔ اس نے ذرا بھی اشارہ نہیں کیا اور نہ رنگت پر کچھ غصہ نمودار ہوا جب زیارت ہو چکی اور خدام تبرکات کو انعام وغیرہ دیدیا گیا۔ پھر وہ ہی سکوت جلال شاہ کے دربار میں حکمرانی کرنے لگا۔ اور ویسی ہی سلطانی جبروت معلوم ہونے لگی۔ یہ ایک غیر معمولی بات ضرور ہوئی۔ کہ جلال شاہ نے مولانا شہید کو اپنے پاس بلا کے بٹھایا یعنی اپنی گدی پر اور کن انکھیوں سے مولانا کی صورت

کو تکتا رہا۔ مولانا ان نظروں کو جو غیر معمولی وضع کا جامہ پہن کے آپ پر پڑ رہی تھیں خوب اندازہ کر رہے تھے۔ مگر ابھی تک خاموشی تھی۔ نہ جلال شاہ نے کوئی بات کی تھی نہ مولانا شہید ہی نے اسکو مخاطب بنانے کی کوشش کی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد آخر جلال شاہ کی مُہر سکوت ٹوٹی۔ اور وہ باآہستہ (مگر ممکن السمع لہجہ میں) یہ گویا ہُوا۔ آپ دہلی کے رہنے والے ہیں؟ شاہ صاحب نے جواب دیا۔ ہاں۔ پھر وہ یہ کہنے لگا۔ برسوں دن آپ ہی لوگوں کی وجہ سے ہم یہاں آجاتے ہیں۔ آپ جیسے اصحاب کی زیارت ہو جاتی ہے ورنہ ہمارے کہاں نصیب کہ ہم دہلی اور اہلِ دہلی کی خوش صحبت سے فیضیاب ہوں۔ اس کے جواب میں مولانا شہید نے ایسی رطب اللسانی کی کہ اسکے دل پر نقش ہو گیا اور اُسے آپکی باتوں میں کچھ ایسا مزا آیا۔ اس نے فوراً دربار برخاست کیا اور اپنے مریدوں کو ذکر کرنے کیلئے اجازت دی۔ سب اُٹھ اُٹھ کے اپنے اپنے تنبوؤں یا مسجدوں میں

ف۱ ذکر مختلف ممالک میں مختلف طور پر کیا جاتا ہے۔ اس کیلئے کوئی خاص قاعدہ ایسا مقرر نہیں ہے جسکی عام ذاکر پابندی کریں۔ ذکر کی دو قسمیں ہیں ذکر جلی اور ذکر خفی۔ ذکر جلی سے مطلب بآواز بلند خدا کی حمد کرنی یا خدا کے پکارنے کو کہتے ہیں اور ذکر خفی خاموشی سے دل ہی دل میں مناجات پڑھنے کو کہتے ہیں۔ نقشبندیہ ذکر خفی کیا کرتے ہیں اور قادریہ ذکر جلی .. .. مختلف صورتیں ہیں لیکن انکا خط و خال قریباً یکساں ہے مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی بیش بہا کتاب قول الجمیل میں ذکر جلی کی بابت یہ گوہر افشانی کی ہے:۔

"ذاکر معمولی نشست سے بیٹھ جاتا ہے۔ اور زور سے بائیں طرف مُنہ پھیر کے اللہ کی آواز حلق سے نکالتا ہے اور پھر گردن کو تھمکی دے کے سیدھا ہو جاتا ہے۔ نماز کی نشست بیٹھ کے "اللہ" آواز میں کہتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اسکی آواز بلند ہوتی جاتی ہے۔ وہ آواز پہلے دائیں جانب کی طرف رُخ کر کے نکالتا ہے۔ اور پھر بائیں جانب سے۔ پھر اپنی ٹانگوں کو سمیٹ کے اسی طرح دائیں بائیں سے "اللہ" کا لفظ پکارتا ہے۔ اس کے بائیں سے دایاں رخ ہو جاتا ہے اس کے بعد اُسی حالت میں وہ اپنے بائیں گھٹنے کی طرف مُنہ کر کے پکارتا ہے "اللہ"۔ اس کے بعد پھر دائیں جانب سے پھر بائیں سے پھر سامنے سے اللہ کا نعرہ مارتا ہے اور یہ بہت تیزی میں ہوتا ہے۔ نمازی نشست میں اپنا مُنہ مکہ کی طرف کر کے آنکھیں بند کر لیتا ہے اور کہتا ہے "لا"۔ اس آواز سے اسکی ناف سے بائیں کندھے تک جنبش معلوم ہوتی ہے۔ پھر وہ کہتا ہے "الٰہ" اللہ کی آواز سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ گویا اس نے دماغ سے نکالی ہے اور پھر وہ "الا اللہ هو" کہتا ہے اور بڑے جوش سے بائیں طرف سے اس جملہ کو دُہراتا ہے۔" (باقی بر صفحہ ۱۰۳)

چلے گئے اور اب مولانا شہید یا نوجوان جلال شاہ تنہا رہ گئے۔ جلال شاہ نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ شاہ اسمٰعیل صاحب ہیں۔ یہ سنتے ہی مولانا شہید کسی قدر حیران ہوئے اور دل میں کہا اسے کیونکر

(بقیہ از صفحہ ۱۰۲) ذکر کی ہر اسٹیج (نوبت) ضرب کہلاتی ہے۔ البتہ صدہا بار ایسی ضربیں لگائی جاتی ہیں اور جو اختلافات ہم نے بیان کئے ہیں وہ صرف آوازوں کے پست اور بلند ہونے اور جسم کو دائیں بائیں حرکت دینے پر موقوف ہیں جو زیادہ تر مشرقی سیاحوں نے اسکا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے ذکر جلی اور ذکر خفی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ مفصلہ ذیل ذکر خفی ہے۔ اپنی آنکھیں اور لب بند کر کے دل کی زبان سے ذاکر یہ کہتا ہے اللہ سامعٌ یعنے خدا سنتا ہے۔ اللہ باصرٌ (اللہ دیکھتا ہے) اللہ عالمٌ (اللہ جانتا ہے) یہ تینوں جملے نمبروار ترقی اور تنزل کرتے ہیں۔ یعنی پہلا جملہ تو صرف ناف سے سینہ تک کھینچا جاتا ہے اور دوسرا سینہ سے دماغ تک۔ اور تیسرا دماغ سے آسمانوں کے پرے تک نکل جاتا ہے۔ اور پھر اسی طرح یہ جملے دہرائے جاتے ہیں اور نوبت بنوبت بڑھتے اور گھٹتے رہتے ہیں۔ پہلے وہ نہایت پست آواز سے کہتا ہے اللہ اور دائیں گھٹنے سے بائیں زانو کی طرف پھر جاتا ہے اور اپنے سانس کی ہر تصعید میں وہ لا الٰہ کہتا ہے اور دوبارہ دم چڑھاتے وقت وہ الا اللہ کہتا ہے۔

تیسری ضرب سب سے زیادہ ہے جو صدہا بلکہ ہزاروں بار لگائی جاتی ہے۔ اسی لئے اس تیسری ضرب کا لگانا قابل تحسین خیال کیا جاتا ہے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مولوی حبیب اللہ جو ضلع گاددں قصبہ کھسنری حدود پشاور میں رہتا تھا۔ اس ضرب کے لگانے میں بہت مشہور تھا۔ ظہر کی نماز پڑھ کے ذکر کے پہلے حصہ لا الٰہ کی صعود دم کے وقت ضرب لگاتا تھا اور پھر ذکر کے دوسرے حصہ الا اللہ کی ضرب عصر کی نماز پڑھنے کے وقت دم چڑھانے میں لگاتا تھا۔ گویا تین ساڑھے تین گھنٹے حبس دم کئے ہوئے بیٹھا رہا۔

ذکر کا دوسرا اساسی مراقبہ ہے جو مفصلہ ذیل ہے:۔ اللہ حاضری۔ اللہ شاھدی۔ اللہ معی۔ ان الفاظ کو دل میں یا آواز سے دہرا کے ذاکر پھر قرآنی آیتوں کی طرف رجوع ہوتا ہے جسکا بیان مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے کیا ہے (مگر یہ بیان خاندان قادریہ تک محدود ہے) جو آیتیں وہ قرآن کی پڑھتے ہیں۔ اُن سے صاف معلوم ہو جائیگا کہ وحدت پرستی میں یہ لوگ کیسے ڈوبے ہوئے ہیں۔ وہ آیتیں یہ ہیں:۔ وہی اوّل ہے وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور سب چیزوں کو جانتا ہے۔ (سورۂ حدید) وہ تمہارے ساتھ ہے۔ جہاں تم ہو وہ (سورہ حدید) ہم اسکی رگ شریان سے بھی اس کے پاس ہیں (سورہ قاف) جس طرف تم اپنا منہ پھیرو وہاں خدا کا منہ ہے (سورہ بقر)

معلوم ہوگیا آخر آپ سے رہا نہ گیا اور آپ نے جلال شاہ سے دریافت کیا اُس نے مسکرا کے جواب دیا۔ پہلے آپ یہ تو فرمائیے کہ آپ اسمٰعیل ہیں بھی یا نہیں؟ مولنا شہید نے اقرار کیا۔ پھر اس پاکباز

(بقیہ از صفحہ ۱۰۳) خدا سب چیزوں پر محیط ہے (سورۂ نساء) جو کچھ زمین پر ہے سب فنا ہو جائیگا۔ مگر تیرے رب کا چہرہ جاہ وجلال اور بزرگی کے ساتھ تابناک رہیگا۔ (سورہ رحمٰن) صوفی اپنے مریدوں کو کہا کرتے ہیں کہ دل کے دُو دروازے ہیں ایک جسمانی اور ایک روحانی ہے۔ ذکرِ جلی سابق الذکر دروازہ کو مستحکم کرتا ہے تاکہ اس سے مؤخر الذکر دروازہ کھُل سکے اور ذکرِ خفی دوسرے دروازہ میں داخل کر دیتا ہے اور پھر دونوں دروازے تابناک ہو جاتے ہیں۔

ذکر کیا ہے صوفیوں کے مذہب میں دل اور زبان کا خدا کی یاد میں ملا دینا ہے تاکہ پھر فرق نہ رہے اور یہ نہ معلوم ہو کہ دل اور زبان دو دو چیزیں ہیں۔ اوّل ہی بار شیخ اپنے دل میں یہ پھیرتا ہے "کوئی خدا نہیں ہے مگر اللہ اور محمدؐ اس کا برحق نبی ہے" مرید اپنے شیخ کے مقابلہ میں بیٹھا رہتا ہے۔ اسکی آنکھیں اپنے شیخ پر ہوتی ہیں۔ وہ پہچان جاتا ہے کہ شیخ اپنے دل میں یہ پھیر رہا ہے۔ پھر مرید اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اور بہت مضبوطی سے اپنا مُنہ بھینچ لیتا ہے اور اوپر نیچے کے دانت بہت زور سے بند کر لیتا ہے۔ اور اپنی زبان تالُو سے لگا لیتا ہے۔ پھر اپنا سانس ٹھیرا لیتا ہے۔ پھر بڑی قوت سے شیخ کے ذکر میں ہمراہی کرتا ہے اور اپنے دل سے نہ اپنی زبان سے ذکر کرتا ہے۔ پھر وہ آہستہ سانس لیتا ہے اور کم سے کم ایک سانس میں تین بار مذکورہ بالا کلمہ کو دُہراتا ہے اور آخر نوبت بنوبت اپنے دل کو اس قابل بنا لیتا ہے کہ اس پر ذکر کے نقوش ہو جائیں۔ ذکر کی مداومت خدا کی باجاہ وجلال ذات کا کامل علم دیتی ہے اور اس کی پُر نور ذات کی تابانی صاف طور پر عیاں ہو جاتی ہے اور جب اس کی مشق بڑھ جاتی ہے تو جلوت میں بھی ذاکر کی وہی کیفیت رہتی ہے جو خلوت میں تھی۔ اور پھر اس کو ذکر کامل کہتے ہیں۔ اگر ذاکر جلوت کو خلوت نہ بنا سکے تو اسے نہایت کوشش کرنی چاہئے تاکہ ذاکر کامل بن سکے۔ دل انسانی ترکیب کا سب سے نازک حصہ ہے اور اس قابل ہے کہ اس سے دنیاوی خم اہشات کے نقوش دُور ہو سکیں۔ اس منزل تک پہونچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ پہلے سانس کے سمیٹنے کی مشق بڑھائیں اور اپنے مُنہ کو بہت مضبوطی سے بند کریں کہ زبان لبوں سے آشنا ہی نہ ہو سکے۔ (پیر شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں) دل کی صورت آگ کے درخت کی مخروطی شکل سے بہت مشابہ ہے جب تم ضمیر سے ذکر کرو گے تو تمہارے استغراق کا اس پر بہت بڑا دباؤ پڑیگا۔ جب اس کے دباؤ کا پُورا اثر ہوگا تو تمام دنیاوی سامان خیال سے محو ہو جائیں گے۔ اور پھر ہر زبانِ حال یہ گویا ہوگی ؎

نوجوانوں نے ساری کیفیت بیان کی کہ میرے پاس کئی بار آپکی تصویریں اور حلیے لکھ کے لوگوں نے بھیجے اور استدعا کی کوئی تدبیر ایسی ہو اسمٰعیل کو شکست فاش ملے۔ مگر میں کہتا ہوں مولوی

(بقیہ از صفحہ ۱۰۴) شعر آنچہ در دنیاست بر آزادگان آمد حرام۔ خاطر جمع ست در زیر فلک سامان ما۔ جب یہ حالت ہوگی پھر کوئی چیز بھی ذکر کرتے وقت تمہارا ہاتھ نہ بٹائیگی اور پھر تم توحید کی حقیقت سمجھ جاؤ گے۔ مخروطی شکل کا دل بائیں جانب آرام کرتا ہے جسمیں انسانی نیکیاں بھری پڑی ہیں۔ تمام انسانی جوہر اسمیں مضمر ہیں۔ یہ خدا کی تجلیات کا بازگشت ہے خدا کی کتاب کے رازوں کا دمبدم اسمیں سے چشمہ اُبلتا ہے اور اسمیں گرتا ہے یہ ایک آئینہ ہے جسمیں انسان اپنی مرتفع بزرگی اور پرشان تمکنت ملاحظہ کرسکتا ہے جب ذاکر قلب کی ان گوناگوں صفات سے پورا آگاہ ہوجاویگا اسوقت ترک دنیا کے معنے اسے معلوم ہونگے اور اس کے اصل مفہوم سے اس وقت آگاہ ہوگا۔ وہ حقیقت ذکر ہے اور ذکر کے حقیقی مفہوم کو بھی اسی حالت میں سمجھ سکتا ہے۔ خاندان چشتیہ ذکر کی نئی صورت قائم کرکے اس میں فوق الفطرۃ صفت کی رنگ آمیزی بھی کرتا ہے۔ عام ذکر خدا کے ایک کم سو ناموں کا ہے جسکی نسبت نبی اکرمؐ نے یقین دلایا ہے "اگر کوئی ان مقدس ناموں کا ذکر کرتا رہیگا تو وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگا (مشکوٰۃ) ذاکر ایک کم سو ناموں کے جپنے کیلئے تسبیح کا استعمال کرتا رہے جو مشرقی دنیا میں عام طور پر لوگوں کے ہاتھوں میں دکھائی دیتی ہے۔ ذکر کی بابت جو کچھ ابھی بیان ہوچکا ہے اس کے علاوہ تین اور بھی بیان کئے جاتے ہیں وہ تین یہ ہیں۔ تسبیح۔ تحمید۔ تکبیر۔ تسبیح کا مفہوم خدا کی پاکی بیان کرنیکا ہے جہاں یہ کہا جاتا ہے "سبحان اللہ" یعنی پاکی خدا کے لئے ہو۔ تحمید خدا کی حمد کرنا ہے۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے "الحمد للہ" تعریف اللہ کیلئے ہے۔ تکبیر خدا کی بزرگی ظاہر کرتی ہے۔ مثلاً "اللہ اکبر" خدا بزرگ ہے اور جب تسبیح اور تحمید ملا کے دُہرائی جاتی ہے اُسوقت کہا جاتا ہے "سبحان اللہ وبحمدہ"۔ اسکا حدیث میں بھی ذکر ہے چنانچہ نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے "جو شخص اس جملہ کو صبح شام سو سو بار پڑھیگا۔ اس کے کل گناہ بخشے جائینگے۔ پھر نبی اکرمؐ نے فرمایا "سو بار اس تسبیح کا ذکر کرو۔ خدا ہزار نیکیاں تمہارے نام اپنے دفتر میں درج کریگا یعنی ایکبار کہنے کے عوض دس نیکیاں ملینگی"۔

ایک دلچسپ بیان ذکر کرنے کی بابت ڈی وجین شالی لو نے اپنی کتاب "حالاتِ ترکستان" میں تحریر کیا ہے جسکا یہاں درج کرنا ہمارے ناظر کتاب کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"جمعرات کی شب کو قریب آٹھ بجے میں اپنے چند دوستوں کی ہمراہی میں ایک مسجد میں گیا اور ہم سب ایک ہی دفعہ اس مسجد میں چلےگئے۔ ہم نے دیکھا کہ تیس آدمی جوان بڑھے قبلہ رو دو زانو بیٹھے ہوئے زور زور کی آواز میں ذکر کر رہے ہیں۔ ان کے اجسام بہت تیزی سے حرکت کرتے جاتے ہیں۔ اُن کے گرد کئی آدمی حلقہ کئے تھے۔ جو اسی طرح سے باآواز بلند ذکر کرتے اور اپنے اجسام کو حرکت دیتے جاتے تھے۔ ہم سب ایک کونہ

صاحب میرا مذہب نہیں کہ میں کسی کو ایذا دوں میں نے ان خطوط کی پرواہ نہیں کی ساتھ ہی مجھے ایک علم بھی آتا ہے۔ یعنے میں نے مشق بڑھا کے اپنی آنکھوں میں ایسی کشش مقناطیسی پیدا کر لی ہے

(بقیہ از صفحہ ۱۰۵) میں کھڑے ہو گئے اور بہت غور سے انکی کارروائی دیکھتے رہے۔ ذاکروں میں سے کئی آدمیوں نے اپنے اوپر کے کپڑے اور عمامے اتار ڈالے۔ کیونکہ وہ شب گرم بہت تھی۔ وہ لوگ نہایت سرگرمی سے یہ فقرے کہہ رہے تھے:"میری پناہ خدا ہی کے پاس ہے خدا ہی کی ذات قابل بزرگی ہو میرا نور محمدؐ خدا اس پر اپنی برکتیں نازل کرے سوا اس کے اور کوئی خدا نہیں ہے۔ یہ الفاظ آہستگی میں نصف موسیقی خیز لہجہ میں دُہرائے جاتے تھے لیکن اس وقت سر کو بہت زور و شور سے جنبش ہو رہی تھی۔ پہلے وہ اپنے سر کو بائیں کندھے کی طرف پھیر لیتے تھے اور پھر دائیں جانب اور بعد ازاں زور سے دل کی طرف ٹھکی دیتے تھے۔ یہی الفاظ کئی سو بار دُہرائے گئے اور ذکر دو گھنٹے تک جاری رہا۔ پہلے ذاکروں کی آواز دھیمی نکلتی تھی اور رفتہ رفتہ وہ بڑی ہو جاتی تھی۔ یہانتک کہ پوری تیزی پر آجاتی تھی۔ اور پھر ذاکر تھک جاتے تھے اگر ذاکروں میں سے کوئی شخص ذکر میں ذرا بھی کمی کرتا تھا مثلاً اس نے آواز قاعدہ کے موافق سب کے برابر نہ نکالی یا اپنے جسم کو تیزی کے ساتھ جنبش نہ دی یا بہ نسبت اَور ذاکروں کے کسی بات میں بھی ذرا کمی کی۔ ذاکروں کے دائرہ کے منتظم نے پہلے تو اس غافل کے سر پر ایک چوٹ لگائی۔ اس چوٹ کھانے پر یا تو وہ ہوشیار ہو گیا اور یا اس پر بھی وہ غافل رہا تو تھوڑی دیر کے بعد اُس کو دائرہ سے نکال دیا جاتا ہے اور پھر فوراً دوسرے کو اسکی جگہ بلا لیتے ہیں۔

ذاکر رفتہ رفتہ اس قدر شور مچاتے ہیں اور اتنا چیخ چیخ کے روتے ہیں کہ آخر کار انہیں تھوڑی دیر کیلئے آرام لینا پڑتا ہے اور انکی جگہ فوراً دوسرے ذاکر آجاتے ہیں۔ پہلے ایک شخص دھیمی اور پست آواز سے کہتا ہے وہ زندہ ہے۔ دو دو پہر تک یہ آواز بڑھتی جاتی ہے اور سب ساتھ مل کے غل مچاتے ہیں "وہ زندہ ہے" یہ کہتے وقت اپنے جسم کو جھکا دیتے ہیں اور انکے ماتھے زمین پر پہنچ جاتے ہیں۔ اس حالت میں ایک کا ہاتھ دوسرے کے کندھے پر ہوتا ہے اور یوں دائرہ میں ہو کے وہ صحن مسجد کا طواف کرتے ہیں۔ ہر بار جھکتے جاتے ہیں اور بآواز بلند کہتے ہیں "اللہ زندہ ہے" مگر اس وجد کی حالت میں اور انکی صورت استغراق یا شغل میں ایک اَور بھی خوفناک نظارہ دیکھنے میں آیا۔ جو انتہا درجہ مہیب تھا۔ کمزور طبائع کبھی اس کے دیکھنے کی برداشت نہیں کر سکتیں۔ میرے چند ساتھیوں نے مجبور کیا۔ بھئی یہاں سے بہت جلدی چلو۔ ہم سے تو یہ وحشیانہ صورت دیکھی نہیں جاتی۔ مگر میں ایسا سنگدل تھا کہ یہ مضحکہ خیز اور زیادہ تر وحشی نظارہ دلچسپی سے دیکھ سکتا تھا۔ اس سے زیادہ اَور میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ ذاکروں کی حرکتوں سے پورا جنون برستا تھا۔ اور جتنی باتیں وہ کر رہے تھے جان بوجھکر کرتے تھے اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ اپنی وحشت

کہ مَیں اپنے سے کمزور پر غالب آسکتا ہوں۔ آجتک مَیں نے سوائے اپنے بھانجہ کے دوسرے شخص پر اسی لئے یہ عمل نہیں کیا مبادا اُسے کوئی گزند پہونچے اور مَیں عذاب سخت میں پکڑا جاؤنگا

(بقیہ از صفحہ ۱۰۶) کو دمبدم ترقی دیں۔ ہرذاکر جس وقت خوفناکی سے غل مچاتا تھا۔ اپنے مُنہ پر کیا تو ایک طرف ہاتھ رکھے غل مچاتا تھا۔ تو ان کا یہ غل مچانا محض بے معنی تھا۔ کوئی لفظ تیز آواز میں ایسا نہ پکارتے تھے جو کچھ بھی معنی رکھتا ہو انکی آوازیں صرف یہ ہوتی ہیں "ہی ہو ہو ادخ ادخ با با"۔ غل مچاتے مچاتے اپنا سینہ پیٹنے لگتے تھے اور پھر باواز بلند روتے تھے۔ یہ ناچنے والے مصر قسطنطنیہ اور قاہرہ میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اور انہیں یورپین سیاحوں سے کچھ ایسی مناسبت ہوگئی ہے ادھر اُنہوں نے دیکھا اور اپنے پاس بُلالیا۔ فقط"

یہ جتنی باتیں ہیں سب بے بنیاد اور خلاف اسلام ہیں ہمیں دین کی باتوں میں ضرور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع بننا چاہئیے۔ کسی تواریخ اور کسی حدیث میں یہ نہیں پایا جاتا کہ نبی اکرمؐ نے یہ سوانگ کیا ہو اور حلقہ باندھ کے یہ غل مچا مچا کے عبادت کی ہو۔ قرآن مجید میں تو اسکا کہیں اشارہ بھی نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم خواہ مخواہ کھینچ تان کے قرآن کی کسی آیت یا لفظ سے اپنے موافق مطلب نکال لیں۔ لیکن اس کی سند کہاں سے آئیگی۔ پہلی صدی کے اختتام پر ابن اسحٰق اور اُس سے پہلے زہری نے جو تواریخ لکھیں اور نبیؐ کے سوانح عمری اسلامی دنیا میں گردش لگا لگا کے اور ہر صحابی سے یا تابعی سے جو اس وقت زندہ تھا۔ دریافت کرکرکے قلمبند کیں پھر یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ قرآنی آیت کے گھڑے ہوئے معنے کے آگے ہم تواریخ یا احادیث کو خارج کردینگے۔ اسلام میں تو یہانتک ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص کو جو کعبہ میں بیٹھا ہُوا وظیفہ میں مستغرق تھا۔ جھڑکی دی تھی اور فرمایا تھا "تیرے بھائی تو یونانیوں سے اپنے بھائی مومن کی خوں بہا طلب کرنے شمشیر بدست گئے ہیں اور تو بآرام وظیفہ بڑبڑا رہا ہے"۔ یہ ساری باتیں نہایت ہی مبتذل صورت کی ہیں۔ خدا شاہد ہے اُس کا دین ان ساری باتوں سے بالکل پاک ہے۔ اس نے کبھی وحشیانہ طور پر غل مچانے اور دائرہ کرکے تھیٹر بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اس غل وشور اس تکلیف اور اس آفت خیز زہرہ پھاڑنے، بار بار زمین پر جھکنے۔ کندھے پر ہاتھ رکھنے ایک طرف مُنہ پر ہاتھ رکھ کے بے انتہا غل مچانے، پھر سینہ بسینہ ہوکے آرام لینے کیلئے ٹھہر جانے سے سوائے توہین اسلام کے اَور کیا ہوتا ہے۔ مولانا شہید کو یہلا نظارہ جو طبیعت میں کھٹکا تھا۔ وہ یہی تھا جو غیر مذہب والوں کے دلوں میں مذہب اسلام کی حقارت کا موجب ہوسکتا ہے ۱۲ منہ

تقویۃ الایمان | مصنفہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہید - مع تذکرۃ الاخوان و رسالہ حارق الاشرار و رسالہ راہ سنت و خط مولانا اسمٰعیل صاحب وفتویٰ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قیمت ۳؍ - منیجر اہل حدیث امرتسر

یہ سُن کے شاہ اسمٰعیل صاحب آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا افسوس ہے ایسا خدا ترس شخص دوسروں کی ایذا کا تو یہ پاس رکھے اور اپنے نفس کی تکلیف کا ذرا بھی خیال نہ ہو مولٰنا شہید نے پھر اُس کے آگے اسلام پر وعظ فرمانا شروع کیا اور جن غلطیوں میں وہ مبتلا تھا اُسے خوب سمجھایا۔ قرآن اور حدیث کے منشا کو سمجھایا اور اُسے بتایا کہ فطرۃ اللہ کا مقصود کیا ہے۔ نبیؐ نے ہمیں کونسی راہ بتائی ہے اور ہم کونسی چل رہے ہیں۔ جلال شاہ کی طبیعت پہلے ہی صلاحیت مآب تھی۔ وہ رقیق القلب اور خدا ترس بہت بڑا تھا۔ شاہ صاحب کا بیان سُن کے کانپ گیا اور بصد لجاجت جھرجھری آواز میں یہ کہا۔ جو کچھ آپ نے ارشاد کیا۔ سب بجا و درست ہے۔ حقیقت میں ابتک جو کچھ میں نے کیا اسے دین اسلام سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں نے قبور کی زیارت کیلئے سفر کئے۔ پھولوں کی چادریں قبروں پر چڑھائیں قبروں کا چڑھاوا طیّب مال سمجھ کے لیا۔ غرض جتنی باتیں شرک و بدعت کی ہوسکیں۔ سب ہی خوب عقیدتمندانہ وضع میں کیں اور حق یہ ہے۔ کہ ابتک میں ان باتوں کو اصل اسلام جانتا تھا۔ شاہ صاحب میری پرورش ہی ایسے لوگوں میں ہوئی ہے کہ میں نے سوائے ان باتوں کے دوسری بات نہیں سُنی اور ہمیشہ اُسی کو برحق جانتا لیکن اب مجھے زاری کرنا چاہیئے۔ کیونکہ میں نے اپنے نفس کے ساتھ جو کچھ کیا اسکا جواب دہ تو میں خدا کے آگے ہو جاؤنگا۔ مگر جب مجھ سے یہ سوال کیا جائیگا۔ جلال شاہ تیری وجہ سے اتنے آدمی بہکے اس کا جواب میں کیا دُونگا۔

یہ کہتا جاتا تھا اور بے اختیار روتا جاتا تھا مگر مولانا شہید کی جادُو بھری تقریر اُسے تسکین بخشنے کے لئے کافی تھی۔ آپ نے توبہ کے مدارج اور پاک دل توبہ کی بزرگی بیان فرمائی اور کہا اگر تُو توبہ کرے تو آ ہم دونوں خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں دعا کریں۔ شاید وہ تیرے پہلے گناہ بخش دے۔ یہ وقت جیساکہ تذکرۂ مشاہیر دہلی[1] والا لکھتا ہے دو بجے کا تھا۔ عالم میں سنسانی اپنا دَورہ لگارہی تھی۔ ذاکر بھی کے ذکر کرتے کرتے سو گئے تھے۔ سوائے چوکیداروں کی "جاگو جاگو" کی آوازوں اور کوتوال کے گھوڑے کی ٹاپوں کی صداؤں کے اور کچھ نہ سنائی دیتا تھا۔ نیلی چھت پر تارے چمک رہے تھے۔ جو پاک فرشتوں کی آنکھیں معلوم ہوتی تھیں گویا اہل زمین کو یقین دلا رہے تھے کہ جو اس خاموش خنک شب میں اپنے خداوند حقیقی سے دعا کریگا۔ اس کی دعا مقبول ہوگی۔ ایسے پاک اور سُہاونے وقت میں مولانا شہید اور جلال شاہ

[1] صفحہ ۲۱۱۔

نے بل کے دعا کی یہ وہ دعا تھی جس پر یہ صادق آتا تھا: "اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید"
دونو پاکباز مسلمانوں کی دعا قبول ہوئی اور ایک گرجتی ہوئی مگر تسکین بخش آواز آسمان سے یہ سنائی دی۔

"اے جلال شاہ تیرے گناہ ہم نے معاف کئے اور آج سے تو ہمارے دوستوں میں شمار ہوا"
یہ آواز سنتے ہی دونو بیہوش ہو گئے اور پھر گھنٹہ بھر تک ہوش نہ آیا جب ہوش میں آئے۔ تو جلال شاہ نے اپنا دل ربانی جلووں سے بھرا ہوا دیکھا۔ اور اب وہ اسلام کے سچے پیرو دان میں ہو گیا۔ یہ بے نظیر مقبولیت اور یوں آسمانی آواز کا آنا گو ایک فلسفی کے دماغ کو خلجان میں مبتلا کر دیگا۔ لیکن جب وہ دِلِ یاوَر (قوتِ تیقن) کی پُر زور حالت کو دیکھیگا تو اپنے ذہن میں اندازہ کرنے سے یہ بات اُسے سمجھ میں آجائے گی کہ جب انسانی قلب تمام دنیاوی تعلقات سے پاک اور صاف ہو کے اپنے گذشتہ گناہوں کی ناپاکی سے توبہ کریگا خود اسکا دل بہت زور سے آواز دیگا۔ کہ خداوند حقیقی کی درگاہ میں تیرے سب گناہ معاف ہوئے۔ وہ آواز ایسی مغلق اور باریک ہوگی کہ وہ اس کے راز سے واقف نہ ہو کے خدا کی آواز سنیگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ خدا ہر پاک دل میں بولتا ہے جب اس بات کا یقین کر لیا گیا کہ دل گنذ گاہِ جلیل اکبر ہے۔ پھر اس یقین کرنے میں کونسی بات شبہ پیدا کر سکتی ہے۔ کہ دل کی آواز خدا کی آواز نہیں ہے۔

اس کے بعد مولانا شہید نے جلال شاہ کے ساتھ تہجد کی نماز پڑھی اور جبتک فجر کی نماز کا وقت نہ ہوا آپ سجدہ میں پڑے رہے اور خدا کی پاکی زبانِ دل سے بیان فرماتے رہے"
جلال شاہ کا راہ راست پر آنا صوفیوں کے حلقہ میں زبردست تہلکہ کا باعث ہوا اور آخر کار جتنے اس کے مرید تھے۔ سبنے جلال شاہ کے کہنے سے توبہ استغفار کی۔

یہ بے نظیر کامیابیاں تھیں جو وقتاً فوقتاً مولانا شہید کو خدا کی تائید سے حاصل ہوتی جاتی تھیں اور یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ آپ کے معمولی الفاظ حد سے زیادہ پُر تاثیر تھے۔ جن سے جلال شاہ گرویدہ ہو گیا۔ ہنوز ایسے بھی سخت آدمی موجود تھے جو برابر مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ مگر یہ خوب سمجھنا چاہیئے انکی مخالفت صرف ضد سے تھی۔ وہ خود جانتے تھے کہ ہم حق پر نہیں ہیں۔ ہمارے اس دعوٰے کے ثبوت میں صرف اسی قدر کافی ہے۔ کہ مولوی حاجی قاسم امام عیدگاہ دہلی یہ کہا کرتا تھا۔ بلکہ اس نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا تھا کہ اسمٰعیل جس چیز کو حلال کہیگا۔ مَیں حرام سمجھونگا ان باتوں سے ہر عاقل و ذی شعور

اس لاانتہا ضد کا اندازہ کر سکتا ہے۔ جو بعض اکابر دہلی مولانا شہید سے کرتے تھے اس کے مقابل میں اگر مولانا شہید کو دیکھا جائے کہ انکا برتاؤ اپنے ایسے تلخ تر دشمنوں اور ضدی مخالفوں سے کیسا تھا تو ناظر سخت متعجب ہو گے اُس والاشان ذات کی بزرگی کا اندازہ کریگا جو نظرت نے مولانا شہید کیلئے خاص کر دی تھی۔ عید کے دن جب آپ عیدگاہ نماز پڑھنے جانے لگے۔ لوگوں نے آپ سے کہا حاجی قاسم بڑا بدعتی ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنی ناجائز نہیں خیال فرماتے؟ آپ نے ارشاد کیا "جماعت میں تفرقہ ڈالنے والوں پر لعنت آئی ہے۔ ہم تفرقہ مسلمین کے باعث نہ ہونگے۔ مولوی قاسم بھی ہمارے ہی چچا شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد ہیں۔ وہ سب باتیں محض اپنی نفسانیت سے کہتے ہیں اپنے عقیدے سے نہیں کہتے"

مولانا شہید کی اس اسپرٹ نے آپ میں یہ تاثیر دیدی تھی۔ آپ کا کلام جیسا فصیح ہوتا تھا۔ اسی قدر پُر درد اور پُر تاثیر ہوتا تھا۔ آپ اسلام کے سچے متبع تھے اور ہر مؤمن کو یہی چاہیئے۔ آپکے ہر کام میں بیشمار اصحابِ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور افعال مدنظر رہتے تھے۔ جہانتک ہمیں اطلاع ملی ہے مولانا شہید دین کے معاملہ میں ہرگز نفسانیت کو کام نہ فرماتے تھے۔ گو یہ ہم قبول کرتے ہیں کہ فرائض دین کی انجام دہی میں بعض وقت سخت بیتاب ہوجاتے تھے اور جو شخص مخالفت کرتا تھا اس کے لئے تیغ تیز کا حکم رکھتے تھے۔ آپکی اصلاح عام تھی، نہ امراء کی قید تھی نہ عوام الناس کی نہ شرفاء کی نہ رذیلوں کی نہ وضع داروں کی نہ بد وضع لوگوں کی۔ اور یہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ انسانی ارذل گروہ میں بھی جن کی طبائع میں صلاحیت کا بیج اُن کے شنیعہ افعال سے مارا جا چکتا ہے آپ کا پُر تاثیر وعظ وقتاً فوقتاً اپنا جلوہ دکھا دیتا تھا۔ اور ایسے گمراہ لوگوں کی لوحِ دل کا مدت کا چڑھا ہوا زنگ مٹا دیتا تھا۔ ایک دلچسپ واقعہ ہمارے ہمعصر مؤرخ نے بیان کیا ہے جس کو ہم یہاں درج کرنا مناسب خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"ایک دن کا ذکر ہے مولوی صاحب ممدوح (مراد مولانا شہید سے ہے) جامع مسجد کی سیڑھیوں پر گذر دی بازار میں کھڑے ہوئے وعظ فرما رہے تھے۔ اس وقت ایک ہیجڑے کے نصیب جو چمکے وہ بھی مہندی لگائے ہوئے اور ہاتھوں میں چوڑیاں گڑے پاؤں میں چھڑے اور سہانا جوڑا پہنے ہوئے بغرض تفنن طبع مولوی صاحب کے روبرو آ کھڑا ہوا اور وعظ سننے لگا۔ جب اُس کے دل پر کچھ اثر ہوا تو حالتِ محویت میں آپ کے سامنے سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ آپ بھی اس کے رنگ ڈھنگ کو دیکھ کے اسکی طرف متوجہ ہوگئے۔ اس وقت آپ نے اس کی زنانی ہیئت کی بُرائی اور مواخذۂ الٰہی اور عذابِ آخرت کا اس زور شور سے بیان کیا کہ ہیجڑے نے وہیں بیٹھے بیٹھے چوڑیاں توڑ ڈالیں اور اپنا کل زیور اتار ڈالا اور ہاتھ پاؤں سے مہندی کا رنگ چھڑانے کے لئے سیڑھیوں کے پتھروں پر انہیں اسقدر

رگڑ اکر توے خونا خون ہو گئے۔ بعد اختتام وعظ کے تائب ہو کے آپکے خادموں میں داخل ہوگیا اور آپکی ہمرکابی میں خراسان وغیرہ کا سفر کیا۔ یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ وعظ کی بے نظیر تاثیر نے دہلی کے مخنث کو ایسا بہادر بنا دیا کہ اس نے میدان کارزار میں سکھوں کے مقابلہ میں خوب دادِ مردانگی دی؛

یہ باتیں زیادہ توجہ اور غور کی محتاج ہیں۔ جس شخص کے وعظ میں یہ تاثیر ہو اس سے ناظر یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن بالکل یکساں تھا۔ اور جو کچھ وہ کرتا تھا صرف خدا کے لئے، اسے نہ اپنی ناموری مطلوب تھی نہ حصولِ زر مدعا تھا نہ کسی کی ضد سے یہ کام کیا جاتا تھا نہ عداوت سے؛

ساتواں باب

سکھوں کا مذہب اور اسکا بانی۔ سکھوں اور مسلمانوں کا اخلاقی اور ملکی برتاؤ۔ مولنا شہید کا سفر پنجاب

تھوڑی دیر کیلئے ہم مولانا شہید کو دہلی میں وعظ فرماتے اور سکھوں کے قابل رحم مظالم کی وقتاً فوقتاً افواہیں سنتے اور ان پر غور کرتا ہوا چھوڑتے ہیں۔ اور پہلے سکھوں اور مسلمانوں کے ابتدائی وسطی اور موجودہ آخری اُنیسویں صدی کے برتاؤ کا کچھ تذکرہ کرتے ہیں۔ کیونکہ آئندہ ہمیں محمدیوں اور سکھوں کے باہمی مجادلہ اور مقاتلہ کی نسبت جسکا سب سے زیادہ پارٹ میدان کارزار میں ایکٹ کرنے کو مولانا شہید نے پسند فرمایا تھا۔ اور آپ نے اپنی عمر کا بڑا حصہ سکھوں سے دو دو ہاتھ کرنے میں صرف کر دیا تھا بہت کچھ لکھنا ہے ناظران خونی اور رفانی واقعات سے ہرگز دلچسپی نہیں لے سکتا جب تک اُسے سکھوں اور مسلمانوں کے اس باہمی تعلق اور برتاؤ کا حال پورا نہ معلوم ہو۔ جو دونو گروہ ایک دوسرے کا کرتے تھے۔ اسی نظر سے مَیں نے اپنے باب کا ایک بڑا جزو اسی پر قربان کر دیا ہے۔ یہ بیان گویا ایک دروازہ ہوگا جس سے ہم بآسانی محمدیوں اور سکھوں کے جدال وقتال کے میدان میں داخل ہو کے فوراً رائے قائم کر سکینگے کہ حق پر کون اور مظلوم کون، اور کس طرف سے محبت اور کس کی جانب سے عداوت کی بھرمار رہی۔ سکھ مذہب جس نے خدا پرستی اور فقیری سے سپاہیانہ وضع میں اس وقت اپنا جلوہ دکھایا ہے ابتدائے پیدائش میں ایک بیگناہ مت تھا۔ اس کا بانی گرو نانک ہوا ہے۔ جو قصبہ تلونڈی میں (جسے اب ننکانہ کہتے ہیں) دریائے راوی کے کناروں پر لاہور کے قریب ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوا تھا۔ آدی گرنتھ میں جو سکھوں کے ہاں کی ایک مقدس کتاب ہے۔ صاف طور پر یہ شہادت ملتی ہے کہ سکھوں کے مذہب میں مسلمانوں کے تصوف

کے اجزا بہت کشادگی سے پائے جاتے ہیں۔ گویا یہ کتاب اس روحانی میل جول اور نزدیک تر رشتہ کا اظہار کرتی ہے جو سکھ مذہب اور اسلام میں ہے۔

ساکھی میں گرو نانک کی نسبت مفصلہ ذیل بیان لکھا ہُوا ہے :۔

"نانک پیدائشی ہندو اور ڈیدی کھتری مذہب کا تھا۔ اس کا باپ ننکانہ کا جو لاہور کے پڑوس میں واقع ہے پٹواری تھا۔ نانک کو ہوش سنبھالتے ہی فقیروں کی صحبت کی جستجو ہوئی اور وہ تنگی ترشی اور عموماً خیرات پر اپنی زندگی ان میں بسر کرنے لگا۔ پندرہ برس کی عمر میں اس نے اس روپیہ کو خُرد بُرد کر لیا جو اس کے باپ نے اُسے تجارت کے لئے دیا تھا۔ اس نظر سے نانک کے والدین نے اسے اس کے کسی رشتہ دار کے ہاں سلطان پور بھجوا دیا تاکہ وہ اُسے روکے اور فقراء کے گروہ میں نہ ملنے دے اور فقیروں کی محبت اس کے دل سے نسیاً منسیا کر دے۔ نانک کا پہلا کام اپنے نئے گھر میں نواب کی ملازمت حاصل کرنے کا تھا۔ وہ دولت خان لودی کی ملازمت میں داخل ہُوا جو کچھ اُسے ماہانہ ملتا تھا سوائے قلیل مقدار کے سب فقیروں کو دیدیا کرتا اور اس قلیل مقدار سے بہ تنگی اپنی گذر کرتا۔ بعض وقت اس کے دل میں خوشی کا چشمہ ایسا از خود اُبلتا اور اس کو اتنی بلندی حاصل ہوتی۔ کہ نانک اپنی اس حالت کو خدا کی طرف سے سمجھ کے یہ خیال کرتا مَیں القائے ربانی کی بازگشت بن رہا ہُوں۔ سکھوں کی مذہبی روایات کے بموجب نانک ایک دن مُنہ ہاتھ دھونے دریا کے کنارہ پر گیا اور وہ اپنے فرائض عبادت کی انجام دہی کر رہا تھا کہ اسے ہاتھوں ہاتھ بہشت میں معہ جسم پہو نچا دیا گیا۔ پھر خدا کے حکم سے اُسے امرتا (آبحیات) کا جام پلایا گیا اور خدا نے فرمایا یہ جام ہمارے نام کا ہے تُو اسے پی لے۔ اس پر گرو نانک نے سجدۂ شکر ادا کیا اور جام امرتا پی لیا۔ خدا نے شفقت فرمائی۔ اور یہ ارشاد کیا "نانک! مَیں تیرے ساتھ ہُوں۔ مَیں نے تجھے خوشی بخشی ہے۔ جو تیرا نام لیگا اُسے بھی خوشی دینے کا میرا ذمہ ہے تُو جا میرے نام کی سمرن جپ اور دوسروں سے بھی میرے نام کی سمرن جپوا۔ جا اور دنیا سے محض بے علاقہ اپنی زندگی بسر کر۔ میرے نام پر خیرات دے۔ طہارت رکھ۔ میری اطاعت کر اور مجھے یاد رکھ۔ مَیں نے تجھے اپنا نام دیا ہے تو اس کام کو کر"

جُونہی نانک نے بہشت بریں سے دریا کے کنارہ پر قدم رکھا اس کی زبان سے یہ فقرہ سرزد ہُوا "نہ کوئی ہندو ہے نہ کوئی مسلمان ہے۔" پھر جنم ساکھی والا لکھتا ہے :۔

"لوگ دولت خاں لودی کے پاس دوڑے ہوئے گئے اور کہا بابا نانک یہ کہہ رہا ہے" نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے" دولت خان نے جواب دیا " اس کی توضیح کا کچھ خیال نہ کرو وہ فقیر آدمی ہے" ایک قاضی خان مذکور کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا "خانصاحب یہ بڑے تعجب کی بات ہے بابا نانک یہ کہتا ہے نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے۔ خان نے اپنے حاضر باش کو بھیجا کہ بابا نانک کو بُلا لاوے۔ حاضر باش جب بابا نانک کے پاس پہنچا اور خان کا بلاوا سنایا۔ وہ سنتے ہی یہ کہنے لگا" مجھے تیرے خان سے واسطہ ہی کیا ہے۔ حاضر باش نے کہا۔ یہ شخص دیوانہ ہوگیا ہے۔ یہ سن کے نانک نے کچھ جواب نہ دیا اور جب حاضر باش نے اُور کچھ کہا تو اس نے اپنے سابق کے جملہ کو دُہرایا کہ نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے۔ پھر قاضی نے خان سے کہا "اے خان کیا یہ صحیح ہے کہ وہ یہ کہے جائے نہ ہندو ہے نہ مسلمان ہے" خان نے اپنے حاضر باش سے کہا اسے حیلہ کر کے یہاں بُلا لاؤ۔ حاضر باش پھر نانک کے پاس گیا۔ اور کہا خان آپکو بلاتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں برائے خدا آپ اپنی زیارت سے مجھے فیضیاب کیجئے" یہ سُن کے گرو نانک نے کہا" میرا آقا مجھے بلاتا ہے اب میں چلتا ہوں اور اس کی خدمت کا شرف حاصل کرتا ہوں۔ یہ کہہ کے اپنی جریب گردن پر رکھی اور خان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خان نے صورت دیکھتے ہی کہا" خدا کے لئے نانک اپنی گردن سے اس جریب کے حلقہ کو نکال لے اور اپنی کمر میں لپیٹ لے۔ تو ایک نیک[1] فقیر ہے" یہ سنتے ہی گرو نانک نے اپنی گردن میں سے حلقہ کی ہوئی جریب نکال لی اور اپنی کمر پر اُسے حلقہ دے لیا۔ خان نے کہا" اے نانک یہ میری بدقسمتی ہے کہ میرا مودی فقیر ہوگیا۔ پھر خان نے گرو نانک کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا" قاضی اگر تو کوئی بات دریافت کرنا چاہتا ہے تو دریافت کرلے ورنہ پھر یہ ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالیگا" قاضی نے مجبانہ طور پر مسکرا کے کہا" نانک اس کہنے سے تیرا کیا مطلب ہے کہ نہ کوئی ہندو ہے نہ مسلمان ہے" نانک

[1] اس تحریر کو دیکھ کے ناظر مسلمانوں کی انسانیت، رحمدلی سنجیدگی اور اہل ہنود کے ساتھ خلیفانہ برتاؤ اور حق کی طرفداری کا پورا اندازہ کریگا۔ اسے معلوم ہوگا مؤرخوں نے جو کیطرفہ الزامات مسلمانوں پر قائم کئے ہیں وہ کس قدر لغو اور بے بنیاد ہیں۔ خان کا اپنے ملازم ہندو کی قاضی کے مقابلہ میں یوں تائید اور اس کی ہر ہر بات کو حق سمجھنا اہل ہنود کے لئے عموماً اور سکھوں کے لئے خصوصاً کتنی توجہ کا محتاج ہے خان نے ان کے گرد کی کیسی تعظیم کی اور اس کے ہر قول پر صداقت کی شہادت دی اور پھر سکھ مسلمانوں سے یوں تعصب کریں۔ شرم! شرم! شرم!!!

جواب دیا۔ جب کوئی مسلمان ہو جاتا ہے یہ بڑی مشکل ہے کہ اُسے اس وقت مسلمان کہہ سکیں سب سے پہلے وہ اپنا مذہب ایسا شیریں بناتا ہے تاکہ اس سے مسلمان کی دولت کا صفایا بولے اور جب وہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ اس کا مذہب اس طرح اسے موت اور زندگی کے بھنور میں پھنسا کے اختتام پر پہنچا دیتا ہے یہ سنتے ہی قاضی سخت متعجب ہوا۔ خان نے نانک کے اس جواب پر کہا "قاضی نانک کے قول میں بظاہر کوئی غلطی نہیں معلوم ہوتی"۔ اس اثنا میں ظہر کا وقت آگیا۔ سب مسجد میں نماز پڑھنے گئے نانک بھی ان کے ساتھ چلا گیا۔ نانک نے پھر اپنی فوق الفطرۃ قوت سے قاضی کے خیالات کے اندازہ کرنے میں استدلال کیا۔ پھر قاضی آیا اور پیروں کے بل گر پڑا۔ اور اس نے یہ کہا "تعجب تعجب یہ خدا کی مہربانی ہے" اب قاضی کو یقین آیا اور نانک نے اس پر یہ جملہ کہا۔ سچا مسلمان اپنے کو پاک اور بے لوث بناتا ہے۔ اس میں راستبازی صبر اور صداقتِ قولی ہوتی ہے۔ جو کچھ قائم ہے اس میں کسی کو مضرت نہیں پہنچاتا اور جو کچھ مُردہ ہے اس کو نہیں کھاتا۔ اے نانک ایسا ہی مسلمان سیدھا جنت میں جاتا ہے۔ جب نانک نے یہ فقرے ابیات میں پڑھے۔ سید۔ شیخ کے لڑکے قاضی مفتی خان سخت متحیر ہوئے۔ خان نے بعد ازاں کہا "قاضی! نانک نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے اب اس سے زائد سوال کرنے غلطی ہے جس طرف بابا نانک نے دیکھا جماعت کی جماعت نے اُسے جھک کے سلام کیا۔ اس کے بعد بابا نانک نے پھر چند ابیات پڑھیں یہ سُنتے ہی خان آیا اور بابا نانک کے قدموں پر گر پڑا۔ اس وقت جتنے ہندو مسلمان بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا بابا نانک میں خدا بول رہا ہے (از نسخہ انڈیا آفس ۲۸۸۵ اہم ورق تک)

یہ بیان تو انڈیا آفس ۲۸۸۵ کے نسخہ سے لیا گیا ہے لیکن جنم ساکھی والا جس کا رواج پنجاب میں بہت ہے اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے:

"جب خان نے نانک سے یہ کہا میرے بلانے پر بھی تو نہیں آیا اس وقت آخر الذکر نے جواب دیا "سن او نواب جب میں تیرا ملازم تھا تیرے پاس آیا۔ اب میں خدا کا نوکر ہوں"۔ نواب نے کہا "صاحب اگر آپ خدا کے ملازم ہو گئے ہیں تو آیئے اور میرے ساتھ نواج (نماز) پڑھیئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ نانک نے کہا چلئے صاحب۔ خان قاضی اور نانک کو لے کے جامع مسجد میں آیا اور بہت سے آدمی ساتھ تھے۔ جو لوگ مسجد میں تھے انہوں نے یہ کہنا شروع کیا۔ آج نانک مسلمان ہو گیا ہے۔ اس سے سلطانپور کے ہندوؤں میں کھلبلی مچ گئی۔

جے رام نہایت غمگینی سے واپس گھر آیا۔ نانکی نے جب اپنے خاوند کو افسردہ دل دیکھا تو دریافت کیا: "وجہ کیا ہے آج غمگین معلوم ہوتے ہو۔ جے رام نے کہا" سُن اے بندۂ خدا تیرے بھائی نانک نے کیا کیا۔ وہ نواب کے ساتھ جامع مسجد میں نماز پڑھنے چلا گیا ہے۔ شہر کے ہندو مسلمانوں میں یہ غل پڑ رہا ہے۔ نانک آج ترک (مسلمان) ہو گیا"

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نانک کے دل میں اسلام نے کیسا زبردست گھر کر رکھا تھا حقیقت میں وہ مسلمان تھا لیکن صوفی مسلمان تھا۔ ہندوؤں میں بھی مل جاتا تھا اور نماز بھی پڑھ لیتا تھا۔ اس نے کبھی دین اسلام کی توہین نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ وہ بڑے بڑے مسلمان کاملوں کی صحبت سے بہت کچھ فیض اٹھا تا رہا پھر پانی پت چلا گیا۔ یہاں وہ شیخ نظیر سے ملا جس نے نانک کی صورت دیکھتے ہی کہا "السلام علیکم" نانک نے جواب دیا" وعلیکم السلام" (از نسخہ انڈیا آفس) پانی پت سے نانک دہلی چلا آیا اور یہاں لوگوں نے ابراہیم لودھی کی خدمت میں حاضر کیا۔ ابراہیم نے بھی نانک کی فقیروں کی طرح توقیر کی۔ مردانا نے جو وہیں نانک کے قریب موجود تھا۔ یہ دریافت کیا" نانک کیا خدا ایک ہے؟" نانک نے دلیری اور مضبوطی سے جواب دیا" ہاں خدا ایک ہے ہندو مسلمان کے خدا میں کوئی فرق نہیں ہے۔" دہلی سے نانک بنارس چلا گیا اور یہاں اول ہی ملاقات پنڈت ستو داس سے ہوئی۔ اس نے رام رام کیا۔ نانک نے ویسا ہی جواب دیا۔ پھر وہ پنڈت بھی کچھ اعتراضوں کے بعد نانک کا چیلا ہو گیا۔ بعد ازاں نانک نے جوگیوں۔ کھتریوں۔ جادوگروں۔ جادوگرنیوں کو اپنا چیلا بنایا۔ اس کے بعد نانک کی شیخ فرید مشہور و معروف صوفی سے ملاقات ہوئی اور باہم دونوں کی ایسی دوستی بڑھی کہ گھڑی بھر بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے تھے۔ دونوں نے ساتھ مل کے سفر کیا اور بکثرت لوگوں کو اپنا مرید بنایا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نانک جب پٹن[1] پہنچا ہے تو شیخ ابراہیم مشہور صوفی سے ملا۔ اس متبرک شیخ کی صحبت سے بھی نانک نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ اسی اثناء میں نانک بہت سے قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہو کے بابر کے دربار میں حاضر ہوا۔ بابر نے فقیر سمجھ کے اُسے رہا کر دیا اور اس پر عنایات شاہی مبذول کیں۔ رہائی کے بعد نانک میاں مِٹھا سے ملا۔ اس نے قرآن کی بابت سوال کیا۔ نانک نے کہا" قرآن کلام ربانی اور سچا ہے۔" اس سُننے سے میاں مِٹھا بھی مرید بن گیا۔ نانک پھر ملتان میں مخدوم بہاؤالدین سے ملا جو ملتانیوں کا مشہور پیر تھا یہ بالکل صحیح ہے گرو نانک ناتعلیمیافتہ شخص تھا۔ مگر مسلمان صوفیوں کی صحبت سے نبی ؐ کو برحق اور خدا کو ایک سمجھنے کی عقل آگئی تھی۔ گرو ارجن جو نانک کا چوتھا جانشین تھا اسی سے لکھنے پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ گویا وہی لکھا پڑھا تھا۔

[1] پنجاب میں اسکو پاک پٹن کہتے ہیں ۱۲

گرداس جن سے سکھوں کی سپاہیانہ تاریخ اور شاہان اسلام کے ساتھ متواتر بغاوتیں شروع ہوتی ہیں۔ اپنے گرُو کے فقیرانہ لباس اور صلح کل مذہب کو اس نے سخت حقارت کی نظر سے دیکھا اور بہت جلد اپنے معتقدوں کی حالت بدل دی۔ انہیں سپاہیانہ کپڑے پہنائے اور فنون سپہ گری کے سیکھنے کی ترغیب دی۔ اس نے پھر فوج بھی جمع کر لی اور اب چھوٹی چھوٹی مسلمان بستیوں پر اندھیرے اُجالے میں چھاپے مارنے لگا۔ شہنشاہ دہلی نے بلوائیوں کے گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ اور وہ سب پکڑے ہوئے معہ گرُو کے دہلی لائے گئے۔ یہ صاف نہیں معلوم ہوتا آیا شہنشاہ دہلی گرُو کی مرگ کا باعث ہُوا تھا یا خودکشی کر کے گرُوجی خود بیکنٹ تشریف لیگئے۔ اس کے بعد ہرگوبند جانشین ہُوا اس نے فوج جمع کر کے بے گناہ بہت سے بے بس مسلمانوں کو صرف اس جرم میں کہ تم ہی میرے باپ کی گرفتاری کے باعث ہوئے قتل کر ڈالا۔ پھر شہنشاہ کے خوف سے اس نے جہانگیر کے دربار میں رسالہ میں نوکری کر لی مگر اس کی فساد انگیز طبیعت نے اُسے چین نہ لینے دیا اور آخر کار وہ قزاقی کا پیشہ کرنے لگا۔ اب سکھوں میں فقیروں کی ذرا بھی بُوباس نہ رہی انہوں نے مسلمانوں کو ستانا۔ حکام سے لڑنا مسلمانوں کے گاؤں میں آگ لگانا اپنا پیشہ کر لیا؛

ہررائے اس کے بعد اپنے داد کی جگہ پر متمکن ہُوا کیونکہ ہرگوبند نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹوں کو نالائق کر کے خارج الارث کر دیا تھا۔ ہررائے داراشکوہ کی طرف سے عالمگیر سے خوب لڑا۔ لیکن جب داراشکوہ کو شکست فاش ملی تو عالمگیر کی خدمت میں معافی مانگنے کے لئے حاضر ہُوا۔ عالمگیر نے نہایت مہربانی کی۔ اور اسکا قصور معاف کر دیا۔ یہ اورنگ زیب کی انتہا درجہ کی رحیمی خلیقانہ برتاؤ، انصاف پسندی اور غیر اقوام کے ساتھ پیش آنے کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

ہرکشن ہررائے کا چھوٹا بیٹا تھا۔ اس کی جانشینی کے زمانہ میں کوئی مشہور واقعہ کا وقوع نہیں ہُوا۔ اورنگزیب نے اسے دہلی بُلا کے شاہانہ نوازشات اسپر مبذول کیں۔ مگر یہ بدقسمت گرو چند روز کے بعد عارضہ چیچک میں مبتلا ہو کے فوت ہو گیا۔ یہاں گرو بننے کا خاتمہ ہی ہو گیا۔ کیونکہ بدنصیب نوجوان ایسا کمزور تھا۔ کہ گرو نامزد کرنے اور اپنا جانشین بنانے کی اس میں قوت ہی نہ تھی۔ محض اس نے مرتے وقت اس امر کا نشان دیا کہ آئندہ گرو بکالا میں ملیگا۔ جو انندپور کے نزدیک ایک ضلع ہے۔

تیغ بہادر جو بکالا میں رہتا تھا ہرگوبند کا بیٹا تھا۔ اور اپنے باپ کی ناراضگی اور اسکی ہررائے کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے علیحدہ اپنی زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ فطرتی طور پر دُوراندیش شخص تھا۔ اور جنگ آور

لہ ہیوجیز ڈکشنری آف اسلام صفحہ ۵۹۲ ۱۲

سکھوں پر کمانڈر بننے کی نازک حالت حاصل کرنے کی طرف خصوصیت سے متوجہ نہ تھا۔ اورنگزیب سکھوں کے سپاہیانہ جوش کی طرف تیز تیز نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس کا ارادہ تھا اگر یہ فساد اٹھائیں تو انہیں پوری تادیب دی جائے۔ تیغ بہادر شمالی ہند میں آنند کے تارے بجاتا پھرتا تھا۔ سردار اتر سنگھ نے اسکے سفر کا حال پنجابی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو سکھ طلباء کے لئے خصوصاً زیادہ دلچسپی کا باعث ہے۔ اس کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے:۔

"ہندو مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت گرو کو چرانے گئی لیکن آخری لمحہ مسلمانوں کو پشیمانی ہوئی۔ انہوں نے دیکھتے ہی کہا تیغ بہادر تو نبی ہے[۱]۔ سیوارام میں پہنچکر گرو کی ایک سید سے ملاقات ہوئی۔ جو سریہ کے درخت کے نیچے جہاں گرو نانک نے وفات پائی تھی بیٹھا ہوا تھا سید نے تیغ بہادر کی صورت دیکھتے ہی نہایت ادب سے اُسے سلام کیا اور کہا مجھے آپکی نورانی صورت دیکھ کے متحقق شادمانی حاصل ہوئی ہے[۲]"

شرف الدین نے جو پٹیالہ کے قریب رہتا تھا۔ تیغ بہادر کی اپنے قصبہ میں داخل ہونے پر بہت بڑی خاطر و مدارات کی۔ مسلمانوں نے اسے تحفے تحائف بھیجے۔ اور اس کے ملنے کے لئے غول کے غول آئے۔ اسکا سفر نامہ میں خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے کہ:۔

"تیغ بہادر کی آنکھیں ایک مسجد پر پڑیں۔ شرف الدین کی زبان سے بے اختیاری میں یہ سرزد ہوا۔ یہ خدا کا گھر ہے[۳]" یہ تحقیق امر ہے کہ پاک اور راسخ الاعتقاد مسلمانوں نے تیغ بہادر کی حد سے زیادہ خاطر اور عزت کی۔ اس کے مقابل میں گرو مسلمانوں کے خلاف سخت اور تند دشمنی رکھتا تھا اور اپنی معاندانہ کارروائیوں میں چُوکتا نہ تھا[۴]"

اس سفر نامہ کے صفحہ ۱۳۱۔ ۱۳۰۔ ۱۲۶۔ ۱۶۹۔ ۵۰ و ۵۷ و ۴۹ و ۵۴ میں اسی قسم کی دلچسپ روایتوں کا ایک انبار لگا ہوا ہے۔ لیکن میں زیادہ نقل کر کے اپنے ناظر کا فضول وقت نہ کھونگا۔ صرف اسی قدر لکھ دینا کافی ہے کہ تیغ بہادر نے جہانتک اس سے ہو سکا مسلمانوں سے قتل و غارت کرنے میں دلچسپی حاصل کی۔ اور وہ خوش اعتقاد مسلمان جو اس کی انتہا درجہ کی عزت کرتے تھے۔ ان ہی کو بلا سبب ستانا اور وقت بے وقت قتل کرنا شروع کیا۔ جب اس کی زیادہ شہرت ہوئی تو دربار دہلی کی خون آلودہ انتقامی نظریں سکھوں پر پڑنے لگیں۔ ہر چند پہلے دربار دہلی نے طرح دی اور اور بری طور پر سکھوں اور اُن کے گرو کو سمجھایا لیکن جب یہ باز نہ آئے اور انہوں نے اپنا قصائی پنے کا پیشہ نہ چھوڑا

[۱] سفر نامہ گرو تیغ بہادر صفحہ ۲۱ [۲] ایضاً صفحہ ۴۰ [۳] ایضاً صفحہ ۲ [۴] ہوجیز ڈکشنری آف اسلام صفحہ ۵۹۳

تو جنگی پولیس کو دربار دہلی نے تیغ بہادر کی گرفتاری کا حکم دیا پولیس نے نہایت پھرتی سے اُسے گرفتار کر کے دربار میں حاضر کیا دربار کی طرف سے مذہب اسلام کی دعوت کی گئی۔ تیغ بہادر نے ناتراشیدہ پنے سے اسکا جواب دیا۔ آخر وہ عمری قیدی کردیا گیا اور ایک سکھ ہی نے قیدخانہ میں تیغ بہادر کی گردن اُسی کے حکم سے اڑادی۔ گوبند سنگھ دسواں گرو تھا۔ جو اپنے باپ تیغ بہادر کی جگہ گدی پر بیٹھا۔ اُسکی عمر صرف ۱۵ برس کی تھی۔ ہندؤں کے گروہ میں اس کی پرورش ہوئی تھی۔ اور اس پر ہندو مذہب کا ایسا زبردست اثر پڑا تھا کہ درگا پوجا کرنی اپنا دین و ایمان خیال کرتا تھا۔ یہاں سے سکھوں کو گوبند سنگھ نے مسلمانوں سے بالکل علیحدہ کرلیا۔ سکھ سوسائٹی میں اُس نے بہت سے تغیر و تبدل کئے۔ ان میں خاص تبدیلی خالصہ کا قائم ہونا تھا جس کی وجہ سے ایک نئی سپاہیانہ روح سکھوں کے تنوں میں پھونک دیگئی۔ اور انہیں بالکل بصورتِ فوج بنا دیا گیا۔ اور ہر نام کے ساتھ سنگھ کا لفظ جس کے معنے شیر کے ہیں داخل کیا۔ اس نے ہر مذہب کا آدمی اپنے لشکر میں بھرتی کرنا شروع کیا اور بہ نسبت مذہبی نگہداشت کے جنگی تہذیب اور شائستگی کی طرف زیادہ رجوع ہوا۔ جو لوگ گرونانک کو اپنا سچا گرو یا پیشوا مانتے تھے اور جو اس کے سچے اصول پر چلنا اپنا سبب فخر یا نجات سمجھتے تھے انہوں نے سخت حقارت کی نظر سے گوبند سنگھ سے علیحدگی اختیار کی اور اپنے نام کے ساتھ سنگھ کا لفظ ملانا نہایت خلاف اور ناز یبا دیکھا۔ گوبند سنگھ نے عزم بالجزم سے بغاوت کا جھنڈا مسلمانوں کے خلاف بلند کیا اور بڑی خونریزی سے مسلمانوں سے جنگ کرنے لگا۔ قدرتی طور پر بیگناہ مسلمانوں کی طرف سے ایسا برافروختہ تھا کہ اس نے اُس سکھ کے لئے جرمانہ پچیس روپے کا مقرر کیا جو مسلمان اولیا کی قبر کو سلام کرے۔ اس تاریخ سے سکھوں کی انتہا درجہ کی معاندانہ خیال مسلمانوں کی طرف سے شروع ہوتا ہے۔ انکی تلخ تر دشمنی کی حد ہوچکی تھی۔ اور وہ خدا واسطہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے بن گئے تھے۔ گرو کے آخر زمانہ میں اس جرمانہ کی تعداد پانچہزار ہوگئی۔ لیکن اسکا تہل بیڑا ۱۲۵ روپے پر جا کے ٹھیرا[۱]۔ گرونانک کے زمانہ کی مذہبی آزادی کی روح کا تو کبھی کا خاتمہ ہوچکا تھا۔ ایک اصول بھی ایسا نہ رہا تھا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ سکھ نانک کے خیالات یا اعمال کی تقلید کرتے ہیں۔ مگر ہاں آخری دنوں میں گرو کی طرف سے یہ اصول مذہبی قرار دیدیا گیا تھا "اصلی سکھ وُہ ہے جو مسلمانوں سے ہمیشہ جنگ کرنے اور ان سے مُنہ مُنہ لڑنے اور انہیں قتل کرنے میں اپنی زندگی بسر کرے۔ مفسدا اور متمرد راج کے بعد گرو گووند سنگھ کا ایک پٹھان نے پیٹ میں چھری گھنگول کے فیصلہ کردیا۔ اس نے مرتے وقت اپنا جانشین نامزد کرنے سے انکار کیا اور اپنے پیروان سے کہا کہ آئندہ تمہارا کوئی گرو نہ ہوگا۔ صرف گرنتھ صاحب یعنی کتاب کا لارڈ تمہاری

[۱] سفرنامہ تیغ بہادر صفحہ ۹۱۳

حالت اور صورت میں رہنمائی کریگا۔ مذہب سکھ[1] اس کے بانی اور سکھوں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی یہ مختصر کیفیت ہے۔ جسکا خلاصہ زیادہ تر سکھوں کی مستند مذہبی کتابوں سے کیا گیا ہے ہم اس پر کچھ رائے زنی نہیں کرنا چاہتے۔ صرف اسی قدر لکھنا کافی ہوگا۔ ناظر جب غور سے پڑھیگا خود اندازہ کرلیگا کہ ابتدا سے مسلمانوں نے سکھوں کے گروؤں کے ساتھ کیا کیا نیک سلوک کیئے اور سکھوں نے اس کے مقابل میں مسلمانوں کے ساتھ کیسی نازیبا کارروائیاں کیں یہ انصاف ہر مذہب کے ناظر پر چھوڑا جاتا ہے اب ہم پھر اپنے اصلی مطلب کیطرف رجوع ہوتے ہیں اور مولانا شہید کے سفر پنجاب کے متعلق کچھ تازہ حالات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

جس زمانہ میں مولانا شہید دہلی میں بدعت و شرک کی اصلاح کر رہے تھے اور آپ نے ایک تازہ روح مسلمانوں کے مُردہ تنوں میں پھُونکنے کا بیڑا اٹھالیا تھا۔ پنجاب میں رنجیت سنگھ حکومت کرتا تھا اس کی سلطنت میں مسلمانوں کی جو کچھ ناگفتہ بہ کیفیت تھی وہ قابل ماتم ہے جس کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ بعض پنجابی چونکہ مولانا شہید کے بہت معتقد ہو گئے تھے اس لئے آپکو سکھوں کے قابلِ رحم اور مذہب اسلام میں دست اندازی کی خبریں پے در پے آرہی تھیں۔ جب آپ سنتے سنتے دق ہو گئے تو آپ نے مصمم ارادہ کیا کہ پہلے بذات خود اِس امر کی تحقیق کرنی چاہیئے اور پھر اسکا تدارک کرنا زیبا ہے۔

مولانا شہید نے اپنے خاص معتمد شاگردوں سے اپنے سفر کا ذکر کیا انہوں نے ہمراہ چلنے کی اجازت طلب کی لیکن آپ نے منظور نہ کیا اور فرمایا میں تنہا ہی جاؤنگا۔ میں ایک نفس کو بھی ساتھ لیجانا نہیں چاہتا۔ صرف تمہیں اطلاع دینے سے یہ غرض ہے کہ تم کسی سے اسکا ذکر نہ کرنا۔ اور اگر تم سے کوئی دریافت کرے تو یہ کہدینا "آپ کسی کام کیلئے باہر گئے ہیں" اسمیں تمہیں جھوٹ بھی بولنا نہ پڑیگا اور سائل کی تسکین بھی ہو جائیگی۔

ہمیں صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ سپاہیانہ بھیس بدلکر عازم پنجاب ہوئے پہلے آپ انبالہ پہنچے۔ یہاں اپنی مطلب برآری زیادہ نہ دیکھی پھر آپ سیدھے امرتسر[2] روانہ ہوئے۔ یہاں کے مسلمانوں کی نکلاکت زدہ حالت کا قہرناک نظارہ قابل دید تھا۔ علاوہ ان تشدد اور سختیوں کے جو اسلام اور مسلمانوں سے برتی جاتی تھیں مسلمانوں کا کامل بُت پرست بنتا تھا یہانتک کہ پیروں اور شہیدوں کی نماز ہونے لگی تھی۔ پیر غیب کے نام پر بہت زور شور سے روزے رکھے جاتے تھے۔ کہیں شیخ فرید کو مشکلکشا یا (معاذ اللہ) کیا کیا تسلیم کیا جاتا تھا۔ کہیں سید احمد کبیر کو اپنا نجات دہندہ مانا جاتا تھا۔ ایک عجیب طوفان بے تمیزی برپا تھا۔ کوئی گھر ایسا مشکل سے ہوگا جس میں کسی پیر شہید کی کوئی قبر نہ ہو اور اسپر کھلم کھلا سجدے نہ ہوتے ہوں قرآن نہ کوئی پڑھتا تھا اور نہ اس کے معنے سمجھنے کا کسی کو خیال تھا۔ نہ مُلّا نہ واعظ نہ قاضی نہ مفتی۔ غرض سوائے

---

[1] سکھاں دی راج دیدی ہتی آصفحہ ۹۔ [2] امرتسر! تو کیسا خوش قسمت شہر ہے کہ شہید کے قدم تو نے چُومے۔ رحمہ اللہ (ناشر)

گنڈے تعویذ والوں کے دُور دُور کوئی نظر نہ آتا تھا۔ خدا اور نبیؐ کو سچ پچ سب نے بھلا دیا تھا اور انکے مقابل میں فرضی پیروں کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ بچہ بچہ اپنے کو صوفی کہنا اپنا فخر جانتا تھا اور جتنے گروہ صوفیوں کے دنیا میں آباد ہونگے شاید سب ہی وہاں موجود ہوں تو عجب نہیں۔ یہ تو مسلمانوں کے عقائد کی کیفیت تھی لیکن ان کے ساتھ سکھوں کا برتاؤ اور بھی زہرہ شق کرنیوالا تھا۔ فیصدی دس مسجدیں سکھوں

ك یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ صوفیوں کے متعلق اصولِ قرآن اور احادیث کے روشن اصول سے کہانتک مطابق ہیں اگر باہم متضاد ہیں تو کن مسائل میں اختلاف ہے۔ مَیں اس پر بحث کرنے کی تکلیف برداشت نہ کرونگا۔ صرف بزرگ تر صوفیوں کے اصول اور انکے مختلف گروہوں کا تذکرہ کر کے ناظر کے انصاف پر اسکا فیصلہ چھوڑتا ہوں۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی زندگی میں اس مذہب کی بنیاد پڑ چکی تھی اور اس مذہب کے بانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہوئے ہیں مگر کوئی اسلامی تواریخ مثلاً ابن اسحٰق۔ ابن ہشام۔ مدائنی۔ واقدی۔ طبری وغیرہ جو ابتدائے زمانہ کی تاریخیں ہیں اس امر کی شہادت نہیں دیتیں کہ ہم کس بات سے حضرت علیؓ کو صوفی گردانیں لیکن محققوں کی تحقیقات کے بموجب اس قدر معلوم ہوا ہے کہ تصوف ہندوؤں کے ویدانت اور کسی قدر مسیحی اصول سے لیا گیا ہے یونانی حکماء کی قدیمی کتابوں میں بھی اس مذہب کا پتہ لگتا ہے۔ سر ولیم جانسن نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ افلاطون نے دانایانِ مشرقیہ سے علمِ تصوف سیکھا ہے۔ بایہمہ اس مذہب میں اسلام کی زبردست شان معلوم ہوتی ہے۔ صوفیوں کی بے شمار قسمیں ہیں لیکن بلالحاظ ادنےٰ فرقوں کے صوفیوں کی دو بڑی بڑی قسمیں ہیں۔ ایک گروہ الھامیہ کہلاتا ہے اور دوسرا اتحادیہ :

ان صوفیوں کے مجمل اصول یہ ہیں

(۱) خدا زندہ توانا ہے وہ ہر چیز میں ہے اور اسمیں سب چیزیں ہیں (۲) تمام ظاہری اور چھپی ہوئی مخلوق اسی کی ذات سے نکلی ہے اور ان میں اپنے خالق سے کوئی اصلی فرق نہیں ہے (۳) مذاہب اختلافات کے اسباب ہیں مگر وہ نفس الامر کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ بعض اس مطلب کے لئے بہت ہی زیادہ مفید ہیں۔ مثلاً اسلام جسکا سچا فلسفہ تصوف ہے (۴) نیک اور بد میں کوئی بھی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونو چیزیں خدا ہی کی ذات سے نکلی ہیں۔ اور خدا انسانی افعال کا سچا اصلی خالق ہے (۵) یہ خدا ہے جو انسان کی مرضی قائم اور مستحکم کرتا ہے۔ اس لئے انسان اپنے افعال میں آزاد نہیں ہے (۶) روح جسم سے پہلے بھی زندہ تھی اور آخر اللہ کرکے پنجرہ میں بعد ازاں بند کر دیجاتی ہے۔ اس لئے موت صوفی کی خواہشات کا خاص مدعا ہوتی ہے۔ یہ اسی لئے ہے کہ وہ الوہیت کے سینہ میں چلا جاتا ہے (۷) اگر کوئی روح ایک جسم میں اپنی پاکی اور تقدس کے مدارج اعلیٰ طے نہیں کر لیتی تو اُسے پھر تناسخ کے رستے دنیا میں آنا پڑتا ہے اور پھر اپنی حالت درست کر کے وہ خدا کی ذات کے ساتھ مل جاتی ہے ؛ (۸) خدا کی بغیر

کے قبضہ میں تھیں اور ان مسجدوں میں گھوڑے بندھتے تھے یا سکھوں کے دفتر تھے قطعاً حکم دے دیا گیا تھا کہ کوئی شخص اذان بلند آواز سے نہ کہے بلکہ اس خاموشی سے اذان کہے کہ اس کا دوسرا بازو بمشکل سن سکے۔ بقرعید کو قربانی کرنے کے قوانین بھی بہت سخت تھے بعض اضلاع میں جاہل سکھ مسلمانوں کو بکرا ذبح کرتے وقت مجبور کرتے تھے کہ بجائے اللہ اکبر کے واہگرو کہو اور انہیں اپنی جانوں کے خوف سے کرنا پڑتا تھا۔

توفیق کے جس کو صوفی فضل اللہ کہتے ہیں کوئی روح اس کی ذات میں نہیں مل سکتی لیکن پھر بھی روح خدا کی ذات میں محرمانہ طور پر اس سے اجازت لے کے مل سکتی تھی۔

(۹) صوفی کا اپنی دنیاوی زندگی میں وحدانیت میں استغراق رکھنا فرض ہے۔ خدا کا ذکر کرتا رہے اور طریقت میں برابر ترقی کناں رہے۔ یہاں تک کہ اُسے سب سے برتر ذات سے وصل نصیب ہو جائے۔

سفر صوفی

"انسانی زندگی سفر کی مشابہ ہے جو مسافر خدا کی تلاش میں سفر کرتا ہے اسے سالک کہتے ہیں سالک کا بہت بڑا کام یہ ہے کہ علم خدا یعنے معرفت حاصل کرنے میں جو تمام اشیاء کے تنوں میں چھپی ہوئی ہے اپنی جان لڑا دے۔ کیونکہ انسان کی روح اپنے خالق سے راندہ ہے اور انسانی زندگی روح کی اپنے خالق سے جلاوطن ہونے کے باعث سے ہے چاہیئے کہ روح کو ہم منزل بمنزل ارتفاع پر چڑھاتے چلے جائیں یہاں تک کہ اس کا وصل خدا کی ذات کے ساتھ ہو جائے ہر انسانی مخلوق کی فطرت ناسوت ہے جس حالت میں مرید کو ضرور قانون شریعت دیکھنا چاہیئے لیکن جب کہ یہ انسانی زندگی کا ادنےٰ درجہ ہے اس کی تکمیل جستجو کرنے والے کی کوشش پر منحصر ہے۔

صوفی مصنفوں نے مختلف منازل کا مختلف طور پر ذکر کیا ہے لیکن ہندی اور ایرانی صوفیوں میں (متکلم کی تحریر کے مطابق) مفصلہ ذیل مدامی یا معمولی سفر یہ ہے (پہلی منزل) جو ہم نے ابھی بیان کی ناسوت ہے۔ جس میں مرید کو ضرور قانون شریعت کے مطابق رہنا چاہیئے۔ اور مذہب اسلام کے تمام اصول۔ ارکان۔ طرق ادا کرنے واجب ہیں۔ دوسری منزل ملکوت کہلاتی ہے کیونکہ یہ طریقت کا ایک راستہ ہے۔ تیسری منزل قوت جبروت پر قبضہ پانا ہے اُسی کے ساتھ معرفت کا پورا علم ہے۔ چوتھی منزل فنافی اللہ کی ہے جس کی وجہ سے حقیقت کا کھوج لگ جاتا ہے اور وہ حاصل ہو جاتی ہے۔ مفصلہ ذیل بیان زیادہ سالک کے وسیع سفر کی بابت ایک صوفی مصنف عزیز بن محمد نفیسی نے اپنی کتاب مقصد الاقصیٰ میں تحریر کیا ہے (اس کتاب کا ترجمہ ۱۸۶۷ء میں پروفیسر پامر کیمبرج یونیورسٹی نے انگریزی میں کیا تھا)۔

ریاست میں بڑے چھوٹے عہدے ملنا تو درکنار یہ غضب تھا کہ کوئی مسلمان مسجد کے کواڑ کھول کے نماز نہ پڑھ سکتا۔ اور اگر کسی ناواقف نے ایسا کیا تو اسے راستے چلتا سکھ پیچھے سے دھکا دے کے الٹ دیا کرتا تھا۔ معمولی جھگڑوں میں گھس آنا اور متبرک کتابوں کو جلا دینا یہ ایک معمولی بات تھی۔ بعض خاندان اپنا وطن چھوڑ کے انگریزی سلطنت میں چلے گئے تھے۔ اتنی بات بیشک قابل تعریف تھی کہ رنجیت سنگھ جہاں تک مولانا شہید نے تحقیق کیا بذات خود اتنا جابر اور ظالم نہ تھا ساتھ ہی اس کے مسلمانوں کی طرف سے ہم اسے محتاط بھی نہیں کہہ سکتے یہ نظارہ تعجب سے دیکھا جائیگا۔ اس کے

جب انسان کے قبضہ میں اخروی مقاصد کشادہ دلائل کے ساتھ جو اس کی تمام شبہات سے نجات دلوائیں آجائیں اور اس کے دماغ میں کسی قسم کی خدا کے وجود کی نسبت بے اعتباری اور تذبذب نہ رہے اسوقت وہ شخص طالب کہلاتا ہے یا بہ تبدیل الفاظ طالب کی مذکورہ بالا صفت ہے اگر وہ زیادہ تر اپنا میلان ان کے سلسلہ کے مطابق تفحص میں علانیہ ظاہر کرے اس کو مرید کہتے ہیں (جس کے معنے میلان کرنے والے یا رجوع ہونے والے کے ہیں) جو کوئی مذہب صوفیہ کرام کی روحانی تعلیمات پر اپنے کو وقف کرتا ہے وہ گویا سفر پر روانہ ہوتا ہے اور سالک ہو جاتا ہے اس کی تمام زندگی میں جو اس کا کام ہوتا ہے۔ وہ ریاضت نفس اور تسلیم و رضا ہے یہاں تک کہ اسے ذات باری کے پورے علم سے کامل واقفیت ہو جائے (۱) یہاں اسے خدا کی خدمت کرنے کی (نصیحت) دی جاتی ہے اور وہ دعا یہ ہے کہ اپنا پہلا قدم خدا کے بسیط علم کے حاصل کرنیکی طرف بڑھائے۔ یہ گویا اس کے سفر کی پہلی منزل ہے اور اس کا نام عبودیت ہے۔ (۲) حالت عبادت میں ربانی اثر اور مقناطیسی کشش خدا کی محبت میں اسے مستغرق کر دیتی ہے اسوقت یہ کہا جاسکتا کہ وہ منزل عشق تک پہنچا (۳) یہ ربانی عشق تمام دنیاوی خواہشات کو جو اب تک اس کے دل پر محیط ہو رہی تھیں بالکل مٹا دیتا ہے اور اس کی دوسری منزل کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس منزل کا نام منزل زہد ہے۔ (۴) اس منزل سے جب وہ قدم آگے بڑھائے گا نطرۃ کے بعید الفہم یا مغلق اصول کی تفتیش اور تفحص میں مراقبہ کریگا اور ہمہ تن فکر ہو کے تفحص کا پتلا بن جائیگا اور خدا کے کاموں کی کنہ تک پہنچنے کے لئے اپنی پوری قوت سے کام لیگا پھر اسے درجہ معرفت حاصل ہوگا بشرطیکہ وہ اپنی جستجو میں کامیابی حاصل کرے (۵) فطرت کے متعلق اصول کا یوں مصروفیت سے مراقبہ کرنا صوفی کی ضمیر کو پوری کشش کرنے کا باعث ہوتا ہے اور پھر اس کے ضمیری جوش کے بھڑکانے کے لئے کافی ثابت ہوتا ہے۔ یہ بیخودانہ حالت گویا اس امر کی علامت ہے کہ اس کا دل ربانی جلووں سے منور ہوگا اور پھر اس منزل پر پہنچیگا جسے منزل وجد کہتے ہیں۔ (۶) اس منزل کے درمیان اُسے خود بخود خدا کی ذات کے علم کا القا ہوگا اور یہاں سے وہ اس منزل پر پہنچیگا جسے منزل حقیقت کہتے ہیں (۷) اس منزل سے وہ دوسری منزل تک از خود کھنچا ہوا پہنچ جائیگا اور یہ منزل منزل وصل کہلاتی ہے۔ (۸) اس سے زیادہ وہ آگے ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتا ہاں اپنی ہستی کو لاشی محض سمجھنے کا یقین دن بدن اس کے دماغ و دل میں بڑھتا جائیگا یہاں تک اسی میں اُسے موت آجائے گی اور یہ منزل فنا فی اللہ کی کہلاتی ہے اس کے بعد عزیز بن محمد نفسی نے ذکر کرنے کے بہت سے طریق بیان کئے ہیں جو منازل صوفیوں کے لکھے گئے اس سے ناظر خود اندازہ کریگا مذکورہ بالا صفات

خاص محل میں کئی مسلمان عورتیں تھیں جن میں کوئی رنگریزن اور کوئی لکھنؤ والی تھی پھر بھی اس کی پولیسی کچھ ایسی مبہم تھی جس سے یہ نہیں کھلتا تھا کہ اس نے مسلمانوں کے لئے کن کن حقوق کو برقرار رکھا ہے اور وہ سکھوں کے غیر ضابطہ جوش کا مسلمانوں کے مقابلہ میں کس درجہ اندازہ کر سکتا ہے مولانا شہید چونکہ ایک معمولی سپاہی کی صورت میں تھے اس لئے انہیں ہر مقام پر جانے اور وہاں کے حالات دریافت کرنے کا بہت اچھا موقع ملتا تھا وہ ہر حاکم اور ہر دفتر کی کاروائی کو جو مسلمانوں کے خلاف روزمرّہ ظہور پذیر ہوتی رہتی تھی اچھے طور سے اندازہ کر سکتے تھے وہ ادنٰے ادنٰے مسلمان سے ملے اور ساری کیفیت ان سے دریافت کی انہوں نے بیان کیا جب سے افغانیوں کا خوف سکھوں کے دلوں سے گیا ہے

سے کونسا صوفی آراستہ ہے اور کن اصول کی تقلید کی جاتی ہے۔

ان صوفیوں کے اصول کے موافق کامل شخص کون ہے؟

کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر ای ایچ پامر نے بڑے بڑے صوفیوں کی کتابوں سے یہ بیان منتخب کیا ہے جو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:۔

"کامل شخص وہ ہے جو قانون اصول اور حقیقت سے (شریعت کی) پورا واقف ہو یا دوسرے الفاظ میں جسے کامل طور پر چار چیزیں حاصل ہیں یا خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہیں مثلاً حسن مقال (۲) حسن اعمال (۳) نیک اصول (۴) علوم مختلفہ سالک کا یہ فرض ہے وہ ان چار چیزوں پر کامل طور سے عبور حاصل کرے جب وہ اسمیں اکمل ہو جائیگا اس وقت گویا وہ کامل صوفی ہوگا۔ ایسے کامل صوفیوں کو کئی کئی ناموں سے پکارا گیا ہے، مثلاً بزرگ۔ رہنما۔ پیشرو تلقین کرنے والا معلم دانا۔ نیک نشان اور آئینہ دنیا۔ قوی تریاق۔ زبردست اکسیر مسیح وقت۔ خضر وقت (جس نے آبحیات کے چشمہ کا کھوج لگایا تھا) سلیمان (جو پرندوں کی بولی سمجھ سکتا تھا)

کل کائنات کو ایک ایسے جسم سے تشبیہ دی گئی جس کی روح کامل آدمی ہے اور پھر کائنات کو ایک درخت تسلیم کیا گیا ہے جس کا میوہ انسان ہے اور کامل شخص اس کا جوہر اور مغز ہے کامل سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ کیونکہ ذات خدا کا علم حاصل کرنے کے بعد وہ فطرت کی ماہیت اور سادی اشیا کے جواہروں کو پہچان جاتا ہے اور پھر یہاں اسے کوئی کام سوا اس کے نہیں ہوتا کہ خدا کی مخلوق پر رحم کرے اور ان کی بہبودی کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر دے۔ اس سے زیادہ اور کوئی رحم نہیں ہے کہ وہ دوسروں کے کامل بنانے اور انہیں ربانی علوم سے واقفیت دینے میں اپنا دھن من تن قربان کردے پند ونصیحت سے بھی اور اپنے اعمال سے بھی کیونکہ نصیحت کرنے والے کے اقوال سے زیادہ لوگوں پر افعال کا اثر پڑتا ہے خود خداوند تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے "مخلوق پر رحم کرو"۔ ساتھ ہی اس کے یہ ضرور ہے دنیاوی آرزوؤں اور خواہشوں سے اپنا دل بالکل پاک رکھے اور اپنی زندگی اپنی ہستی کو لاشی محض سمجھے اور اس کا کامل یقین رکھنے میں صرف کرے وہ پھر اصول اور علم میں کامل ہوگا ورنہ ضمیری قابلیتیں اور دلی یقین اس کا ادھورا رہ جائیگا۔ اور بے شبہ وہ شخص کامل ہے جس میں ایسی زبردست قوت ہو جو شہنشاہوں اور حکمرانوں میں ہوتی ہے لیکن وہ اپنی عاجزانہ اور منکسرانہ ہستی کا خیال کر کے ہمیشہ مسکین بنا رہیگا اور یہی عاجزی ایسی

ہماری کتے کے برابر بھی عزت نہیں کی جاتی۔ہمارے مذہبی ارکان میں کھلم کھلا دست اندازی کی جاتی ہے اور ہماری مقابر اور پرستشگاہوں میں سکھ ناجائز افعال کرتے ہیں اور شب وروز اپنے جانور باندھے رکھتے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ ٹوٹی ہوئی مسجد کی مرمت کر سکے یا نئی مسجد بنا سکے مگر شاذونادر ایسا ہوتا ہے اگر کوئی رنجیت سنگھ تک پہنچ گیا اور اس کی بڑی خاطر منظور ہوئی اسے تعمیر مسجد کی اجازت مل جاتی ہے۔سر دربارا اسلام اور پیغمبر اسلام کو توہین آمیز الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے وہ عام طور پر مسلمان کو موسلا کہتے ہیں۔اور یہ گویا بڑی شائستگی سمجھنی چاہیئے اور نہیں ہر سکھ کا تکیہ کلام مسلمانوں کے لئے خاص کر یہ نامہذب اور انتہا درجہ کا غلیظ فقرہ ہے جو روزمرہ ہر سکھ بچہ کی زبان پر جاری ہے جو مسلمان کی صورت دیکھتے ہی ضرور کہہ دیا کرتے ہیں سُور دا بچّہ (یعنے سور کا بچہ) آپ سرا میں ٹھہرے ہوئے تھے اور یہاں دو چار پردیسی مسلمان بھی موجود تھے۔شب کو جب سو گئے تو ایک بوڑھے نے اپنے ساتھی نوجوانوں سے

زبردست قوت ہونے پر منحصر ہوتی ہے یا دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں ایک پرزور شان اور قوت حاصل ہونے کے بعد عاجزرہ ہے۔برخلاف سلاطین اور شاہوں کے کہ وہ بہت سی چیزیں حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن پھر ان میں خواہش باقی رہتی ہے یا وہ ایسی چیزوں سے بچنا چاہتے جن میں آخر کار وہ مبتلا ہوتے ہیں اور اس آلائش دنیا سے ان کی نجات نہیں ہو سکتی۔انسانی سرشت میں کامل وناقص دونوں جوہر ہیں اس میں شاہ ہونے کا بھی مادہ ہے۔اور رعیت بننے کا بھی اسکی ذات میں دانائی بھی ہے اور نادانی بھی لیکن یہ تمام جوہر مایوسی کے ہم کنارا اور نقص کے پہلو بہ پہلو پیدا ہوئے ہیں۔تمام مخلوق اپنی ضمیری خواہشات کے خلاف اپنی زندگی بسر کرتی ہے۔مگر کامل جانتا ہے کہ سوائے ترک دنیا کے اور کوئی چیز انسان کے لئے افضل تر نہیں ہے جب تک وہ دنیاوی تعلقات کا مذاق اپنے دل سے دور نہ کریگا کبھی آزاد یا کامل نہیں بن سکتا۔کمال حاصل کرنے کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ دولت ومرتبہ کو لات مارے۔پھر بزرگی اور معلمی پر تین حرف بھیجے اور بعد ازاں ہر شے ادنیٰ کی توقیر اور احترام کرے اپنے کو سب سے حقیر جانے۔ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ کامل شخص میں چار باتیں ہونی چاہئیں جسمیں یہ اور بھی بڑھائی جائیں گی (۱) ترک دنیا (۲) عزلت گزینی۔توکل بے شغلی (دنیاوی کاموں سے) جس شخص میں پہلی چار صفتیں ہیں۔وہ نیک ہے لیکن آزاد نہیں ہے۔اب کامل آزاد کے لئے بھی دو درجے ہیں ایک تو وہ ہے جو دولت اور مرتبہ سے ترک تعلق کر دیتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو ترک دنیا۔عزلت گزینی توکل کے بعد تنہائی کی دلچسپی رکھتے ہیں اور کسی کی صورت دیکھنی انہیں ناگوار گذرتی ہے دوسرے وہ ہیں کہ جو ان تین چیزوں کے بعد رضاجوئی ابلاغ مراقبہ اور تیاگ کرنا پسند کرتے ہیں۔لیکن ان دونو کا مفہوم یکساں ہی ہوتا ہے بعض صوفی مصنف کہتے ہیں کہ آزادی اور بے شغلی اول اللہ کر کے ساتھ شامل ہے اور بعض کا یہ قول ہے کہ آخر الذکر کے ساتھ شمولیت رکھتی ہے صوفیوں نے ان تمام باتوں کے علاوہ مرید کے لئے وہ قواعد بھی منضبط کئے ہیں جن کا اسے اپنے مرشد کی حضوری میں پابند ہونا لازم ہے اور وہ مفصلہ ذیل ہیں۔

سنو۔متوجہ ہو کم بولو۔ہرگز اس سوال کا جواب نہ دو جو تم سے دریافت نہیں کیا گیا۔اور جب سوال کیا جائیگا تو بلا توقف مجملاً جواب دینا

جو غالباً اس کے بیٹے ہوں گے کہا اگر جان بچانی ہو تو نور کے تڑکے سے پہلے یہاں سے چل دو ورنہ جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے ۔ نوجوان نے ٹھنڈا سانس بھر کے بوڑھے کو جواب دیا ۔ بیویاں ہماری چھن گئیں اسباب ہمارا لے لیا اب کیا خاک ہم زندہ یہاں سے جائیں اپنے کنبہ میں کیا منہ دکھائیں گے بوڑھا بڑا ہوشیار تھا کہنے لگا جو کچھ ہوا ظلم ہوا اپنی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالو اور یہاں سے اگر میرا کہنا سنتے ہو تو بہت جلد جلد دو تمہیں شیر سنگھ سردار کا قول یاد نہیں۔ اگر کل شہر میں دیکھا تو لاش کو گدھوں سے روندوا دوں گا ۔ یہ باتیں خاموشی سے مولانا شہید نے سنیں اور دریافت کیا لیکن وہ کچھ ایسے خوفزدہ تھے کہ انہوں نے کچھ بھی نہ کہا ۔ بلکہ یہ کہنے لگے نہیں صاحب کچھ نہیں ہم اگلے بادشاہوں کا ذکر کر رہے تھے ۔ مولانا شہید کے دل میں اور بھی زیادہ کرید اس مخفی امر کے دریافت کرنے کی پیدا ہوئی ۔ آپ نے تنہائی میں مظلوموں کو دیکھ کے یہ فرمایا یہ صحیح ہے یہاں تم پر قابل رحم مظالم توڑے گئے جو کچھ تم پر گذری ہے بیان

چاہیئے حبیب کے یہ نہ کہہ دینا چاہیے ہم کچھ نہیں جانتے کسی بات پر عجت اور جھک جھک جھکی کے ساتھ نہ کرنا چاہئے ۔ اپنے بڑوں کے آگے شیخی بازی کرنی ہرگز جائز نہیں ہے کبھی اعلےٰ مقام پر مجلس میں نہ بیٹھو اگر اعلیٰ مقام کی درخواست بھی کی جائے ۔ ظاہر داری جو کی اور ادب میں اپنے بزرگوں کے آگے تجاوز نہ کر جاؤ ورنہ اس کے مقابل میں انہیں بھی بے فائدہ تکلیف اٹھانی پڑے گی ۔

تمام حالتوں میں آداب مجلس جو مناسب اوقات مقام اور موجودہ اشخاص کے ہوں نگہ رکھو ۔ ایسی بات کی عادت نہ کرو جو غیر ضروری ہو اور تمہارے جلیس کی آزردگی خاطر کی باعث ہو ۔

صوفیوں نے لکھا ہے میں قسم کی دستگیری ہے جو سالک کی اس کے راستہ میں رہنمائی کرتی ہے (۱) **انجذاب** (۲) **عبادہ** عروج انجذاب خدا کا کام ہے جو بندہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے انسان اپنا دل دولتِ دنیا کی طرف رجوع کر لیتا ہے اور اس کے گوناگوں سامانوں سے دلچسپی لیتا ہے مگر خدا اپنا جلوہ اس کے مجلئے قلب میں چمکا دیتا ہے اور پھر اسے دنیا سے نفرت اور خدا کے رستہ پر چلنے کی محبت ہوتی ہے نفرت ہوتے ہوتے وہ اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ خدا خود ان کا قبلہ بن جاتا ہے اس حالت کو صوفیوں کی اصطلاح میں مجذوبیت کہتے ہیں لیکن جو لوگ اس منزل سے بھی آگے بڑھتے ہیں ان میں اپنے نفس کے امتحان کرنے کی قوت آجاتی ہے ۔ اور پھر ان کی باقی ماندہ زندگی صرف تسلیم و رضا میں صرف ہوتی ہے ایسے شخص مجذوب سالک کہلاتے ہیں ۔

شیخ شہاب الدین اپنی بیش بہا کتاب عوارف المعارف میں تحریر فرماتے ہیں ۔ " بزرگ معلم عموماً دوسرے درجہ کا منتخب کیا جاتا ہے وہ اس لئے قابل ہوتا ہے کہ شاگردوں کو تعلیم دے سکے اور درجہ کے ہر طرح اس سے زیادہ ہوتے ہیں لیکن تعلیم دینے کے قابل وہ نہیں رہتے ۔ خدا تک پہنچنے کے دو رستے ہیں ایک کی حد محدود ہے اور ایک رستہ غیر محدود ہے جس کی نسبت ایک زبردست عارف باللہ کی ایک رباعی ہے جس کا ترکی سے ہم اردو میں ترجمہ کرتے ہیں ۔ " اے رب تیرے علم کا دانا حصہ لیتے ہیں اور تیری زبردست قوت کا اور تیرا علم حاصل کرتے ہیں لیکن تیری ذات سے دانا کے اس علم کا مقابلہ کیا جاتا ہے وہ اتنا بھی نہیں نکلتا جیسا قطرہ بحر کے آگے "

شیخ محی الدین ابن العربی اپنے فصوص میں لکھتا ہے قرآنی الفاظ جہاں یہ بیان ہوا ہے جب میں نے انسان بنایا اور اس میں اپنی

کیوں نہیں کرتے میں بھی پردیسی ہوں اگر مجھے اطلاع ہو جائے گی تو میں ان کے بیرحم پنجہ سے نجات پاؤں گا۔ مجھ سے چھپانا عبث ہے۔ یہ تقریر سن کے خاموشی سے بوڑھے نے ساری کیفیت بیان کی اور کہا کہ قدیم سے ہم ملتان کے رہنے والے ہیں وہاں کے حاکم نے ہمارا گھر لوٹ لیا اور جلا دیا ہم لاہور گئے تھے شاید رنجیت سنگھ ہماری فریاد سُنے وہاں اور بھی بے عزتی ہوئی۔ ہماری ڈاڑھیاں گدھے کے بول سے منڈوا دی گئیں اور سارا سامان چھین کے ہمیں نکال دیا ہم روتے پیٹتے امرت سر آئے کہیں حاکم ملتان کا رشتہ دار یہاں رہتا ہے اس ظالم نے ہمارے گھر آگ لگانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ امرت سر اپنے رشتہ دار شیر سنگھ نامی کو لکھ بھیجا اگر فلاں فلاں شخص آویں تو اُن کی عورتیں اور اسباب چھین کے اُنہیں شہر بدر کر دینا۔ ہم پرسوں امرتسر میں داخل ہوتے ہی گرفتار کئے گئے ہماری عورتیں چھین لی گئیں اور جو کچھ ہمارے پاس رہ گیا تھا وہ بھی سب رکھوا لیا۔

روح پھونکی وہ انسان بنانے سے غرض ایک مادہ کی خاص تیاری سے ہے اور روح پھونکنے سے مطلب انسانی روح کی مسند نشینی ہے اس لئے سالک پر دو باتیں فرض ہیں پہلے ریاضت سیکھے اور پھر لیاقت پیدا کرے یہاں تک جو بیان ہوا ہے ناظر کو بخوبی اندازہ ہو جائیگا کہ صوفی ہونا کس قدر مشکل اور دشوار تر ہے اس کے مقابل میں مولانا شہید کے زمانہ میں بھی اور اب بھی ہر فرد بشر صوفی یا ولی بننا اس قدر آسان سمجھتا ہے جس سے زیادہ آسان اور کوئی چیز نہیں ہے۔ گیروا کپڑے پہننے چاہئیں بس صوفی بھی ہو گئے اور شاہ صاحب بھی ہو گئے لیکن خدا کی نظر میں اس سے بدتر کوئی آدمی نہیں ہے جو دین کی آڑ میں لوگوں کو ٹھگے اور یتیموں کا مال غصب کرے۔

اس سے بھی زیادہ دلچسپ بیان جس سے مذہب صوفیہ کا اور بھی صاف صاف نقشہ معلوم ہو **محمد المصری** کی کتاب سے اس سوال و جواب کو نقل کرتا ہوں جس سے اور بھی صوفیوں کے خیالات کا ناظر بخوبی اندازہ کرلے گا (یہ مصری مصنف الہامیہ طریقت کا ہے)

سوال | تصوف کی ابتدا کیا ہے؟

جواب | ایمان جس کے چھ ارکان ہیں یعنے (۱) خدا پر یقین (۲) اس کے فرشتوں پر یقین (۳) کتابوں پر جو انبیاء پر نازل ہوئیں (۴) انبیاء علیہم السلام پر (۵) روز آخر پر (۶) نیکی اور بدی کو خدا کے حکم میں سمجھنے کا یقین۔ (س) تصوف کا نتیجہ کیا ہے (ج) یہ نہیں ہے کہ ان ایمانی ارکان کو زبان سے چپے جائیں بلکہ یہ ہے دل پر ان کا گہرا نقش ہو۔ یہی جواب جب ان سے یہی سوال کیا گیا تھا جنید بغدادی نے بھی دیا تھا (س) صوفی اور معمولی آدمی میں کیا فرق ہے (ج) معمولی شخص کا ایمان تقلیدی ہوتا ہے صوفی کا ایمان تحقیقی ہوتا ہے۔ (س) ایمان تقلیدی سے تمہارا کیا مطلب ہے (ج) اس سے ہمارا مطلب یہ ہے معمولی شخص ایمان کی بابت جو کچھ سیکھتا ہے اپنے باپ داداؤں سے سیکھتا ہے یا اپنے زمانہ کے معلموں اور استادوں سے کچھ اسے حاصل ہوتا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا اس کی وجہ کیا ہے کہ انسان ایمان کے چھ ارکان پر دل سے یقین رکھنے کو اپنی نجات کی کنجی جانتا ہے۔ اسکی مثال یہ ہے ایک شخص بازار میں جا رہا ہے اُسے ایک لعل اتفاقاً مل گیا یہ وہ لعل ہے جو بڑے بڑے شاہوں کو نصیب نہیں بڑے بڑے حکمران تلاش کرتے کرتے مر گئے لیکن انہیں نہ ملا پانیوالے نے وہ لعل شب چراغ پایا اسکی

اب ہم بہت ہی لاچار ہیں نہ پائے رفتن نہ روئے ماندن کا مضمون ہے یہ دردناک بپتی کہہ کے وہ رونے لگے مولانا شہید نے انہیں صبر دیا گو آپ کا دل بھی بھر آیا تھا مگر آپ نے بہت مستعدی سے اپنے کو روکا اور جہاں تک ممکن ہوا انہیں صبر دینے کی کوشش کی۔ غرض تین چار بجے شب کو وہ مہترانی کے دو چار پیسے بھگتا کے روتے ہوئے چلائے اور چلتے وقت مولانا شہید کے دریافت کرنے پر انہوں نے یہ کہا ہم انگریزی عملداری میں جا کے قیام کریں گے۔ یہ گفت و شنید گو ایک معمولی تھی مگر مولانا پر اس نے غیر معمولی اثر کیا اور اب آپ کی تیز تیز انتقامی نظریں سکھوں کیطرف اٹھنے لگیں پھر بھی اس ارادے کے پورے مرد نے اپنے کو ضبط کیا اور اپنی طبیعت کو زیادہ برفروختہ نہ ہونے دیا گو آپ جانتے تھے سکھوں کی ایسی زبردست قوت کے مقابلہ میں ہم کچھ نہیں کر سکتے پھر بھی آپ کا دل سب سے زیادہ منتقم حقیقی کی طرف لگا ہوا تھا اور خود بخود اس تیقن کا دل سے چشمہ اُبل رہا تھا کیا عجب ہے جو سکھوں سے مسلمان اپنے

روشنی کو دیکھا جو آفتاب سے ٹکر کھاتی ہے اور چاندنی کو دھندلا کر دیتی ہے۔ جب وہ اندھیری رات میں رکھتا ہے تمام مکان جگ مگانے لگتا ہے یہ سب کچھ ہے اس ساری صفت کو بھی پانے والا اپنے فعل میں دیکھتا ہے لیکن اس کی قیمت نہیں جانتا اور اسے کچھ بھی مال نہیں سمجھتا اس کی نگاہ میں اس لعل کی اتنی بھی قدر نہیں ہے اگر پیاسا ہو تو سقہ کو اپنی پیاس کے عوض دیدینے میں ذرا بھی دریغ نہ کریگا (س) ایمان کا قیام کیا ہے (ج) ایمان کا قیام اس تفتیش کے ساتھ شامل ہے جو ایمان کے ہر رکن کی اصلیت دریافت کرنے پر کی جاتی ہے یہاں تک کہ تفحص کناں اس منزل تک جا پہنچتا ہے جس کو منزل حقیقت کہتے ہیں یہیں ایمان کا قیام ہوتا ہے بکثرت لوگ اس راہ میں دس بیس چالیس برس تک راستہ طے کرتے ہیں لیکن حقیقت ایمان کا انہیں کہیں پتہ نہیں لگتا وہ غلط منزل پر پہنچتے ہیں اور اس راہ سے سو راستے جاتے ہیں جن میں صرف ایک حقیقت کا راستہ ہے۔ آخر کار مرشد کی کامل تعلیم کی تبعیت کے وسیلہ سے وہ گم شدہ لعل کی قیمت کی جانچ کرتا ہے اور پھر ایسے ایک شخص کا یا اشخاص کا ایمان عیاں اپنی تابانی دکھانے لگتا ہے اور یہ تم خیال کر سکتے ہو کہ وہ ایک چراغ کی روشنی سے آفتاب کی روشنی تک پہنچ گئے۔ پھر انہیں معلوم ہوا کہ طریقہ شریعۂ اسلام کے ہو بہو مطابق ہے (س) ایمان اور عبادت کے معاملات میں صوفیوں کا کس طریقہ یا مذہب سے تعلق ہے۔ اس سوال کا جواب مصنف نے سنی مذہب کے اصول کے موافق دیا ہے اور وہی معمولی جواب ہے جو ہر سنی دے سکتا ہے۔ شیعوں کے من گھڑت غلیظ مسائل کو لے کے کیا کرتا جس پر بعض یورپین اعتراض کرتے ہیں یہ ان کی غلطی اور اسلام کے اصول سے ناواقفیت کی وجہ ہے۔ (س) جب بایزید بسطامی سے دریافت کیا گیا آپ کا مذہب کیا ہے انہوں نے جواب دیا تھا میرا مذہب اللہ کا مذہب ہے۔ اس جواب کے معنے کیا ہیں یا اس جواب سے بایزید کا کیا مطلب تھا (ج) خدا کے مذہب چار راسخ الاعتقاد مذہب اسلام کے ہیں ہمارے صوفی نے مذہب صوفیہ سے اس جواب میں صاف گریز کی ہے اور حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کی طرف آجھکا ہے جس کے مقلدوں کے ایمان کو ایمان تقلیدی کہہ چکا ہے تعجب ہے ایسی گریز کیوں کی گئی۔ (س) اکثر صوفیوں نے اپنی نظم میں وہ الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب تناسخ کے وہ قائل تھے مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ:۔ بعض

بھائیوں کا انتقام لیں غرض کئی دن کے عرصہ میں آپ نے امرتسر میں سکھوں کے برتاؤ کی پوری کیفیت دریافت کرلی یہ صاف عیاں تھا کہ اسلام کی سکھوں کی سلطنت میں جیسی توہین ہوتی تھی دنیا میں مسیحی متعصب حکمرانوں کے زمانہ میں بھی ایسا نہ ہوتا ہوگا۔ سینکڑوں شریف خاندان جلاوطن ہو کے انگریزی عملداری میں چلے گئے تھے کوئی صورت ایسی نہ تھی جس سے سکھوں کے رحم کو مسلمانوں کی طرف جنبش ہوتی دن دیوے نمازیوں پر مسجدوں میں غلاظت پھینکنا۔ ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ مسلمانوں اوران کے مذہب سے کیسا برتاؤ کیا جاتا ہوگا چوڑھی (مہترانی) ان کے گھر میں کمانے کے لئے جاسکتی تھی اور گھر کی دہلیز اس کے آنے سے دہلتی نہ تھی اس کے خلاف مسلمان کا ان کے فرش یا زمین پر قدم رکھنا ان کے کل گھر اور اس کے سامان ناپاک کرنے کا پورا سبب تھا ان کے گرونانک نے کب ایسی تعلیم دی تھی اول دن سے وہ مسلمانوں کا نمک خوار تھا اور جو کچھ اُسے روحانی تعلیم حاصل ہوئی وہ شیخ فریدکی بزرگ صحبت سے اس پاکباز مرد نے نہ کبھی مسلمانوں کو ستایا نہ اُن کے دین کی توہین کی بلکہ اس نے قرآن کے منجانب اللہ

وقت بیج تھا پھر نباتات ہوا پھر جانور بنا اس کے بعد انسان ہوا اس کا کیا مطلب ہے (ج) بھائی ہمارے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت آیندہ زندگی میں جماعتوں میں اٹھےگی یعنے کوئی بندروں کی جماعت میں اٹھیگا او رکوئی سوروں کے گروہ میں یا دوسری صورت میں جیسے کہ قرآن کی اس آیت میں لکھا ہوا ہے (قیامت کے دن) ہمارے آگے گروہوں میں تم آؤگے۔" بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھا ہے جن لوگوں نے اپنے جس قسم کے حیوانی جوشوں کی اپنی زندگی میں متابعت کی ہے وہ قیامت کے دن انہی جانوروں کی صورت میں اٹھینگے مثلاً خنزیر کے سی حریص ناپاک طبیعت جس شخص کی ہوگی۔ یا شترکینہ جس فردبشر کی طبیعت کا خاصہ ہوگا۔ چغلخور نقصان رسائی میں مثل بندر کے ہوگا (گو زندگی میں ان لوگوں کی صورت انسانی ہوگی لیکن) ان کا حشران ہی جانوروں کے ساتھ ہوگا جس کی طبیعت وہ رکھتے تھے۔ ہمیں چاہئیے کہ آیندہ زندگی کی اس قہرناک حالت سے بچیں اور جو صفات ہم میں رذل مخلوق کی ہیں اپنی ذات میں ان کا اثر نہ ہونے دیں اور اپنی پاک روح کو ان برائیوں کی آلایش سے بچاتے رہیں اسی لحاظ سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "سونا موت کا بھائی ہے" مردہ شخص اپنے آپ کی اصلی اصلی حقیقت کو دیکھ لیتا ہے اور اپنی ذات کی عادات وصفات کا اندازہ اسے خوب ہوسکتا ہے اسی طرح سوتے ہیں وہ اپنے خیالات اور دلی جذبوں کا پرتو ملاحظہ کرتا ہے۔ مثلاً محاسب زر جب خواب دیکھیگا اپنے کو اپنی ہی کام کی اوہیڑبن میں مستغرق پائیگا اس نظر سے خدا نے آگاہ کردیا ہے کہ اپنے کو حیوانی ولولے یا مبتذل استغراق میں محو نہ کردو تمہیں بھی مرنے کے بعد وہی اپنے خیالات کا پرتو دیکھنا پڑے اس کو یہ صرف عبادت اور نیک نیتی کی بندگی سے ہوسکتا ہے کہ انسان اپنی نیند میں حیوانیہ جوش اور ناپاک جذبوں سے اپنے کو علیحدہ پاکر زندگی کے مرتفع حصہ پر جو عین انسانیت ہے پہنچا ہوا دیکھیگا۔ اگر خواب میں تم ایک بندر دیکھو تو اسے خدا کی طرف سے اس بات کے لئے ایک تازیانہ سمجھو اور اپنے دل سے نقصان کرنے کی عادت نکال ڈالو اور ہرگز ایسا نہ کرو کہ تمہارے سبب سے کسی کا نقصان ہو یا دل دکھے

ہونے کی ہمیشہ ہر موقع پر بہت زور شور سے شہادت دی مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو نماز پڑھتا تھا اور قرآن سُنا کرتا تھا یہ صحیح ہے کہ وہ لکھا پڑھا بالکل نہ تھا پھر بھی اس کا یہ خیال قابل توقیر تھا کہ سب کو اس ایک خدا کی پرستش کرنا سکھادوں جس کی گواہی قرآن مجید دیتا ہے۔ وہ ہندوؤں کے خیالات کا مخالف تھا۔ اس نے زنار گلے میں نہیں ڈالا نہ کبھی ماتھے پر قشقہ لگایا بلکہ وہ ہندوؤں کو مسلمان بنانے کے لئے یہ کہا کرتا تھا ہندو مسلمانوں کا خدا ایک ہے۔ سکھوں کی تمام مقدس کتابوں سے اس امر کی شہادت ملتی ہے۔ کہ گرونانک کی زندگی کا بہت بڑا حصہ بلکہ قریب کل کے مسلمان فقرا اور صوفیوں کی بابرکت صحبت میں گذرا۔ وہ ہندوؤں سے ان کی اصلی تعلیم کی رو سے متنفر تھا اور اپنا ہمخیال بنانے کی کوشش کرتا تھا۔ دنیا میں ہزاروں مصلح اور مختلف گروہوں کے بانی گذر گئے لیکن آج تک یہ کہیں نظر نہیں آیا کسی فریق نے اپنے بانی کے اصول سے ایسی علانیہ روگردانی کی ہے کہ اس کی ایک بات کو

اگر سور کی صورت دیکھو تو اپنے دل سے حریصانہ جوش اور بے شرمی کو نکال کے پھینک دو اور سچے بے لوث پاکباز مرشد کے حوالہ کر دو جو اپنی پاک دل کی عادت میں تمہاری برائیاں تمہارے خوابوں میں دکھلائیگا۔

"یہاں تک ایک کے بعد ایک تم ترک کرتے چلے جاؤ گے بعد ازاں برائیوں کی جگہ نمبروار نیکیاں لے لیں گی خدا کے فضل سے جب تمہاری ساری برائیاں دھودی جائیں گی اور تم ذکر شروع کرو گے تو پھر تمہیں خوابوں میں ولیوں اور خدا کے نیک بندوں کی صورتیں نظر آئیں گی جو نظر آنا اس امر کا شاہد ہوگا کہ تمہارا دل غلیظ کدورتوں سے پاک ہوگیا اور رحم نے تمہارے دل میں پاکی کے ساتھ اپنا گھر کر لیا۔ تمہارے سوال کا کہ اکثر شاعر تبدیل ابدان کی بابت لکھتے ہیں یہ جواب ہے یہی صوفیوں کا منشا اور اسی قسم کی تحریر ہے وہ انسانوں کو اشرف الموجودات سمجھتے ہیں اور ان کا یقین ہے کہ انسان کی ذات میں اعلےٰ درجہ پر بتدریج پہنچنے کا مادہ موجود ہے اور کائنات کی کل علامتیں اسمیں ہیں۔ بہت سی متعلق کتابیں اس مضمون پر لکھی گئی ہیں اور ان میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ خدا کی کائنات کا انسان سب سے بڑا حصہ ہے اور تمام مخلوق اس کے آگے چھوٹا سا حصہ ہے انسانی ہیولیٰ میں اور مخلوق کے حصے بھی شامل ہیں اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان قوس قزح سے بھی زیادہ کشادہ ہے کیونکہ جب انسان اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اپنی ضمیری قابلیت سے تمام شہر کو آناً فاناً میں اپنے ذہن میں جگہ دے لیتا ہے گو وہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتا یہ صرف ضمیر کی لاثانی قابلیت کا طفیل ہے جن کتابوں میں کشادگی کے ساتھ یہ مضامین بیان ہوئے ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور کتاب **حوض الحیات** ہے اس کتاب میں لکھا ہوا ہے اگر انسان اپنی آنکھیں کان۔ نتھنے بند کر لے تو اسے سردی ہرگز نہ معلوم ہو۔ داہنے نتھنے کو آفتاب اور بائیں کو چاند کہتے ہیں سابق الذکر سے وہ سانس کے رستہ حرارت گھسیٹتا ہے اور بائیں سے خنک ہوا (س) صوفیوں کی تناسخ کے بارے میں مختلف آرائے کا بیان فرمایئے۔ (ج) اے بھائی ہماری تعلیم برزخ نے تناسخ

بھی ماننا اپنے اوپر حرام سمجھ لیا ہے اور زبانی یہ دعویٰ ہو ہم گرونانک کے چیلے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ مسلمانوں کا برتاؤ ہمیشہ سکھوں کے ساتھ دوستانہ بلکہ بھائی چارے کا رہا ہاں ان آخری گرو نانک کے جانشینوں نے جنہوں نے اپنے گرو کے اصول سے علانیہ روگردانی کی۔ سکھوں کو ناحق مسلمانوں کا خدا واسطے خون کا پیاسا بنا دیا۔

ایک دن مولانا شہید ایک سکھ حلوائی کی دکان پر دودھ لینے گئے ناواقفیت سے آپ اس کی دکان کے ذرا قریب پہنچ کے دودھ کے پیسے دینے لگے حالانکہ ابھی آپ کے بڑھنے کا اور بھی ذرا آگے ارادہ تھا کیونکہ دکاندار بہت دور تھا اس تک ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا اس نے اتنی ہی دور سے غل مچانا شروع کیا کہ اس مُسلے نے میرا دودھ کا کڑھاؤ چھو دیا اسوقت خیریہ ہوئی کہ ایک شخص مسلمان اس طرف آنکلا اور اس نے چپکے سے دوچار روپے دیکر فیصلہ کردیا۔ ورنہ خبر نہیں کیا ناگہانی آفت مولینا شہید پر نازل ہوتی۔ اس کی تصدیق ان ریاستوں میں جہاں

کو ہیچ اور ناکارہ ثابت کردیا ہے دنیا میں جو مذہب تناسخ کا قائل ہے اسے بدترین مذہب میں سے سمجھنا چاہیئے۔ صوفی ان خاص چیزوں کو جو قانون شریعت نے منع کی ہیں جائز سمجھتے ہیں مثلاً بادہ فروش کی دکان پر میخواری کھلم کھلا کرتے ہیں عشق بازی میں نہیں چوکتے۔ وہ اپنے دلرباؤں کی بلدار زلفوں کی مدح سرائی میں رطب اللسان دیکھے گئے ہیں وہ گورے گورے رخساروں کے تلوں کی توصیف چٹخارے بھر بھر کے کرتے ہیں اور مزے لے لے کر بلا انگیز حسن کی ثنا کرتے ہیں وغیرہ اور قرآنی آیتوں سے ان کی خمدار ابروؤں کو مشابہت دیتے ہیں اس کا مطلب کیا ہے (ج) صوفی اکثر تمام چیزوں کے اندرونی خال خط کا بیرونی اشیا کے بیرونی خال و خط سے تبادلہ کرلیتے ہیں یعنی جسمانی کا روحانی سے۔ اور اس طرح بیرونی اشکال کا خیالی خاکہ کھینچتے ہیں۔ وہ چیزوں کو ان کی نطرتی ہست اور صفات میں نظر کرتے ہیں اور اس وجہ سے ان کے اقوال کا بہت بڑا حصہ روحانی اور پر از استعارہ معنی میں سمجھنا چاہئیے۔ مثلاً حافظ شیرازی کو ہی لو جب وہ شراب کا ذکر کرتا ہے اس سے علم خدا سے مطلب ہوتا ہے جسے استعارہ کے طور پر عشق اللہ پر اس کا اطلاق کرلیتے ہیں شراب سے بھی محبت کا استعارہ ہی سمجھنا چاہئیے یہاں عشق و محبت ایک معنے رکھتے ہیں۔ جہاں وہ میخانہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس سے مراد مرشد کامل ہوتا ہے اور جام مے سے مراد تلقین ہے جو اس جملہ پر زیادہ تر موقوف ہے کہ لا الٰہ الا اللہ جس مرشد کامل کی زبان سے یہ مقدس کلمہ نکلے نہ صرف زبان سے بلکہ اس کے جسم کا ہر سر مو زبان بنکے یہی کہے اسے سالک کہتے ہیں جو سچے راستہ کا تعقب کرتا ہے اور اپنی روح اور دل کو روحانی شادمانیوں سے لبالب بھر دیتا ہے۔ معشوق اور دلبر سے مراد خدا ہے اس واسطے جب کوئی شخص اپنے پیارے دلبر کو دیکھتا ہے وہ اس کی کامل متناسب الاعضا کی اپنے محبت بھرے دل سے صفت وثنا کرتا ہے مگر اس کے مقابل میں سالک خدا کے پوشیدہ علم کو دیکھتا ہے جو اس کے روحانی مرشد کے دل کو اپنے جلال سے بھر دیتا ہے۔ گو اسکو اب الہام بھی ہونے لگتا ہے اور اکثر پوشیدہ باتیں جو اسے معلوم ہیں خوب

سکھوں کا اثر اب تک موجود ہے بخوبی ہو سکتی ہے۔ جموں وغیرہ میں دیکھ لیا جائے چنے والا تک روادار نہیں ہے کہ مسلمان اس کی دکان کے قریب آئے اور چنے خریدے بلکہ جب کوئی مسلمان لینے جاتا ہے دور سے پیسہ دکھاتا ہے اور زبانی کہتا ہے کہ اتنے کے چنے لوں گا فوراً اس نے چنے تولے اور دونے میں (اس لئے کہ یہاں ہر چیز دونے میں آتی ہے) رکھ کے وہ سڑک کے کنارے پر رکھ گیا مسلمان نے پیسہ اس کے ہاتھ میں ذرا اوپر سے پھینک کر سڑک پر سے دونا اٹھا لیا اور بیچارہ دل میں خفیف ہوتا ہوا گھر چلا آیا موجودہ زمانہ میں جب یہ کیفیت ہے تو اس زمانہ میں جب سکھوں کے عروج کا شہاب ثاقب چمک رہا تھا کیا کیفیت ہوگی مولانا شہید نے تمام باتوں پر نوٹ کر لیا تھا اور نہایت حفاظت سے اپنی نوٹ بک کو رکھتے تھے یہ لا انتہا تفرقہ حد سے

جاتا ہے پھر بھی اپنے استاد کے آگے شاگردوں کی طرح تعلیم حاصل کرتا ہے جیسے عاشق اپنے معشوق کے موجود ہونے سے پھولا نہیں سماتا۔ اسطرح سالک اپنے مرشد کی صحبت میں اس سے بھی زیادہ روحانی احتظاظ حاصل کرتا ہے معشوق دنیاوی محبت کی ایک چیز ہے اور مرشد روحانی عشق کا سرچشمہ ہے معشوق کی پیچ در پیچ زلفیں مرشد کی پسندیدہ اور مقبول تعریفیں ہیں جن سے مرید کی محبت کے پیروں میں بیڑیاں پڑ جاتی ہیں۔ خال رخ اور تمام چہرہ کے حسن بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب مرید اپنے مرشد کی ذات میں تمام دنیاوی چیزوں کی عدم موجودگی دیکھتا ہے وہ بھی پھر دنیا کی مقناطیسی کشش رکھنے والی اشیاء سے رشتۂ موانست توڑ دیتا ہے اور پھر اپنی آمادگی سے اس جگہ پہنچ جاتا ہے کہ جہاں اسے سوائے مرشد کے دوسری چیز کی ذرا بھی خواہش نہیں رہتی جن خمدار ابروؤں کی تشبیہ وہ آیات قرآنی سے دیتے ہیں اس سے ان کی مراد مرشد کے دل کی روشنی سے ہوتی ہے۔ اس واسطے یہ خدا کی صفتیں ہیں جن کی ہمارے نبی نے ہدایت کی ہے تم ربانی صفات اور خصوصیات سے موصوف ہونے کی کوشش کرو جو مرشد کے قبضہ میں ہیں۔ (س) اکثر مرشدوں اور ان کے مریدوں کو یہ کہتے سنا ہے ہم نے خدا کو دیکھ لیا کیا خدا کا دیکھ لینا ممکن ہے۔ (ج) یہ ممکن نہیں ہے اس بیان سے ان کا مطلب یہ ہے وہ خدا کو جانتے ہیں وہ اسکی بنظیر اور زبردست جبروت کو دیکھتے ہیں اسواسطے فانی آنکھیں اس کے پرتو پر جلال کو نہیں دیکھ سکتیں۔ قرآن مجید میں صاف طور پر موجود ہے کوئی آنکھ اس تک نہیں پہنچ سکتی۔" حضرت فخر انبیاء امین خدا نے ہمیں ہدایت کی ہے تم خدا کو اسطرح سجدہ کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو گو تو اسے نہیں دیکھتا مگر وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے اور حضرت علی نے فرمایا ہے کاش میری آنکھوں سے نقاب اتر جاتی تو میں اپنے رب کا دیدار دیکھ لیتا۔" اس مقولہ سے صاف ظاہر ہے جب حضرت علی خدا کا دیدار نہ دیکھ سکے تو اور کون دیکھ سکتا ہے (س) کیا یہ صحیح اور ممکن ہے کہ کسی شخص کے قدموں کے کھوج سے ہم اسے دیکھ بھی سکیں (ج) ہاں خاص طور پر اسطرح دیکھ سکتے ہیں جب کوئی شخص آفتاب کی روشنی دیکھتا ہے اس نے گویا آفتاب ہی کو دیکھ لیا اگرچہ اس نے اصلی طور پر آفتاب کو نہیں دیکھا۔ اور مثال لو مثلاً تم ہاتھ میں آئینہ لے کر اسمیں اپنی شکل دیکھو بظاہر تم یہ سمجھتے ہو گے میں اپنا چہرہ دیکھو ہاں لیکن درحقیقت تم اپنا چہرہ ہرگز نہیں دیکھ سکتے (س) جبکہ ہر شخص خدا کے کھوجوں کو دیکھ سکتا ہے یعنی ہر متنفس

زیادہ تلخ تر حقارت انگیز نظارہ اس زہریلی دشمنی کا نقشہ کھینچتا ہے جو سکھوں کو مسلمانوں سے تھی پھر مولٰنا موصوف نے یہاں بہت سی مسجدیں غیر آباد اور ٹوٹی ہوئیں ملاحظہ کیں اور ان میں خوک اور کتوں کو بندھا ہوا دیکھا۔ یہ ہر سکھ کو مجاز تھا اگر اس کو دوسری جگہ سونے کو نہ ملے وہ چاہے جس مسجد میں چلا آوے۔ ملّا کا ہاتھ پکڑ کر نکال دے اور آپ وہاں شب باشی کرے۔ سور کا گوشت بآزادی کھا سکتا تھا اور مسجد کو پاخانہ بنا سکتا تھا

ان کھوجوں کو دیکھنے کی قابلیت رکھتا ہے پھر صوفی یہ دعویٰ کیوں کرتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی خدا کے کھوجوں کو نہیں دیکھ سکتا

(ج) جو لوگ یہ بیان کرتے ہیں (صوفیوں سے مطلب ہے) وہ نہیں جانتے وہ کیا کہہ رہے ہیں حقیقت حال یہ ہے وہ خدا کو نہیں دیکھ سکتے مثلاً ایک شخص نے شیریں اور خوش ذائقہ چیز کھائی جب دوسری بار اسی لذیذ چیز کے کھانے کو جی چاہا جبکہ اس کا نام نہ جانتا تھا اب بڑی پریشانی ہوئی وہ اس کی تلاش میں آوارہ و سرگردان پھرنے لگا مگر نہ جاننے کی وجہ سے اسے اپنی مطلوبہ چیز کا کھوج نہ ملا اسی طرح وہ لوگ ہیں جو خدا کے بغیر جانے اس کی نقش پا کی تلاش میں پھرتے ہیں اور نہیں ملتا۔

(س) بعض صوفی یہ بیان کرتے ہیں ہمیں نہ جنت کی خواہش ہے نہ دوزخ کی پروا۔ اس کے کیا معنے ہیں یہ سخت خیرہ چشمی اور خدا کی جناب میں بے ادبی کا کلمہ ہے۔ (ج) اس کے کہنے سے ان کا اصلی مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم نہ دوزخ سے ڈریں نہ جنت کی خواہش رکھیں اگر اس کہنے سے ان کی بھلا غرض یہی ہو تو بیشک یہ کلمہ کفر ہے ان کے الفاظ کا مفہوم وہ نہیں ہے جو ظاہرا معنے میں پایا جاتا ہے بلکہ یہ کہنے سے ان کی اصلی غرض یہ ہے "خدایا تو ہی ہے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور ہمیں بنایا ہے جو کچھ ہم ہیں تو نے ہمیں اس لئے نہیں بنایا ہے کہ ہم تیری تیرے کاموں میں مدد کریں ہمارا تو یہی فرض حقیقی ہے کہ ہم تیری بندگی کریں سب سے زیادہ تیری راہ میں اپنے کو فنا کر دیں تیری پاک مرضی کی زنجیر میں اپنے کو بالکلیہ مقید کر دیں ہم تیرے ساتھ معاملہ نہیں کرتے نہ ہم اس نظر سے عبادت کرتے ہیں کہ ہمیں بہشت ملے یا دوزخ میں نہ ڈالے جائیں جیسے کہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ "یقیناً خدا نے مومنین سے ان کی دولت اور جانوں کو بہشت کے بدلے خرید لیا جو انہیں دی جائیگی اس کے اصلی معنے یہ ہیں کہ خدا کی جود و کرم کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس کے رحم کی کہیں انتہا نہیں اور اسطرح وہ اپنے ایماندار بندہ پر ربانی نوازشات نازل فرماتا ہے۔ اور اس کی ذات کو اس سے فائدہ دیتا ہے۔ وہ کہینگے۔ تو کسی کے ساتھ معاملہ نہیں کرتا تیری عبادت ہم اپنے دل کی راستبازی اور اخلاص سے کرتے ہیں اور صرف تیری ہی محبت کے ہم پابند ہیں۔ مثلاً یہ شعر یہاں بخوبی صادق آتا ہے۔ صوفی بہشت و دوزخ بر عاشقان حرام است ؛ ہر دم رضائے جاناں رضوان شد ست مارا۔ چاہے جنت ہو یا نہ ہو دوزخ ہو یا نہ ہو تو بھی ہمارا تو یہی فرض ہے کہ ہم تجھے اپنے پورے سچے دل اور پوری طاقت سے سجدہ کریں۔ تجھ کو ہی اے غفار اے رحیم پورا استحقاق حاصل ہے چاہے ہمیں دوزخ میں ڈال چاہے جنت میں بھیجے اور آرزو ہے تیرے احکام تیری مرضی کے مطابق نافذ ہوں۔ اگر تو ہمیں بہشت میں رہنے کا حکم دے یہ تیری نوازش ہے یہ ہم کبھی نہیں سمجھتے کہ ہماری عبادت کا سبب ہے کہ ہم جنت میں گئے۔ اگر تو ہمیں دوزخ میں بھیجے یہ بھی تیرا عین انصاف ہے کسی کا زہرہ نہیں ہے

جب مولانا شہید علیہ الصبح کسی مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تھے تو ایسا اتفاق بارہا ہوا کہ آپ نے سکھوں کو مسجد میں سوتا ہوا اور ناپاک کرتا ہوا ملاحظہ کیا۔ بعض خوبصورت مسجدیں ٹوٹ کر سکھوں کا گھر بن گئی تھیں اور اکثروں میں جیسا کہ اوپر لکھا گیا سور کتے۔ گھوڑے۔ بیل وغیرہ باندھے جاتے تھے۔ علانیہ طور پر اجازت نہ تھی کہ کوئی

کہ اس پر انگشت اعتراض دراز کر سکے۔ اگر بخشے زہے رحمت نہ بخشے تو شکایت کیا۔ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آوے۔

(س) تو نے کہا ہے شریعت اور حقیقت میں اختلاف نہیں ہے اور تاہم ان دونوں میں امتیاز کلی موجود ہے۔ اور صوفیوں کا یہ مذہب ہے کہ اللہ کی حقیقت میں بڑی بڑی باریکیاں مضمر ہیں (ج) باریکیاں مضمر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ شریعت اور حقیقت میں تباین یا باہم کچھ امتیاز بھی پایا جائے اسمیں شک نہیں اس کے معنی ہر شخص نہیں سمجھ سکتا اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "تم لوگوں کو ان کی ضمیری قابلیتوں کے موافق فہمائش کرو کیونکہ تمام باتوں کی ہر شخص کے آگے توضیح کرو گے ان میں سے بعض تمہاری باتیں نہ سمجھیں گے اور پھر غلطی میں پڑ جائینگے۔ اسی لئے صوفی بھی حقیقت کی ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو کسی کی عقل میں نہ آسکیں اور جو ان باتوں کو سمجھتے ہیں انہیں وہ بتا بھی دیتے ہیں لیکن عام طور پر ان کی تلقین نہیں کرتے (س) کیا وہ علوم جو صوفی جانتے ہیں اور کوئی نہیں جان سکتا۔ حالانکہ وہ ان ہی احکام پر عمل کرتے ہیں جو شریعت صاف طور پر نہیں بتاتی ہے اور اسمیں ان کا اطمینان بھی ہو جاتا ہے کیا ایسے لوگوں کا ان کا ایمان صوفیوں کے ایمان سے کم درجہ کا متصور ہو سکتا ہے (ج) نہیں ہرگز نہیں پابند شرع کا ایمان اور اسلام کبھی صوفی کے ایمان اور اسلام سے کم درجہ کا نہیں ہو سکتا صوفی تو صوفی ہیں کا ایمان اور اسلام خود انبیاء علیہم السلام کے ہمپلہ ہوگا۔ کیونکہ ایمان اور اسلام ایسے بسیط جوہر ہیں جن کے اجزا ہی نہیں ہو سکتے نہ وہ بڑھ سکتے ہیں نہ ان میں کچھ کمی ہو سکتی ہے جیسے کہ آفتاب سے شاہ مستفیض ہو سکتا ہے اسی طرح فقیر بھی استفادہ پاتا ہے یا جیسے دولتمند اور غریب کے اعضا شمار میں برابر ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان کا ایمان وہی ہے جو عوام مسلمانوں کا ہے کسی حالت میں وہ کم زیادہ نہیں ہو سکتا۔ (س) بعض آدمی پیغمبر۔ اولیا اور پاکباز ہیں اور بعض فاسق ہیں ان میں باہم کیا فرق ہے۔ (ج) ان میں باہم اگر فرق ہے تو صرف معرفت یعنی روحانی چیزوں کے جاننے میں لیکن ایمان کے معاملہ میں وہ سب برابر ہیں ٹھیک جسطرح کہ شاہ اور رعیت کے شمار اعضا میں فرق نہیں ہے مگر لباس۔ قوت اور عہدہ میں تفاوت ہے۔ فقط

ان سوال و جواب سے یہ اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ بزرگ صوفیوں کے مذہبی اصول کیا ہیں اور مولانا شہید کے زمانہ میں ظاہر دار صوفیوں کی کیا کیفیت تھی۔ یہ الزام جو مولانا شہید پر لگایا جاتا ہے کہ وہ صوفیوں اور تصوف کے دشمن تھے محض لغو اور ہٹ دھرمی کا ہے اس لحاظ سے وہ اعلےٰ درجہ کے صوفی تھے اور ہم ایسے تصوف کو عین اسلام کہتے ہیں اس پاک تصوف کا پنجاب میں کہیں بھی رواج نہ تھا تصوف کا بڑا اصول اس خدائے واحد کو ماننا ہے جس کی قرآن شہادت دیتا ہے مگر ان ظاہر دار ہندی یا پنجابی صوفیوں نے اس بات کو بالکل ہی اڑا دیا تھا وہ گور پرستی اور رنگین کپڑے پہننے ہی تصوف خیال کرتے تھے حالانکہ بزرگ صوفیوں نے نہ کبھی ایسا کیا نہ کبھی وہ اس کے شائق دکھائی دئیے ان کا ظاہر نہایت سادے سیدھے کپڑوں سے آراستہ تھا ہاں ان کا باطنی لباس خوب خوق الجھا کی

فرد بشر قرآن گلے میں لے کر نکل سکے۔ اگر کسی ناواقف نے ایسا کیا۔ قید خانہ بھیج دیا گیا اور اس کا قرآن زبردستی آگ میں ڈال دیا گیا۔

مولانا شہید نے اس کی بابت مختلف افواہیں گوشگذار کیں مگر ذاتی تجربہ سے آپ کو یہ پایا گیا جب سے لاہور وغیرہ میں سکھوں کی عملداری ہوئی ہے بیس لاکھ سے زیادہ قرآن مجید جل چکے ہیں۔ اور اب کوئی دن

تھا مجھے ظاہردار صوفیوں کے ذکر میں کلام ہے جنھوں نے خدا کی عبادت کو بالکل تھیٹر کی سی صورت بنا لیا ہے جو در اصل تصوف کے بانی ہیں انہوں نے کبھی خدا کی عبادت کو ایسا تماشا نہ بنا لیا تھا کہ لوگ ہزاروں کوس سے سیر دیکھنے کے لئے جائیں اور خوف کھا کھا کے بھاگیں کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کوئی صوفی بشرطیکہ اصول تصوف پر پورا عملدارآمد کرتا ہو قبر پرنا چاہو یا بے ریش و بروت اور خوش الحان قوالوں کی آوازوں پر گتیں بہری ہوں ہمارے مولانا شہید نے اپنے سفر پنجاب میں صرف برائے نام صوفیوں یا پہنچے ہوئے فقیروں کا جو کچھ شیوہ دیکھا وہ یہ تھا کہ وہ رنگین کپڑے پہنیں اور بڑی بڑی زلفیں بڑھا کے گور پرستی کریں اور گنواروں کو زبردستی قبروں کے آگے سجدہ کرنے پر مجبور کریں تصوف جس کا نام شریعت محمدیہ ہے گو بعض اجزا نہایت مغلق اور بعید الفہم اس میں آمیز ہو گئے ہیں پھر بھی ایک چیز ہے بظاہر دونوں میں بعض بعض حالتوں میں تباین پایا جاتا ہے لیکن سمجھنے والے سمجھتے ہیں کہ ان دونوں کی نوعیت ایک ہی ہے۔ جیسا نفس اسلام کل مذہبوں کا عطر ہے اسی طرح تصوف تمام مذہبوں مثلاً ہندوؤں کے ویدانت اور مسیحی انکسارانہ مذہبی اصول کے عطر کا مغز ہے۔

علاوہ ان صوفیوں کے مشرقی اسلامی دنیا میں فقرا بھی قسم قسم کے موجود ہیں وہ بھی قریب قریب صوفیوں کے یا بالکل ویسے ہی ہیں (گو خفیف طور پر صوفیوں سے بعض باتوں میں نہ ملتے ہوں) ان کی باہم یہاں تک مناسبت ہے کہ جس شخص پر صوفی کے لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے اسی پر لفظ فقیر بھی عائد ہو سکتا ہے میں چاہتا ہوں کہ ان فقرا کی مختصر کیفیت سے ناظر کو آگاہ کروں جو مولانا شہید نے زیادہ تر پنجاب میں ملاحظہ کئے اور اسوقت وہ اسلامی دنیا میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہو جائیگا فقیروں کے اصول کیا ہیں ان کے فرقے کتنے ہیں اور ان کے معزز بانی کس سنہ میں اور کہاں کہاں پیدا ہوئے چونکہ پیارے شہید نے فقیروں کی حالت کی بھی بہت کچھ اصلاح کی تھی اور زیادہ تر ہر ملک کا مسلمان کچھ ہندوستان ہی پر موقوف نہیں ہے کم و بیش فقیروں کا معتقد ہے اس لئے ہمارے مشرقی ناظر کے لئے یہ نہایت ہی دلچسپ مقام ہوگا جہاں وہ ہر فرقہ کے فقیر کا تذکرہ اس کے معزز بانی کے ساتھ ملاحظہ کریگا یہ وہ بیان ہوگا جو علمی شہادت پر مبنی ہے۔

"فقیر معلموں نے اس امر کو بہت دھوم سے ثابت کیا ہے کہ فقیری حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی سے نکلی ہے یہ تو محض ناممکن ہے کہ فقیروں کے بے شمار قواعد اور ان کی لاانتہا مذہبی تقریبات اور اصول سے کوئی آگاہ ہوئے کیونکہ انہیں باہم اکثر اسلامی ممالک میں ایسی پوشیدہ اور رازدارانہ انجمنیں ہوتی ہیں جہاں کوئی دوسرا شخص کبھی جا نہیں سکتا اور ان کی کیفیت بالکل فرامیشن (فری میسن) والوں سے ملتی ہے پھر بھی جو کچھ اپنا ذاتی تجربہ اور مغربی سیاحوں کے سفرنامے

ایسا نہیں جاتا جہاں ہر شہر میں اٹھ دس قرآن روزمرہ نہ جلائے جاتے ہوں یہ مولٰنا شہید کو پتہ نہ لگا آیا رنجیت سنگھ کو بھی اس کی اطلاع کی جاتی ہے یا نہیں مگر وہ حکام جو اس کی طرف سے ہر قریہ اور دہ میں مقرر تھے اپنے ہاتھوں سے علانیہ ظلم کرتے تھے عموماً جب اگہائی کا زمانہ آتا مسلمان زمینداروں کی جان پہ بن جاتی ان سے یہ کوئی سننے والا نہ ہوتا تھا کہ اب کے کال پڑا اور اب کے فلاں سنگھ جی اپنے مویشیوں کو

ملا ہے اپنے معزز ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

سنہ [1] ہجری میں ۴۵ اہل مدینہ نے اور مدینہ والوں کی طرح اپنے کو بھی دائرۂ اسلام میں داخل کیا انہوں نے وفاداری اور صداقت کی قسم کھائی کہ ہم نبی اکرم کے اصول پر ثابت قدم رہیں گے پھر انہوں نے ایک جتھے کے پنتھ کی بنیاد ڈالی اور شب و روز مذہبی فرائض کے انصرام اور زہد و ریاضت نفس کشی میں اپنے کو محو کر دیا اپنے کو دوسرے مسلمانوں سے ممتاز کرنے کے لئے انہوں نے اپنا نام صوفی رکھا۔ یہ نام آخری زمانہ میں نہایت پر جوش مسلمانوں کے ناموں کے ساتھ لیا جانے لگا اور اب تک اس مقدس نام کا اطلاق اس مسلمان پر ہو سکتا ہے جو دنیا کی لذائذ کو نفسانی خواہشوں کے لئے ترک کر دے اور اپنے کو نہایت محنت اور مشقت سے خدا کی یاد میں محو کر دے باہمہ تن اپنے کو عبادت بناوے۔ صوفیوں نے اپنے نام کے ساتھ فقیر کا لفظ بھی ملا لیا کیونکہ ان کے مذہب کا اصول یہ تھا جو اس شعر میں ادا ہوا ہے۔ ۵

آنچہ در دنیاست بر آزادگان آمد حرام خاطر جمع ہست در زیر فلک سامان ما

خدا کی بندگی میں تمام عالم کو بھول جانا صوفیوں کے مذہب کا اصل الاصول ہے وہ نبی اکرم کی اس حدیث پر مٹے ہوتے تھے الفقر فخری۔ یعنی فقیری میرا فخر ہے۔ نبی اکرم کے وصل سے پہلے (زمانہ حیات ہی میں) حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ذکر کے طریقے علیحدہ علیحدہ مذہبی عبادت میں ادا کرنے کے لئے بتائے تھے یہیں سے دو گروہ صوفیوں یا فقیروں کے قائم ہو گئے۔ اپنے بستر مرگ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سلمان الفارسی کو طرق ذکر میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور حضرت علی نے اپنا جانشین حسن البصری کو مقرر فرمایا ان دونوں معزز جانشینوں نے اپنے خلفا کے ذکر کے طرق کی پوری طور سے تقلید کی اور اپنے کو اسلامی گروہ میں واجب الاحترام اور اعلیٰ درجہ کا زاہد اور متقی ثابت کیا۔ ان میں سے بعض عبادت اللہ کی سرخوشانہ حالت میں ملک بملک گشت لگانے نکلے اور ہزاروں کو اپنا ہمخیال بنایا۔ یہاں تک ان کا انسانی جوش دل میں ابلا کہ ۳۷ھ میں اویس القرنی قارو (یمن) کے رہنے والے نے ایک دن یہ بیان کیا میں نے فرشتہ جبرئیل کو خواب میں دیکھا اس نے مجھے خدا کا یہ حکم سنایا۔ تو دنیا کو خدا کے نام پر ترک کر دے اور سرتاپا خدا کی یاد میں محو ہو جا۔ اس ربانی قاصد نے تمام و کمال ذکر کے قواعد بھی بتائے اور جو کچھ اس پاکباز صوفی کے آیندہ طرق ذکر قرار پائے سب کی ہدایت جبرئیل نے ہی کی۔ دوسرے دن سے اویس القرنی نے دنیا کو ترک کر دیا۔ اور اس کے سحر آمیز سامانوں پر لات ماری دنیاوی راحتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور شب و روز ذکر اللہ

[1] مصنف نے یہاں سنہ کا عدد نہیں لکھا۔ (مصحح)

سال بھر فصل کے دنوں میں چرایا کئے بلکہ ان پر کوڑے بازی ہوتی تھی اور مجبور کیا جاتا تھا کہ روپیہ لاؤ اگر کسی نے روپے محصول کے دیدیئے تو خیر ورنہ ان کے بال بچے چھین لئے جاتے تھے اور سر بازار نیلام کر دیئے جاتے تھے۔ مولانا شہید نے یہ خونی نظارے اپنی پرنم آنکھوں سے دیکھے۔ آپ نے بعض دولتمند اور زمیندار مسلمانوں کو بھی دیکھا اور آپ کو تعجب ہوا کہ یہ اپنے غریب بھائیوں کی مدد نہیں کرتے مگر تحقیق کے بعد یہ سارا شبہ رفع ہو گیا

میں زندگی بسر کرنے لگے۔ آخر کار ترک دنیا اور عبادت خدا اور بانیٔ اسلام کی محبت نے یہاں تک طول کھینچا اور اسقدر محبت نبی کا جوش ابلا کہ اویس نے اپنے دانت اس لحاظ سے توڑ ڈالے کہ رسول خدا کے بھی وہ دانت مشہور جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ آپ نے چاہا میرے مرید بھی ایسا ہی کریں اور پھر آپ نے یہ ارشاد کیا کہ تمام وہ میرے مرید جو ربانی الطاف یا یاوری سے خصوصیت سے بہرہ ور ہونگے اور جن کے دلوں پر میرے طرق کے نقش پورے منقش ہونگے ان کے دانت فوق الفطرۃ کرشمے سے خود بخود ٹوٹ جائینگے۔ یعنی ایک فرشتہ جب وہ گہری نیند میں ہونگے الگ سے ان کے دانت نکال لے گا اور جب وہ جاگیں گے تو سرہانے پر ان دانتوں کو رکھا ہوا پائینگے۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اس قسم کی باتیں شروع ہو گئی تھیں لیکن ان کا اثر لوگوں کی طبائع پر بہت کم ہوتا تھا ہمارے عارف باللہ اویس نے زیادہ مرید اپنی زندگی میں بہم نہ پہنچائے اور آخر یمن میں ہی آپ کی وفات ہو گئی۔ ۱۴۹ھ مطابق ۷۶۶ء میں شیخ الوان نے اول ہی اول فقیری کے مستقل قاعدے اور طرق کی بنیاد ڈالی اب تک آپ کے پیرو موجود ہیں جو الوانیہ کہلاتے ہیں۔ گو اسلام نے نفس پر زیادہ تشدد کرنے اور صومعہ نشینی سے منع فرمایا ہے پھر بھی فقراء نے وہ وہ قواعد تشدد نفس اور خوفناک ریاضتیں نکالے جن پر آج بڑے بڑے عالم اور مولوی چلتے ہیں۔ ایم۔ ڈی اوسن نے اپنی مشہور کتاب عثمانی سلطنت میں لکھا ہے۔ "مشکل سے کوئی مشہور و معروف مولوی یا فاضل اسلام کا ایسا ہوگا جو الوانیہ سوسائٹی کا ممبر نہ ہو۔ ہر صدی میں فقراء کے نئے پیشوا پیدا ہوئے اور پھر سب کے گروہ علیحدہ علیحدہ ہو گئے جو آج تک موجود ہیں۔ مذکورہ بالا فاضل نے تیس تیس پیشواؤں کے نام معہ ان کے وطن وغیرہ کے اپنی بیش بہا کتاب میں لکھے ہیں جو ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

نمبر	طبقۂ فقراء	بانی	وطن بانی	سنہ ھ	سنہ ع
۱	الوانیہ	شیخ الوان	جدہ	۱۴۹ھ	۷۶۶ء
۲	ادہمیہ	ابراہیم ابن ادہم	دمشق	۱۶۱ھ	۷۷۷ء
۳	بسطامیہ	بایزید بسطامی	جبل بسطم	۲۶۱ھ	۸۷۴ء
۴	سقطیہ	سری سقطی	بغداد	۲۹۵ھ	۹۰۷ء
۵	قادریہ	عبدالقادر جیلانی	بغداد	۵۶۱ھ	۱۱۶۵ء
۶	رفیعیہ	سید احمد رفیع	بغداد	۵۷۶ھ	۱۱۸۲ء

یعنے ان کی ثروت اس وجہ سے قائم تھی کہ وہ سکھوں کی مجلسوں میں برملا اسلام اور پیغمبر اسلام کی نسبت توہین آمیز الفاظ استعمال کرتے تھے اور بعض اوقات سلطنت کی آنکھ میں اپنا اعتبار بڑھانے کے۔ لئے اپنے غریب مسلمانوں کو ناحق بیگناہ گرفتار کرا دیتے تھے وہ بظاہر مسلمان تھے مگر دراصل سکھ ہی تھے۔ جو اپنی عارضی زندگی آرام سے گذارنے کے لئے یہ نا ملائم باتیں کرتے تھے مگر سچ پوچھو تو ان کی بھی عزت نہ تھی ہاں صرف اتنی بات تھی کہ سکھوں کے دست ظلم سے ان کا مال ومتاع بچا ہوا تھا۔ غرض امرت سر کی

۷	سہروردیہ	شہاب الدین	بغداد	سنہ ۶۰۲ھ	سنہ ۱۲۰۵ء
۸	کبرویہ	نجم الدین	خوارزم	سنہ ۶۱۷	سنہ ۱۳۲۰
۹	شرنلیہ	ابوالحسن	مکہ	سنہ ۶۵۶	سنہ ۱۲۵۸
۱۰	مولویہ	جلال الدین رومی	کنواح	سنہ ۶۷۲	سنہ ۱۲۷۳
۱۱	بدادیہ	ابوالفطن احمد	تاشا (مصر میں)	سنہ ۶۷۵	سنہ ۱۲۷۶
۱۲	نقشبندیہ	پیر محمد	قصر عرلیفا	سنہ ۷۱۹	سنہ ۱۳۱۹
۱۳	سعدیہ	سعد الدین	دمشق	سنہ ۷۳۶	سنہ ۱۳۳۵
۱۴	بختشیہ	حاجی بختش	کیرسہر	سنہ ۷۳۶	سنہ ۱۳۵۶
۱۵	خلواتیہ	عمر خلواتی	قیصریہ	سنہ ۸۰۰	سنہ ۱۳۹۷
۱۶	زینیہ	زین الدین	کوفہ	سنہ ۸۳۸	سنہ ۱۴۳۸
۱۷	بابیہ	عبدالغنی	اڈریانوپل	سنہ ۸۰۰	سنہ ۱۴۳۸
۱۸	بہرامیہ	حاجی بہرامی	انگورا	سنہ ۸۷۶	سنہ ۱۴۷۱
۱۹	اشرفیہ	اشرف رومی	چلین ازنگ	سنہ ۸۹۹	سنہ ۱۴۹۳
۲۰	بکریہ	ابوبکر رافعی	الیپو	سنہ ۹۰۲	سنہ ۱۴۹۶
۲۱	سنبلیہ	سنبل یوسف بلوی	قسطنطنیہ	سنہ ۹۳۶	سنہ ۱۵۲۹
۲۲	گلشانیہ	ابراہیم گلشنی	قاہرہ	سنہ ۹۴۰	سنہ ۱۵۳۳
۲۳	اگہت تشبیہ	شمس الدین	مگینیا	سنہ ۹۵۱	سنہ ۱۵۴۴
۲۴	ام شنبہ	شیخ امام سنن	قسطنطنیہ	سنہ ۱۰۱۰	سنہ ۱۵۹۲
۲۵	جلواتیہ	پیر آفندی	بروسا	سنہ ۹۸۸	سنہ ۱۵۸۰
۲۶	عشاقیہ	حسن الدین	قسطنطنیہ	سنہ ۹۵۹	سنہ ۱۶۵۲

مولانا شہید نے خوب خوب سیر کی اور مسلمانوں کی ناگفتہ بہ خستہ حالت کو بغور ملاحظہ فرمایا پھر آپ نے جیسا کہ تاریخ علمائے دہلی والا لکھتا ہے اس سفر سے امرت سر میں کچھ نہ کچھ پولٹیکل فائدہ بھی اٹھانا چاہا۔ گو یہاں سکھوں کے ظلم و ستم کی یوں آگ مشتعل ہو رہی تھی پھر بھی آپ کی دلیر مگر دور اندیش طبیعت نے پولٹیکل فائدہ اٹھانے میں پس و پیش نہ کیا آپ نے پوشیدہ پوشیدہ لوگوں سے ملاقات کا سلسلہ نکالا

۲۷	شمسیہ	شمس الدین	مدینہ	سنہ ۱۰۱۰ھ	سنہ ۱۶۰۱ء
۲۸	سنن اُمیہ	علم سنن امی	الوالی	سنہ ۱۰۷۹	سنہ ۱۶۶۸
۲۹	نیازیہ	محمد نیاز	لنس	سنہ ۱۱۰۰	سنہ ۱۶۹۴
۳۰	مرادیہ	مراد شامی	قسطنطنیہ	سنہ ۱۱۳۲	سنہ ۱۷۱۹
۳۱	نور الدینیہ	نور الدین	قسطنطنیہ	سنہ ۱۱۴۶	سنہ ۱۷۳۳
۳۲	جمالیہ	جمال الدین	قسطنطنیہ	سنہ ۱۱۶۴	سنہ ۱۷۵۰

ان میں سے تین گروہ بسطامیہ، نقشبندیہ اور بکتشیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سلسلہ سے اپنے کو کہتے ہیں اور باقیماندہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نکلے ہیں۔ ہر گروہ ان وہ عظیم الشان بانیوں تک اپنا سلسلہ پہنچاتا ہے نقشبندیہ جو خواجہ پیر محمد نقشبند کے پیرو ہیں مختلف طرق رکھتے ہیں یہ لوگ عموماً ذکر خفی کرتے ہیں اور بالکل یہی طریقہ ان کے ہاں رائج ہے۔ ان کی خاص عبادت کو ختم خواجگان کہتے ہیں۔ ایک بار استغفار کہتے ہیں سات بار سلامات سات بار فاتحہ۔ نو دفعہ سورہ الم نشرح پڑھتے ہیں اور اس کے بعد سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں۔ ان عبادتی تقریبات کا نام ذکر ہے۔ اس کے خاص ذکر کرنے کے لئے وہ ہفتہ میں ایک بار باہم ملتے ہیں۔ معمولی طور پر یہ دن جمعرات کا ہوتا ہے۔ عشا کی نماز کے بعد سے یہ ذکر شروع ہوتا ہے اور تمام شب رہتا ہے۔ ہر شہر اور شہر کے ہر ضلع میں اس کے ممبر مختلف سوسائٹیوں میں منقسم ہیں جہاں وہ سب مل کے اپنے مرشد کے مکان میں جمع ہوتے ہیں اور نہایت ہی توجہ سے ذکر کرتے ہیں پہلے پیر یا اور کوئی بھائی ایک لفظ زبان سے نکالتا ہے اور بعد ازاں سب مل کے کہتے ہیں یا اللہ۔ بعض شہروں میں نقشبندیہ کے خاص خاص وسیع مکان مقرر ہیں جو خاص ذکر ہی کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔ شیخ اپنے ممتاز عمامہ سے اپنے مریدوں میں پہچانا جاتا ہے۔ فرقہ بکتشیہ کا بانی بخارا کا رہنے والا تھا جس نے جان نثلدوں میں پر جوش روح پھونک کر بہت بڑی ناموری حاصل کی تھی اس گروہ کے فقیر کی نشانی ایک پٹکا ہے جسے مفصلہ ذیل فقرے کہہ کر اپنی کمر سے باندھتے ہیں۔ (۱) میں نے حرص و تنگ چشمی کو کس لیا اور فراخ چشمی یا بے حرصی کو کھول دیا۔ (۲) میں نے غصہ کو باندھ لیا اور عاجزی کو کھول دیا (۳) میں نے بخل کو گانٹھ لیا اور پارسائی کو کھول دیا۔ (۴) میں نے جہالت کو باندھ لیا اور خدا کی دہشت کو کھول دیا (۵) میں نے حیوانیہ جوش کو باندھ لیا اور خدا

اوران کے خیالات سکھوں کی بابت دریافت کئے وہ بے چارے روزمرہ پرامن انگریزی عملداری میں بھاگے جاتے تھے خدا سے چاہتے تھے کہ کوئی تادیب دہندہ کھڑا ہو اوران ناواجب باتوں کا سکھوں سے عوض لے مسلمانوں کو خوف اس قدر تھا کہ وہ سکھوں کے خلاف مشورہ کرنے میں اپنی جان کی ہلاکت سمجھتے تھے اور یہ جانتے تھے اگر کچھ بھی سُن گُن سکھوں نے اس کی پالی تو گھر بار اکھیڑ کر پھینک دیا جائیگا اور بال بچے

کی دہشت کو کھول دیا۔

(۵) میں نے حیوانیہ جوش کو باندھ لیا اور خدا کی محبت کو کھول دیا۔

(۶) میں نے بھوک کو کس لیا اور توکل کو کھول دیا۔

(۷) میں نے شیطنت کو باندھ لیا اور رحمانیت کو کھول دیا۔

سلطنت ترکی میں مولویہ فقیر بکثرت ہیں۔ اس گروہ فقراء کے بانی مولوی جلال الدین رومی ہیں جو مشہور مصنف مثنوی کے ہیں یہ مثنوی ایران اور تقریباً کل اسلامی دنیا میں شوق سے پڑھی جاتی ہے۔ ان فقراء کے تکیے بنے ہوئے ہیں جہاں بدھ اور اتوار کو ان کے جلسے ہوتے ہیں۔ یہ فقیر گول لمبی لمبی ٹوپیاں پہنتے ہیں اور جامہ کے طور پر ان کا لباس ہوتا ہے۔ جامہ کی صورت بالکل راجپوتانہ کے تلک کے مشابہ ہے جو مسلمان عورتیں پہنتی ہیں۔ ذکر کرتے ہوئے وہ اپنے جامے اتار ڈالتے ہیں اور صرف جاکٹ اور نیچے کوٹ پہنے رہتے ہیں کبھی اچھلتے ہیں اور کبھی سر کو گردش دیتے ہیں۔ اور کبھی غیر معمولی جوش میں چکر کھانے لگتے ہیں۔ فقرائے قادریہ کا بانی سید عبدالقادر ہوا ہے جس کا لقب پیر دستگیر ہے اور آپ بغداد میں مدفون ہیں یہ لوگ ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں ہی کرتے ہیں ہندوستان کی شمال مغربی حدود میں بہت سنی المذہب مولوی قادریہ ہیں۔

چشتیہ معین الدین بندہ نواز کے پیرو ہیں جن کا لقب گیسو دراز ہے آپ کا مزار گلبرگہ میں ہے۔ عموماً شیعہ بھی اسی مذہب یا طرق کے فقیر ہوتے ہیں یہ لوگ راگ راگنی سے شوق رکھتے ہیں۔ کیونکہ اس گروہ کے بانی نے یہ کہا ہے کہ گانا روح کی خوراک ہے یہ لوگ ذکر جلی کرتے ہیں۔

گروہ جلالیہ کا بانی سید جلال الدین بخارا کا رہنے والا ہے یہ فقیر وسط ایشیا میں بہت پائے جاتے ہیں اکثر مذہبی دریوزہ گر اسی پنتھ کے فقیر ہوتے ہیں۔

سہروردیہ افغانستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور ان میں فاضل بھی دیکھے گئے ہیں یہ شہاب الدین سہرورد کے رہنے والے کے پیرو ہیں (سہرورد عراق کا ایک شہر ہے) یہ بے شر فقیر ہیں یہ فقیر بھی مشیار ہیں۔

ہندوستان میں قردار یہ منیتی کے فقیر بکثرت آباد ہیں۔ اس گروہ فقرا کا بانی زندہ شاہ مدار شامی ہوا ہے جس کا مزار مکپور (اودھ) میں ہے ملنگ فقیر اسی گروہ سے نکلے ہیں جو ہندوستان کے بازاروں میں دکھائی

کولو میں پلوا دیئے جائیں گے۔ مولانا شہید کو پنجابیوں سے تو کچھ مدد نہ ملی ہاں افغانوں سے اپنے ارادہ میں جان پڑتی ہوئی دیکھی ایک دن مولانا شہید کی ایک بوڑھے افغان سے ملاقات ہوئی عند التقریر اس نے بیان کیا ہماری ناچاقی نے سکھوں کو ہم پر چیرہ دست بنادیا ہے جب سکھوں نے ہم پر حملہ کیا ہے ہم یوسف زئی فرقہ سے کشت و خون کر رہے تھے ہمیں خود اپنی جانوں کا ہوش نہ تھا کہ سکھوں نے ہم پر دہاوا کیا اس شکستہ حالت میں بھی اگر اتفاق کر کے سکھوں کا مقابلہ کرتے تو ایک بچہ بھی بچ کر نہ آتا مگر افسوس کہ ہم میں معاندانہ جنگ و جدل

دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ایک گرہ میں اپنے بالوں کو باندھ لیتے ہیں جو اکثر ناظرین نے ملاحظہ کیا ہوگا۔ رفیعیہ گروہ کے فقیر بھی ہندوستان میں بے شمار ہیں وہ اپنے نفس پر بہت سختی توڑتے ہیں ان کی عبادت یہ ہے کہ وہ اپنے جسم کی کھال رات دن اُدھیڑا کریں یہ درویش ترکی اور مصر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ دوسرا گروہ فقراء کا قلندریہ ہے۔ جس کا بانی قلندر یوسف اندلسی ہوا ہے جو اسپین کا رہنے والا تھا۔ کچھ زمانہ تک وہ نجتشیہ رہا لیکن جب اس پنتھ سے علیحدہ کر دیا گیا تو اس نے بطور خود ایک طریقہ کی بنیاد ڈالی۔

غرض تحقیق سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کل گروہ کے فقراء کے اصول ذکر مختلف ہیں اور جب غور سے دیکھا گیا۔ تو سب اکیلے خدا کی پرستش کرتے ہیں اور محمدؐ کو اپنا آخرالزمان نبی مانتے ہیں۔ یہی عین اسلام ہے اور یہی دین خدا ہے گو یا ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ بعض گروہ افراط تفریط میں پڑ کر شریعت کے اصول سے متجاوز ہوگئے ہیں پھر بھی انہوں نے کبھی وہ باتیں نہیں کیں جو آج اُن کے نام لیوا کر رہے ہیں۔ ان کا ایک بڑا اصول نفسانی خواہشات کو ترک کرنا ہے مگر آج ہمارے بھائی صوفی یا فقیر اس میں ڈوبے ہوئے ہیں بلکہ اس کا میں نے تجربہ کر لیا ہے کہ کوئی صوفی یا فقیر جس گروہ میں اپنے کو بیان کرتا ہے نہ تو اس کے بانی کی سوانحعمری اسے یاد ہوتی ہے نہ وہ اس کے اصول جانتا ہے۔ نام کے قادریہ اور نقشبندیہ رہ گئے ہیں۔

ان میں سے بعض قسم کے فقیر مولانا شہید کو پنجاب میں بہت ملے مگر سوائے گور پرستی اور چڑھاوا لینے کے کسی مذہبی فرض کی انجام دہی میں انہیں سرگرم نہیں دیکھا۔ پیری مریدی کا بھی بہت زور دیکھا جو کم و بیش اب تک موجود ہے۔ مگر وہ بھی بے نتیجہ پایا نہ مرید یہ جانتا ہے کہ جب دست بیعت دیتے ہیں تو کیا کہتے ہیں نہ پیر کو یہ خبر ہے مرید سے کیا کہلانا چاہیئے۔

اس میں شک نہیں کہ اگر مولانا شہید ان ظاہر دار صوفیوں اور فقیروں کی زبوں حالت کی اصلاح نہ کرتے تو خبر نہیں کہ قوم اسلام کی کیا بُری گت بنتی۔ آج ہندوستان میں صرف مولانا شہید ہی کا طفیل ہے کہ ہماری آنکھوں میں جھوٹے سچے صوفی اور فقیر کی شناخت کی قوت آگئی ورنہ بڑے بڑے پڑھے لکھے اسمیں ڈوبے ہوئے تھے کہ ہر فقیر میں چاہے وہ قزاق ہو یا رہزن خدا بولتا ہے۔ ہم نہایت ہی وقعت کی نگاہ سے ہر پنتھ کو دیکھتے ہیں اور اس کے اصول کی دل

برقرار رہی اس وجہ سے سکھوں کو فتح حاصل ہوئی ہمیں اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے کہ ہمارے نابالغ بچوں اور بیمار مردوں عورتوں کو سکھوں نے کس بیرحمی سے قتل کیا اور زندہ آگ میں جلا دیا بلکہ اگر خیال ہے تو یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے پاک مقابر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور ہماری مسجدوں میں سور ذبح کئے اور جو کچھ انہوں سے ہو سکا دین اسلام کی توہین کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا اور اب تک وہ اسی سرگرمی سے توہین اسلام کئے جاتے ہیں بے محابا سکھ ہر مسلمان کے مکان میں چلے جاتے ہیں انہیں اختیار ہے جو چاہیں اٹھالیں۔ اگر کھانا پکتا ہو تو اس پر سور کی ہڈی ڈال کے پاک کر لیتے ہیں۔ اور خود وہیں

تعریف کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ جتنے مت نکلے ہیں سب خدا پرستی کے طریقے کو آسان کرنے کے لئے نکلے ہیں ان کا پہلا اصول حرص و ہوا کو چھوڑنا اپنے نفس کو اپنے تابع کرنا اور خدائے واحد کی سچے دل سے پرستش کرنا چنانچہ جب سہروردیہ میں کسی کو مرید کرتے ہیں تو مرید سے یہ کہلواتے ہیں میں اس خدا کے آگے استغفار کرتا ہوں جس کے آگے کوئی دوسرا معبود نہیں جو زندہ ہے توانا ہے ہمیشہ رہنے والا ہے۔ میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور اس کی مہربانی اور نگاہ مکرمت کا امیدوار ہوں۔ یہی استغفاری جملہ کئی بار مرید اپنی زبان سے دُہراتا ہے اور پھر یہ کہتا ہے میں خدا اور اُس کے پیارے نبی کی تائید سے اُسے اپنا مرشد یا ہادی بناتا ہوں اور خدا کی درگاہ میں عہد کرتا ہوں کہ کبھی اس سے جدا نہیں ہونے کا۔ خدا ہمارا شاہد ہے۔ خدا کی قسم سوائے خدا کے اور کوئی خدا نہیں ہے آمین۔" اس کے بعد مرشد اور مرید دونو کلام مجید کی پہلی سورۃ پڑھتے ہیں پھر مرید مرشد کے ہاتھوں پر بوسہ دیتا ہے اور اسطرح تقریبات مریدی ادا ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد مرید اکثر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا ہے اور کبھی کبھی مرشد بھی اپنے مریدوں کے مکان پر قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ یہ مکان جہاں یہ مقدس نفس خدائے برحق کی پرستش کی اپنے مریدوں کو تعلیم دیتے ہیں عموماً باغوں میں ہوتے ہیں اور جنہیں ترکی اور مصر میں تکیہ کہتے ہیں۔ وہاں دوسرے شخص کا گذر نہیں قادریہ میں مرید ہونے کا دوسرا دستور جو توکل بیگ نے جرنل ایشیاٹک میں بیان کیا ہے وہ مفصلہ ذیل ہے۔

جب میں نے آخوند ملا محمد کے ذریعہ سے شیخ ملاشاہ سے شرف مریدی حاصل کیا میں نہیں بیان کر سکتا میرے دل کی کیا حالت ہو گئی نئی نئی امنگیں وحدت پرستی کی دل سے خودبخود ابلنے لگیں اور غیر معمولی جوشوں نے میرے قلب کو گھیر لیا۔ آپ سے میری طبیعت میں خدا کے سچے علم سیکھنے کی بھڑکتی ہوئی آگ لگ گئی۔ اس کی تلاش اور تحصیل میں نہ رات کی نیند تھی نہ دن کا آرام رہا تھا۔ ابتدائے تعلیم میں شب و روز مجھے سورۃ اخلاص کا ورد رہتا تھا میں نہیں کہہ سکتا کہ جوش میں کتنی بار پڑھ جاتا۔ میرا خیال یہ ہے جو شخص اس سورۃ کو سو بار پڑھیگا وہ اپنی دلی منت پوری کر لیگا۔

میں نے چاہا کہ شیخ مجھے توجہ دے اور اپنی محبت مجھے بخشے میں نے سورۂ اخلاص کا وظیفہ ابھی ختم کیا تھا کہ خود بخود مرشد کے دل میں میری طرف سے ہمدردی پیدا ہو گئی گذشتہ شب میں اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تمام شب وہ مجھے توجہ دیتا رہا۔ جبکہ میں نے اپنے کو بالکل باطنی استغراق میں محو کر دیا۔ تین شب یونہی توجہ لیتے

بیٹھ کے کھانا بٹیر جاتے ہیں ہر طرح سے ناک میں دم کر رکھا ہے کوئی دریافت کرنے والا نہیں ہے اگر آپ میرے ساتھ پشاور چلیں تو میں آپ کو یہ ساری کیفیت دکھاؤں۔ مولانا شہید کو اس بوڑھے پشاوری کی معیت اچھی معلوم ہوئی اور آپ امرت سر سے پوشیدہ اس کے ساتھ لاہور پہنچے۔ کیونکہ امرتسر میں سکھوں کے مختلف حلقوں میں مولانا کے خلاف سرگوشیاں ہونے لگی تھیں جن کی آواز ہنوز حکام کے کان تک نہ پہنچی تھی۔ مولانا شہید کا ظاہری لباس ایسا تھا کہ ان پر کسی قسم کا جرم بھی عائد نہ ہو سکتا تھا مگر یہ باتیں وہاں ہوتی ہیں جہاں قانون کی حکمرانی ہو۔ سکھوں کی عملداری میں بڑا جرم مسلمان ہونا تھا مجسٹریٹ کے سامنے جب کوئی جرم

گذر گئیں چوتھی شب شیخ نے کہا۔ اب ملا سنگھم بیگ اور صالح بیگ تم اپنی روحانی تاثیرات توکل بیگ میں بخشدو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا جبکہ میں نے تمام شب استغراق میں مکہ کی طرف منہ کئے ہوئے گذاری جوں ہی صبح صادق کی پو پھٹنی شروع ہوئی کچھ کچھ روشنی میرے ضمیر میں پیدا ہونے لگی۔ لیکن میں شکل اور رنگ میں امتیاز نہ کر سکتا تھا۔ صبح کی نماز کے بعد میں شیخ کی خدمت میں حاضر کیا گیا اس نے میری دماغی حالت کی کیفیت دریافت کی میں نے عرض کیا میں نے اپنی چشم باطن سے ایک روشنی دیکھی۔ یہ سن کر شیخ کی کسی قدر دلجمعی ہوئی اور وہ بولا "تیرا قلب تاریک ہے مگر وہ گھڑی آگئی ہے جب میں صفائی سے اپنے کو تجھے دکھاؤں گا۔ پھر اس نے اپنے سامنے بیٹھنے کا مجھے حکم دیا اور ارشاد کیا ہمارے خال و خط یا چہرہ مہرہ اپنے ضمیر میں جما لے پھر اس نے میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور ارشاد کیا ہم پر تو اپنے کل خیالات کا اجتماع کر لے میں نے ایسا ہی کیا پھر ایک لحہ میں شیخ کی روحانی مدد سے میرے دل کا قفل کھل گیا اس نے دریافت کیا تو نے کیا دیکھا۔ میں نے عرض کیا میں نے دوسرا توکل بیگ اور دوسرا ملا شاہ دیکھا۔ پھر میری آنکھوں کی پٹی کھول دی گئی میں نے آنکھیں کھول کے اپنے شیخ کو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے دیکھا۔ پھر دوبارہ انہوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھی پھر میں نے اپنی باطنی آنکھوں سے شیخ کو دیکھ لیا۔ میں نے استعجاب میں یہ کہا اے مرشد آیا میں تجھے اپنی باطنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں یا جسمانی آنکھوں سے تجھے میں اس وقت ایسا ہی دیکھ رہا ہوں جیسا ہمیشہ دیکھا کرتا ہوں اسی اثنا میں میں نے ایک چکا چوندی مارتی ہوئی شکل اپنے پاس آتی ہوئی دیکھی۔ شیخ نے مجھ سے ارشاد کیا جو شکل تیرے قریب آ رہی ہے اس سے نام دریافت کر میں نے اپنی روحانی زبان سے یہ سوال کیا یا دوسرے الفاظ میں میرے ضمیر میں یہ سوال دریافت کرنے کی کیفیت پیدا ہوئی معاً اس نورانی شکل نے یہ جواب دیا۔ میں عبد القادر جیلانی ہوں ابھی میں تیرے ساتھ آ کے ملا ہوں جا تیرا دل روشن ہو گیا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس ولی اللہ کا احترام میری ضمیر میں کس درجہ پیدا ہوا۔ میں ہر جمعہ کی شب کو سارا قرآن شریف پڑھ لیا کرتا تھا۔ ملا شاہ نے پھر کہا روحانی دنیا اپنے تمام و کمال حسن کے ساتھ تجھے نظر آگئی۔ میں نے کامل اطاعت اور فرمانبرداری سے باطنی الفاظ سے اپنے پیر کا شکریہ ادا کیا اور اس کا سچا خادم بنا۔ دوسری شب میں نے حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چار صحابہ کی زیارت کی جو اپنے نبی کے ساتھ فرحان و شادان تھے اور پھر تمام اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی

کسی مسلمان پر ثابت نہ ہوتا تھا تو اس سے سکھ ہو جانے کی درخواست کی جاتی تھی اور جب وہ انکار کرتا تو اس پر یہ عظیم الشان جرم قائم کر کے سزائے موت دی جاتی تھی۔ چند کوتاہ قلموں نے سکھوں کے ان قابل رحم مظالم کو لوگوں کے دلوں سے نسیاً منسیاً کرنے کے لئے مسلمانوں شہنشاہوں کے سر پر جابرانہ ظلم چپکے ہیں۔ اور اپنی بے معنی تواریخ میں منگھڑت قصے گھڑ گھڑ کے انہیں بدنام کرنا چاہا ہے مگر وہ نہیں جانتے کہ خاک ڈالے سے نہ مہتاب چھپ سکتا ہے نہ روشن آفتاب کی کرنیں ہاتھ لگانے سے میلی ہو سکتی ہیں۔ ایسی تاریخوں سے ہندوؤں کے بچے ضرور فائدہ اٹھاتے ہیں اور چسکے لے لے کر ایسی کتابوں کو پڑھتے ہیں مگر مبصر کی نگاہوں میں وہ ساری باتیں بیہودہ اور لغو ہیں۔ غرض مولانا شہید امرتسر سے لاہور پہنچے اور ایک سرائے میں جا کر قیام کیا آپ نے حکومت کا رنگ دیکھ کر پشاوری کو علیحدہ کر دیا اور تاکید کر دی کہ دن کو مجھ سے نہ ملے نہ کبھی بات کرے کیونکہ رنجیت سنگھ کا یہ حکم تھا کہ اگر پشاور یا قندھار کا باشندہ کسی پردیسی سے بات چیت کرتا ہوا دیکھا جائے تو اُسے اسی جگہ پر فوراً بغیر پوچھے گچھے سزائے موت دی جائے صدہا بیگناہوں کی جانیں اسی طرح ضائع ہو چکی تھیں مگر ان کا انتقام لینے والا کوئی نہ تھا۔

سکھوں کا دستور ہے کہ وہ ہولے کر کے کھاتے ہیں۔ دلی میں ہولے سوکھے بوٹوں کو گھاس پھوس کی آگ میں معہ شاخوں کے خستہ کرنے کو کہتے ہیں مگر سکھوں میں اُنہیں ہولے نہیں کہتے وہ ایک بڑے فولادی پنجرہ میں چیل، کوے، کبوتر، تیتر، مینائیں، طوطے غرض مختلف قسم کے جانور بند کر کے پنجرہ کو کسی درخت سے لٹکا دیتے ہیں اور پھر نیچے سے آگ دیدیتے ہیں وہ زندہ پرند پھڑ پھڑا کے بھُن کر کوئلہ ہو جاتے ہیں پھر انہیں

زیارت سے فیضیاب ہوا تین مہینہ کے بعد میں ایک ایسی سرزمین میں پہنچا جہاں ان صورتوں میں ایک صورت بھی نظر نہ آئی۔ اس عرصہ تک شیخ مجھے توحید اور علم خدا کے اسرار بیان کرتا رہا۔ تاہم ابھی تک درجہ تکمیل کو میں نہیں پہنچا تھا نہ اس نے اس کی کامل حقیقت مجھے بتلائی تھی۔ ایک برس گزرنے کے بعد مجھے توحید کا علم ہو گیا اور اب میں شیخ سے ان الفاظ میں اپنے الہام اور القا کے رباعی کو یوں بیان کرنے لگا۔ "میں اپنے جسم پر پانی اور خاک دیکھتا ہوں اب مجھے نہ اپنے دل کا پاس ہے نہ اپنے روح کا ہائے افسوس کس غفلت میں میری اتنی زندگی گذر گئی اس کے بعد دل سے نہایت ہی پرجوش یہ چشمہ اُبلا۔ مجھ میں تو اور میں تجھ میں۔ یہ جملہ روحانی قوت سے میری زبان دل سے نکلا شیخ سنتے ہی خوش ہو گیا اور یہ کہنے لگا توحید کی اصلی سچائی اب تجھ پر کھلی ہے توکل بیگ نے مجھ سے اصول توحید کی پورے طور پر تعلیم پالی اس کی باطنی آنکھیں روشن ہو گئی ہیں گوناگوں رنگوں اور صورتوں کے کمرے اس نے بخوبی دیکھ لئے ہیں یہاں تک کہ وہ بیرنگ کمرہ میں داخل ہوا اور اب اُس کا رونگٹا رونگٹا یہ گویا ہے۔ ؎ شکر اللہ کہ در ساغر من ریختہ ٭ اندمے بیرنگ زمیخانہ بے نام و نشان۔

اب وہ توحید کے قریب پہنچ گیا جہاں سے اسے وصل ہو سکتا ہے۔ شبہ اور تذبذب کی پھیری اب کبھی اس پر نہ چلے گی۔

صاف کر کے یہ ناخداترس کھاتے ہیں۔ اسی طرح بیگناہ مسلمانوں کے ہولے کئے جاتے تھے اور یوں تڑپا کے انہیں مارا جاتا تھا۔ ہم ان شرمناک کاروائیوں کا ذکر نہیں کرنا چاہتے جو سر بازار سکھ کرتے تھے۔ ہماری محمدی تہذیب اور قانون انگلشیہ ہمیں اجازت نہیں دیتے کہ ہم ان میں سے ایک بات کا بھی تذکرہ کریں صرف اسی قدر لکھنا کافی ہوگا کہ سکھوں کی قدرت میں جو کچھ تھا اور ان کی اوُنگی عقل جتنے مظالم ایجاد کر سکتی تھی وہ انہوں نے بیگناہ مسلمانوں پر توڑے جنہوں نے اف تک نہیں کی۔ ہم اپنے قول کی سند کے لئے ایک معتبر کتاب میں سے جو ایک ہندو صاحب ایکسٹرا اسسٹنٹ کی تصنیف ہے چند جملے سکھوں کے مظالم کی بابت نقل کرتے ہیں جو انہوں نے غالباً کیا قطعی اسی زمانہ کا ذکر کیا ہے جب مولٰنا شہید دورہ پنجاب میں تھے چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"ابتدا میں سکھوں کا طریق غارتگری اور لٹیرے پنے کا تھا جو ہاتھ آتا تھا لوٹ کر اپنی اپنی جماعت میں تقسیم کر لیا کرتے تھے اور بسبب ان کے لوٹ کے اور علاقے والوں اور دیہات والوں نے ان کو نذرانہ دینا منظور کیا کہ وہ راکھی کہلاتے تھے۔

مسلمانوں سے سکھوں کو بڑی دشمنی تھی اذان یعنی بانگ بلند آواز سے نہیں ہونے دیتے تھے۔ مسجدوں کو اپنے تحت میں لے کر گرنتھ پڑھنا اس میں شروع کرتے اور اس کا نام مست گڑھ رکھتے تھے اور سچ کریا مانند اور ہندوؤں کے ان کو مطلق نہیں۔ شکار اور شراب خور ہوتے ہیں اور گھوڑے پر چڑھے ہوئے روٹی کھاتے چلے جاتے ہیں اور دیکھنے والے کہتے ہیں جہاں وہ پہنچتے تھے جو مٹی کا برتن کسی مذہب والے کا (خصوصاً مسلمان کا) پڑھا ہوا ان کو ہاتھ آجاتا تھا پانچ جوتے اس پر مار کر کھانا پکا لیتے تھے۔ یعنی پانچ جوتے اس پر مارنا اس کو پاک ہو جانا سمجھتے تھے"۔

ناظر سوانح اندازہ کر سکتا ہے کہ ہندو مصنف نے جب یہ واقعہ بیان کیا ہے اور مجبوراً اس کے قلم سے بھی سرزد ہو گیا پھر کون شبہ کر سکتا ہے کہ ہمارا محمدی رپورٹر غلط بیان کرے اور پروالے جملوں کے ہر ہر لفظ سے

کوئی متنفس توحید کو ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا جبتک اپنی باطنی آنکھیں نہ کھولے اور انہی سے نہ دیکھے"۔

میری اس تحریر سے ناظر سوانح کو اسقدر اندازہ کرنے کی سمجھ آجائیگی کہ وہ اصول تصوف اور جھوٹی فیلسوفی کو علیحدہ علیحدہ کریگا اور اسے صاف طور پر یہ بھی ظاہر ہو جائیگا کہ مولانا شہید نے جس تصوف کی مخالفت کی تھی وہ جھوٹا تصوف تھا جس سے لوگوں کو ٹھگا جاتا ہے اور خدا کی مخلوق کو فریب میں پھنسا کے دین و دنیا کا نہیں رکھا جاتا۔ موجودہ زمانہ میں چند شریر النفس نے اپنے ناقابل پیروں کی تعریف میں وہ کتابیں شائع کی ہیں جن میں سراسر کفر و الحاد بھرا ہوا ہے مثلاً "نور الابصار" میں ایک پیر کی کراموں

ٹپکتا ہے کہ ہندو مصنف سکھوں کے مظالم کا حال لکھنا نہیں چاہتا مگر واقعات کا اظہار اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ دبی زبان ہی سے سہی ضرور قلم بند کرے ہر ہر لفظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مصنف قلم سے نکالنا نہیں چاہتا اور وہ نکلے جاتے ہیں جیسے ایک شخص ایک قدم بھی اٹھانا نہیں چاہتا اور زبردستی اسے دھکیل کر کوئی شخص اسے لے جانا چاہے۔

مولانا شہید نے القصہ لاہور میں پہنچکر امرتسر سے بھی زیادہ سکھوں کے جابرانہ مظالم کا اور ہی چڑھا ہوا رنگ دیکھا جہانگیر کے مقبرہ سے قیمتی پتھر اکھیڑے گئے تھے اور گرنتھ پڑھنے کا مقام اسے بنالیا گیا تھا جس کا نام مست گڑھ رکھا تھا۔ سینکڑوں نام اور مسلمانوں کی قبریں اکھڑوا کر پھنکوا دی تھیں فیصدی دس مسجدیں بمشکل مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں اور انہیں پر بھی سکھ ہی اپنا تسلط رکھتے تھے۔ کہیں گھوڑے بندھے ہوئے ہیں تو کہیں خود رہتے ہیں کہیں گرنتھ پڑھنے کی جگہ ہے تو کہیں بداعمالی کرنے کا مقام ہے۔

یہاں کے مسلمانوں کی حالت دو صورتوں سے قابل رحم تھی پہلی صورت تو یہ تھی کہ انہوں نے قرآن وحدیث کے روشن احکام کو بھلا دیا تھا یہاں تک کہ انہوں نے ایمان کے ذکر اذکار میں قرآن وحدیث کو تو بالکل ہی اڑا دیا تھا صرف کسی فرضی پیر شہید کے اقوال یاد رہ گئے تھے جنہیں وہ کلام ربانی سے بہتر اور مستند گردانتے تھے یہ پہلا خونی نظارہ تھا جس سے پیارے شہید کے آنسو ٹپک پڑے اور وہ بے اختیار ہو گیا۔ نمازوں میں بجائے اللہ اکبر کے یَا غَوْثُ اَغِثْنِیْ لوگوں نے کہنا فرض سمجھ لیا تھا اس سے زیادہ قہر خدا مسلمانوں پر اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے دین سے بالکل گمراہ ہو گئے۔ خدا کی گوناگوں رحمتوں کا پرتو ان پر سے بالکل اٹھ گیا تھا بعینہ یہ کیفیت تھی کہ اگر کسی کے آگے قرآن کی آیتیں پڑھو تو وہ منہ پھاڑے ہوئے دیکھتا تھا کہ کیا پڑھا جا رہا ہے اور کس ملک کی بولی ہے ہاں پیروں شہیدوں، ولیوں کی جھوٹی کرامتوں کی قلمی کتابیں ان کے ہاتھوں میں دکھائی دیتی تھیں جو حد سے زیادہ کفر والحاد کی طرف ان کو لے جانے میں کوتاہی نہ کرتی تھیں۔ ہر شخص کا یہ خیال تھا کہ کسی نہ کسی کا مرید ہو جانا جنت کو خرید لینا ہے پھر گویا جنت ان کے باپ دادا کی ہو گئی۔

کا ذکر ہے میرے خیال میں جتنی کرامتیں یا معجزے اس میں بیان ہوئے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں سے ان کا وزن بھاری ہے اس کتاب میں پیر جی کو عالم غیب بنایا گیا ہے اور یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ دین محمدی تیرہ سو برس سے تاریک تر تھا یہ پیر جی کا دم تھا کہ انہوں نے اسے روشن کر دیا نبی اکرم غیبدان نہ تھے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا گیا اس کا صدق وکذب۔ جب تک وحی نہ اتری آپ کو معلوم نہ ہوا مگر اخوندجی کئی کئی سال پہلے کی خبریں اس طرح بیان کر دیتے ہیں کہ گویا اُن کی آنکھوں کے آگے ہو رہی ہیں در اصل وہ بیچارے سیدھے سادھے بے لکھے پڑھے مسجد کے ملانے تھے ان کے جانشین نے مرنے کے بعد انہیں خدا بنا دیا (معاذ اللہ) اس قسم کے اشد کفریات بکنے والے کی مولانا شہید مخالفت کرتے تھے

یہی کیفیت پیروں کی تھی اور یہی حالت مریدوں کی۔ دونوں ایک ہی تھیلی کے بٹے تھے یہ پہلا خونی اور فنا کر دینے والا نظارہ تھا جس نے مولانا شہید کو خون کے آنسو رلایا اور بعدازاں اس سے دوسرے درجہ کا سکھوں کی دین اسلام کے ساتھ بے ادبی اور مسلمانوں پر ناقابل بیان مظالم تھے جو ہر عدالت ہر شاہراہ ہر محل اور سکھوں کے ہر مکان میں ہوا کرتے تھے یہ لکھنا فضول ہے کہ سکھوں نے کون کون سے ظلم مسلمانوں پر کئے بلکہ یہ لکھنا چاہئے کہ کونسا ظلم دنیا میں ایسا باقی رہ گیا جو انہوں نے نہ کیا ہو پنجاب میں ہمیشہ سے مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے مگر یہ افسوس سے دیکھا جائیگا کہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں فیصدی ۲۵ مسلمان جلاوطن ہو کے انگریزی عملداری میں چلے آئے تھے اب سمجھ لیا جائے کہ سکھ مسلمانوں سے کیسا وحشیانہ برتاؤ کرتے تھے جس کی نظیر سوائے اندلس اور بیت المقدس کے تیسری جگہ نہ ملیگی۔ یہ مظالم نظر غور سے مولانا شہید نے دیکھے اور آپ کی طبیعت پر ان افسوسناک منظروں نے مہیب اثر کیا۔ آپ کا قطعی ارادہ ہو گیا کہ ان سکھوں سے حتی الوسع انتقام لینے کی کوشش کرنی چاہئے اور جس تدبیر سے ممکن ہو مسلمانوں کو ان کے پنجۂ ظلم سے نجات دلوانی ضرور ہے۔ کئی موقعوں پر آپ نے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں پر ظلم ہوتے ہوئے دیکھے اپنی نڈر طبیعت اور خطرناک بہادری سے کئی بار سکھوں کے مقابلے میں دست بشمشیر ہونا پڑا مگر آپ کی دور اندیش اور محتاط عقل سمجھتی تھی کہ یہ شجاعت نہیں ہے بلکہ جلادت ہے جس سے سوائے جان ضائع ہونے کے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔

ایک ملکی یا قومی ہمدرد کبھی گوارا نہ کریگا کہ اس کے سامنے قوم کے بچے یوں بے بسی کی حالت میں ذبح کئے جائیں مگر مقتضاء وقت سے بشرطیکہ اس کے دماغ میں عقل ہے وہ کسی خوش آیندہ موقع کا منتظر رہیگا۔ اور اسی کو سچی شجاعت اور قوم پر جان نثاری کہتے ہیں محض جان دیدینے کا نام بہادری نہیں ہے بلکہ ایسے موقع پر جان دینے کا نام شجاعت ہے جس سے قوم کا بیڑا پار ہو جاوے اور تمام آفتیں قوم پر سے ٹل جائیں مولٰنا شہید نے گاؤں در گاؤں اور قصبہ در قصبہ چکر لگایا سکھوں کے مظالم کی خوب خوب بانگی دیکھی ان کے پولیٹیکل معاملات اور بندوبست سلطنت کو بھی ملاحظہ کیا اور بعض بعض قلعوں کے نقشے بھی اتارے غرض ہر قسم کا جزوی اور کلی اتار چڑھاؤ سکھ سلطنت کا ملاحظہ کیا۔ راہ میں بہت سے مسلمان سرداروں سے افغانستان کی سرحدات پر ملاقات ہوئی اُن سے بھی جو کچھ حاصل کرنا تھا حاصل کیا۔

تمام سفر میں دو تین جگہ مولانا شہید پر سکھوں کی طرف سے زیادتی بھی ہوئی اور کوئی تعجب نہ تھا کہ پیارا شہید

اور اصلی تصوف کے آپ بڑے حامی تھے اور خود بھی بہت بڑے صوفی تھے میری اس توضیح سے ان بدگمانیوں کو کامل شکست ملیگی جو مولانا شہید کی مقدس ذات پر لاعلمی یا تعصب سے قائم کی جاتی ہیں اور آپ کی والاشان اصلاح کا سچا مرتبہ معلوم ہوگا۔ (مصنف)

ان کی تیغ براں کا شکار ہو جاتا مگر فطرۃ کو اس سے بہت سے کام لینے تھے اور انہیں نازک کلائیوں پر سکھوں کے بہت سے شہروں کی فتح لکھی ہوئی تھی پھر کیونکر ممکن تھا کہ ذرا بھی بال بیکا ہوتا اور کسی قسم کا بھی آسیب آپ کی مبارک ذات پر حادث ہوتا۔ دو برس تک مولانا شہید نے پنجاب کی سیر بالکلیہ کر لی اس کثیر عرصہ میں آپ کو سکھوں کی کریہ بولی سے بھی مہارت تامہ حاصل ہو گئی۔ ڈوگری پنجابی بخوبی بولنے اور سمجھنے لگے اور خاموشی ہی سے صدہا مسلمانوں کو گور پرستی کی تاریکی سے نکالا آپ کی خاموشانہ تلقین کا اہل پنجاب پر یہاں تک اثر ہوا کہ عورتیں بھی عربوں کی سی تہ بند باندھنے لگیں اور عرصہ تک پنجابیوں کی یہ کیفیت رہی کہ برہنہ پا شاہراؤں میں پھر رہے ہیں کہیں ان کے کان میں یہ پڑ گیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بارہا برہنہ پا پھرے ہیں۔ کیا تو یوں گور پرست تھے اور کیا اپنے ہادی کی محبت میں صرف پیارے شہید کے ذریعہ سے ایسے محو ہوئے کہ دنیاوی معاشرت میں بھی رسول اللہؐ کا اتباع افضل جانا مولانا شہید کے وعظ میں قدرتی تاثیر تھی کلکتہ کے اضلاع میں بنگالی مسلمان ایسے دکھائی دیئے ہیں جو جوتیاں بہت کم پہنتے ہیں اور کرتے کے گریبان میں گھنڈی یا بوتام کم لگاتے ہیں۔

مولانا شہید نے اس سفر پنجاب میں جو جو کچھ سختیاں اٹھائیں اور مصیبتیں جھیلیں انہیں مفصل بیان کر کے ہم ناظر کا وقت نہ لیں گے صرف اس کے اطمینان کے لئے اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ آپ نے یہ سفر پاپیادہ کیا تھا۔ اس سفر میں کبھی آپ برہنہ پا ہوتے تھے اور کبھی پاؤں میں جوتی ہوتی تھی چونکہ چلتے پھرنے پانی میں تیرنے کی مشق بڑھی ہوئی تھی اس لئے آپ نے اس عظیم الشان سفر کو جتنا خیال میں آسکتا ہے مفید بنایا اور خوش قسمتی سے کبھی آپ سفر میں مریض بھی نہیں ہوئے۔

اگر ہمارے دماغ میں ذرا بھی عقل ہے اور ہمیں فطرت سے فہم سلیم کا حصہ ملا ہے تو آسانی سے ہماری سمجھ میں آجائیگا کہ مولانا شہید میں فاروق اعظم جیسی روح اور حضرت خالد جیسے بید حڑک شیر کی سی سپرٹ اور سچے مسلمانوں کا سا دین پر فدائیانہ عشق تھا جس نے ہوش سنبھالتے ہی مسلمانوں کی خستہ حالی پر خون کے آنسو بہائے اور ان کی ترقی میں بڑا ہوا بوڑھا ہوا اور آخر ان ہی کے لئے جان دیدی اس تواریخی اتار چڑھاؤ کے دیکھنے کے بعد اور اس عظیم الشان اور محنت اور جان نثاری کے علم حاصل ہونے کے بعد اگر اب بھی ہم اپنی ناتراشیدہ عقول کے صدقہ میں نئی نئی گھڑی ہوئی باتیں آپ پر عائد کریں اور اپنی ناپاک تصنیف میں آنکھیں بند کر کے نا ملائم حملوں سے یاد کریں تو ہماری حالت پر افسوس ہے۔ یہ کتنے ماتم کرنے کا مقام ہے کیا تو وہ زمانہ تھا کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کو مسلمان بنانے کے لئے ملک کے ملک چھان ڈالتے تھے اور جب اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتے تھے تو اپنی خطرناک محنتوں کا صلہ انہیں اپنی کامیابی

سے وصول ہوجاتا تھا یا اب یہ زمانہ آگیا کہ ہم ان برتر نفوس کو جن پر قوم اسلام قیامت تک فخر کرےگی اپنی قوم سے نئے نئے من گھڑت الزام لگا کے خارج کرنا چاہتے ہیں اور ان کی جگہ ان رذیلہ انفاس کو دیتے ہیں جو درحقیقت ننگ اسلام اپنی زندگی میں بھی رہے اور مرنے کے بعد بھی اگر چشم بصیرت وا ہو اور انصاف کی بو دل اور دماغ میں ہو اور اسلام سے کچھ بھی تعلق ہو تو معلوم ہو کہ ہندوستان میں پہلا شخص اسمٰعیل ہوا ہے جسے ہم ریفارمر (مصلح) کا لقب دے سکتے ہیں۔ ہندوستان کی ہزار برس کی سلطنت کا اگر کچھ نتیجہ ہوا ہے تو یہ کہ مسلمانوں میں ایسا شخص پیدا ہوا جس نے صدیوں کی خرابیوں کو دور کر دیا اور جس کے واقعات سوانحمری سے اس کی کافی شہادت ملتی ہے۔ ہاں انصاف اور اسلام سے سچی محبت اور نبی اکرمؐ سے فدائیانہ عشق چاہیئے۔

آٹھواں باب

سفر سے مراجعت۔ دہلی کی بے بنیاد افواہیں۔ سید احمد صاحب سے ملاقات

جب مولانا شہید نے اپنے دلی مقاصد حاصل کر لئے تو آپ دہلی تشریف فرما ہوئے۔ فی الحال آپ نے اپنے ارادہ کی اطلاع کسی کو بھی نہیں کی نہ یہ بیان کیا میں کیوں گیا تھا کہاں کہاں کا دورہ کر کے آیا ہوں۔ یہ باریک اور رازدار باتیں اسی حد تک کام دے سکتی ہیں جب تک وہ عالم بطون میں رہیں اور جہاں ان کا افشا ہو گیا پھر ان میں فائدہ پہنچانے کا زیادہ مادہ نہیں رہتا۔ آپ نے اپنے داخلہ کے وقت سے بھی کسی کو اطلاع نہیں دی آپ کا ارادہ جس طرح رازدارانہ تھا اسی طرح آپ کا سفر بھی خاموشانہ تھا۔ سکھوں کی بے انتظامی کی وجہ سے پنجاب کے راستے بہت خراب تھے اکثر جاٹ اور قزاقی پیشہ زمیندار اکے دُکے پر حملہ کرتے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ تنہا یا دو چار آدمیوں کے ساتھ بھی سفر کر سکے۔ اور علاوہ رہزنوں کے بھیڑیوں بگھیروں، تیندوں اور بعض اوقات شیروں کا بھی ڈر ہوتا تھا جو سالانہ صدہا آدمیوں کا صفایا کر دیا کرتے تھے مگر آپ کی حالت اس قابل نہ تھی کہ آپ قافلہ کے پابند رہتے اور اسی کے ساتھ منزل بمنزل طے کرتے۔

سفر پنجاب میں بعض موقعے ایسے بھی پڑ گئے تھے کہ آپ کو چوبیس گھنٹے برابر چلتے رہنا پڑا۔ اور گھنٹہ بھر بھی آرام لینے کا موقع نہ ہوتا تھا۔ آپ کا مقصد عظیم کام خطرناک اور حالت نازک تھی کہیں ممکن ہو سکتا ہے کہ ان صورتوں میں آپ قافلہ کے ساتھ معیت کر سکتے۔

یہ صحیح ہے جس کا عظیم الشان بھروسہ دل سے خدا کی مدد پر ہو نہ اُسے کوئی چیز اذیت پہنچا سکتی ہے نہ اُس بہادر پر کبھی خوف طاری ہو سکتا ہے وہ سو شیر دل کا ایک شیر ہے اور سو بہادروں کا ایک بہادر ہے۔ شیخ سعدی

کی وہ حکایت جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

یکے دیدم از عرصۂ رودبار — کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار

بالکل صحیح اور درست ہے جس کے دل میں خوف خدا اور اُسی کا بھروسہ ہے شیر کی ہرگز مجال نہیں ہے کہ اس کو سواری نہ دے اور اس کے آگے غریب گدھے کی طرح نہ بن جائے معمولی عقول ان باریک باتوں کو تسلیم کرتی ہوئی جھجکیں گی۔ مگر جنہوں نے صوفیوں کے اقوال اور ولپاور (قوت تیقن) کی تاثیرات ملاحظہ کی ہیں وہ ان باتوں کو کوئی بھی بڑا کام نہ سمجھیں گے۔ عربی دان واجب الاحترام صوفیوں کے اقوال دیکھ سکتے ہیں اور انگریزی خوان میڈم بلیوڈسکائی کی مصنفہ کتاب کا جز زیادہ تر ولپاورجی کے بیان اور اسی قیمتی اور قریب قریب لاانجیل مضمون کی توضیح کے لئے لکھی گئی ہے دیکھ کر اور ساتھ ہی اس کے سمجھ کے اپنا اطمینان کر سکتا ہے صوفی اسی کو خرق عادت اور کرامت کہتے ہیں۔

مولانا شہید چونکہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں سرگرم تھے انہیں نہ جنگل کی سنسانی نہ خبیث ارواح یعنے رہزنوں چوروں کی دستبرد اور درندہ جانوروں کی دہشت انگیز آوازوں کا کچھ ہراس تھا نہ دشمن دین و ایمان سکھوں کا چنداں خوف تھا جب آپ اپنے خیالات سے فرصت پاتے تو اپنے دل میں یہ خواہش تو ضرور کرتے کہ میں بیکار نہ مارا جاؤں میری جان شیریں مسلمانوں پر صدقہ ہو اور جب اپنے عالیشان فرائض کی انجام دہی یا توحید پھیلانے کا خیال آتا تھا تو پھر سوائے خدا کے کسی مہیب چیز سے تل برابر بھی خوف نہ رہتا تھا۔

کیا ہم روزہ مرہ اپنی آنکھوں کے آگے نہیں دیکھتے کہ رذیلہ النفاس حیوانی جذبات کے آناً فاناً کس کس طرح مطیع ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں جب تک اُن کے دماغ میں وہ جنون ہے دین و دنیا کا ہوش نہیں رہتا اور ایسی حالت میں اُن سے وہ وہ افعال سرزد ہو جاتے ہیں جن کا حدوث کبھی ان کی ذات سے ممکن نہیں سمجھا جا سکتا چہ جائیکہ پاک نفوس میں ربانی ذوق و شوق اور ملکیہ جذبات کا ابھار ہو پھر بھلا ارذل مخلوق میں سے ایسے کونسی چیز آسیب پہنچا سکتی ہے۔ شاہ صاحب نے بارہا اپنے محمدی بھائیوں سے اپنے سفر پنجاب کا حال بیان فرمایا اور اثنائے گفتگو میں یہ بھی تذکرہ کیا کہ کبھی کبھی ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ شیر اور شیرنی بیٹھے ہیں اور میں اپنے خیال میں محو ان کے آگے سے چلا گیا نہ شیر نے مجھے دیکھ کر میری طرف جست کی نہ میں نے یہ دیکھ کر خوف کھایا کہ یہ شیر ہے مجھے کھا جائیگا۔

اس بات کا تجربہ ہو چکا ہے کہ انسان کی آنکھ میں وہ کشش ہے اگر کسی جانور سے دو تین منٹ بھی مل رہیں تو وہ جانور کیا تو اپنی جگہ ہی پر بیٹھا رہیگا یا زمین پر گر پڑیگا یا بدحواس ہو جائیگا۔ جب تجربہ سے آنکھ میں اس درجہ کی مقناطیسی کشش ثابت ہو گئی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ دل میں جو گذرگاہ جلیل اکبر ہے اس سے ہزار چند زیادہ

کشش نہ ہو اور وہ جس پر توجہ کرے اُسے پانہ کر دے اس لحاظ سے ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی بات مانع نہیں آتی کہ مولانا شہید کا دل پورا انسانی جوہروں سے اسطرح آراستہ تھا جسطرح کہ ربانی جلوؤں سے منور ہو رہا تھا پھر بھلا یہ کیا تعجب کی بات ہے کہ شیروں نے آپ پر حملہ نہ کیا اور آپ بھیڑیوں کے غول میں سے نکل گئے انہوں نے کان بھی نہ ہلایا جب ایک مبصرانہ نظر انسانی جبروت پر ڈالی جائیگی اور اس کی ماہیت پر دل کی آنکھوں سے دیکھا جائیگا تو اس بات کا ثبوت پورا مل جائیگا کہ انسان کائنات کے سر پر کھڑا ہوا ہے اور اسکی ذاتی شرافت نے اسے تمام کائنات پر فضیلت بخشی ہے مولانا شہید کے سفر میں جن جن حوادث سے واسطہ پڑا تھا اگر وہ مفصل بیان کئے جائیں اور ان کی ماہیت سے ناظر کو آگاہ کیا جائے تو گویا میں نے ناظر کو دھوکا دیا اور اسے دیرینہ کرامتوں کے فسانہ کی بھول بھلیوں میں ٹپے ٹوئیاں مارتا ہوا چھوڑ دیا۔ جہاں سے وہ فطرت کی گوناگوں قوتوں کی حالت اور نوعیت کو نہ سمجھ کر سخت پریشانی اور بے اطمینانی میں پڑ جائیگا اس لئے میں ان واقعات کا ذکر نہ کروں گا کیونکہ انہیں حل کرنے اور عام فہم بنانے میں جس قدر مجھے وقت پڑیگی اس سے کہیں زیادہ ناظر کو سمجھنے میں طرح طرح کی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑیگا اس لئے ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ بیٹھے بٹھائے ناظر کو خلجان میں ڈالوں۔ بہتر ہے کہ دوسرے روشن اور صاف مطالب کی طرف اپنے قلم کو پھیروں۔

یہ بات بھی بیان کرنے کے قابل ہے کہ دہلی میں مولانا شہید کے بعد کیا کیا افواہیں مخالفین نے بے پر کی اڑائیں اور اپنے شامت زدہ خیالات سے آپ کی والا ذات پر کیا کیا اتہامات عائد کئے۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ پیارے شہید کا یہ سفر جسقدر رنج کا اور ذاتی تھا اسی قدر خاموشانہ تھا۔ وقت کی مصلحت ہرگز اس کی مقتضی نہ تھی کہ آپ اپنے سفر پنجاب کا منشا کسی پر ظاہر کرتے یا یہ بھی بیان کرتے کہ میں سفر پنجاب پر روانہ ہوتا ہوں جب محمدی گروہ میں سے یکایک مولانا شہید غائب ہو گئے اور مخالفوں کو جستجو کے بعد بھی نہ ملے تو ان کی طبائع میں خلجان پیدا ہوا اور وہ اس راز سربستہ کی جستجو میں اپنی عقلیں دوڑانے لگے بہت سے مخبر خاص اس کام کی انجام دہی کے لئے مقرر کئے گئے کہ مولانا شہید کے شاگردوں سے جہاں تک ہو سکے ان کا پتہ لگائیں آیا وہ کہیں جمنا میں ڈوب گئے یا خودکشی کر کے راہی ملک بقا ہوئے۔ ان کی پہلی کوشش یہ تھی کہ وہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں مولانا شہید کے ہمدرد بن کر حاضر ہوئے اور انہوں نے متعجبانہ لہجہ میں دریافت کیا۔ حضرت کئی دن سے ہم نے شاہ اسمٰعیل صاحب کو نہیں دیکھا اور یہ بھی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ گھر میں نہیں ہیں تعجب ہے کہ وہ کہاں تشریف لے گئے اور یکایک ہمیں بے پناہ چھوڑ کر کہاں چلے گئے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب خود متفکر تھے اور انہیں اپنے پیارے بھتیجے کے یوں یکایک چلے جانے کا صدمہ سخت ہوا تھا گو وہ یہ بخوبی جانتے تھے کہ اسمٰعیل کا یوں چلا جانا ضرور معنی رکھتا ہے اور اس میں اعلیٰ مقاصد کا مادہ

مضمر ہے پھر بھی آپ کو خصوصیت سے محبت تھی آپ نے غرض اپنی لاعلمی ظاہر کی اور کہا تم تپہ لگاؤ اگر تمہیں معلوم ہو جائے مجھے بھی اس کی اطلاع کر دینا۔

ناعاقبت اندیشوں نے اپنی خبیث طبائع کی بدولت یہ خیال کیا کہ شاہ صاحب جھوٹ بولتے ہیں انہیں ضرور معلوم ہو گا کہ وہ کوتاہ بین یہ نہ سمجھے کہ شاہ صاحب کبھی جھوٹ نہ بولیں گے اسی خیال سے جاتے وقت مولوی اسمٰعیل صاحب نے اپنے چچا شاہ عبدالعزیز صاحب اور اپنے خاندان کے ہر ممبر سے اپنا ارادہ ظاہر نہ کیا کیونکہ وہ جھوٹ بولنے کے نہیں اور جو شخص دریافت کریگا انہیں کہنا پڑیگا اور اگر وہ یہ کہیں گے مجھے معلوم ہے بتاتا نہیں تو نئے نئے شبہات لوگوں کو ہونگے اور خبر نہیں اپنی نافہمی اور تذبذب طبائع کی بدولت لوگ کیا کیا خیال کرنے لگیں گے یہاں سے جب مخالف ناامید ہوئے اور انہیں تپہ نہ لگا تو اب دوسری تدبیریں کرنی شروع کیں یعنی آپ کے خاص الخاص شاگردوں سے جا گھٹے پہلے ان کے معتقد بن گئے اور کچھ صدق دلی سے انہیں نذرانہ بھی پیش کیا۔ چند روز میں ان پاکیزہ طینت طلبا کو ان چلتے پرزوں نے گانٹھ لیا اور ایک دن ادھر اُدھر کی باتیں ملا کر رونے لگے اور شاہ اسمٰعیل صاحب کے چلے جانے پر سخت افسوس کیا اور کہا کہ ایسی حالت میں کہ شرک و بدعت کی اصلاح ہوتی چلی تھی شاہ صاحب کا دہلی چھوڑ کر یوں چلا جانا قہرناک ہے غرض ایسی باتیں بنائیں جو انتہا درجہ کی ہمدردی سے بھری ہوئی تھیں اور ان میں دلسوزی سرتاپا پائی جاتی تھی۔ طلبہ نے صاف طور پر یہ کہدیا کہ شاہ اسمٰعیل صاحب الہ آباد تشریف لے گئے ہیں مگر یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ الہ آباد کیوں گئے ہیں۔ اتنا تپہ لگ جانا بھی انہوں نے اپنی فتح کی پیشین گوئی خیال کیا اور ایسے راز سربستہ کے افشا ہونے پر وہ پھولے نہ سمائے۔ ان کے ظرف اس قابل تھے کہ وہ ان ناچیز کامیابیوں پر بغلیں بجائیں اور اپنی فتحمندی اس بے بنیاد خیالی کامیابیوں پر خیال کریں۔ انہوں نے یہ سنتے ہی کئی آدمی پوشیدہ الہ آباد دوڑائے کہ جاکر اسمٰعیل کی خبر لائیں۔ ڈیڑھ دو مہینے میں آدمی واپس آگئے اور انہوں نے صاف طور بیان کر دیا وہاں اسمٰعیل نہیں گیا۔

اس تحقیق کے بعد خوفناک تذبذب ان کے دلوں میں پیدا ہوا اور اب وہ چاروں طرف ہکا بکا دیکھنے لگے کہ یہ معاملہ کیا ہوا کبھی تو آپ سے آپ یہ خیال کر کے خوش ہوتے ہیں کہ خدا نے ہمارے دشمن کو غارت کیا کبھی یہ قاتل اور فنا کر دینے والا خیال ان کے دل میں آتا ہے خبر نہیں وہ اپنی کامیابی کی تدبیریں کرنے کے لئے ادہر اُدہر گیا ہوا ہوگا۔ ان دو متضاد خیالات سے ان کے دل پریشان تھے اور وہ حد سے زیادہ جستجو میں تھے جس طرح تپہ نکلے یہ نکالنا چاہئے کہ آخر وہ غائب کہاں ہو گئے۔

اس جستجو کرنے والے گروہ کا لیڈر سب سے زیادہ دینا بیگ خان تھا جس نے مولانا شہید کی بعد از ان شہادت کی خبر سُن کر جامع مسجد میں خوشی کی شیرینی عصر کی نماز کے بعد تقسیم کی تھی۔ اس کوتاہ اندیش کو بڑی جستجو تھی اور اس نے

اپنا صد ہا روپیہ پیارے شہید کے پتہ لگانے میں صرف کردیا تھا۔ کہیں مولوی فضل حق صاحب کے پاس لوگ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ کا دشمن خود بخود دہلی چھوڑ کر چلا گیا اب آپ دہلی آکر تشریف رکھیں وہ بیچارے ایسی شکست فاش کھا کر راہی خیرآباد ہوئے تھے کہ انہیں گوارا نہ ہوا کہ میں دہلی جا کر رہوں اس کے علاوہ رامپور میں ان کی بیش قرار تنخواہ بھی ہوگئی تھی۔ نواب رامپور بھی آپ کے علم و فضل کا معتقد تھا۔ دینا بیگ خاںؒ اور امام عیدگاہ دہلی کی عجیب کیفیت تھی۔ جو شخص بھی ان کے پاس جھوٹی خبر بھی لاتا تھا اسے بھی دو ایک روپیہ دیدیا کرتے تھے۔ دینا بیگ نے تو عام طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ جو کوئی صحیح خبر اسمٰعیل کے مرنے کی سناویگا اسے پانسو روپیہ انعام کے دونگا معلی طور پر کئی مہینہ تک یہ خبریں اڑتی رہیں کہ آج فلاں جگہ اسمٰعیل کی نعش دیکھی گئی ہے اور کل فلاں مقام پر ہم نے سنا کہ اسمٰعیل خودکشی کر کے مرگیا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ اسمٰعیل کی چالاکی ہے آپ گھر میں بند ہو کر بیٹھ گیا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ میری نسبت لوگوں میں کیا کیا خیالات پیدا ہوتے ہیں اور کیا کیا افواہیں اڑتی ہیں یہ بھی کسی کو خیال نہ تھا کہ مولانا شہید نے اس عظیم الشان کام کے لئے سفر کیا ہے اور اس گرانبار فرض کی انجام دہی کے لئے اپنا دن کا چین اور رات کا آرام چھوڑ دیا ہے بھلا یہ خیال ان کے دلوں میں آنے ہی کیوں لگا اور وہ کیوں اس طرف متوجہ ہونے لگے انہوں نے تو اپنی نافہمی سے پیارے اسمٰعیل کو دشمن اسلام سمجھ لیا تھا اور یہ جانتے تھے قوم و ملک کی تباہی اسمٰعیل کی ذات سے ہوگی۔ بعینہٖ ان کی وہی مثال تھی جو کفار عرب کی رسول اللہ کے ساتھ تھی ہاں فرق اسقدر تھا کہ یہ لوگ مومن تھے مگر حق کو زک دینے میں ان سے کم نہ تھے اس سے زیادہ ضد، اس سے زیادہ ہٹ دھرمی اس سے زیادہ تعصب، اس سے زیادہ کمینہ پن، اس سے زیادہ بے ایمانی، اس سے زیادہ خلاف اسلام اور کونسا فعل ہوگا کہ حاجی قاسم نے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں یہ کہہ دیا تھا جسے اسمٰعیل حرام کہیگا میں اسے حلال سمجھونگا اور جسے وہ حلال بتائے گا میں اسے حرام خیال کرونگا۔ یہ دیکھ کر پھر کس کو شبہ رہ سکتا ہے کہ پیارے شہید کو ہر طرح ستانے میں کوشش نہ کی گئی ہوگی اور سخت تنگ نہ کردیا گیا ہوگا۔

دینا بیگ وغیرہ کی آرزو یہ تھی کسی طرح ہمیں صحیح خبر اسمٰعیل کی موت کی مل جائے تاکہ ہم کھیل کھیلیں اور پھر نئی نئی منگھڑت باتوں کے خیال کرنے کا موقع ملے مگر وہاں تپہ بھی نہ چلتا تھا وہ بیچارے پیچ پیچ کے بیٹھ رہے اور یہی پتہ نہ لگا کہ مولانا شہید کو زمین کھا گئی یا آسمان۔ بہرحال اس تذبذب آمیز خوشی میں بھی وہ کسی قدر مطمئن تھے۔ کہ اسمٰعیل خواہ زندہ ہوں یا وفات پا گئے ہوں غرض دہلی سے تو چلے گئے یہی ہمارا مدعا تھا اور یہی ہمیں حاصل ہوگیا کبھی نہ کبھی تو ہمیں خبر لگ ہی جائیگی۔ مخالفین کی یہ بے اطمینانی دل و دماغ کو تسلی بخش نہ تھی نہ ان کے روحانی اضطراب کو دفع کر سکتی تھی گو وہ اس امر کی کوشش کرتے تھے کہ اب ہم یقینی اس امر کو سمجھ لیں کہ اسمٰعیل ہمیشہ کے لئے یہاں سے چلے گئے۔

ؒ بیگ کے ساتھ خاں کا لفظ خطاب کا ہے جو مغلوں کو شاہ کی طرف سے ملتا تھا۔ ۱۲

سب سے زیادہ ایک لطیف بات جو یقیناً ناظر سوانح کی دلچسپی کا باعث ہوگی بیان کرنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک صوفی نے دنیا بیگ سے اپنا خواب[۱] آکر اس وقت بیان کیا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب اس کی تھوڑی دیر بعد داخل دہلی ہوں گے وہ خواب بڑا ہی مذاق کا ہے۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ صوفی نے درحقیقت خواب دیکھا تھا یا کچھ اینٹھنے کے لئے بطور خود تصنیف کر لیا تھا مگر بظن غالب یہ معلوم ہوتا ہے کہ صوفی نے وہ خواب ضرور ہی دیکھا ہوگا۔ اور جب ہم اس کے خیالات دلی کا پرتو اور مولانا شہید کے حق میں خوش آئندہ پیشین گوئی خیال کر سکتے ہیں۔ خواب کا اختصار مفصلہ ذیل ہے۔

صوفی دنیا بیگ سے بیان کر رہا ہے۔

"میں تہجد کی نماز پڑھ کر سو رہا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جامع مسجد کے حجرہ میں بیٹھا ہوا ہوں اور شاہ عبدالقادر جیلانی کا حجرہ میں دربار لگا ہوا ہے حجرہ کی وسعت آنکھوں میں نہیں سماتی ہزاروں آدمی دست بستہ حاضر ہیں اور جائے صدر پر شاہ عبدالقادر جیلانی جلوہ افزا ہیں۔ ربانی جلوے کی حجرہ میں ایسی کثرت ہے گویا کئی آفتاب آکر بند ہو گئے ہیں اس روشنی پر بھی کسی کی آنکھوں میں چکا چوند نہیں ہوتی۔ آفتاب کی سی تیزی اس روشنی میں نہیں ہے بلکہ چاند جیسی خنکی پائی جاتی ہے۔ میں شاہ عبدالقادر جیلانی کے بہت ہی قریب ہوں ہم سب فرحان و شادان ہیں ایک کیفیت آرہی ہے جس کے لطف کو میں تا زیست نہ بھولونگا۔ ہر قسم کا ذکر ہو رہا ہے مگر لطف یہ ہے کہ ایک شخص بولتا ہے اور معہ پیر دستگیر سب توجہ اور شوق سے سنتے ہیں اثنائے گفتگو میں ایک شخص نے جو میرے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اسمٰعیل کا ذکر ہتک آمیز الفاظ میں کرنا شروع کیا قاعدہ کے موافق سب سنتے رہے جب وہ اپنی تقریر ختم کر چکا شاہ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا ہم نہیں چاہتے کہ ہماری مجلس میں ایسے شخص کا ذکر ہو جو دین خدا کا دشمن ہے اور اس نے اسلام کے مٹانے میں کمر باندھی ہے۔ یہ سن کر ذاکر نے عرض کیا اس نظر سے میں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ہماری اس خوش صحبت میں دلچسپی بڑھے بلکہ یہ موقع غنیمت جان کر عرض پرداز ہوں کہ ایسے سرکش دشمن ایمان کو حضور کے دربار سے سزا ملنی چاہئے اس نے دین خدا میں رخنہ ڈال رکھا ہے اور آپ جیسوں کی نسبت کلمات توہین آمیز کہتا ہے یہ کہہ کر وہ چپکا ہو رہا۔ پھر شاہ عبدالقادر جیلانی نے اس سے کہا تو نہیں جانتا ہم نے اس کے قدموں کو دہلی کی سرزمین سے کاٹ دیا ہے۔ بلکہ وہ کبھی کا دنیا سے بھی رخصت ہو چکا ہے۔ واقعی مجھے گوارا نہ تھا کہ ایسا رخنہ انداز اسلام زندہ بچے

---

[۱] تحفہ عزیزی صفحہ ۱۹۵۔ ۳۹۵ - ۳

ابھی شاہ عبدالقادر جیلانی یہ فرمانے بھی نہ پائے تھے کہ یکایک ایک خوفناک صدا سنائی دی اور حجرہ کی چھت ہم سب پر آپڑی اس صدمہ سے میں نے ایسا غل مچایا کہ میری آنکھ کھل گئی اور کل گھر والے میرے ساتھ اٹھ بیٹھے۔"

یہ سنتے ہی دنیا بیگ بہت خوش ہوئے پیردستگیر کی بشارت اور پھر چھت کا گرنا انہوں نے اپنی عقل کیمطابق پیارے شہید کے ناپید ہوجانے کا ثبوت سمجھا۔ لیکن یہ خیال نہ کیا ایسے بے ادبوں پر خدا کی طرف سے چھت گرائی گئی جو سچے حامی دین متین اور نبی اکرمؐ کے پیارے کو رخنہ انداز کہیں بہرحال صوفی کے خواب کے ٹکے سیدھے ہوگئے اور اس کے قول پر اعتبار کر کے دنیا بیگ نے کچھ زرنقد عنایت کیا۔

اس معاندانہ روح کا اندازہ وہی شخص کرسکتا ہے جس پر یہ حالت گو پوری نہیں مگر کسی قدر گذر چکی ہو وہ جان سکتا ہے کہ انسانی فطرت کی مایوسی جب چاروں طرف اسے مخالف دکھائی دیتے ہیں کس درجہ تک بڑھ جاتی ہے قصہ مختصر یہ کہ جس دن مولانا شہید داخل شہر دہلی ہوئے تھے افواہوں کا یہ طوفان بے تمیزی برپا تھا جس کی نظیر ہندوستان کی تواریخ میں اور کہیں ملنی مشکل ہے۔

پیارے شہید کے داخل شہر ہوتے ہی مخالفوں نے ایسی چپ کھینچی۔ گویا انہیں سانپ سونگھ گیا اب وہ حیران تھے کہ یہ بھید کیا ہے خبریں تو ایسی گرم گرم اُڑ رہی تھیں اور یہ یکایک زندہ آ کہاں سے پہنچے۔

غرض علاوہ وعظ و تعلیم کے مولانا شہید نے سکھوں سے انتقام لینے کی بھی پوشیدہ ہی پوشیدہ تدبیر کرنی شروع کی۔ خیال کرتے کرتے آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ سید احمد صاحب سے بھی جو آج کل شہر دہلی میں تشریف رکھتے ہیں مشورہ کرنا چاہیئے۔

مولانا شہید کی طبیعت میں سکھوں سے انتقام لینے اور مسلمانوں میں توحید پھیلانے کا شعلہ بھڑک رہا تھا آپ اپنے ہمخیال کی تلاش میں لگے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی مجھ سے بھی زیادہ اس کام میں سرگرم ملے تو میں اس کا مطیع بن کر اس سخت ترفرائض کی انجام دہی میں مشغول رہوں یہ ظاہر تھا کہ ایک غیر معمولی پرجوش شخص جیسا مطیع بن کر محتاط بن سکتا ہے اور قابل تحسین کام کرسکتا ہے بطور خود حکمران ہوکر ہرگز نہیں کرسکتا کہیں اسے اپنے عہدہ کا خیال ہوتا ہے اور کہیں اُسے مختلف وقتوں کی پیچیدگی میں پڑ کر ان سے نکلنے کا تصور بندھا رہتا ہے کہیں اپنی کامیابی کے لئے نئی نئی صورتیں نکالنی پڑتی ہیں کہیں عظیم الشان مشکلوں کو جو اس کی راہ میں حائل ہوجاتی ہیں اٹھانا پڑتا ہے یہ سارے خیالات یہ سارے منصوبے یہ ساری تدبیریں اسی وقت تک عمل میں آسکتی ہیں کہ جب وہ افسری کے گراں تر بار سے سبکدوش ہو اور کسی لائق شخص کی ماتحتی میں ہو کر کام کرے پیارا شہید خوب سمجھتا تھا کہ ہتھیلی پر سرسوں نہیں جم سکتی اور یہ کام جب تک کہ اسمیں

مدت مدید نہ صرف کی جائے کبھی نہیں نکل سکتا۔ یہ مانا کہ آپ کی بے آرام روح اور غیر معمولی اصلاح اور انتقام کا اشتیاق لحہ بہ لحہ طبیعت کو گدگداتا تھا مگر دوراندیش عقل اور سنجیدہ فکر اس کی بے چینی کو حد اعتدال سے نہ گزرنے دیتا تھا۔ آپ کے سب سے زیادہ مشیر اور آپ کی سرگرمی میں جان ڈالنے والے مولانا عبدالحی صاحب خویش شاہ عبدالعزیز صاحب تھے۔ روزمرہ مشورہ ہوتا تھا اور نئی نئی باتیں اپنی کامیابی کی سوچی جاتی تھیں۔

ایک دن مولانا عبدالحی صاحب سید احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے جو شاہ عبدالقادر صاحب کی مسجد میں مقیم تھے۔

آپ ۱۸۱۶ء کے اختتام پر اول ہی بار دہلی میں تشریف لائے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے قرآن وتفسیر وحدیث کی تعلیم پائی تھی۔ عموماً لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے گو آپ کو ظاہری علم سے بہت کم حصہ ملا تھا مگر آپ کا دل ربانی جلووں سے منور ہو رہا تھا اور آپ کے دل میں بھی سکھوں سے انتقام لینے اور توحید پھیلانے کا ازحد شوق تھا۔ آپ کا اتقاء اور صفائی قلب اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ بڑے بڑے علماء آپ کے معتقد بن گئے۔ جب سید احمد صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب کو دیکھا اپنی بے مثال قوت قلب سے آپ کے دل پر اثر ڈالا اور وہ صرف یہ تھا کہ اپنے خیالات جو بالکل نتھرے ہوئے اور پاکیزہ تھے مولانا موصوف پر ظاہر کئے اور بہت سی باتیں ان منصوبوں کے متعلق بیان کیں یہ سنتے ہی مولانا موصوف سید احمد صاحب پر فریفتہ ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ جس رہنما کی ہمیں تلاش تھی وہ مل گیا۔ اس سے بہتر چراغ لے کر اگر ڈھونڈ ینگے تو نہ ملیگا۔ طبیعت کا بے لوث پن اور پاکیزگی عموماً ایسے نفوس بہت جلد قبول کر لیتی ہے جو اس کے خیالات کے مطابق ہوں خواہ وہ ایک معمولی انسان کی زبان سے کیوں نہ نکلیں برخلاف اس کے سید احمد صاحب غیر معمولی ذکاوت اور لاثانی لیاقت کے شخص تھے آپ کی دوراندیش طبیعت کی ایک متعصب[1] مورخ بھی تعریف کرتا ہے پھر بھلا اس سے کیونکر تعجب ہو سکتا ہے کہ سید احمد صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب کو اتنی جلدی اپنا شیدا بنایا جتنی جلدی سنگ مقناطیس سوئی کو اپنی طرف گھسیٹ لیتا ہے جب مولانا موصوف دل سے سید احمد صاحب کے والہ وشیدا بن گئے تو آپ نے پیارے شہید کو جا کر یہ سارا ماجرا بیان کیا اس عرصہ میں مولانا شہید یوں تو کئی بار سید احمد صاحب سے مل چکے تھے۔ لیکن خاص استفادہ کے ارادہ سے کبھی نہ حاضر خدمت ہوئے تھے۔ آپ نے یہ سنتے ہی فرمایا۔ مجھے اس عظیم الشان فرض کی انجام دہی میں سید احمد صاحب کی متابعت لازم ہے اور ہمارے مقاصد کا برآنا اور ہماری امیدوں کی کامیابیاں صرف سید احمد صاحب کو اپنا امیر بنانے میں حاصل ہونگی۔

[1] دی انڈین مسلمان مصنفہ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر صاحب صفحہ ۱۲۔

نادیدہ جمال او مہرش بدلم سر زد ناکاشتہ میر وید دانانہ چنیں باید

دوسرے دن مولانا عبدالحی صاحب اپنے ساتھ پیارے شہید کو لائے اور بہت سی رازدارانہ باتوں کی بابت مولانا اسمٰعیل صاحب نے سید احمد صاحب کی خاص باتوں میں اطاعت قبول کی۔ اور سنت نبوی کے مطابق بیعت کی۔ اس بیعت کی نسبت ایک متعصب انگریز مورخ یہ لکھتا ہے۔

"سید احمد صاحب کے پہلے دو مرید وہ شخص تھے کہ جو اپنی لاثانی ضمیری جوہروں اور علمی قابلیتوں میں اپنے وقت کے فرد اکمل تھے یہ دونوں فرد اکمل دہلی کے سب سے بڑے ڈاکٹر (حکیم) یا فاضل اجل کے کنبہ سے تعلق رکھتے تھے جس نے انہیں بطور خود اپنی ہی نگرانی میں مذہبی تعلیم دی تھی یہ دونوں مذہبی رنگ سے رنگے ہوئے تھے اور ان کے اصلاح پھیلانے کے جوش اور توحید کی اشاعت نے انہیں سید احمد صاحب کا مرید بنا دیا۔"

"اس احترام اور اعتصام نے جوان فضلائے دہر اور حکمائے عصر نے اپنے ناخواندہ پیر کا غیر معمولی ادب سے کیا اور بھی سید احمد صاحب کی شان کو بڑھا دیا اور آیندہ ان کے ارادوں میں جان ڈال دی۔ ان کی عربی کے علم ادب اور علوم مختلفہ سے عظیم الشان واقفیت نے عام طور پر انہیں اس قابل بنا دیا کہ وہ اپنے امیر کی مجددیت کے لقب کی جس کو انہوں نے خود قبول کر لیا تھا بہت زور شور سے تائید کریں اور لوگوں سے منوائیں اس عقیدہ کے مطابق کہ خدا وقتاً فوقتاً اپنے بندوں کی اصلاح کے لئے امام اور مجدد یا رہنما یا مصلح بھیجتا رہتا ہے تاکہ اس کی مخلوق کا ایمان ضعیف نہ ہونے دیں اور انہیں ایک حد تک قائم رکھیں انہوں نے یہ ثابت کیا کہ سید احمد صاحب میں یہ تمام صفتیں اور نشانیاں پائی جاتی ہیں اور وہ خدا کی طرف سے توحید پھیلانے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اول بڑی بات یہ تھی کہ سید احمد صاحب سید تھے آپ کے مذہبی وجدان کے انبساطی جوہروں سے تھے۔ جس زمانہ میں ان دو بزرگوں نے اپنے امیر کو ان بارہ اماموں میں سے تشبیہ دی جو دنیا میں تجدید توحید کے لئے آئے اور دنیا کو راہ راست پر لائے۔ بعض ہندی مسلمانوں کے عقائد کے مطابق چھ امام آئے اور چار امام آئینگے اور یوں ہی اصلاح کرینگے اس پاک سلسلہ میں سید احمد صاحب کا دوسرا نمبر شمار ہوا ہے۔ خواب میں آپ نے دیکھا تھا کہ نبی اکرمؐ کی چاہیتی بیٹی فاطمہ زہراؓ اور آپ کے معزز سرتاج حضرت علی کرم اللہ وجہہ مجھ سے ملاقی ہوئے ہیں جو آپ کے معزز بزرگ تھے۔ بیٹے کے موافق انہوں نے سید احمد صاحب پر نوازش کی اور خوشبوؤں سے آپکو غسل دیا اور شاہانہ پر جلال پوشاک پہنائی۔"

بہر حال یہ ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ دنیا میں جو انسان بھیجا گیا ہے خواہ ادنےٰ بنانے یا اعلےٰ بنانے کو اسے ضرور قوانین قدرت کی متابعت کرنی پڑتی ہے۔ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم آخر الزمان نبی تھے اور یہ بھی ہمارا

۱؎ دی انڈین مسلمان مصنفہ ہنٹر ۵۲-۵۳

عقیدہ ہے اگر آپ کی خواہش ہوتی تو بلا زحمت خدا میں یہ قدرت تھی کہ کفار کے دلوں کو آپ کی طرف پھیر سکتا تھا مگر منشائے الٰہی اس سے ساقط ہوتا تھا اس نے نبی اور سب سے پیارے نبی کو بھی مجبور کیا کہ قوانین قدرت کی پیروی کرے اور ان پر اسی طرح پابند ہو جیسے عام آدمی ہوتے ہیں یہ ایک بڑی حکمت تھی اگر یہ بات نہوتی تو دنیا کا انتظامی ڈھانچہ بھی کا توڑ مروڑ کر رکھ دیا جاتا۔ اسی طرح سید احمد صاحب کی زیادہ کامیابی صرف پیارے شہید اور دوسرے درجہ مولانا عبدالحی صاحب کے معتقد بننے سے ظہور پذیر ہوئی۔ والا حسبی اور اعلےٰ نسبی اور اس پر شرافت علمی نے پیارے شہید کو سید احمد صاحب کا جان نثار معتقد بنا دیا۔ سید احمد صاحب اگرچہ کامل عالم نہ تھے پھر بھی آپ کے دل پر القائے ربانی کا پرتو پورے طور سے پڑا ہوا تھا اور آپ کی انتظامی حالت میں جان ڈالنے کے لئے شاہ اسمٰعیل اور مولانا عبدالحی حکمائے عصر کی ضرورت تھی جن کے تقریروں نے ایک تہلکہ ہندوستانی سرحدوں میں ڈال دیا تھا۔ اور جن کے زبردست اثر نے نیا رنگ۔ سید احمد صاحب کی کامیابی پر چڑھا دیا تھا۔ غرض جب پیارے شہید کا اطمینان ہو گیا اور آپ نے اپنی تدبیروں اور نتھرے ہوئے خیالات کا بازگشت پا لیا تو اب دوسری تدابیر میں سید احمد صاحب کے مشورہ سے مصروف ہوئے۔ آپ کی غامض نظریں اور عمیق خیالات ان رازدارانہ مصلحت کا مادہ مضمر رکھتے تھے جنہیں سوائے سید احمد صاحب اور پیارے شہید کے یا مولانا عبدالحی صاحب کے اور کوئی نہیں جانتا تھا پولٹیکل معاملات کی پیچیدگیوں کا بار جس کی گردن پر پبلک لائف میں قدم رکھتے ہی رکھا گیا وہ اسمٰعیل تھا۔ جس نے تحمل سے اس بار کو سہارے رکھا اور جب تک اس کے بناوٹی معتقدوں نے بے اعتدالی نہ کی اور جب تک اس کی جان میں جان باقی رہی اس وزنی بوجھ کو اپنی گردن پر سے ماندہ ہو کے نہ اتارا۔

نواں باب

جہاد کی تدبیریں۔ بعض واقعات کا ذکر

ہم پہلے بابوں میں لکھ آئے ہیں کہ مولانا شہید نے لوگوں کے دلوں پر نادر الوجود فتوحات علی التواتر حاصل کی تھیں اور آپ کا اثر نہ صرف عوام الناس تک محدود رہا تھا بلکہ بڑے بڑے شہزادے اور امراء بھی آپ کی بابرکت ذات کو مسلمانوں کے حق میں اکسیر جانتے تھے اور ان کا اعتقاد یہاں تک بڑھا تھا کہ انہوں نے آخرکار یہ تسلیم کر لیا تھا کہ اگر مولانا اسمٰعیل کا ظہور نہ ہوتا دہلی میں سے تو خصوصاً شرک و بدعت نہ مٹتی۔ اس قابل تحسین کامیابی نے آپ کے رازدارانہ ارادہ و مقصد میں جان ڈال دی اور جس دن شہر دہلی میں یہ خبر ہوئی

کہ مولانا اسمٰعیل اور مولانا عبدالحی دونوں نے سید احمد صاحب سے بیعت کی ہے پھر کیا تھا ہزاروں آدمی آنے لگے اور صدق دلی سے آپ کی بیعت سے مشرف ہونے لگے۔ نہ ہزار کی گنتی تھی اور نہ دو ہزار کی ہر وقت مکان میں ایک مجمع لگا رہتا تھا اور معتقدین کے جوق جوق سرگرمانہ اعتقاد سے اپنے استاد کے پیر کی خدمت میں حاضر ہونا اپنی نجات آخرت سمجھنے لگے تھے جب دہلی میں زیادہ کامیابی ہوئی تو سید احمد صاحب قرب و جوار میں روانہ ہوئے مولانا شہید ہمرکاب تھے آپ کے پر اثر زبردست وعظ سامعین کے کلیجوں کو ہلا ہلا دیتے تھے اور انہیں مجبور کرتے تھے کہ وہ سید احمد صاحب کے مرید ہوں اس وقت کئی سو آدمی ایسے بھی منتخب کئے گئے جو جوان اور مرد میدان تھے اور جن کی ذات پر میدان جنگ میں بھروسہ ہو سکتا تھا۔ یہ ایک پوشیدہ اور چھپی ہوئی کارروائی تھی جس کا حال کسی پر روشن نہ ہو سکتا تھا ابھی تک نہ علانیہ طور پر کسی کو یہ علم تھا کہ سید احمد صاحب اور آپ کے دوست یا مرید اسمٰعیل صاحب کا ارادہ کیا ہے اور کیا کرنا چاہتے ہیں ساتھ ہی اس کے جس عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا تھا اس کے لئے جتنی صائب رائے اور جرأت و شجاعت کی ضرورت تھی اسی قدر کثیر التعداد آدمیوں اور بے انتہا سامان کی حاجت تھی اور یہ ضرور تھا کہ اس ارادہ سے عام ہندوستان کے مسلمان ہمدردی کریں۔ اور ہر متنفس اپنی حیثیت کے موافق سکھوں سے انتقام لینے میں مجاہدین کی مدد کرے۔

سید احمد صاحب گو اعلےٰ درجہ کے روشن دماغ اور مدبر تھے لیکن حقیقت میں آپ کی ہمت میں جان ڈالنے والے اور آپ کی تدابیر میں نئی بات پیدا کرنے والے اسمٰعیل اور عبدالحی تھے سید احمد صاحب کے خلق اور اتقاء نے ان دو فضلائے دہر کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا اور یہ اس طرح سے سید احمد صاحب کی خدمت کرتے تھے گویا ان کے حلقہ بگوش ہیں یا زر خرید غلام ہیں باہم مشورہ ہونے کے بعد طے پایا کہ مختلف شہروں میں مختلف آدمی روانہ کئے جائیں تاکہ وہ سید صاحب کے ارادہ سے مسلمانوں کو آگاہ کریں اور جو کچھ اُن سے وصول ہو وہ سید صاحب کی خدمت میں روانہ کر دیں جب یہ کام تمام ہو چکا تو سوا سو آدمیوں کے ساتھ سید احمد صاحب نے خود بھی سفر کیا اور آپ انگریزی عملداری میں ہوتے ہوئے شیعوں کے دار الخلافہ میں پہنچے قصبہ نصیر آباد میں جہاں محترم سید اپنے بھائی اسحٰق کی وفات پر تشریف لے گئے تھے شیعوں کے مجتہد سے خفیف سی رنجش ہو گئی تھی گو بعض سوانح نویسوں نے اسے شاعرانہ مبالغہ سے بیان کیا ہے مگر وہ کوئی بڑی بات نہ تھی۔ صرف دیرینہ مذہبی کدورت کی ایک قابل شرم وجہ تھی جس نے سلطنت لکھنؤ کو خواہ مخواہ تہلکہ میں ڈال دیا۔ سید صاحب کے پاس گو نصیر آباد میں گنتی کے آدمی تھے مگر ان کے مریدوں کی کثیر تعداد دہلی میں پڑی ہوئی تھی تبرا جس کی مذہبی بنیاد شیعہ مذہب میں کہیں سے ثابت نہیں ہوتی شیعوں کی حکومت میں برملا کہا جاتا تھا اور کوئی منع نہ کرتا تھا۔ محرم کے دنوں میں سید احمد صاحب

اپنے وطن مالوفہ میں پہنچے تھے اور یہی دن طوفان بے تمیزی کے برپا ہونے اور بزرگوں کو گالیاں دینے کے بہت مشہور ہیں۔ وہ لوگ سالہا سال سے عادی تھے کہ سر بازار تبرا کریں اور سنیوں کو کھجاویں۔ مولوی حیدر علی صاحب جو مجتہد اعظم مولوی دلدار علی صاحب کے سالے تھے اس قصبہ میں چند ماہ سے مقیم تھے انہوں نے پانچویں تاریخ محرم الحرام سید صاحب کو دوستانہ رقعہ لکھ کر اطلاع دی کہ یا تو آپ اپنے بھائی سنیوں کو لے کر چار پانچ روز کے لئے باہر شہر سے تشریف لے جاویں یا اگر آپ کو یہیں رہنا ہو تو اپنے گھروں کے دروازے بند کر کے بیٹھو ورنہ باہمی کشمکش سے نتیجہ اچھا نہ ہوگا مومنین (یعنے شیعہ) اپنے فرائض مذہبی ادا کرنے کے لئے آزاد ہیں ان کا اس دینی کام میں کوئی مزاحم نہیں ہو سکتا۔ جوں ہی اس مضمون کا رقعہ مولوی حیدر علی صاحب کا محترم سید کو پہنچا آپ نے مولوی اسمٰعیل کے آگے رکھ دیا اس کا کیا جواب ہے یہ لوگ اپنی حکومت پر غرہ کرتے ہیں پیارے شہید نے دور اندیشانہ یہ جواب دیا ہمیں شیعوں کی کمزوری اور بزدلی کا بخوبی علم ہے یہ رقعہ صرف گیدڑ بھبکی ہے یہاں ان کا اتنا زور بھی نہیں اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ دین کے لئے ہم کوئی چشم زخم اٹھائیں۔ انہیں لکھ دیا جائے کہ یا تو ہم سے عام مجمع میں آپ مناظرہ کرنے پر راضی ہوں اور نہیں ہم آپ کو اطلاع دیتے ہیں اگر بازاروں یا سربستہ کوچوں میں ذرا بھی ہرزہ سرائی کی اور بزرگان دین کی شان میں گستاخی کی پھر ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ رقعہ کا یہ گرم جواب دیکھتے ہی مولوی حیدر علی صاحب تو جان کے خوف سے اسی دن شب کو لکھنؤ بھاگ گئے اور اپنے مریدوں یا معتقدوں کو خبر نہ کی کہ سید احمد صاحب لڑنے پر آمادہ ہیں۔ انہوں نے حسب معمول تبرا بازاروں میں کہنا چاہا تھا مگر سنیوں کی آمادگی سے رک گئے اور اب کے انہوں نے نہ کوئی مجلس کی نہ تعزیہ داری کی اور آخر کار ایک ڈپوٹیشن لکھنؤ غازی الدین حیدر کی خدمت میں روانہ ہوا۔

سید صاحب اور پیارے شہید کو شیعوں سے کچھ ذاتی پرخاش تو تھی ہی نہیں کہ خواہ مخواہ انہیں ستاتے اور ان پر حملے کرتے پیارے شہید اور واجب الاحترام شہید کے بزرگ چچا شاہ عبد العزیز صاحب تو اکثر اپنے وعظ میں شیعوں اور شیعی مذہب کا ادب سے ذکر کرتے رہتے تھے اور یہی بہت بڑی تہذیب ہے کہ مخالف کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھے ہاں اس کے مقابل میں شیعوں کی تلخ تر عداوت کی کوئی بھی انتہا نہ تھی وہ سنیوں کو ایذا دینا اور انہیں خدا واسطے ستانا اپنے دین میں سکھوں کی طرح افضل اور اعلیٰ کام خیال کرتے تھے۔

اس عرصہ میں سید صاحب تو مع اپنے معتقدوں کے بریلی چلے آئے اور شیعوں کا ڈپوٹیشن روتا پیٹتا لکھنؤ پہنچا یہاں مولوی دلدار علی صاحب جو شیعوں کے قبلہ و کعبہ اور مجتہد وقت تھے تشریف رکھتے تھے۔ وہ اپنے معتقدوں سے بھی زیادہ سنیوں کے خون کے پیاسے تھے۔ شاہ اور دربار پر ان کا بہت بڑا اثر تھا۔ اور

وہ جانتے تھے اودھ میں میری حکومت ہے ساتھ ہی اس کے علم وفضل میں بھی اعلیٰ درجہ کی لیاقت رکھتے تھے اور ادیب بھی بہت بڑے تھے۔

انہوں نے ڈپوٹیشن کی حسرت ناک حالت پر آنسو بہائے اور کہا ہمارے ہی قصبہ میں ہم ہی پر خارجی (شیعہ سنیوں کو کہتے ہیں) ایسے چیرہ دست ہو جائیں کہ مومنین اپنے فرائض مذہبی کی انجام دہی نہ کر سکیں اور یوں خوفزدہ فریادی یہاں بھاگے ہوئے آئیں۔ پہلے مجتہد صاحب آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور شیعوں کی زاری وبکا پر بعد ازاں تسلی دی اور یقین دلایا کہ سید احمد اور اُن کا جید مرید اسمٰعیل قتل کیا جائیگا۔ اگر شاہ نے پہلو تہی کی تو میں تمہارا ساتھ دونگا اور نہیں یہ تو تم خوب جانتے ہو تمہارا منتقم حقیقی امام حسین شہید کربلا ہے جو تمہاری نجات کا باعث ہوگا جس کی مقدس شہادت پر ہماری نجات موقوف ہے بظاہر مجتہد صاحب کے یہ چھینٹے ڈپوٹیشن کے آنسو پونچھ رہے تھے مگر ان کا دلی اطمینان تو جب ہی ہوتا جب وہ اپنے دانتوں سے سنیوں خصوصاً اسمٰعیل کی بوٹیاں چباتے۔

قصہ مختصر یہ کہ مجتہد صاحب خود سکھا پڑھا کر ڈپوٹیشن میں سے دو چرب زبان آدمی اپنے ساتھ لے گئے اور غازی الدین حیدر سے کل کیفیت عرض کر دی پھر ممبر داران کے اظہار دلوائے یہ سنتے ہی شاہ لکھنؤ سخت غضبناک ہوا۔ سنیوں کے نام پر دانت پیسنے لگا اور اس نے قسم کھا کر کہا میں ابھی پہلے اپنے ہی شہر میں سنیوں کو قتل عام کا حکم دیتا ہوں۔ ادہر ڈپوٹیشن کا زاری کرنا ادھر مجتہد وقت کا زور ڈالنا ایسا معمولی نہ تھا کہ شیعہ متعصب جیسے شاہ کے دل پر اثر نہ ہوتا۔ اس کا خشمگین چہرہ ایسا خوفناک ہو گیا تھا کہ تھوڑی دیر تو خود مجتہد صاحب ہی بات کرتے ہوئے ڈرے۔ نواب معتمد الدولہ نائب سلطنت خاموش کھڑا ہوا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا دیکھئے مجتہد سلطنت کو رکھتا ہے یا اس کی اینٹ سے اینٹ بجوا دیتا ہے چند منٹ تک شاہ پیچ و تاب کھاتا رہا۔ بعد ازاں اس نے معتمد الدولہ کو حکم دیا کہ افسر فوج کے پاس حکم بھیج دو کہ وہ توپوں سے سنیوں کے محلّے اڑا دے۔

یہ سُن کر معتمد ولہ کی اور بھی سٹھی گم ہوئی اور اب اس کا قافیہ تنگ ہوا کہ اس کا کیا جواب دوں جب نائب سلطنت نے غیر معمولی سکوت کیا تو شاہ اودھ نے زور کی آواز میں یہ کہا کہ جواب کیوں نہیں دیتا اور میرے اس حکم کی تعمیل کیوں نہیں کرتا؟" نائب نے ہاتھ باندھ کر نہایت آہستہ لہجہ میں یہ کہا مجھے حضور کے حکم کی تعمیل کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے اگر میری جان بخشی ہو (حکم دیا منظور ہے) تو میں یہ عرض کرتا ہوں حضور منصف ہیں دولت انگلشیہ میں حضور کے عدل کی بڑی دھوم ہے۔ اگر یہ سانحہ پیش آیا تو لندن تک ایسا تہلکہ پڑ جائیگا اور خبر نہیں کیا آفت برپا ہو ہزاروں بیگناہ جانوں کا آناً فاناً میں یوں فیصلہ کر دینا کونسا مذہب صحیح بتاتا ہے

ان بیگناہوں میں بچے بھی ہیں حاملہ عورتیں بھی ہیں جب ان کو قتل کیا جائیگا آپ اس کا جواب روز جزا حضرت امام حسین شہید کربلا اور جناب امیر کے آگے کیا دیں گے۔ دوسرے حضور کی فوج کے اکثر افسر اور بہت بڑا حصہ سُنی ہے تیسرے ایسی خونریزی خلاف معاہدہ سرکار انگریزی ہے جب یہ متواتر دو تین وجوہات غازی الدین حیدر نے سُنیں تو اب اس کی آنکھیں کھلیں۔ غصہ بھی بہت کچھ فرو ہو گیا اور اب اسنے چند منٹ تک سکوت کیا۔ مولوی دلدار علی صاحب قبلہ وکعبہ بھی سناٹے میں آئے بڑی دیر کے بعد مہر سکوت ٹوٹی اور پھر شاہ اودھ دھیمی آواز سے یہ گویا ہوئے۔ آخر اس ظلم کا جو مومنین پر توڑا گیا ہے کیا چارہ کرنا چاہیئے اور ان کے زخم کا اندمال کیونکر ممکن ہو سکتا ہے یہ سُن کر معتمد الدولہ بہت خوش ہوا اور اس نے دلیری سے یہ جواب دیا ہاں یہ بات فکر کرنے اور باہمی مشورہ پر موقوف ہے نائب السلطنت کے اس سفارش کرنے سے نہ صرف بیچارے سنیوں کی جان بچی بلکہ خود سلطنت اودھ بچ گئی۔ نہیں انگریز اس خونریزی پر لکھنؤ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔

اس گفتگو اور سوال وجواب کے بعد معتمد الدولہ غازی الدین حیدر کے پاس گیا اور عرض کیا اگر حضور اجازت دیں تو میں سید صاحب کو بلالوں تاکہ آپ فاضل اسمٰعیل کا وعظ جس کا بارہا حضور نے شوق ظاہر فرمایا ہے سُنیں اور ساتھ ہی اس کے حضور ظل اللہ کو یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ جن پر مجتہد وقت نے یہ الزامات قائم کئے ہیں وہ کیسے مہذب اور شائستہ ہیں۔ یہ سُن کر شاہ نے حکم دیا تم ضرور بلاؤ میں حکمران ہوں میری ایک آنکھ سُنی اور دوسری شیعہ ہے اگر ان میں کوئی جھگڑا ہوگا تو آیندہ میں بے رو رعائت فیصلہ کیا کروں گا۔

معتمد الدولہ نائب السلطنت نے رائے بریلی میں سید صاحب کی خدمت میں عریضہ بھیجا اور لکھا حضور اپنے مبارک قدموں سے لکھنؤ کو بدنصیب اور محروم نہ رکھیں گے اور اپنے مریدوں کے سحر آمیز وعظوں اور صداقت سے بھری ہوئی تقریروں سے ہمیں بھی شرف بخشیں گے شاہ چشم براہ ہے اور حضور سے نیاز حاصل کرنے کا اشتیاق رکھتا ہے۔

جوں ہی یہ عریضہ پہنچا سید صاحب متفکر ہوئے کہ چلیں یا نہ کیونکہ وہ سُن چکے تھے مولوی حیدر علی صاحب بھاگ کے چلے گئے تھے اور ڈپوٹیشن بھی کبھی کا پہنچ چکا ہوگا ایسا نہ ہو ہمارے ساتھ دھوکا برتا جائے۔ اور ہمیں غفلت میں ہلاک ہونا پڑے۔ سید صاحب کا یہ خیال حقیقت میں نہایت ہی محتاط اور دوراندیشانہ تھا۔ پیارے شہید اور مولوی عبدالحی صاحب نے اس پر بہت غور کیا پھر آیندہ شہید نے یہ کہا کچھ خوف کی بات نہیں ہے ضرور چلنا چاہیئے شاہ خلاف وعدہ نہیں کر سکتا جو سرکار انگلشیہ سے ہو گیا۔ دوسرے وہاں سنی بھی بہت ہیں۔ تیسرے فوج کا بہت بڑا حصہ سنی المذہب ہے ہمیں وہاں چلنے سے فائدہ بہت ہوگا یہ باتیں سید صاحب کی سمجھ میں آگئیں اور اب آپ نے رائے بریلی سے لکھنؤ جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ زیادہ آدمی ہمراہ لے جانے

خلاف مصلحت دیکھے۔ مبادا شاہ لکھنؤ کو بدگمانی ہو۔ دوسرے اتنے آدمی وہاں لے جانے مناسب بھی نہ تھے کیونکہ جہاں سید صاحب تشریف لے گئے اور مولوی اسمٰعیل اور مولوی عبدالحی نے وعظ فرمایا بس ہزاروں آدمی معتقد ہونے لگے پھر کیا ضرورت پڑی تھی کہ بھیڑ بھنگے کے ساتھ جاکر اپنے کو انگشت نما بنائیں۔

آپ نے اپنے روانہ ہونے کی اطلاع معتمد الدولہ بہادر کو کردی۔ لکھنؤ میں ایک ہلکم مچ گئی کہ اسمٰعیل آتا ہے یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ پیارے شہید کی جس قدر دھوم شہر بشہر مچ رہی تھی نہ سید احمد صاحب کی اتنی شہرت تھی نہ عبدالحی صاحب وغیرہ کی بچپن ہی کے زمانہ میں شہر در شہر لوگ آپ کی ذہانت اور علمیت کا چرچا کرنے لگے تھے اور جب آپ نے وعظ کہنا شروع کیا ہے تو دو تین ہی برس کے عرصہ میں چار پانچ کروڑ مسلمانوں میں قریب قریب آپ کی شہرت یا ناموری ہوگئی تھی سید احمد صاحب آپ کے پیر تھے مگر ان کو خواص کے سوا عوام بہت ہی کم جانتے تھے۔ لکھنؤ کے گلی کوچہ میں یہ دھوم ہوگئی اسمٰعیل مناظرہ کرنے کے لئے آتا ہے۔ مجتہد وقت مولانا دلدار علی صاحب تھے ان کا گھر بھی مرجع خلائق ہوگیا تھا اور ہر شخص مناظرہ کے لئے مجتہد صاحب کو آمادہ کرتا تھا۔ مجتہد تو سناٹے میں تھے کہ کیا بندوبست کرنا چاہئے اور معمولی لیاقت کے طلبا جامے سے باہر ہوئے جاتے تھے اور کہتے تھے ہم اسمٰعیل کو صرف باغ فدک کا سوال کرکے بند کردینگے۔ کہیں لکھنؤ کے چانڈو خانوں میں اسمٰعیل کی آمد آمد کی خبریں نئے نئے لباس میں اڑتی تھیں اور پھر وہاں سے اعجوبہ رنگ میں رنگین ہو کے شہر میں پھیلتی تھیں۔ ساتھ ہی اس کے یہ سخت حیرت انگیز مقام ہے کہ ہر خبر میں پیارے شہید کی وقعت اور جلال علمی مخالفین کے دلوں کو تھراتا تھا۔ سب سے بڑا خوفناک اثر مجتہد دلدار علی صاحب کے مقدس قلب پر ہو رہا تھا۔ مجتہد صاحب نے مولانا اسمٰعیل کی بینظیر لیاقت اور بے مثال حاضر جوابی کی نسبت بہت کچھ سنا تھا اور انہیں یقین تھا کہ اگر میں نے اس سے بحث کی اور آخر میں اس پر فتح بھی حاصل کی۔ پھر بھی وہ ناک چنے چبوا دیگا۔ اگر میں نے اس پر فتح پائی تو کوئی بڑی بات نہیں وہ ایک پردیسی آدمی ہے دوسرے دن یہاں سے چلا جائیگا تین دن چرچہ کرتے لوگ بیٹھ رہینگے اور اگر خدانخواستہ میں کسی مسئلہ میں بند ہوگیا۔ تو میرا لکھنؤ میں رہنا محال ہو جائیگا۔ ان خونی خیالات پر بھی مجتہد صاحب خوب جانتے تھے کہ میں اسمٰعیل کے مناظرہ سے پہلوتہی نہیں کرسکتا میں خود کوئی بہانہ کروں گا شاہ مجھے مجبور کریگا۔

اس خانہ کش مکش میں ہمارے شیعوں کے قبلہ و کعبہ پھنسے رہتے کہ ایک دن مولانا اسمٰعیل صاحب اپنے امیر سید احمد صاحب کی ہمرکابی میں داخل شہر لکھنؤ ہوئے۔

شاہ کی طرف سے استقبال کیا گیا جلوس معتمد الدولہ لے کر پہنچا اور نہایت توقیر سے آپ رونق افروز لکھنؤ ہوئے۔ شاہ پیر محمد عرف مینا شاہ کی درگاہ کے قریب خیمہ زن ہوئے بڑے بڑے تمبو نصب کر دیئے گئے تھے

کیونکہ کوئی اعلےٰ درجہ کا مکان ایسا نہ تھا جہاں ایسے معزز مہمان فروکش ہوتے۔

لکھنؤ میں جو لہریں شیعی مذہب کے سمندر میں اٹھ رہی تھیں وہ اب خوفناک طوفان سے بدل گئیں۔ اور ہر شخص پیارے شہید کی اور اُن کے پیر کی زیارت کرنے اور شکل دیکھنے کے لئے آنے لگا۔

مجتہد صاحب بجائے اس کے سید اور اسمٰعیل کی ابراہیمی یا حسینی طریقہ سے مہمان نوازی کرتے اُنہوں نے صدہا جانباز شیعہ نوجوانوں کو آمادہ کیا کہ شب کو چھاپہ مارا جائے اور اسمٰعیل کا سر اتار لیا جائے۔

یہ افسوسناک خبر افسر فوج شاہی کو جو سُنی المذہب تھا پہنچ گئی وہ دوڑا ہوا مجتہد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے علیحدہ لے جا کر لجاجتانہ لہجہ میں یہ کہا برائے خدا ہماری عزت حضور ہی کے ہاتھ میں ہے وہ بیچارے پردیسی ہیں۔ ان کے ساتھ کچھ زیادتی نہ کرنی چاہیئے میں نے ایسا ایسا سُنا ہے اگر وہ صحیح ہے تو کتنے غضب کی بات ہے برائے خدا آپ خاموشی اختیار کریں یہ سنتے ہی مجتہد صاحب گرم ہوئے اور کہا تو سُنی ہو کر سنّی کی پچ کرتا ہے تو ذرا صبر کر تجھ ہی کو حکم دیا جائیگا کہ سید اور اسمٰعیل کا سر اتار لا اس وقت تو کیا کریگا تو ایک ملازم ہے تجھے ایسی باتیں بنانی مناسب نہیں ہیں یہ لوگ ہم پر حملہ کرنے آئے ہیں میرے دشمنوں نے اسمٰعیل کو بلا لیا ہے کہ وہ مجھے سر جلسہ زک دے پھر میں کیونکر جانوں کہ وہ میرے مہمان ہیں اور مجھے اذیت دینی روا نہیں۔

کمانڈر انچیف نے یہ سُن کر اپنی تلوار نکال لی اور کہا مجتہد تو سلطنت شیعی کے بھلاوے میں نہ رہے تیری تو ابھی گردن اتار لیتا ہوں اور شاہ کو قید کر کے سید احمد کو تخت شاہی پر بٹھا دیتا ہوں جب یہ گرم گرم باتیں ہوئیں اور مجتہد صاحب نے اپنی جان ہلاکت میں دیکھی تو اب انہوں نے اپنا روئے سخن بدلا اور یہ گویا ہوئے۔

"تمہارا خفا ہونا عبث ہے میں تمہارا امتحان لیتا تھا آیا شیعہ شاہ کے نمکخوار بن کر تم اپنے مذہب کا کتنا پاس و لحاظ کرتے ہو بڑی خوشی کی بات ہے کہ تمہارے شہر میں تمہارے اتنے بڑے بڑے علماء کا گذر ہوا جاؤ اپنے کام میں لگو اور ان کی حفاظت کرو۔"

کمانڈر نہایت بھولا اور سچا اور سیدھا آدمی تھا مجتہد کے دام میں آ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اُلٹے مجتہد سے معافی مانگنے لگا۔

اس تحریر سے ناظر سوانح اسقدر اندازہ ضرور کر لیگا کہ جب مجتہد کا یہ حال تھا تو عوام الناس شیعہ جو سُنی کی صورت دیکھنی حرام جانتے تھے کیا کیا نئی تدبیریں ایذا پہنچانے کی کر رہے ہونگے جن کی اطلاع ہمیں نہیں ملی ان کا عام مقولہ تھا کہ گھروں میں سور رکھنا بہ نسبت ایک سنی کے رکھنے سے زیادہ بہتر ہے گو وہ سنیوں کو بالکل اپنے میں سے علیحدہ نہ کر سکتے تھے۔ پھر بھی دربار میں اسی کی عزت زیادہ ہوتی تھی جو شیعہ ہو جاتا تھا

شاہی کی طرف سے مہمان نوازی کا معقول سامان کیا گیا اور اس کے مہتمم درخواست کر کے خود معتمد الدولہ نائب السلطنت بنے آپ کی ہمراہی میں ۷۰ یا دوسرے مؤرخ کے قول کے موافق ۱۱۲ آدمی تھے جن میں سب پڑھے لکھے شریف اور مرد میدان اور قوی تھے۔ دوسرے دن سید احمد صاحب دس آدمیوں کے ساتھ جن میں مولانا شہید اور مولوی عبدالحی صاحب دائیں بائیں چلتے تھے ہاتھیوں پر بیٹھ کر دربار میں تشریف لائے۔ محل کے دروازہ پر خود غازی الدین حیدر استقبال کے لئے موجود تھے۔ نہایت تپاک سے بخندہ پیشانی سید صاحب نے شاہ اودھ سے ہاتھ ملایا۔ پھر مولانا شہید اور مولوی عبدالحی صاحب نے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد ہمراہیوں سے ایک ایک کر کے شاہ ملا۔ یہ ملاقات پرائیویٹ تھی سوائے معتمد الدولہ اور مجتہد کے بادشاہی خاندان کے دو تین ممبروں کے اور کوئی نہیں تھا پہلے بادشاہ نے سید احمد صاحب کی ممنونی ظاہر کی کہ آپ سفر کی تکلیف گوارا فرما کر یہاں تک تشریف لائے۔ اس وقت بہی معمولی جواب وسوال ہوئے جو ہوا کرتے ہیں۔ پندرہ بیس منٹ تک جب معمولی گفتگو ہوتی رہی تو غازی الدین حیدر نے دوسرا پہلو بدلا اور کہا میں چاہتا ہوں کہ مولوی اسمٰعیل صاحب وعظ فرمائیں آپ کی خوش بیانی اور روانی تقریر کے آوازے تو بہت دنوں سے سنتا رہا ہوں مگر یہ اتفاق نہیں پڑا کہ اپنے کان سے آپ کے لاثانی وعظ کو گوش گذار کروں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میرے ہی شہر میں آپ قدم رنجہ فرماویں اور میں بغیر اٹھائے تکلیف سفر اور دوسری جگہ جائے بغیر آپ کے وعظ کو باآسانی گوشگذار کروں۔

سید صاحب کی اجازت سے مولانا شہید نے وعظ کہنا منظور فرمالیا اور دوسرے دن جمعہ وعظ کے لئے مقرر ہوا۔ پہلا وعظ جامع مسجد میں ہوا مجتہد کے حواس باختہ تھے اور وہ کوشش کرتا تھا کہ غازی الدین حیدر وعظ میں نہ جائیں۔ یہ محض ناممکن تھا آخر وقت مقررہ پر معتمد الدولہ نائب السلطنت اور مجتہد کو ہمراہ لے کر غازی الدین حیدر آموجود ہوئے۔ سید صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب کے مشورہ سے یہ قرار پایا۔ کہ پہلے مولانا شہید ہی وعظ فرماویں اور شیعہ مذہب پر بیان کیا جائے۔ معتمد الدولہ گو شیعہ تھا۔ مگر مجتہد سے اسے کامل نفرت تھی اور اسی وجہ سے وہ مذہب شیعی کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھنے لگا تھا۔ اور یہ کوشش کرتا تھا کہ اگر غازی الدین حیدر مسلمان ہو جائے تو میں بھی ایمان لے آؤں۔ اب یہ بیان کرنا فضول ہوگا کہ مولانا شہید نے ایسا وعظ دیا اور ایسی زبردست تقریر کی صرف اسی قدر لکھ دینا کافی ہے کہ مولانا شہید نے پوری آمادگی اور قابلیت سے وعظ فرمایا۔ مجتہد تو سناٹے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ اسمٰعیل بول رہا ہے یا خود خداوند تعالےٰ بلوا رہا ہے۔ غازی الدین حیدر آمادہ تھا کہ سنی ہو جاؤں۔ اگر ایک خیال جہانداری اور اپنی دلربا مہتاب بیگم کی محبت کا نہ آتا تو وہ ضرور عین جلسہ ہی میں بول اٹھتا۔ عوام اور خواص

میں سے سات سو آدمی سنی ہوئے اور سب نے اپنے گذشتہ شنیعہ افعال سے توبہ کی اور سید صاحب کی بیعت سے مشرف ہوکر حلقہ غلامی میں آئے۔

کئی گھنٹے تک یہی وعظ رہا چاروں طرف سکوت حکومت کرتا تھا اور سب کے سر ہلتے ہوئے معلوم ہوتے تھے مخالف مخالف نہ رہا تھا۔ اور ہر شخص تعریف کرتا تھا کہ ایسا بیساختہ بیان مسلسل ہم نے کسی کا نہیں سُنا حافظہ اس بلا کا کہ بیسیوں کتابوں کا حوالہ اور ان کی عبارت کا نوک زبان پڑھنا یہ اور بھی سمجھدار سامعین کی دلچسپی کا باعث تھا۔ جب آپ وعظ فرما چکے تو غازی الدین حیدر مصافحہ کرکے اور حد سے زیادہ تعریف کرکے روانہ ہوئے۔ معتمد الدولہ کہہ گئے میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد سب رئیس سوائے مجتہد صاحب کے جمع ہوئے اور انہوں نے دوسرے دن کے لئے بھی عرض کیا اور اپنی خواہش اسی مضمون کے سننے کی ظاہر کی۔ پیارے شہید نے قبول کر لیا مگر ساتھ اس کے یہ اعلان دے دیا گیا۔ کہ صبح کی نماز پڑھ کر تو مولوی عبدالحی صاحب وعظ فرمادینگے اور ظہر کے بعد اسمٰعیل صاحب کل کا بقیہ مضمون بیان کرینگے۔

مولوی عبدالحی صاحب کے علم وفضل کی بھی کامل شہرت تھی اور بڑے بڑے علماء آپ کی علمی لیاقت کے قائل تھے۔ دوسرے دن اندھیرے سے لوگ جمع ہونے شروع ہوئے۔ جامع مسجد میں خلقت کا ہجوم بہت تھا کندھے سے کندھا چھلتا تھا اور چلنے میں شانہ سے شانہ رگڑ کھاتا تھا۔ ایک کے اوپر ایک گرا پڑتا تھا شیعہ سنی دوہی گروہ کے لوگ بہت تھے کوئی تمیز نہ ہوسکتی تھی کہ شیعہ کون ہے اور سنی کون ہے۔ ڈاڑھی منڈوانے کی رسم ایسی عام تھی کہ کوئی بھی اسے عیب نہ خیال کرتا تھا۔ فجر کی نماز پڑھ کر مولوی عبدالحی صاحب کھڑے ہوئے اور ہمارے ہمعصر سوانح نویس کے قول کے مطابق آپ نے وذالنون اذ ذھب الایہ۔ تک قرآن کی آئت پڑھ کر وعظ کہنا شروع کیا۔ وعظ کا ایسا اثر ہوا کہ سامعین سکتہ کی حالت میں ہوگئے اور ہر ایک کے منہ سے واہ واہ کی آواز آرہی تھی۔ یہ بیان اس فصاحت وبلاغت سے ہوا کہ علماء فریقین (یعنے سنی وشیعہ) جو موجود تھے وہ مولانا کے سحر انگیز تسلسل مضامین طلاقت لسانی قوت بیانیہ قرآن وحدیث سے واقفیت تامہ رکھنے میں قائل ہوگئے اور یک زبان ہوکر یہ کہا کہ حیف ہے ہماری ساری عمر جہل ونادانی میں بسر ہوئی مگر وادی کا ہنوز پتہ نہ ملا۔ اور ہم نے منطق اور فلسفہ کے پیچھے پڑ کر اپنی تمام عمر ضائع کر دی۔

پیارے شہید کی تقریر میں بڑا کمال یہ تھا کہ جُہلا جس آسانی سے اُسے سمجھ کر دلچسپی لے سکتے تھے۔ اور اس سے مستفید ہوسکتے تھے۔ اسی طرح فاضل اجل بھی دلچسپی کے ساتھ فائدہ حاصل کرسکتا تھا مولوی عبدالحی صاحب کا بینظیر قیمتی وعظ خصوصیت سے علماء اور سمجھداروں ہی کو مزا دیتا بعض اوقات جُہلا منہ

تکتے کے تکتے رہ جاتے تھے۔ حق یہ ہے مولانا شہید کو فطرت سے جن خاص صفتوں کا حصہ ملا تھا وہ سب ممتاز تھیں۔ اور ان میں خصوصیت کا رنگ ایسا تھا کہ دوسری جگہ کہیں بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ مولانا شہید کے وعظ نے شیعی سرحدوں میں زلزلہ ڈال دیا تھا اور شیعی عمارت کی بنیادیں متزلزل ہو گئی تھیں۔ سخت متوحش نظروں سے مجتہد صاحب اور فضلا دیکھتے تھے کہ یہ آفت بیٹھے بٹھائے ہم پر کہاں سے نازل ہوئی۔ جس طرح محمود نے سومنات پر حملہ کیا تھا اور برہمن مندر میں بیٹھے یہ کہہ رہے تھے۔ ہم آرام سے سنکھ بجاتے اور سومنات جی کے آگے ڈھوک (سجدہ) دیتے تھے یہ آفت ناک بلا ہم پر کہاں سے آپڑی یہی کیفیت علمائے اثنا عشریہ کی بھی تھی وہ باہم مشورہ کرتے تھے اگر اسمٰعیل سے مناظرہ نہ کیا تو لوگ کہیں گے کہ ڈر گئے اور اگر مناظرہ کیا اور ہار گئے تو پھر جلا وطن ہونا پڑیگا۔ صلاح کرتے کرتے یہ بات قرار پائی کہ فرنگی محل کے حنفی علماء کو بہکاؤ اور ان کو اسمٰعیل کے مقابلہ میں کھڑا کر دو جب ان سے بحث شروع ہو جائے گی بس پھر ہمیں سہل نجات مل جائیگی۔ اس وقت مولوی محمد اشرف صاحب علمائے فرنگی محل کے سرتاج تھے۔ مجتہد کا وہ دماغ تھا کہ شاہ کے پاس بھی کئی بار بلوانے سے جایا کرتے تھے۔ بھلا اور کسی شخص کے پاس جانا کیا معنے مگر ضرورت بری بلا ہوتی ہے۔ اب اپنے حوارئین ساتھ لے کر مولوی محمد اشرف کے پاس فرنگی محل میں حاضر ہوئے۔ بے چارے محمد اشرف بھی گھبرا کر تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں تعجب ہوا کہ آج مجتہد صاحب رستہ بھول گئے۔

پہلے وہی باتیں تکلف آمیز اخلاق کی ہوئیں اس کے بعد مجتہد صاحب نے مولوی محمد اشرف صاحب کے علم و فضل کی تعریف کی اور جب اپنے خیال میں انہیں شیشہ میں اتار لیا تو یہ گویا ہوئے:۔

”آپ نے سنا ہوگا کہ سید احمد صاحب کے ساتھ مولوی اسمٰعیل بھی تشریف لائے ہیں انہوں نے اپنے ایک دو وعظوں میں عوام الناس اور جاہل رؤسا کو اپنا معتقد بنا لیا ہے گو مذہبی خیالات میں ہم میں اور آپ میں فرق ہے مگر ہموطن ہونے اور بیرونی نیک نامی اور بدنامی میں حصہ لینے میں کوئی بھی فرق نہیں ہے اگر اسمٰعیل کے مقابلہ میں کوئی کھڑا نہ ہوا تو لوگ یہ کہیں گے شیعہ سنیوں میں ایک بھی مولوی اس قابل نہ تھا کہ جو مناظرہ کر سکتا یا اسمٰعیل کے سامنے ایک بات بھی کر سکتا“

مولوی محمد اشرف صاحب نے جواب دیا کیا مولوی محمد اسمٰعیل نے مناظرہ کے لئے ہم میں سے کسی کو طلب کیا ہے مجتہد نے کہا طلب تو نہیں کیا۔ مگر اس کا وعظ خود اس بات کی شہادت دیتا ہے جس کا زہرہ ہو اس کی تردید کرے۔

مولوی محمد اشرف علی ایک لائق اور فاضل شخص تھا۔ کتاب بینی میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ حدیث و تفسیر و فقہ میں بھی خوب منجھا ہوا تھا۔ علم ادب میں بھی بڑا مشہور تھا یہ سب کچھ تھا مگر دماغ ملائی عادات و صفات سے بھرا ہوا تھا۔ یعنے اپنے مقابلہ میں کسی کو کچھ نہ سمجھتا اور یہ عقیدہ رکھتا کہ میرا ثانی پیدا ہونا محالات سے ہے اس بے چارہ کا یہ قصور نہ تھا بلکہ ہر ملائی دماغ کی یہی خاصیت اور فطرت ہوتی ہے۔ آپ مجتہد کے دم جھانسوں میں آکر یہ بول اٹھے کہ اسمٰعیل لاکھ کچھ عمدہ واعظ ہوں مگر میرا شاگرد ولایت علی اسے دو باتوں میں بند کر دیگا۔

یہ سن کر مجتہد کو اطمینان ہوا اور اب وہ یہ سمجھ گیا کہ ولایت علی کے زک اٹھانے پر محمد اشرف ضرور مقابلہ پر آئینگے خوب بحث و بیز کر کے چلتے بنے۔ مولوی محمد اشرف کو اسمٰعیل کا کچھ بھی خیال نہ تھا نہ وہ عبدالحی کی پروا کرتے تھے۔ مجتہد کے جانے کے بعد انہوں نے اپنے شاگرد رشید مولوی ولایت علی کو بلا کر سمجھایا تم جاؤ اور سید احمد صاحب سے چند سوال مذہبی اور چند ادب میں کرو اور اگر وہ جواب دینے میں پس و پیش کریں۔ تو اسمٰعیل سے لپٹ پڑنا وہ بھی اگر بند ہو جائے تو عبدالحی کو نہ چھوڑنا غرض جتنے مولوی سید احمد کے ساتھ ہیں سب کے ناطقے بند کر کے آنا۔ مولوی ولایت علی عظیم آبادی خود بہت بڑے لائق شخص تھے آپ فارغ التحصیل تو ہو گئے تھے مگر تبرکاً مولوی محمد اشرف صاحب کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور شبہات دریافت کر لیا کرتے تھے۔ اور یہ بات تعریف کے قابل تھی کہ حق بات کو سمجھنے کی صلاحیت برخلاف عام ملانوں کے آپ میں موجود تھی اور ساتھ ہی انصاف پسندی بھی اور ملانوں کے علاوہ آپ کا شیوہ تھا۔

اپنے بزرگ استاد کے حکم کے بموجب آپ پہلے سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صاف دل سے اس امر کا اظہار کر دیا کہ میں اپنے چند شکوک رفع کرنا چاہتا ہوں۔ سید احمد صاحب نے ایسے موقعوں کے لئے خصوصاً مولوی اسمٰعیل کو خاص کر رکھا تھا فوراً وہ بلائے گئے اور مولوی ولایت علی سے کہا گیا جو کچھ آپ کو دریافت کرنا ہو اسمٰعیل حاضر ہے استفسار کر لیجئے۔

مولوی صاحب نے پہلے وہ شکوک دریافت کئے جو اُن کے استاد نے بتائے تھے اور پھر اپنی طرف سے ہر بات پر اعتراض کئے غرض جسقدر تحصیل کیا تھا کوئی بات بھی باقی نہ رکھی، ہر علم میں سے سوالات کئے۔ جواب دو لفظی اور جامع ہوتے تھے۔ دوسری بار جواب کے بعد پھر جواب الجواب دینے کا موقع نہ ملتا تھا۔ مولوی ولایت علی نے چونکہ آپ کی طبیعت صلاحیت پسند تھی اور آپ کا دل انصاف مآب تھا بیتابی سے مولانا شہید کی پیشانی پر بوسہ دیا دونوں ہاتھ چوم لئے اور کہا آج آپ نے مجھے اپنا سچا خادم بنالیا۔ پھر مولانا شہید نے سید صاحب کی تعریف کی۔ قصہ مختصر یہ کہ ولایت علی نے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور التجا کی کہ مجھے

اپنی ہم رکابی کا شرف حاصل کرنے کا حکم دیجئے۔ سید احمد صاحب نے بخوشی منظور فرمایا پھر ولایت علی صاحب اپنے استاد کے پاس آئے اور جو کچھ کیفیت تھی ساری بیان کر دی۔ مولوی محمد اشرف صاحب گو ملائی دماغ رکھتے تھے پھر بھی عالم تھے اور علم دوست تھے۔ فوراً مولانا شہید کی علمی قابلیت سن کر پگھل گئے۔ اور خود دوڑتے ہوئے آئے۔ خوب خوب علمی گفتگو رہی۔ سید احمد صاحب نے بھی مختصر سی تقریر بیان کی اور پھر مولانا شہید نے جو بیان شروع کیا اس میں تو دونوں استاد شاگردوں کو مزا آگیا۔ مولوی محمد اشرف نے درخواست کی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جناب رسالت مآب کو ما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین فرمایا ہے اسکی تفصیل سننا چاہتا ہوں۔ مولانا شہید نے ایسا رقت انگیز اور پر اثر بیان کیا کہ مولوی صاحبان کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ کلام میں اثر ہونا اور حافظہ کی یہ لاثانی قوت ہونی خداداد بات ہے کسبی نہیں کیسا زبردست وہ اثر تھا اور کیسا شیریں لہجہ تھا کہ وہی باتیں دوسرا شخص کرتا تو اس قدر توجہ مبذول نہ کی جاتی تھی اور جب مولانا شہید فرماتے تھے تو ان میں ہی کچھ ایسا کمال پیدا ہو جاتا تھا کہ از خود سننے کو جی چاہتا تھا اور ایک حالت قلب پر ایسی طاری ہوتی تھی کہ جو اس پر عمل کرنے کو مجبور کرتی تھی۔ ہائے جس نے پیارے شہید کا وعظ سنا ہے یا جنہوں نے سنا ہے ان سے سنا ہے وہ میری اس تحریر کی تصدیق بخوبی کر سکتا ہے۔

اب جونہی فرنگی محل کے یہ دونوں سرتاج سید احمد صاحب کی بیعت سے مشرف ہوئے تو اور بھی علماء کے آنے کا سلسلہ شروع ہو گیا پڑھا لکھا تو کوئی باقی نہ رہا تھا جو بیعت سے مشرف نہ ہوا ہو۔

مجتہد صاحب نے جب یہ سنا کہ مولوی محمد اشرف صاحب نے بھی بیعت کی تو وہ یہ سمجھے مولوی نے مجھے دھوکا دیا وہ پہلے ہی سے سید احمد اور اسمٰعیل کا معتقد تھا آپ نے ایک کریہ ناتہذیب جملہ ارشاد کیا جس سے شیعی مذہب کی تہذیب کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ غصہ تو بہت ہی آیا تھا آپ فوراً یہ بول اٹھے "کتا کتوں میں جا کر مل گیا ہم تو یہ سمجھے تھے یہ کچھ غیر وطن ہونے کی وجہ سے بھونکیگا مگر وہ بھی جا کر دم ہلانے لگا۔" ادھر یہ ناتراشیدہ جملہ مجتہد صاحب نے فرمایا اور ادھر مولوی محمد اشرف صاحب کو اس کی خبر ہوئی آپ سن کر چپکے ہو رہے۔ اگر دبی زبان سے کہا تو صرف اتنا ہاں یہی صحیح ہے ان کی سلطنت ہے وہ چاہے جو کچھ کہہ لیں ان کا دل جانتا ہے کہ کتا کون ہے اور کون کس کے پاس التجائے کر آیا تھا۔

خود کسے ناسزا چرا گوید • ناسزا آنکہ ناسزا گوید

ابھی سید صاحب کو چار دن لکھنؤ میں آئے ہوئے گذرے تھے دعوتوں کے صدہا پیغام سنی اور شیعوں کے ہاں سے آچکے تھے اتنی دعوتیں کیونکر منظور کر سکتے تھے۔ آپ نے عموماً نقد روپیہ لینے پر قناعت کی کیونکہ جس عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اس کے لئے لاکھوں روپیہ کی ضرورت تھی۔ گو روپیہ کا نقد لینا کسی قدر

بدنامی کا سبب تھا۔ مگر جب لینے والوں کی نیتیں صاف تھیں اور اسے خدا کی راہ میں صرف کرنا چاہتے تھے۔ پھر دوسرے شخص کو شبہ بھی نہیں ہوتا اور ہمیشہ دینے والا باطمینان تمام دے دیتا ہے اور جب مولانا شہید جیسا مطمئن کرنے والا ہو پھر لوگ کیوں سرگوشیاں کرنے لگے اور کیوں انہیں بدگمانی ہونے لگی تھی۔ چوتھے دن کی شب کو چوبدار آیا کہ معتمد الدولہ تشریف لاتے ہیں کہ سید احمد صاحب ملاقات کے تمبو میں آبیٹھے اور صرف آٹھ دس آدمیوں کے سوا کوئی بھی ان کے پاس اس وقت نہ تھا۔

نائب السلطنت کے آنے پر سید احمد صاحب مع مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب کے کھڑے ہو گئے اور بہت خاطرداری سے اپنے پاس بٹھایا۔ اس خوش باطن رئیس کو قدرتی طور پر سید احمد صاحب سے الفت بہت ہو گئی تھی اور یہ الفت صرف مولانا شہید کی تقریر کا صدقہ تھا ہر شخص یہ کہتا تھا جس کے مرید ایسے ہیں پیر خود کیسا ہوگا۔ بڑی دیر تک باتیں ہوتی رہیں پھر نائب السلطنت نے دعوت کے لئے کہا۔ معمولی انکار کے بعد منظور کر لیا گیا اور دوسرے دن شام کو سید احمد صاحب مع اپنے صادق مرید اسمٰعیل اور مولوی عبدالحی کے ہاتھیوں پر بیٹھ کر معتمد الدولہ کے مکان پر تشریف فرما ہوئے آج تو تقریباً کل ہی شیعہ سنی مولوی جمع تھے۔ اور سوائے شاہ کے اکثر امرا بھی تھے جلسہ نہایت پر تکلف اور امیرانہ تھا۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب پر سب کی تیز تیز نظریں پڑنے لگیں۔ نگاہوں میں استعجاب اور خوف کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ برابر ٹکٹکی باندھ کر اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے کسی عجیب الخلقت چیز کو تکتے ہیں۔ پہلے آہستہ آہستہ ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر مولانا سبحان علی خان صاحب جو ایک زبردست فاضل اور مقرر تھے آگے بڑھے اور معمولی تمہید کے بعد مولانا عبدالحی صاحب سے کچھ دریافت کیا خطاب مولوی اسمٰعیل صاحب کی طرف بھی تھا۔ مگر سید صاحب کے اشارہ سے مولوی عبدالحی صاحب نے جواب دیا۔ سوال یہ تھا کہ حدیث الحیاء شعبۃ من الایمان کے کیا معنے ہیں۔ مولوی عبدالحی نے گھنٹہ بھر کامل اس کی تفسیر بیان کی۔ بڑے روشن ہال میں سوائے سکوت اور گردنوں کی جنبش کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ بڑے بڑے علما حیران تھے کہ یہ معنی یہ بے مثال تشریح ہم نے نہ کسی کتاب میں دیکھی نہ اپنے کانوں سے سنی مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ خود ربانی جلوی ہے کہ اتنی چمک دے رہا ہے۔ یہ کسبی امر نہیں ہے نہ کسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے ہاں جسے خدا چاہے۔ تقریر تھی یا ایک برقی تحریک تھی جو برابر دلوں کو اپنی مٹھی میں دبائے لیتی تھی اور ایسی مقناطیسی کشش تھی جو قلوب کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ تقریر کی عمدگی پر سب نے آفرین کی اور کسی میں معہ مجتہد کے یہ یارا نہ ہوا کہ ایک بات بھی مولوی عبدالحی صاحب سے اعتراضاً دریافت کر سکے۔ مشہور تھا جس مجلس میں مولانا اسمٰعیل ہوں وہاں نفس اعتراض فنا ہو جاتا ہے اور لوگوں کے دماغوں اور دلوں سے ایسا محو ہو جاتا ہے۔ کہ سوائے تسلیم و رضا کے اور کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ لکھنؤ کا

پر تکلف کھانا لایا گیا اور سب نے بطیب خاطر کھانا کھایا عطر و پان کے بعد پانچ ہزار روپے معتمد الدولہ نے نذرانہ کے طور پر پیش کئے۔ سید صاحب نے لے لئے اور پھر وہاں سے رخصت ہو کر اپنے ڈیرے میں آئے۔ سید احمد صاحب نے لکھنؤ میں سوا مہینہ کے قریب قیام فرمایا آپ کا ارادہ یہ تھا کہ مذہب شیعی کو متزلزل کردیں اور وہ چڑے چڑیا کی کہانیاں جن پر شیعوں کے مذہب کا دارو مدار ہے مذہبی عقائد سے برطرف کردیں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب کی آرزو تھی کہ کسی طرح مجتہد صاحب عام مجمع میں مجھ سے گفتگو کرلیں مگر مجتہد صاحب حیلے کر کے ٹال دیتے تھے کبھی ملکی معاملات کی پیچیدگی بیان کر کے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے اور کبھی جگہ کے مقرر ہونے پر تامل تھا اور کبھی اپنی بیماری اور پستی آواز کا بہانہ کرتے تھے۔ بایں ہمہ مناظرہ کرنے سے بھی انکار نہ تھا۔ اور جب شیعہ عمائد کی طرف سے مجبور کئے گئے تو وعدہ کرلیا ہاں امروز فردا میں ٹالتے رہے مجتہد ہی کے سبب سے سید احمد صاحب کو مہینہ سوا مہینہ لکھنؤ میں قیام کرنا پڑا اور نہیں لکھنؤ آنے سے جو منشا تھا وہ پورا ہو چکا تھا غازی الدین حیدر خود دوبار ڈیرہ ہی میں شاہ مینا کی درگاہ پر قدمبوس ہو چکے تھے اور ایک سچی روایت کے بموجب شاہ اودھ نے یہ فرمایا تھا اگر مولوی اسمٰعیل صاحب بیس دن میں یہاں رہ کر روز وعظ فرمائیں تو مجھ سمیت یہاں کا بچہ بچہ سنی ہو جائیگا بھلا یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ اسمٰعیل جیسا نفس سید صاحب علیحدہ کر دیتے اور اس موہوم کامیابی پر اپنے آئندہ عظیم الشان عزم کو خام چھوڑ دیتے۔ سید صاحب نے یہ جواب دیا تھا کہ مجھے بہت سے فرائض اسمٰعیل کی معیت میں انجام دینے ہیں اس لئے میں اسے نہیں چھوڑ سکتا الحمدللہ کہ آپ کی طبیعت میں سنی مذہب کی صداقت تو جمی امید ہے کہ آئندہ خیالات کی کامل اصلاح ہو جائے گی۔ جتنے وعظ اب تک اسمٰعیل یہاں دے چکا ہے اور آئندہ دیگا ہدایت حاصل کرنے والے کے لئے کافی ہیں۔

مولوی اسمٰعیل صاحب رستہ دیکھتے دیکھتے بیقرار ہو گئے اور مجتہد کے وعدے وعید سنتے سنتے تنگ آگئے آخر ایک دن آپ نے تنہا ہی جانے کا مصمم ارادہ کرلیا سپاہیانہ لباس زیب تن کیا پنچہ کمر میں شمشیر آبدار پہلو میں غرض اس سج دھج سے مولوی دلدار علی صاحب کے مکان پر آئے۔ یہاں اکثر مجتہد صاحب کے معتقدین دست بستہ بیٹھے ہوئے تھے اور بہت سے طلبہ کلینی وغیرہ کتابیں پڑھ رہے تھے مولوی دلدار علی مجتہد کا مکان امیرانہ سامانوں سے آراستہ تھا اور شاہی شوکت برستی تھی۔ نقیب چوبدار کونوں میں کھڑے تھے بایں ہمہ ہر شخص اندر آنے اور مجتہد صاحب تک پہنچنے کے لئے آزاد تھا ہاں خلاف ادب کوئی کلمہ زبان سے نہ نکال سکتا تھا۔

مولانا شہید نے چوکھٹ میں قدم رکھتے ہی عجیب پر شوکت دربار دیکھا اور سامنے مجتہد صاحب کو طلبہ کے ساتھ مشغول پایا آپ دلیرانہ جا کر علیحدہ ہو بیٹھے اور السلام علیک کے سوا کورنش وغیرہ نہیں کی جیسی وہاں

کی اخلاقی اور مذہبی مجالس کا قاعدہ تھا۔ نئی سپاہیانہ صورت اور اس بیباکی کو سب نے حقارت کی نظر سے دیکھا۔ مجتہد صاحب نے بھی اپنے ناخواستہ اجنبی مہمان کو کن انکھیوں سے دیکھ لیا اور خاموش طلبہ کو سبق پڑھاتے رہے۔ مولانا شہید چپکے بیٹھے رہے اور کسی سے بات نہ کی جب مولوی دلدار علی مجتہد فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنے اجنبی مہمان سپاہی سے باخلاق دریافت کیا۔ بھائی تم کون ہو کہاں سے آئے ہو۔ مولانا شہید نے جواب دیا میں ایک مسافر سپاہی ہوں ایک مسئلہ کی تحقیق کرنے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں مجھے عموماً ایسے مسئلے مسائل سے کام رہتا ہے میں نے خیال کیا ہے آپ ہی لکھنؤ میں بہت بڑے فاضل ہیں مجھے اچھی طرح سمجھا کر میرا اطمینان کر دینگے۔ مجتہد صاحب نے فرمایا تم بخوشی دریافت کرو جو کچھ مجھے معلوم ہوگا میں تمہیں بتا دوں گا۔ اجازت پاکر مولانا شہید نے دریافت کیا تقیہ اور نفاق میں کیا فرق ہے۔ گو یہ سوال مشکل تھا مگر مجتہد صاحب نے دونوں کا اختلاف بیان کیا اور بہت سی دلیلیں بھی پیش کیں۔ مولانا شہید نے دلیلوں کو توڑ دیا اور دونوں کو یکساں کر کے دکھا دیا پھر مجتہد نے اپنے مطلب کے اظہار میں گوہر افشانی کی مگر دوبارہ بھی بیکار گئی غرض تین بار دونوں کو علیحدہ علیحدہ ثابت کرنے میں کوشش کی اور یہاں تینوں ہی بار اس کی تردید ہوگئی اور دکھا دیا گیا کہ دونوں ایک ہی ہیں۔

جب یہ ردّ و بدل ہوئی تو اب مجتہد صاحب کے کان کھڑے ہوئے وہ سمجھ گئے کہ ضرور یہ کوئی فاضل اجل ہے نرا سپاہی نہیں ہے میری ایک بات بھی چلنے نہیں دیتا۔ اب کتنی خفت کی بات تھی طلبہ الگ سناٹے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور یار آشناؤں کو گویا سانپ سونگھ گیا ہے سب متعجب تھے کہ یہ کس غضب کا سپاہی ہے کہ مجتہد صاحب کو کسی پہلو پر جمنے نہیں دیتا جب مولوی دلدار علی مجبور ہوئے اور زیادہ زبانی گفتگو کی مصلحت نہ دیکھی تو آپ نے اپنا پیچھا چھڑانے اور اپنی خفت مٹانے کے لئے یہ ارشاد کیا ایسے مسائل زبانی طے نہیں ہوتے آپ ناحق اس مشکل مسئلہ کے سمجھنے اور اس پر ردّ و قدح کرنے کی تکلیف برداشت کر رہے ہیں جب مولانا شہید نے مجتہد کو لاجواب پایا تو آپ السلام علیک کہہ کر اٹھ کر چلے آئے پیچھے مجتہد صاحب نے آدمیوں کو دوڑایا کہ اس سپاہی کے پیچھے پیچھے جاؤ اور یہ دیکھتے رہو وہ کہاں جاتا ہے اور کون ہے۔

ابھی وہ لوگ جانے بھی نہ پائے تھے کہ ایک شخص دریافت کرتا ہوا آیا مولوی اسمٰعیل صاحب یہاں آئے تھے مجتہد صاحب نے اپنے خاص مصاحبین کو دوڑا دیا کہ جس طرح ہو منت و سماجت کر کے مولوی اسمٰعیل کو لے آویں غرض مولوی اسمٰعیل واپس آئے مجتہد نے اُٹھ کر تعظیم دی معانقہ کیا اور معذرت کی کہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ سپاہیانہ لباس میں جلوہ افزا ہیں اس لئے اس وقت آپ کی تعظیم نہیں دی گئی۔ اب دوبارہ آنے پر اس مسئلہ کی نسبت کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھوڑی دیر کے بعد مولانا شہید اُٹھ کر چلے آئے۔ مجتہد

صاحب کے دل کو لگی ہوئی تھی اپنے تمام شیعی علماء کو جمع کیا اور ان کے آگے یہ جھگڑا پیش کر کے استفتا لینا چاہا سب نے مل کر اس کی بابت بڑی طول طویل بحث لکھی صدہا کتابوں کا حوالہ اور عبارت بھی نقل کی اور یہ ثابت کیا کہ نفاق اور چیز ہے تقیہ اور بات ہے۔ جب یہ استفتا تیار ہو گیا۔ مولانا شہید کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ جو شخص کاغذ لے کر گیا تھا اس کی ملاقات پہلے مولوی عبدالحی صاحب سے ہوئی وہ سمجھا مولوی اسمٰعیل یہی ہیں۔ اس نے بڑے تپاک سے استفتا پیش کیا اور یہ عرض کیا مجتہد صاحب نے آپ کی خدمت میں ارسال کیا ہے۔

جونہی مولوی عبدالحی صاحب نے اس فتویٰ کو ملاحظہ کیا تو آنکھیں کھل گئیں۔ عبارت کا ادق اور پیچیدہ ہونا تو ایک معمولی امر تھا مگر سب سے زیادہ مشکل یہ تھا کہ اگر جواب الجواب لکھا جائے گا تو اس کے لئے صدہا کتب کی ضرورت ہو گی اور حالت سفر میں ان میں سے ایک کتاب بھی پاس نہیں ہے سوا اس کے کوئی چارہ ہی نہیں دیکھا کہ خاموشی اختیار کی جائے آپ نے کئی کئی بار پڑھا مگر کوئی پہلو جواب کا نہ دیکھا لیاقت تو پیچھے درکار تھی مگر پہلے کئی اونٹ کتابوں کے چاہیئے تھے جن کا بہم پہنچنا محال تھا۔ جب جواب دینے کا کوئی رستہ نہ دیکھا آپ نے وہ کاغذ مولوی اسمٰعیل کے پاس بھجوا دیا اس وقت مولانا شہید چہل قدمی کرنے گئے تھے آدمی دریافت کر کے آپ کے پیچھے دوڑا اور وہ کاغذ رستہ میں مولوی اسمٰعیل کو دیا۔ آپ سمجھ گئے کہ مجتہد صاحب نے یہ کارستانی کی ہے کتابوں کے حوالے دیکھ کر پہلے آپ بھی چونکے مگر جب قوت حافظہ نے اس سے زیادہ کتابوں کا خزانہ اپنے میں دکھایا یا دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب مولانا شہید نے کتابیں نہ ہونے پر اپنے کو خزانہ کتب پایا تو اس کے جواب دینے میں اتنا پس و پیش نہ کیا فوراً اپنے ڈیرے میں واپس آئے۔ بغیر دوبارہ پڑھے لکھنے بیٹھ گئے اور دو گھنٹہ کے عرصہ میں جواب الجواب مجتہد صاحب کی خدمت میں روانہ کر دیا جواب الجواب میں بھی بہت سی کتابوں کا حوالہ معہ ان کی عبارت کے درج تھا۔ ہم اس بحث کو یہاں لکھنا مناسب نہیں سمجھتے وہ طول طویل بہت ہے اور ناظرین کی دلچسپی کا باعث اس قدر نہ ہو گی کیونکہ اس سے دلچسپی وہی شخص لے سکتا ہے کہ جسے صدہا کتب تواریخ وغیرہ پر عبور ہو نہیں یہ عالمانہ بحث اس کے سامنے معمولی تحریر سے زیادہ وقعت نہ رکھیگی جوں ہی مجتہد صاحب نے جواب الجواب دیکھا آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور اب انہوں نے کوئی چارا نہ دیکھا۔ علماء کے آگے جواب الجواب پیش کیا انہوں نے کہا یہ بحث تمہارے لئے مفید نہیں ہے ہم نے کئی دن میں مل کر جواب لکھا اسمٰعیل نے بغیر مدد کتب دو تین گھنٹے میں جواب لکھ دیا ضرور اسے موکلوں کا علم آتا ہے وہ ان سے کام لیتا ہے نہیں آدمی کا حافظہ ایسا زبردست نہیں ہو سکتا کہ صدہا کتابوں کی عبارت اسے ازبر ہوں اور بغیر دیکھے جس کتاب کی عبارت نقل کرے۔ اصل

میں اور اس کی نقل میں ایک حرف کا بھی فرق نہ ہو۔ مجتہد سوائے خاموشی کے اور کیا کر سکتا تھا ہاں مختلف علماء کو مولوی صاحب موصوف کے خلاف بھڑکاتے رہے ان باتوں سے کچھ نتیجہ نہ تھا۔ اور بہت سے حاسدوں نے مخالفت کی مگر ایک بھی پیش نہ چلی آخر کامیابی کے ساتھ سید احمد صاحب مع اپنے دوستوں کے بنارس چلے آئے کل ممالک مغربی کا تقریباً چکر لگایا اور ہر طرح سے جہاد کی تدبیریں کرلیں کوئی شہر کوئی قصبہ ایسا نہ تھا جہاں سید احمد صاحب کے واعظ وعظ دیتے اور چند آدمی جمع کرتے نہ پھرتے ہوں۔ اسی اثنا میں آپ نے حج بیت اللہ بھی کرلیا اور وہاں سے واپس ہو کر پھر اپنے عظیم الشان فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہوئے۔

مولوی اسمٰعیل صاحب نے یہ اعلان دیدیا تھا سرکار انگریزی پر نہ جہاد مذہبی طور پر واجب ہے نہ ہمیں اس سے کچھ مخاصمت ہے ہم صرف سکھوں سے اپنے بھائیوں کا انتقام لیں گے یہی وجہ تھی کہ حکام انگلشیہ بالکل باخبر نہ ہوئے اور نہ اُن کی تیاری میں مانع آئے۔ سکھوں کی قومی سلطنت کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھانا بہت سخت اور دشوار کام تھا مگر مولوی اسمٰعیل کی جرأت اور بیدھڑک دلیری نے ایسی خوفناک سلطنت سے مقابلہ کرنا کچھ مشکل نہ سمجھا۔ اصل میں اپنے مسلمان بھائیوں کے انتقام لینے کا جوش اُٹھ رہا تھا۔ ایسی بیخودی میں یہ اندازہ نہیں ہوسکتا کہ جس پر میں حملہ کررہا ہوں وہ مجھ سے زیادہ قوی ہے یا کمزور ہے قصہ مختصر یہ کہ سکھوں کی سرحدوں پر حملہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

دسواں باب

مذہبی لڑائیاں جن کی ابتدا ۱۲۴۱ھ سے ہوتی ہے

جتنی مذہبی لڑائیاں مجاہدین نے سکھوں کے مقابلہ میں لڑیں ان میں سب سے زیادہ پارٹ (حصہ) مولانا شہید نے لیا تھا پولٹیکل خطوط جتنے حکمرانوں کے نام روانہ ہوئے وہ سب مولانا شہید ہی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ جن میں سے بعض ہم آیندہ درج کرینگے۔

جب ہر طرح مجاہدین کی جمعیت ہو گئی اور روپیہ بھی حسب ضرورت اکٹھا ہو گیا تو مولانا شہید کے مشورہ سے سید صاحب نے خاموشی سے پہلے تھانیسر کا سفر کیا یہاں کے لوگوں کو گورنج کے طور پر اپنے ارادہ سے آگاہ کیا پھر آپ نے مالیر کوٹلہ۔ ممدوت۔ بہاولپور۔ حیدرآباد سندھ۔ شکارپور۔ جاگن خان گڑھ۔ درۂ ڈھاور۔ درۂ بولن۔ پشین۔ قندھار۔ کابل کا سفر کیا یہ عظیم الشان سفر بہت بڑی مصلحت پر مبنی تھا۔ اور جو نتائج سید صاحب نے

مولانا شہید کے ذریعہ سے حاصل کئے وہ خوش آیندہ ہی نہ تھے بلکہ سکھ سلطنت کے لئے زوال کی ایک فال سمجھنی چاہیئے۔ عموماً جس شہر میں آپ تشریف لے جاتے تھے پہلے وہاں کے علماء پر سکہ بٹھاتے تھے۔ جب وہ معتقد بن جاتے تھے تو امراء اور عوام الناس کا قبضہ میں آنا کچھ بات ہی نہ تھا۔

بڑی بات یہ تھی کہ سکھوں کے ناقابل رحم مظالم سے سب چیخ اٹھے تھے اور خدا سے چاہتے تھے کہ کوئی منتقم پیدا ہو تو ہم اس کی مدد کریں۔ اُمید سے زیادہ مسلمانوں نے سید صاحب سے ہمدردی کی اور جب آپ کابل پہنچے ہیں تو یہاں اول مشکل جو آپ کو پیش آئی وہ ملا محمد کو اپنا رام بنانا تھا۔

ملا محمد ایک فاضل اجل اور عالم متبحر تھا اور عموماً کابل کا کابل اس کا مرید تھا اس کے اشارہ پر ہزاروں افغان گردن کٹانے کو موجود تھے۔ جب کابل میں آپ نے قیام فرمایا تو پہلے ملا محمد کے شاگرد مولانا شہید کا امتحان لینے کے لئے آئے معمولی درسی صرفی نحوی کتابوں کے مشکل مقامات خوب دیکھ دیکھ کر بحث کرنے کے لئے موجود ہوئے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب اپنے مکان میں تشریف رکھتے تھے آپ کی طبیعت میں بچپن ہی سے مذاق بھرا ہوا تھا اور ایسے مواقع پر آپ ضرور مذاق کیا کرتے تھے آتے ہی ایک شخص نے شرح ملا میں سے ایک مشکل مقام دریافت کیا آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر ایک طالب علم نے صدرا میں سے کچھ استفسار کیا پھر بھی آپ نہ بولے تیسرے نے شمس بازغہ میں سے کچھ سوال کیا اس کا بھی جواب نہ دیا گیا۔ اب تو طلبہ نے بغلیں بجائیں اور وہ سمجھ گئے دور کے ڈھول سہاونے ہوتے ہیں مولوی اسمٰعیل کی اتنی شہرت تھی مگر یہ ایک حرف بھی نہیں جانتے۔ آخر انہوں نے کہا ہم نے آپ کے علم و فضل کا چرچہ سنا تھا۔ اور یہی ہمارے گوشگذار ہوا تھا کہ آج آپ ہند میں فرد ہیں مگر ہم نے مل کر آپ کو کچھ بھی نہیں پایا۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا ۔ جو چیرا تو ایک قطرۂ خون نکلا

یہ تقریر سن کر آپ مسکرائے اور یہ گویا ہوئے۔ طالب علمو! یہ بھی کوئی انصاف کی بات ہے تم نے تو ان مقامات کا جو مجھ سے استفسار کرنے آئے شب بھر خوب مطالعہ کیا ہے میں نے ان پر غور ہی نہیں کیا پھر میں کیونکر تمہیں برجستہ جواب دے سکتا ہوں۔ آج تم کوئی خاص مقام مجھے بتا دو میں بھی اسے دیکھ لوں اور تم بھی دیکھ کر آؤ کل ہماری جوڑ اڑیگی مگر ساتھ ہی اس کے یہ سمجھ لینا کہ ایک شخص سے بحث کروں گا اتنے آدمیوں کا مقابلہ تنہا شخص کیونکر کر سکتا ہے یہ سن کر سادہ لوح طلبہ بہت خوش ہوئے اور ایک مقام شرح ملا کا بتا گئے اور یہ کہہ گئے آپ اسے سوچ رکھیئے گا کل آپ سے بحث کریںگے۔ انہوں نے اپنے استاد اخوند ملا محمد سے ساری کیفیت بتائی۔ وہ ایک معمر فاضل شخص سن کر سر ہلانے لگا اور سمجھ گیا اسمٰعیل نے انہیں قابل خطاب نہ پایا اسی لئے یہ کہہ کر ٹال دیا دوسرے دن وہ خود مع شاگردوں

کے آیا اور معمولی مزاج پرسی کے بعد تقلید پر درمباحث وا ہوا۔ کامل تین گھنٹے تقریر ہوتی رہی آخر مولانا شہید نے اسے قائل کر دیا اور یہاں تک اسے سید صاحب کا معتقد بنایا کہ اس نے بطیب خاطر بیعت کی اس کا مرید ہونا تھا کہ ہزاروں پٹھان آنے اور بیعت کرنے لگے۔ پٹھانوں پر یوں فتحمندی حاصل کرنا سکھوں پر فتح پانے کا ایک دیباچہ تھا۔ اس کامیابی پر سید احمد صاحب نے بیتابانہ پیارے شہید کو گلے سے لگالیا اور پیشانی پر بوسہ دے کر دعا دی کہ خدا کا ہاتھ ہمیشہ تیرے سر پر رہے۔ ان پے درپے کی کامیابیوں اور علمی فتوحات نے عملی فتوحات میں جان ڈال دی۔ اکثر لوگ سکھوں سے انتقام لینے کے لئے تیار ہو گئے اور اب جنگ کی بہت زور شور سے تیاریاں ہونے لگیں۔ مولانا شہید سید احمد صاحب کی سررشتہ داری کا کام بھی انجام دیتے تھے اور لشکر مجاہدین کے کمانڈر انچیف بھی تھے۔ ان دوگراں فرائض کی انجام دہی بحسن وخوبی کرنی ایک سخت کام تھا مگر اسمٰعیل جیسے قوی بازو کے آگے وہ اس آسانی سے حل ہو جاتا تھا گویا کچھ بھی نہیں ہے آپ کے قلم میں جیسی غیر معمولی قوت نمو اور زبان میں جیسی ممتاز گویائی تھی ایسی ہی میدان جنگ میں شمشیر آبدار کو گردش دینے اور ناواقف مجاہدین کو قواعد داں سکھوں سے لڑوانے میں ید طولےٰ رکھتے تھے۔ جنگ کی جتنی تدابیر پوشیدہ اور ظاہر کرنی تھیں سب کی گئیں اور جب ہر طرح سے آراستہ ہو گئے تو درہ خیبر سے ہوتے ہوئے حدود پشاور میں آئے۔ یہاں سے ہشت نگر ملک یوسف زئی میں ہوتے ہوئے موضع خویشگی میں قیام پذیر ہوئے اس موضع سے سکھوں کی پولیٹکل منظر کا خوشنما سین بخوبی معلوم ہوتا تھا۔ مولانا شہید نے ادھر ادھر آدمی بھیج کر تمام موجودہ حالت گورنروں اور سکھوں کی سرحدی فوجوں کی دریافت کر لی زیادہ مدد آپ کو اپنے ان نقشوں سے ملی۔ جو آپ نے اپنے پرائیویٹ سفر پنجاب میں حاصل کئے تھے۔ کامل طور پر دریافت ہو گیا فلاں قلعہ کا افسر فلاں سکھ ہے اور فلاں گڑھی کا قلعہ دار فلاں سنگھ جی ہے ہر امر میں کامیابی جب ہوتی ہے کہ اعیان شہر معاونت کریں خواہ ان کی معاونت کتنی ہی قیمت کیوں نہ رکھتی ہو بڑی بات مولانا شہید کے وعظ میں یہ تھی قومی اصلاح کا بوجہ علماء سے گذار کر امراء کی گردن پر رکھتے تھے عموماً تو یہ ہوتا تھا کہ وعظ سننے کے بعد لوگ خادم بن جایا کرتے تھے مگر بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ صرف زبانی سننے کا ان پر وہ اثر ہوتا تھا کہ نادیدہ مولانا شہید یا ان کے مرشد سید صاحب کے مرید اور عاشق شیدا ہو جایا کرتے تھے۔ ان کی فدائیت اور فریفتگی زبان حال سے یہ گویا ہوتی تھی۔

نادیدہ جمال او بہرش بدلم سرزد ناکاشتہ میر ویدوانا نہ چنیں باید

مثلاً سردار محمد خان جو امیر دوست محمد خان کا چھوٹا بھائی تھا خود بخود مولانا شہید کی متفناطیسی کشش

رکھنے والی محبت میں محو ہو کر مع اپنے باڈی گارڈ کے طلوع آفتاب سے پہلے موضع خویشگی میں آکر قدموں پر گر پڑا۔ پیارے شہید نے اپنی شیریں زبانی سے اُسے خوش کر لیا اور پھر سید صاحب کی خدمت میں حاضر کیا۔ سید صاحب کی بیعت سے مشرف ہو کر آپ کے سچے مددگاروں میں بنا۔ یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ مولانا شہید کی تقریر پُر اثر مشہور تھی مگر رفتہ رفتہ آپ کی شہرت انجذاب قلبی میں بھی بڑھتی گئی۔ ایک ضعیف بوڑھا شخص (مرحوم) جو بار ہا مجھ سے ملتا رہتا تھا اور جس نے مولانا شہید کی ہمرکابی کا شرف مدتوں حاصل کیا تھا ایک دن یہ کہنے لگا۔ کہ مولانا اسمٰعیل صاحب اپنے خیمہ میں بیٹھے ہوئے جنگ کے آثار چڑھاؤ کو تک رہے تھے یک بیک آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ سکھوں کی طرف سے ہمارے مقابلہ کے لئے مسلمان بھیجا گیا ہے یہ ملکی لڑائی تو ہے نہیں کہ وہ گنہگار نہ ٹھہرے بلکہ یہ مذہبی جنگ ہے اگر وہ ہمارے مقابلہ میں مارا گیا تو قطعی جہنمی ہوگا ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے اس شنیع تر کام سے باز رکھیں یہ فرما کر مولانا شہید خاموش ہو گئے۔ آپ کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور چہرہ پر غیر معمولی تمتماہٹ جس میں فکر اور افسردگی کی گہری گہری تہ تھی جلوہ دے رہی تھی اور آپ کا ہر سر مو یہ گویا تھا۔

جوش دکھلا دے ذرا آج تو لے حضرت دل اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

تین گھنٹے بھی مشکل سے گذرے ہونگے کہ وہ تنہا آپ کے خیمہ میں چلا آیا اور پا بوس ہو کر کہا میری طبیعت بے چین ہے خدا کے لئے میری مدد کیجئے۔ آپ نے ٹھنڈا پانی اس کے سر پر ڈالا اور اپنی گفتگو کے آب شیریں سے اس کی روحانی پیاس بجھائی۔ خدا معلوم یہ روایت کہاں تک صحیح ہے مگر ہاں یہ امتحان تو ہم نے مسمریزم کے ماہر کا بھی کیا ہے کہ اسے اپنے سے ناتوان کا بیہوش کر کے باتیں کرنا کوئی بڑی بات کوئی مشکل امر نہیں معلوم ہوتا یا کسی جاتے ہوئے شخص کو بلا لینا کوئی بڑی بات نہیں خیال کی جاتی۔ ممکن ہے اسی طرح کی کوئی قوت پیارے شہید میں بھی ہوگی اور کبھی کبھی اتفاقیہ اس کا ظہور بھی ہو جاتا ہوگا۔

پہلی جنگ

موضع خویشگی سے سکھوں کے قوانین جنگ سامان آلات حرب اور بعض پوشیدہ معاملات سے جو جنگ کی جان ہوتے ہیں اطلاع ہو گئی تو سید صاحب مولانا شہید اور اپنے خاص خاص دوستوں کے مشورہ سے نوشہرہ آ گئے یہاں جنگ شروع ہو جانے کا پورا خیال تھا۔ اس مقام پر آپ نے کسی قدر سپاہ مجاہدین کو بھی درست کیا۔ دس دس مجاہدین کی ایک ایک کمپنی مقرر کی اور ان پر ایک ایک افسر نامزد کیا اور موقع موقع پر دور دور تک انہیں پھیلا دیا پانسو آدمیوں کی کمان آپ لی اور تین سو جانباز

مجاہدین سید صاحب اور بعض مستورات کی حفاظت کے لئے چھوڑے یہ پہلا ہی موقعہ پیارے شہید کو میدان جنگ میں دشمن کے مقابلہ میں شمشیر بازی کرنے کا تھا۔

دربار لاہور کو بھی پے در پے مجاہدین کے ارادے اور آگے بڑھنے کی خبریں جا رہی تھیں رنجیت سنگھ ولائیتوں پر فتح حاصل کر کے خواب خرگوش میں پڑا ہوا خراٹے لے رہا تھا اور اسے ذرا بھی خیال نہ تھا۔ کہ میری حدود کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھیگا جب عین وقت میں مجاہدین کے لشکر کے گھوڑوں کی ہنہنانے کی آوازیں دربار لاہور کے کانوں میں پہنچیں تو وہ اپنے خواب نوشین سے چونکتا ہوا اور نہایت افروختہ ہو کر سردار بدھ سنگھ کی ماتحتی میں دس ہزار فوج دیگر مجاہدین کی گوشمالی کے لئے روانہ کی وہ جانتا تھا۔ کہ دس ہزار سکھ فوج میں ہزار مخالفین پر بھاری ہے بدھ سنگھ نے موضع اکوڑہ میں اپنا لشکر گاہ بنایا نوشہرہ سے یہ مقام بارہ میل کے قریب واقع ہے۔ ادھر بلالی جھنڈا فراٹے بھر رہا تھا اور ادھر سکھوں کا پھریرا اڑ رہا تھا دریائے لنڈ دونوں لشکروں کی حد فاصل تھا۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے سید صاحب نے مولانا شہید سے وہی معمولی تحریری پیغام لکھوا کر بھیجا جو نبی اکرمؐ یا خلفائے راشدین کے وقت میں جب وہ مخالفین اسلام سے بہت ستائے جاتے تھے۔ اور ناچار اپنی حفاظت دینی، مالی اور جانی کے لئے جنگ کرنے کو تیار ہوتے تھے تو جنگ سے پہلے یہ تحریری نامہ بھیجا کرتے تھے کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ۔ پھر ہم تمہارے بھائی ہیں یا جزیہ دو پھر ہم تمہاری حفاظت کریں گے اور اگر دونوں ہی باتیں منظور نہیں کرتے تو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

اسی مضمون کا نامہ سید صاحب کی اجازت سے مولانا شہید نے سردار بدھ سنگھ کی معرفت دربار لاہور کو روانہ کیا جونہی قاصد دربار رنجیت سنگھ میں پہنچا اور دلیری سے یہ نامہ دیا دربار میں اس پر حقارت انگیز آوازیں بلند ہوئیں۔ جیسے مدائن میں یزدجرد کے پاس سعد ابن ابی وقاصؓ کا پیغام لے کر جب مغیرہ گئے تھے۔ اور یہی باتیں سنائیں تھیں ان پر بھی حقارت کے نعرے مارے گئے تھے۔ رنجیت سنگھ نے نہایت بزدلانہ طور پر ایلچی کو پٹوا کر اور دھکے دلوا کر دربار سے باہر نکلوا دیا اور اس نامہ کا کچھ جواب نہ دیا۔

جب قاصد لشکر گاہ مجاہدین میں پہنچا اور ساری کیفیت سنادی سید صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا ہم اپنا فرض ادا کر چکے اب ہم سے خداوند تعالے روز حشر باز پرس نہ کریگا۔ مولانا شہید متفکر تھے کہ ہم لنڈہ سے پار اتر کر جنگ کریں گے تو ہمیں فائدہ ہوگا یا یہیں جما رہنا ہمیں منفعت پہنچائیگا۔ آپ اسی شش و پنج میں تھے کہ رئیس[1] اکوڑہ سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوا اور اس نے تمام جنگ کے

---

[1] امیر خان سردار قوم خٹک ۱۲

اتار چڑھاؤ سید صاحب اور مولانا شہید کو سمجھائے اور کہا کہ بدھ سنگھ کا ارادہ ہے سمہ میں آکر جنگ کرے میرے خیال میں اس کا لنڈہ سے پار ہونا ہمارے لئے بہتر نہ ہوگا مناسب ہے کہ حضور ہی پیشقدمی کر کے دریائے لنڈہ سے پار اتر کر اس کے بڑھنے کو روکیں مولانا شہید نے بھی اس کی تائید کی۔ آخر موضع خویشگی میں جو جنگ کے لئے مناسب تھا پھر قیام کیا۔ ادھر سردار بدھ سنگھ اکوڑہ میں داخل ہو گیا۔

مصلحت اس کی مقتضی ہوئی کہ اس عظیم الشان فوج پر شبخون مارا جائے۔ مولانا شہید کا ارادہ اس فوج کی کمان کرنے کا تھا مگر سید صاحب نے اجازت نہ دی آخر دو ہزار چیدہ مرد میدان آدھی رات کو روانہ کئے گئے انہوں نے خاموشی سے لنڈہ کو عبور کیا۔ شب کی تاریکی ایسی کبھی دیکھنے میں نہ آئے گی دو بجے کے قریب لشکر مجاہدین سکھوں پر جا کر گرا۔ سکھ بیہوش نہ تھے پہرہ چوکی سے وہ بھی چوکس تھے ان کے کانوں میں جونہی اچانک اللہ اکبر کی صدائیں پہنچیں وہ گھبرا کر اٹھے بندوق سے گذر کر سینہ بسینہ جنگ ہونے لگی صبح تک زبردست خونریزی ہوئی۔ طرفین کو مزا آگیا۔ اگر بدھ سنگھ آزمودہ کار نہ ہوتا تو ایک سکھ بھی جانبر ہو کر نہ جاتا۔ مسلمانوں نے تواعد دان سکھوں کو دکھا دیا کہ ہماری بے سروسامانی اور قوانین جنگ سے ناواقفیت تمہاری اس شان و شوکت اور بے انتہا ساز و سامان پر چشمک مارتی ہے بہت بڑی خونریزی کے بعد سکھوں نے میدان جنگ مسلمانوں کو سونپ کر جان بچائی اور پانچ میل اکوڑہ کے پرے سیدو بستی میں اپنی شکستہ فوج کی درستی میں مشغول ہوئے مسلمانوں نے علی الصبح نماز صبح جماعت کے ساتھ ادا کی۔ اس جنگ میں گو قلیل تعداد مسلمانوں کی شہید ہوئی تھی مگر اس قلیل تعداد میں نامور بہت تھے۔ سکھوں کے کشتوں کی ٹھیک تعداد نہیں معلوم ہو سکتی کیونکہ اکثر مقتولین کو وہ اپنے ساتھ اٹھا کر لے گئے تھے ہاں جو میدان جنگ میں بے گور و کفن پڑے ہوئے تھی ان کی تعداد ڈھائی ہزار تھی یہ نمایاں فتح مسلمانوں اور دسمبر سنہ ۱۸۲۶ء مطابق ۲۰ جمادی الاول سنہ ۱۲۴۲ھ میں حاصل ہوئی۔

گو مولانا شہید نے اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا تھا پھر بھی آپ لنڈہ کی ایک طرف اس ترپ کو جس پر آپ کمان کر رہے تھے صبح تک کھڑے رہے اثنائے جنگ میں برابر خبریں آرہی تھیں آپ ہدایتیں کر رہے تھے کہ فلاں طرف سے حملہ کرو اور فلاں رخ دشمن کا روکو۔ گو جی تو بہت چاہتا تھا کہ خود بھی مجاہدین کے ساتھ شرکت کریں مگر اپنے امیر کا حکم بار بار مانع آتا تھا کیونکہ آپ نے حکم دیدیا تھا کہ اس سے آگے جب تک حکم ثانی نہ آجائے ایک قدم بھی نہ بڑھانا۔

دوسری جنگ

اس نمایاں فتح نے دربار لاہور میں ایک زلزلہ ڈال دیا اور تمام ملک ہند میں ایک تہلکہ پڑ گیا اب

رنجیت سنگھ کی آنکھیں کھلیں اور اسے معلوم ہوا کہ مجاہدین منہ کا نوالہ نہیں ہیں کہ آنکھیں بند کر کے ہڑپ کر جاؤں گا اور خبر نہ ہوگی۔ مولانا شہید نے پہلے دہلی اور بعد ازاں جہاں جہاں سید صاحب نے حکم دیا خطوط روانہ کئے اور اصلی اصلی کیفیت جنگ کی تحریر کی ایک سردار نے اس خوش آیندہ فتح کے بعد سید صاحب کی خدمت میں یہ عرض کیا اگر آپ حضرو پر شب کو چھاپہ ماریں تو علاوہ بے تعداد سامان رسد آلات حرب اور مال و زر ہاتھ آنے کے سکھوں کی کمریں ٹوٹ جائیں گی کیونکہ ایک یہی سرسبز زرخیز موضع ہے جس پر سکھوں کی بہت بڑی جماعت کی زندگی کا دارومدار ہے اگر یہاں آپ کو کامیابی حاصل ہوگئی اور قطعی ہوگی تو پھر اور بھی مجاہدین کی قوت بڑھیگی اور سکھوں کو مات ملے گی۔ مولانا شہید کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی آپ نے سید صاحب کے حکم سے شبخون مارنے کے لئے تین دستے سو سو آدمیوں کے منتخب کر کے تیار کئے انہیں تمام جنگی اتار چڑھاؤ بخوبی سمجھا دیا اور چند خاص خاص ہدایتیں جو مولانا شہید کیا کرتے تھے ان سے بھی کہہ دیں ان کی مدد کے لئے سید صاحب کے حکم سے خود پیارا شہید دو سو سوار افغانی لے کر کھڑا ہوا جن میں بعض بعض آپ کے خاص خاص شاگرد بھی تھے یہ تین دستے جنہوں نے طمع غنیمت میں سب سے زیادہ حصہ لیا تھا دیسی تھے ان میں ایک بھی ہندوستانی نہ تھا ہاں دس بیس قندہاری ضرور تھے جو ان کے ساتھ سید صاحب سے اجازت لے کر روانہ ہوئے تھے یہ شبخون جہاں تک ہمیں معلوم ہوا ہے مولانا شہید کی خلاف مرضی وقوع میں آیا سید صاحب نے اجازت دیدی تھی اور آپ نے بھی جنگ کے لئے مستعدی ظاہر کی تھی مگر ایسی خفیف جنگوں کی بنیاد کمزوری پر دلالت کرتی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ افغانوں نے حضرو کو لوٹا اور بکثرت مال غنیمت لے کر وہاں سے بھاگے پیچھے سے سکھوں نے تعاقب کیا۔ اور بعد ازاں جنگ چھڑ گئی اگر مولانا شہید خطرناک دلیری نہ کرتے تو ہندوستانیوں کو سخت چشم زخم اٹھانے پڑتے گو مال غنیمت امید سے زیادہ ہاتھ لگا مگر پھر کیا سید صاحب کو ایک حصہ بھی افغانوں اور قندھاریوں نے نہ دیا اور خود ہڑپ کر گئے اصل میں پولٹیکل اور جنگی معاملات کی پیچیدگیوں کو سلجھانا اور اپنے موافق ان سے نتائج پیدا کرنا ایک دشوار کام ہے مولانا شہید میں یہ روح تھی کہ وہ ان ہیبتناک معاملات جنگی کا اتار چڑھاؤ سمجھ سکیں مگر ان پر کاموں کا اس قدر بوجھ تھا کہ وہ کچھ کر ہی نہ سکتے تھے جتنی تدبیریں کی جاتی تھیں قدرتی یا اتفاقی طور پر تو حسب مدعا پڑ جاتی تھیں ورنہ بعض اوقات تو مجاہدین کی طرف سے ایسی بے عنوانیاں ہو جاتی تھیں کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا تھا۔ تمام مجاہدین پر کوئی حاکم نہ تھا یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ سید صاحب اور مولانا شہید وغیرہ کو وہ لوگ بزرگ جانتے تھے۔ اور بیعت سے مشرف ہونے کے بعد اطاعت بھی کرتے تھے مگر یہ اطاعت خوشی خان کی اطاعت تھی کوئی

تعزیری قوانین ان کے لئے مرتب نہ کئے گئے تھے جس کے وہ پابند ہوتے نہ ان کی بے اعتدالیوں پر جیسی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سزا دیا کرتے تھے کسی مجاہد کو تعزیر دی جاتی تھی۔

حضرو کا شبخون گو لٹیروں کے حق میں بہتر ہوا مگر سکھوں کو اس شبخون نے اور زیادہ دلیر اور حوصلہ مند بنا دیا وہ سمجھ گئے ان لوگوں میں میدان میں کھلم کھلا جنگ کرنے کی قدرت نہیں ہے یہ لٹیرا پن ہی جانتے ہیں حالانکہ یہ بات نہ تھی مجاہدین کا اکثر حصہ میدان میں بھی سکھوں کے مقابلہ میں شربت شہادت پینے کے لئے لب خشک دکھائی دیتا تھا اور وہ گھر سے اسی لئے نکلا تھا کہ یا سر دہم یا ستانم کلاہ قصہ مختصر یہ کہ اس حضرو کے شبخون سے قندھاریوں اور افغانوں نے تو فائدہ اٹھایا مگر سید صاحب کے گروہ کا کچھ نفع سوائے مضرت جان کے نہ ہوا۔

تیسری جنگ

مجاہدین میدان جنگ میں نہایت دلیری اور قابل توصیف بجگری سے لڑتے تھے مگر جب انہیں کوئی لڑوانے والا یا دشمن کی زد سے بچانے والا نہ تھا ان کی بے محابا جرائتیں اور بے نظیر شجاعتیں جیسا کہ چاہئے نتیجہ پیدا نہ کرتی تھیں مولانا شہید نے اس وقت مصلحت یہ سمجھی کہ اس ملک کے کل مولویوں سے یہ اقرار نامہ لکھوا لیا جائے کہ ہم نے سید صاحب کو امام تسلیم کیا۔ یہ تدبیر چل گئی اور نہ صرف پنجاب کے مولویوں نے بلکہ ہندوستان کے بھی اکثر علماء نے یہ اقرار نامہ لکھ کر بھیجدیا کہ ہم سید احمد کو امام المسلمین تسلیم کرتے ہیں۔

حضرو کے شبخون کے بعد جس نے شجاع مجاہدین کے دامن جرأت پر بزدلی کا دھبہ لگا دیا تھا بدھ سنگھ جنرل افواج سکھ نے ایک خط سید صاحب کی خدمت بابرکت میں روانہ کیا اور لکھا کہ شبخون مارنا اور بیخبروں پر ہتھیار چلانا شجاعان دہر کا شعار نہیں ہے کیا وجہ ہے کہ آپ میدان جنگ میں نہیں آتے اور دست بدست جنگ کر کے باہمی قسمتوں کا فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے۔

سید صاحب نے اس کا جواب ایسی مجملاً عبارت میں دیا جس سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا آیا آپ نے شبخون ناپسند فرمایا یا میدان جنگ میں دست بدست جنگ کرنی اچھی جانی چونکہ یہ ایک پولٹیکل بھید ہے اور ایسی عبارت ضرور ایسے نازک معاملات میں تحریر ہونی چاہیئے اس لئے ہم مولانا شہید کی تعریف کرتے ہیں کہ آپ کا صحیح دماغ ان اہم اور بعض اوقات لاینحل معاملات میں بھی ایسا لڑجاتا تھا کہ اب تک آپکی تدابیر ملکی کو سمجھنے والے عش عش کرتے ہیں۔ خط جسے ہم بجنسہ درج ذیل کرتے ہیں مولانا شہید کی پولٹیکل قابلیت

کا اعلےٰ درجہ کا نمونہ بتاتا ہے وہو ہذا۔

از امیر المومنین سید احمد صاحب بجواب نامہ سردار بدھ سنگہ جنرل افواج مہاراجہ رنجیت سنگہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از امیر المومنین سید احمد بر ضمیر ابہت تخمیر سپہ سالار جنود و عساکر مالک خزائن و دفاتر جامع ریاست و سیاست حاوی امارت و ایالت صاحب شمشیر و جنگ عظمت نشان سردار بدھ سنگہ ہدی اللہ تعالےٰ سواء الطریق و امطر علیہ سحاب التوفیق۔ پوشیدہ نماند کہ نامہ فصاحت شمامہ مشتمل بر اظہار مراتب و دعاوی شجاعت و شہامت رسید مضامین مندرجہ واضح گردید۔ ظاہراً آنچہ ایں جانب را ازیں ہنگامہ آرائی و معرکہ پیرائی مقصود است آں را خوب نہ فہمیدہ اند کہ نامہ مذکورہ نگارش نمودہ اند الحال بگوش ہوش باید شنید و خلاصہ آں بغور تمام باید فہمید کہ منازعت با اہل حکومت و ریاست بنا بر اغراض متعددہ مے باشد بعضے را از منازعت مذکورہ حصول مال و ریاست مقصود مے باشد و بعضے را اظہار شجاعت و شہامت و بعضے را فقط تحصیل مرتبۂ شہادت و ایں جانب را امرے دیگر منظور است و آں فقط بجا آوردن حکم مولائے خود کہ مالک علی الاطلاق و ملک بالاستحقاق است کہ در مقدمہ نصرت دین محمدی وارد شدہ است خدا عزوجل گواہ است بریں معنی ایں جانب را ازیں ہنگامہ آرائی غیر از امر مذکور غرضے دیگر از اغراض نفسانیہ درمیان نیست بلکہ آرزوئے آں ہم نہ گاہے بر زباں میگردد و نہ گاہے در دل میگذرد و پس در نصرت دین محمدی ہر سعی بہر وجہ کہ ممکن مے باشد بجا مے آرم و ہر تدبیرے کہ دراں مفید مے نماند بروئے کار مے آرم و انشاء اللہ تعالےٰ تا دم مرگ در ہمیں سعی مشغول خواہم ماند و تمام عمر در ہمیں تدبیرات مبذول خواہم کرد تا زندہ ام ہمیں راہ مے پویم و تا موجود ام ہمیں مقصد مے جویم تا سر و پا است ہمیں راہ است و ہمیں سودا خواہ مفلس شوم خواہ غنی خواہ منصب سلطنت یابم خواہ رعیت گری خواہ متہم بجبن شوم خواہ متسمہ بشجاعت خواہ بمرتبۂ غازی فائز شوم خواہ بمنزلہ شہادت آیسے اگر بنیم کہ رضائے مولائے من در ہمیں منحصر ست کہ در معرکہ جنگ تنہا بجان خود بیایم پس بسم اللہ و باللہ کہ بصد جان سینہ سپر نمایم و در مجامع عساکر بید غدغہ و سواس در آیم بالجملہ مرا باظہار دعاوی شجاعت و تحصیل ریاست غرض نیست علامتش ہمیں ست کہ اگر کسے از امراء کبار و رؤسا عالی مقدار دین محمدی قبول نماید فی الحال مردانگی اولبصد زبان اظہار نمایم و از دیار سلطنت او بہزار جان می خواہم بلکہ در باب ترقی ریاست او مساعی بے شمارے آرم ایں امر فی الحال امتحان کنند اگر خلاف بر آید دراں الزام دہند اگر بنظر انصاف غور نمایند اینجانب بدیں مقدمہ اصلا مطعون و ملام نیست زیرا کہ دقیقہ

آں عظمت نشان در مقدمہ بجا آوردن احکام حاکم خود ہیچ عذرے وحیلہ نمے تواند آوردحالانکہ آں حکومت نشان از افراد ایشاں بلکہ از جملہ برادران ایشان ست پس اینجانب در مقدمہ بجا آوردن حکم احکم الحاکمین چگونہ عذر تواند آورد حالانکہ آں جلیل الشان خالق جمیع افراد انسان بلکہ مکون سائر اکوان است ۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ ۔ تحریر بتاریخ پانزدہم شہر جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ فقط

بدھ سنگھ جنرل افواج سکھاں کے پاس جب یہ نامہ پہنچا تو سوائے تیاری جنگ کے وہ اور کیا جواب دے سکتا تھا۔ اس نے دریائے اباسین پر تین ہزار شائستہ فوج سکھوں کی روانہ کی اور حکمت یہ کی کہ آٹھ دس توپوں کو اپنے عقب میں رکھ لیا تاکہ مجاہدین بےخبر ہو کر ہم پر حملہ کریں تو ہم ان کی خبر لیں۔ اسوقت بہت بڑے انتظام کی ضرورت تھی۔ افغانوں کا بزدلا پن اور دھوکے بازی کھل چکی تھی ان پر کسی قسم کا بھروسہ نہ ہو سکتا تھا۔ مولانا شہید نے ایک بار سید صاحب کی خدمت میں یہ عرض کر دیا تھا ہمیں افغانوں کی جمعیت بڑھنے میں زیادہ خوش نہ ہونا چاہئیے یہ لوگ بزدل اور دغاباز ہیں ان کی وجہ سے ہمیں چشم زخم اٹھانی پڑیگی مگر سید صاحب نے اس بات کو نہ مانا تھا آپ کا یہ خیال تھا کہ جب کوئی شخص خود جہاد کے لئے بغیر کہے جانا چاہتا ہے میں اسے کیوں روکوں ایک دیسی سردار نے درخواست کی اگر حکم ہو تو اباسین سے پار اتر کر دشمن کی فوج پر افغانوں کے ساتھ حملہ کروں آپ نے اجازت دیدی مگر مصلحتاً سید صاحب نے مولانا شہید کو بھی ہمراہ کر دیا۔ کل پانسو ہندوستانی آپ کے ساتھ تھے مولانا شہید نے سردار مذکور سے کہہ دیا کہ جب تک ہم کشتیوں پر قبضہ نہ کر لینگے فتح نہیں پا سکتے۔ بڑی کشمکش سے کشتیوں پر بھی قبضہ ہو گیا مولانا شہید نے افغانوں کے ساتھ گھل مل کر دشمنوں پر حملہ نہ کیا بلکہ سکھوں کے مقابلہ میں ایک طرف سے تو افغانی سردار مذکور کی زیر کمان بڑھے اور دوسری طرف سے مولانا شہید نے اپنے گھوڑے کی باگ اٹھائی جب نصف دریا افغانوں نے طے کر لیا اور سکھوں نے اپنے حملہ آوروں کو اپنی زد پر بالکل ٹھیک ٹھیک سمجھ لیا تو انہوں نے اپنی عقب والی توپوں سے فائر کرنے شروع کئے کئے جونہی دس بیس دیسی اڑے کل فوج کی فوج الٹی پھری بہت سے اباسین کے نذر ہوئے اور باقی جان بچا کر بھاگے محض بے سراپن تھا نہ کوئی قاعدہ جاری تھا نہ کسی کی باقاعدہ کمان تھی لوٹ کا لالچ افغانوں کو لئے پھرتا تھا اور ایسے حملوں میں اگر مولانا شہید کا دم نہ ہوتا تو سخت ذلت ہوتی۔

جسوقت افغانوں کی بے تعداد بے سری فوج بھاگی ہے مولانا شہید کے بھی پیر اکھڑ گئے تھے آپ نے اس نظارہ کو حسرت کی نگاہ سے دیکھا اور چاہتے تھے کہ باگیں پھیر لیں اور مٹھی بھر آدمیوں کو دشمنوں کے پنجہ سے نکال لیں مگر اپنی نڈر طبیعت اور غیرت اسلام نے تقاضا نہ کیا آپ نے اپنے آدمیوں کو للکارا اور کہا یہی وقت ہے اسلام پر جان قربان کر دینے کا۔ بڑھو اے میرے بھائیو بڑھو یہ کہہ کر سب سے پہلے گھوڑے کو بڑھایا

جتنے ہندوستانی ساتھی تھے آپ کے پیچھے سکھوں پر حملہ آور ہونے کے لئے ٹوٹ پڑے قدرتی طور پر سکھوں پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ اپنی توپیں اور بہت سا سامان حرب چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اسے ہم تائید غیبی کہہ سکتے ہیں ورنہ مٹھی بھر آدمی کبھی اُن سے مقابلہ کر کے جانبر نہ ہو سکتے تھے۔ مولانا شہید نے کل سامان پر قبضہ کر لیا اور بفتح وظفر اپنے کیمپ میں واپس آئے۔

چوتھی جنگ

اس اتفاقیہ فتح کے بعد سید صاحب مع اپنے کل جان نثاروں کے نوشہرہ میں آ گئے۔ یہاں سرداران پشاور بیس ہزار فوج لئے ہوئے سید صاحب کی مدد کے لئے تیار کھڑے تھے دربار لاہور کو وقتاً فوقتاً پے در پے شکستوں کی خبریں پہنچ رہی تھیں اور وہاں سے برابر لشکر روانہ ہو رہا تھا۔ میدان سید وجنگ کے لئے موزوں قرار دیا گیا۔ طرفین کی آنکھیں اس انقطاعی جنگ پر لگ رہی تھیں سکھوں کی بھی پندرہ ہزار فوج جمع ہو گئی تھی۔ اور دونوں لشکر آمادہ پیکار تھے بارود تیار تھی صرف بتی دینے کی کسر تھی ایک نئی آفت سید صاحب اور آپ کے صادق مریدوں پر آتے آتے رہ گئی سوائے تائید غیبی کے اور کیا خیال ہو سکتا ہے پشاور کے سردار جن میں بعض شیعہ مذہب بھی تھے گو بظاہر انہوں نے سید صاحب سے بیعت کر لی تھی مگر جانی دشمن تھے رسد پہنچانے کا انتظام انہوں نے اپنے ذمہ لیا تھا۔ دو شخص[1] آپ کے لئے کھانا لایا کرتے تھے یعنی کھانے کا انتظام ان کے سپرد تھا سید صاحب اور مولانا شہید وغیرہ کو ان پر کامل بھروسہ تھا انہوں نے ایک دن موقع پر زہر ہلاہل سید صاحب کے کھانے میں ملا دیا۔ اتفاق سے وہ کھانا شب کو صرف سید صاحب نے کھایا۔ کھانا کھاتے ہی آپ کے تیور بدل گئے اور زبان کا اینٹھنا شنسنیوں کا ہونا شروع ہوا۔ خیر یہ ہوئی کہ آپ خود بخود بیہوشی کے عالم میں قے پر قے کرنے لگے مولانا شہید مغموم پاس بیٹھے تھے صبح کو جنگ ہونے والی تھی اور سردار فوج کی یہ کیفیت ہو گئی۔ گھڑی بگھڑی آپ کی حالت ابتر ہوتی گئی یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ دونوں فوجیں جنگ کے لئے آراستہ ہوئیں۔ مجاہدین سید صاحب اور مولانا شہید کی غیر موجودگی سے ہول میں آئے جاتے تھے۔ شیعوں کے سردار نے چالاکی سے ایک لنگڑا ہاتھی سید صاحب کی سواری کے لئے بھیج دیا اور مہاوت کو خوب سکھا پڑھا دیا جس طرح ہو سید احمد کو ہلاک کرا دیجو خیمہ کے دروازہ پر آ کر لوگ غل مچانے لگے سید صاحب بہت جلد سوار ہو جائیں ورنہ جنگ مومنین کے لئے خطرناک بن جائے گی اس وقت سید صاحب کو کچھ کچھ ہوش آ گیا تھا مولانا شہید سے کہا جس طرح ہو ہاتھی پر مجھے بٹھا دو آخر پانچ چھ آدمیوں نے سید صاحب کو پکڑ کر ہاتھی پر سوار کرا دیا شیعوں کا سردار بیس ہزار

[1] نذر محمد۔ ولی محمد [2] سردار یار محمد۔

فوج سے دامن کوہ میں کھڑا ہوا تھا۔ مجاہدین کو اس سے بہت سہارا تھا۔ جب آپ میدان جنگ میں پہنچے ہی تو لڑائی شروع ہو گئی تھی شیعوں کا سردار برابر سکھوں کو توپیں مار رہا تھا مگر سوائے آواز کے گولا گولی نہ چھوڑا جاتا تھا۔ جب سخت معرکہ آرائی ہوئی اور سکھوں نے شیعہ سردار سے دو آدمیوں کی معرفت سازباز کر لی۔ تو وہ آندھی مینہ کی طرح حملہ آور ہوئے۔ شیعہ سردار اپنی کل فوج کے ساتھ غل مچاتے ہوئے بھاگ نکلے۔ انہیں دیکھ کر مجاہدین کے بھی پیر اکھڑ گئے مولانا شہید نے پہلے سکھوں کے خونخوار حملہ کو روکا مگر جب دیکھا کہ سید صاحب تو بیہوش پڑے ہوئے ہیں اور ان کا ہاتھی جنبش نہیں کھاتا اور وہ عنقریب سکھوں کے قبضہ میں آنے کو ہیں آپ نے میدان سکھوں کے ہاتھ سونپ کر سید صاحب کو سنبھالا اور بمشکل کئی آدمیوں کی مدد سے اپنے گھوڑے پر بٹھا کر صاف میدان جنگ سے نکل آئے۔
جب مجاہدین نے سید صاحب اور مولانا شہید کو اپنے میں نہ پایا ان کے پیر بھی اکھڑ گئے نہ کوئی کمانڈر تھا نہ ان میں کوئی خالد جیسا لڑانے والا اور نہ مثنیٰ جیسا حملہ آوروں کے پنجہ سے نکالنے والا تھا۔ جدھر ان کا سینگ سمایا سراسیمہ ہو کر بھاگے سکھوں نے تعاقب کیا اور مظلوم مسلمانوں کو نہایت بے بسی کی حالت میں قتل کیا۔ ان کا سامان لٹ رہا تھا اور ان کی جانیں ضائع ہو رہی تھیں ادھر سید صاحب کے لینے کے دینے پڑ رہے تھے اور ادھر مجاہدین کی جانوں پر بن رہی تھی۔ بہت سے مسلمان سکھوں نے قید کر کے لاہور روانہ کئے جہاں وہ نہایت بیرحمی سے قتل کئے گئے۔ یہ فاش شکست اپنے سوتیلے بھائی شیعوں کے ہاتھوں ناواقف مجاہدین کو اٹھانی پڑی اسی طرح ایک شیعہ وزیر نے ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا تھا اور جب بت پرست سلطان نے بغداد فتح کر لیا تو بیگناہ سنی لاکھوں قتل کئے گئے تھے۔ شیعوں نے جو جو مظالم مسلمانوں پر توڑے ہیں وہ قابل بیان نہیں سید صاحب کو اگر ذرا بھی اس کا علم ہوتا کہ شیعہ سنی کا کبھی دوست نہیں بن سکتا تو وہ کبھی ان کے دھوکے میں نہ آتے۔ وہ سچے مسلمان تھے انہوں نے شیعہ سنی کی تفریق ہی بالکل اڑا دی تھی مگر اس صاف باطنی کے مقابل میں بھلا حضرات شیعہ کب چوکنے والے تھے جس کروٹ ان سے بن پڑا انہوں نے کبھی کوئی دقیقہ سنیوں کے ستانے اور ہلاک کرنے کا اٹھا نہیں رکھا۔ یہ قہرناک شکست بھی بیچارے سنیوں کو ان کی ہی مہربانی سے نصیب ہوئی۔

پانچویں جنگ

آخر بمشکل مسلمان سکھوں کے تعاقب سے بچ کر اپنے مرشد سید کے گرد جمع ہوئے سید صاحب بیہوش پڑے ہوئے تھے اور انہیں دنیا و مافیہا کی کچھ بھی خبر نہ تھی برابر علاج ہو رہا تھا اور کوشش کی

کی جارہی تھی کہ زہر کسی طرح جسم سے نکل جائے۔ ایک وفادار سنی سردار نے مولانا شہید کو مشورہ دیا کہ آپ سید صاحب کو چنائی اگر لے چلیں تو بہتر ہے وہاں کی آب و ہوا اچھی ہے اور مخالفوں کا بھی اتنا خوف نہیں ہے۔ جاڑا کڑاکے کا پڑنے لگا تھا اور پہاڑوں پر برف باری شروع ہو گئی تھی۔ مولانا شہید نے سردار مذکور کی صلاح بموجب مع کل مجاہدین کے سید صاحب کو لے کر موضع چنڈئی میں آ کر قیام کیا سامان سارا لٹ چکا تھا۔ مجاہدین کی حالت افسوسناک تھی۔ سرمائی سامان کچھ نہ رہا تھا اور رسد کا سامان تو تین دن پہلے سے ختم ہو چکا تھا۔ مجروحین تڑپ رہے تھے۔ اور تندرست فاقہ کشی سے نالاں تھے سید صاحب ابھی تک بیہوش ہی تھے۔ اب یہ حالت مولانا شہید کی سخت امتحان کی تھی۔ کوئی مددگار چاروں طرف نظر نہ آتا تھا ہر چند آپ کا شیریں موثر وعظ مجاہدین کو بہت کچھ تھپک رہا تھا مگر فاقہ کی زبردست بیقراری کے آگے اس کا اثر بھی زیادہ دیر نہ رہتا تھا ادھر اپنی بے سروسامانی کا غم دوسرے سید صاحب کی نازک حالت کا جانکاہ صدمہ تیسرے بیعزتی کے ساتھ شکست کھانے کا تبدل الم جان کو آدھا کئے دیتا تھا۔ گو پیارا شہید اس پر بھی شاکر تھا مگر اس کے صابر دل کو بیچین کرنے والا نظارہ مومنین کی زار حالت کا تھا جو انتہا درجہ سخت اور نازک تھی۔ خدا خدا کر کے آٹھ دن میں سید صاحب کو ہوش آیا اب مومنین کی کسی قدر ڈھارس بندھی اور انہیں بزرگ سید کے بچنے کی امید ہو گئی۔ موضع والے بیچارے روز مرہ کہاں سے دیتے آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ درختوں کی چھالیں اور جنگل کی بوٹیاں اُبال اُبال کر کھانے لگے۔ دن بھر دھوپ میں گذر کرتے تھے اور شب کو سردی سے محفوظ رہنے کے لئے الاؤ کے گرد بیٹھ جاتے تھے سب کی یکساں ہی کیفیت تھی نہ سید صاحب بچے تھے نہ مولانا شہید کی کوئی صورت بہتری کی معلوم ہوتی تھی۔ تیسرے دن کبھی کبھی ایک ایک مٹھی جوار کی بمشکل میسر آجاتی تھی ورنہ درخت کے پتوں اور گھاس پات پر زندگی بسر ہوتی تھی۔ اس اثنا میں سید صاحب بھی اچھے ہو کر چلنے پھرنے لگے تھے۔ اور مجاہدین کے ساتھ کبھی لکڑیاں کاٹنے چلے جاتے تھے اور کبھی اگر کہیں سے غلہ ہاتھ لگ گیا تو مولانا شہید کے ساتھ چکی پیسنے بیٹھ جاتے تھے۔ بایں ہمہ کوئی مجاہد بددل نہ تھا اور نہ کسی نے یہ درخواست کی کہ میں وطن جاتا ہوں نہ کوئی فاقہ کشی کی مصیبت سے چھپکے بھاگا بلکہ اس غضبناک مصیبت پر بھی وہ سید صاحب اور مولانا شہید کی معیت دولتمندانہ زندگی بسر کرنے سے بہتر جانتے تھے۔

یہ سخت تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ حتیٰ ان کی شکستہ حالی حد سے زیادہ گذر گئی تھی۔ اس سے زیادہ ان کی ہیبت ایسی بھاری شکست کھانے پر بھی قرب و جوار میں پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی متنفس مومنین کی

خستہ حالی سے واقف نہ تھا جس کی عرضی آئی دیکھ کر خاموش ہو رہے جواب دینے کی بات ہی کونسی تھی جس سے جواب باصواب دیا جاتا۔ ایک دن اسی خستہ حالی میں رئیس[1] پکھلی کا ایک وکیل معہ عرضی کے پہنچا۔ اس عرضی میں لکھا ہوا تھا ایک گڑھی پر سکھوں نے حملہ کر کے میرے بیٹے کو محصور کر دیا ہے برائے خدا آپ جلدی ایک دستہ مجاہدین کی فوج کا روانہ کیجئے جو میرے بیٹے کو اُن کے پنجہ سے خلاصی دلوائے۔

جب مولانا شہید نے عرضی پڑھ کر وکیل کے سامنے سنائی تو سید صاحب نے وکیل سے کہا۔ کہ کل اس کا جواب دینگے شب کو مولانا شہید سے دریافت کیا کہ تمہاری کیا مرضی ہے فاقہ کشی اور بے سروسامانی کی بلا ہم پر چھا رہی ہے اس مصیبت زدہ حالت میں مجاہدین میں یہ دم کہاں ہے کہ خونخوار قوی سکھوں کا مقابلہ کر سکیں گے۔ اب جو کچھ تمہاری صلاح ہو کیا جائے مولانا شہید نے عرض کیا کہ ایک ہی جگہ پڑے رہنے سے ہم اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے بے بسی کی حالت میں فاقہ کشی کرتے کرتے مرجانے سے دشمن کے مقابلہ میں گردن کٹانا زیادہ انسب ہے بہتر ہوگا کہ آپ اس وکیل کو مایوس نہ جانے دیں۔ سید صاحب کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی آپ نے فرمایا میرے خیال میں اسمٰعیل تمہارا افسر ہو کر جانا انسب ہوگا مولانا شہید سوائے بسر و چشم کے اور کیا جواب دیتے فوراً سو آدمی ذرا مضبوط سے جن میں رامپوری نو وارد بہت تھے چنے گئے اور تیسرے دن مولانا شہید اُنہیں اپنے ہمراہ لے کر وکیل کے ساتھ جانب پکھلی روانہ ہوئے اور بخیر و عافیت موضع پکھلی میں پہنچ گئے۔ مولانا شہید کی بے سروسامانی اور مجاہدین کی قلت گو بعض وقت ناظر سوانح کو خلجان میں ڈالے گی اور وہ یہ دیکھ کر حیرت کریگا کہ ایسا شخص جو بہت عرصہ سے خود طرح طرح کی مصیبت میں پھنسا ہوا اور اسوقت بھی اس کی ناگفتہ بہ حالت ہو پھر بھی وہ کس شوق اور اُولوالعزم ارادہ سے اپنے بھائی مسلمانوں کے بچانے کے لئے آمادۂ پیکار ہو اور خونخوار دشمن کی کثیر التعداد فوج اور سامان حرب کی ذرا بھی پرواہ نہ کرے۔ حقیقت میں یہ بات غور و تامل کی ہے مگر جب مولانا کی حمیت اسلام سے بھری ہوئی فطرت پر نظر کریگا تو اسے چنداں استعجاب نہ رہیگا۔

مولانا شہید کا اصلی منشا یہ تھا کہ مسلمانوں کی حمایت میں میری جان نکلے اس سے بحث نہ تھی۔ کہ ان مسلمانوں کے عقائد درست ہوں یا نہ ہوں۔ کئی بار یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ دیسی لوگ مولانا شہید اور اُن کے پیر سید احمد صاحب سے فدائیانہ عشق نہیں رکھتے بلکہ اپنے ذاتی اغراض میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بایں ہمہ یہ تمام غیر خوش آیند خیالات نہایت کمزور اور ناپائدار ہوا معلوم ہوئے اور وہ اپنے امیر کے

[1] سردار حبیب اللہ خاں

حکم سے ان ہی مسلمانوں کو سکھوں کے ظالم پنجہ سے بچانے پر آمادہ ہو گئے۔ اس سے زیادہ اسلام سے فدائیانہ عشق رکھنے کی مثال بہت کم ملے گی۔

پکھلی میں مولانا شہید کا پہنچنا سکھوں کی اشتعالک طبع کا باعث[1] ہوا ناظم موضع نے ایک سکھ افسر[2] کی سرکردگی میں ڈیڑھ ہزار فوج روانہ کی اور اسے ہدایت کردی کہ موضع ڈمگلہ میں پہنچ کر اپنی مورچہ بندی کرلے۔

سردار افواج سکھ نے ڈمگلہ میں خوب مضبوطی سے مورچہ بندی کی اور بکثرت دیسی بھی اپنی فوج کی تعداد بڑھانے کے لئے اپنے ساتھ کرلئے بیان کیا جاتا ہے کہ اسوقت سکھوں کی جمعیت چار ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہوگئی تھی۔ مولانا شہید نے بھی ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کی آڑ میں اپنے مٹھی بھر آدمیوں کو قیام کرنے کا حکم دیا۔ خوانین پکھلی مولانا شہید کی خدمت میں معہ اپنے ہمراہیوں کے آموجود ہوئے اور باہم یہ مشورہ طے پایا کہ شبخون مارنا چاہئے۔ مولانا شہید نے دو ہزار دیسی لوگ خوانین کے ذریعہ سے اپنی کمک پر دیکھے مگر اس منظر سے آپ کا دل خوش نہیں ہوا۔ آپ دیسیوں کی بزدلی اور دغا بازی کا تجربہ کرچکے تھے آپ کو یقین تھا کہ یہ منہ بمنہ یا سینہ بسینہ خونخوار سکھوں سے میدان جنگ میں شمشیر بازی نہیں کرسکتے مگر اب دقت بہت آپڑی تھی اگر انہیں ساتھ نہ لیتے تو خوانین سے بگڑتی ہے اور جو ہمراہ لیتے ہیں تو میدان جنگ سے ان کے فرار ہوجانے کا اندیشہ ہے آخر فکر کرتے کرتے آپ نے ایسا بندوبست فرمایا کہ اگر دیسی لوگ بھاگ بھی جائیں تو ہندوستانی لڑاکو مجاہدین پر ان کا کچھ اثر نہ پڑے اور دوسرے دن شب کو تیاری کرکے حملہ کا حکم دیا۔

دیسی ابھی سکھوں کے مورچوں کے قریب بھی نہ پہنچنے پائے تھے کہ فرار کا صیغہ گردانے لگے اور ایسے دم دبا کر بھاگے کہ شاید کوسوں پر جاکر دم لیا ہوگا۔ کل تین سو آدمیوں کے قریب دیسیوں کے رہ گئے۔ شب کے دو بج چکے تھے رات اندھیری اور تیرہ و تار تھی ہاتھ کو ہاتھ نہ بجھائی دیتا تھا سکھوں نے اپنے لشکر کے چراغ کبھی کے گل کردیئے تھے۔ کبھی کبھی ہوا کے جھو کے آبادی کی خبر دیتے تھے ورنہ اندھیری کی تاریک چادر سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوسوں تک سنسانی حکومت کررہی ہے آدمیوں کے چلنے کی آہٹ ان ہی ہوا کے جھوکوں سے معلوم ہوتی تھی مجاہدین زمین سے لگواں جارہے تھے اور ان کی یہ کوشش تھی کہ ہمارے قدموں کی آہٹ نہ معلوم ہو مورچوں پر جتنے سکھ جوان تھے وہ سب ہوشیار تھے قلب لشکر کے سپاہی ضرور آرام میں تھے ادہر ادہر فوج کی بیداری سکھوں کی دوراندیشانہ روح

[1] سردار ہری سنگھ ناظم پکھلی۔ [2] سردار پھول سنگھ

کا نقشہ کھینچ رہی تھی۔ مولانا شہید نے پچاس آدمی تو مورچہ پر چھوڑے اور نوے ہندوستانیوں کے ساتھ جن میں رامپوریوں کی بڑی تعداد تھی عقب کی طرف اپنے کو پہنچا دیا اور سامنے سے تین سو دیسی جو ابھی فرار نہ ہوئے تھے ایک دل چلے مسلمان کی زیر کمان بڑھے چلے آتے تھے جب مولانا شہید بندوقیں تانے ہوئے بہت ہی قریب پہنچ گئے تو چند سنتری مورچوں پر پہرہ دیتے دکھائی دئیے گو ان کی صورت شکل قد ڈیل ڈول مطلق نہ دکھائی دیتا تھا۔ پھر بھی اسقدر معلوم ہو رہا تھا کہ سیاہ پرچھائیاں گردش لگا رہی ہیں چند منٹ تک آپ نے سوچا اور فکر کیا کہ مجھے اس پہلو پر حملہ کرنے سے کامیابی ہوگی یا دوسرے رخ پر حملہ آور ہونا فائدہ دیگا۔ فوراً آپ کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور آپ نے شتابانہ مگر غیر ممکن السمع قدموں میں دوسری طرف سے سکھوں کو آدبایا اور خوفناک تکبیروں کی آواز سے سکھوں پر حملہ کیا سکھوں نے گولیوں کا مینہہ برسانا شروع کیا مگر تاریک شب میں ان کی فی ہزار ایک گولی بھی نشانہ پر مشکل لگ سکتی تھی۔ مولانا شہید نے بندوقوں سے گذر کر تلواروں کے قبضے پکڑ لئے اور اب سینہ بسینہ جنگ شروع ہو گئی۔ سکھ تو کچھ شراب اور نیند کے نشہ میں تھے اور کچھ انہیں اپنے مخالفین کا لے تعداد لشکر معلوم ہوا اس کا ہراس اور بھی انہیں بزدل بنا رہا تھا پہلے تو بیس منٹ کے قریب انہوں نے اندھا دھند مقابلہ کیا اور جب ان پر حد سے زیادہ خوف طاری ہوا تو وہ سراسیمہ ہو کر بھاگے اور اپنا کل سامان فاتحان اسلام کے لئے چھوڑ گئے۔ سکھوں کا سردار بڑا آزمودہ کار مرد میدان تھا اس نے ایک ہزار قدم پر جا کر اپنے سپاہیوں کو پھر جمع کیا اور گاؤں کے پانچ چار جھونپڑوں میں آگ لگا دی تاکہ مخالفین کی تعداد معلوم ہو جائے۔ جوں ہی خشک پھوس کی تیز تیز بلند بلند لپٹیں اٹھیں مجاہدین کا بھرم کھل گیا اور انہیں معلوم ہوا کہ یہ مٹھی بھر آدمی ہیں جنہیں ہم نے ہزاروں سمجھ لیا تھا اپنی لاعلمی اور ساتھ ہی اس کے بزدلانہ پن پر ملامت کی اور دوبارہ غیظ و غضب میں مسلمانوں کی جمعیت پر حملہ کیا۔

یہاں ایک نیا گل اور کھل گیا تھا کہ جب سکھ اپنا سامان چھوڑ کر سراسیمہ بھاگے ہیں تو دیسیوں نے موقع غنیمت جان کر اُسے لوٹنا اور اپنے گھر لے جانا شروع کر دیا تھا۔ کچھ تو بھاگ گئے تھے اور جو کچھ دیسی رہ گئے تھے وہ اسباب پر گرے ہوئے تھے جونہی سکھوں نے حملہ کیا دیسیوں کی شامت آگئی۔ اگر مولانا شہید غیر معمولی اور بیدھڑک شجاعت نہ کرتے تو ایک دیسی کی بھی جان نہ بچتی۔

مولانا شہید نے اپنے مٹھی بھر آدمیوں کو پراگندہ نہ ہونے دیا اور اس طرح سمیٹے رکھا جیسے مرغی اپنے بچوں کو پروں میں دبا کر بیٹھتی ہے۔ شب ہنوز تیرہ و تار تھی۔ آسمان کی مصفا نیلی چادر پر غلیظ ابر محیط ہو رہا تھا۔ آپ نے یہ حکمت کی کہ ایک جگہ جم کر نہ کھڑے تین منٹ اس پرے سے جنگ کی تو

چار منٹ دوسرے دستے سے تمام لشکر میں نئے سرے سے ایک تہلکہ مچ گیا۔ سکھوں کا سردار سمجھ گیا کہ مسلمانوں نے مجھے دھوکا دیا یہ ضرور ادھر ادھر چھپے ہوئے ہو نگے جو اسوقت بیشمار نکل آئے یہ خیال سکھوں کی فوج اور ان کے سردار کے لئے سم قاتل کا اثر رکھتا تھا ڈیڑھ گھنٹہ یا اس سے کچھ کم انہوں نے خونخواری سے جنگ کی مگر بعد ازاں کسی سکھ نے اتفاق سے یہ کہدیا سردار جی مارے گئے جونہی یہ آواز اُن کے کان میں پہنچی پھر وہ ایک لمحہ بھی نہ ٹھہرے اور ایسے بے تحاشہ بھاگے کہ پیچھے کی کچھ خبر نہ لی۔ دیسیوں نے سکھوں سے سخت چشم زخم اٹھایا پھر بھی مولانا شہید کی نڈر دلیری نے انہیں بال بال بچا دیا۔

یہ فتح مولانا شہید کا حوصلہ سکھوں کے مقابلہ میں بڑھانے والی تھی آپ اور آپ کے ساتھی دو دن سے فاقہ سے تھے ایک کھیں کا دانہ بھی اڑ کر منہ میں نہ گیا تھا۔ ہاں اس فتح سے بہت سا غلہ اور مولیشی کسی قدر سامان حرب غازیوں کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ یہ سامان کچھ ایسا بہت نہ تھا کہ آئندہ جنگ کے لئے مولینا شہید کو سہارا دے سکتا تھا تاہم اس وقت غازیوں کے آنسو پچھ گئے تھے اور انہوں نے خدائے واحد کا شکر کر کے اسے خوشی خوشی اپنے کام میں لانا شروع کر دیا تھا۔ مسلمانوں کے سات شہید اور گیارہ مجروح سکھوں کے تین سو قتل اور پانچ سو مجروح ہوئے۔

چھٹی جنگ

ابھی وہ گڑھی جس کی مدد کے لئے مولانا شہید تشریف لائے تھے ذرا فاصلہ پر تھی اور آپ نے دوسرے دن اس پر حملہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ مولانا شہید گو غیر معمولی فنون جنگ اور بے نظیر بہادری میں لاثانی قابلیت رکھتے تھے مگر سکھوں کے مقابلہ میں اپنا ضعف بخوبی سمجھتے تھے وہ جانتے تھے کہ دن کو کثیر التعداد سکھوں سے میدان لینا سخت مشکل اور دشوار ہے۔ آدمیوں کی کمی۔ دیسیوں کی بے اعتباری اور سب سے زیادہ سامان رسد اور سامان حرب کا غیر موجود ہونا بڑی بھاری دقتیں تھیں۔ جو مولانا شہید کو متوحش خاطر بنا رہی تھیں۔

خوانین وغیرہ زبانی جمع خرچ تو بہت کرنا جانتے تھے مگر عملی ہمدردی ان سے ایسی ظہور پذیر نہ ہوتی تھی۔ جس سے مسلمانوں کا اطمینان ہوتا بہرحال مولانا شہید اکیلے خدا کے بھروسے پر قانع تھے اور شہادت کا سرخوشانہ خیال بار بار ایک وجدانگیز خوشی میں آپ کے قلب کو شادان و فرحان بنا رہا تھا۔

گڑھی شنگاری جس میں ایک مسلمان گھرا ہوا تھا اور جس کے بچانے کے لئے مولانا شہید تشریف لائے تھے نصف میل کے فاصلہ پر تھی بہت دنوں سے سکھوں کی فوج اس گڑھی کا محاصرہ کئے ہوئے پڑی تھی نہ گڑھی

والے باہر نکل کے جنگ کر سکتے تھے نہ سکھ اس گڑھی کو مسلمانوں سے خالی کرا سکتے تھے جب ان سکھوں نے مولانا شہید کا حال سُنا تو دریافت کیفیت کے لئے ایک بنیڈ سکھوں کا شب گوشت لگاتا ہوا مولانا شہید کے مورچہ کے قریب آیا۔ نہ تو مولانا کو خبر تھی کہ ابھی جنگ ہو جائے گی اور نہ بظاہر وہ دستہ اس غرض سے ادھر آیا تھا۔

مسلمان بیچارے تین وقت کے کڑاکا گزرنے کے بعد بیٹھے ہوئے کھانا پکار ہے تھے بعض نے کھانا تیار کر لیا تھا اور بعض کی ہانڈیاں اور توے ابھی چولہے پر ہی چڑھے ہوئے تھے کہ مولانا شہید نے فوراً مسلمین کو کمر بندی کا حکم دیا وہ جان نثار اسی بھوک میں کھانے کو چھوڑ کر کمر بستہ ہوئے اور سکھوں کے مقابلہ کے لئے گچ کی طرح اپنی جگہ جم گئے۔ مولانا شہید سب سے آگے تھے جب وہ گولی کی زد پر آگئے تو پہلے آپ نے گولی چلائی پھر مسلمانوں نے باڑھ مارنی شروع کی یکایک جب ان پر گولیوں کا مینہ برسا تو وہ خوف زدہ ہو کر بھاگے مگر ان ہی میں سے ایک شخص نے غل مچا کر کہا۔ نادانو! جن سے تم بھاگتے ہو وہ تم سے تعداد میں چوتھے حصے سے بھی کم ہیں یہ سنتے ہی کل سکھ سوار جن میں پیدل بھی تھے دوبارہ جھپٹے یہاں سے برابر ان پر گولیوں کی بھرمار ہو رہی تھی۔ گولیوں کا جواب گولیوں سے دیتے ہوئے وہ آگے بڑھے چلے آئے اور آخر یہاں تک قریب آگئے کہ دست بدست جنگ شروع ہوئی پہلے بندوق کے کندوں سے خوب خون ریزی ہوئی۔ اور بعد ازاں تلواریں کھچ گئیں۔ یہ وقت حد سے زیادہ اُن مٹھی بھر آدمیوں کے لئے خوفناک تھا۔ مولانا شہید نے دس دس آدمیوں کی ٹکڑیاں کر کے کئی طرف سے سکھوں کے ہیبناک حملہ کا جواب دیا ابھی تک پیارے شہید کی تلوار گلے ہی میں پڑی تھی اور آپ اپنی توڑے دار بندوق سے اسقدر جلدی فیر کر رہے تھے کہ دیکھنے والے کو تعجب آتا تھا۔ ایک دلیر سکھ نے پینترا کاٹ کر آپ پر تلوار کا وار کرنا چاہا۔ آپ نے ایسی ایک ٹیپ کی گولی ماری کہ وہ پانچ قدم پر چت جا پڑا پھر دوسرے نے حملہ کیا دوسری گولی بھی اُسی پھرتی سے لگی اور اس سکھ کا کام بھی تمام ہوا۔ تیسری بار آپ بندوق بھر کر بارود پیالہ پر ڈال ہی رہے تھے کہ ایک سکھ کی گولی نے آپ کی ایک انگلی اڑا دی گو بے باک شہید نے اس فیر کو بھی خالی نہ جانے دیا مگر چوتھی بار جب آپ بندوق بھرنے لگے تو انگلی کے خون سے بندوق کا پیالہ بھر گیا۔ اب کیا تھا درد سہارنے کی ہر چند کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے۔ اسی وقت پھر ایک خونخوار سکھ نے لپک کے تلوار کا وار کرنا چاہا آپ نے ذرا دو قدم سرک کر ایسے زور سے بندوق ماری کہ وہ چکرا کے گرا۔ اور آپ نے فوراً اس کا سر اتار لیا۔ انگلی سے خون

خون برابر بہ رہا تھا درد کی ایسی شدت تھی کہ الامان تکلیف سے آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا تھا۔ اور آپ یہ چاہتے تھے کہ جنگ موقوف ہو تو میں اس انگلی پر کپڑا گیلا کر کے لپیٹ لوں۔ ناچار اسی حالت میں آپ نے تلوار ہاتھ میں لی انگلی نے تمام ہاتھ کو ایسا ناکارہ کر دیا تھا کہ تلوار پکڑی نہ جاتی تھی۔ پھر بھی اس شیر نے اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈال ہی دیا اور اللہ اکبر کہہ کر سکھوں پر جھپٹ پڑا اور مٹھی بھر مسلمانوں کو آواز دی کہ مار لیا ہے گھبرانا نہیں ابھی میدان ہمارے ہاتھ آنے کو ہے۔ وہ فنون جنگ جو دہلی میں آپ نے سیکھے تھے اس وقت خوب کام آ رہے تھے۔ مولانا کو اس قدر کمال تھا کہ اگر دس آدمی مل کر تلواروں کا حملہ کریں اور آپ کے پاس سوائے معمولی لکڑی کے دوسری چیز نہ ہو تو آپ ان دس آدمیوں سے کبھی ضرب نہیں کھاتے تھے اور ایک ایک ہاتھ میں بہت پھرتی سے سب کی تلواریں چھین لیتے تھے ایک غیر معمولی جوش اور دوسرے نبوٹ وغیرہ کے فن سے کامل مہارت بہت کچھ فتحیابی کی پیشین گوئی کر رہی تھی۔

خدا خدا کر کے سکھوں کے پیر اکھڑے اور وہ بے تحاشہ بھاگے۔ ایک تو میدان مولانا شہید کے ہاتھ رہا۔ اور دوسرے ایک بڑی زبردست کامیابی یہ ہوئی کہ جب یہ دستہ سکھوں کا شکست کھا کر بھاگا ہے اور اپنی فوج کو جو محاصرہ کئے پڑی ہوئی تھی اطلاع دی ہے اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی کہا کہ مسلمان حملہ کرنے کو ہیں وہ وہاں پریشان ہو گئے سردار کا بیٹا جس کی نجات دینے کے لئے مولانا شہید گئے تھے سکھوں کو سراسیمہ پا کر گڑھی سے نکل کھڑا ہوا معمولی طور پر سکھ اس سے مزاحم ہوئے مگر اپنی پریشانی کے آگے انہیں اس کے بھی ہوش نہ رہے کہ اپنے دشمن کو تو روکتے اور اس کو نہ جانے دیتے۔

مولانا شہید اپنی انگلی کے زخم سے نہایت خوش معلوم ہوتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالےٰ قبول کرے تو یہ انگشت شہادت میرے لئے کافی ہے۔

ناظر کو کبھی ان فتوحات پر شبہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ جو کچھ تحریر کیا گیا ہے ایماندار معائنہ کرنے والوں کی زبانی سُنا ہوا ہے جو خود ان معرکوں میں شریک تھے۔ اور ان سب کی صداقت اُن فارن آفس کے کاغذوں سے ہوتی ہے۔ جن کی نقل ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب مسلمانان ہند میں کی ہے۔

جب مولانا شہید کے یہاں آنے کا مقصد نکل آیا یعنے سردار کا بیٹا سکھوں کی قید سے چھوٹ گیا تو آپ نے سید صاحب کی طرف مراجعت کی اور بخیر و عافیت پنجتار میں پہنچ گئے۔

بعض بے عنوانیاں

ابھی مولانا شہید سید صاحب کے کیمپ تک نہ پہنچے تھے کہ آپ کو یہ خبر لگی کہ چند علماء کے قافلے آرہے ہیں جن میں چھ سات سو آدمیوں سے زیادہ ہیں یہ سن کر پیارا شہید بہت خوش ہوا۔ اور اپنی جمعیت کی بڑھوتری دیکھ کر اور بھی زیادہ ہمت بندھی۔ یہ صحیح ہے کہ ؎ ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ ملانی دماغ کبھی اس قابل نہیں ہوتا کہ اتحاد سے کام کرے قدرتی طور پر اس میں خودپسندی اور بے جا نخوت، غیر نتیجہ ضد اس بلا کی ہوتی ہے کہ نہ وہ خود چین سے رہتا ہے نہ اپنے متعلقین کو چین سے رہنے دیتا ہے۔ ان لوگوں کو جنگ سے اور تدابیر ملکی یا قومی اتحاد سے کیا کام یہ دوسری بات ہے کہ مولوی اسمٰعیل جیسا ایک جوہر نکل آئے۔ جسے فطرت کے جوہروں کا کامل نمونہ کہنا چاہئے جس میں فطرت نے ہر علم اور فن کا مذاق مضمر رکھا تھا ہمارے ایک مرحوم بوڑھے دور اندیش دوست کا خیال صحیح ہے کہ اگر مولانا شہید کے ساتھ ملانے نہ ہوتے تو آج سارا پنجاب مسلمانوں کا ہوتا۔ پیارا شہید اپنی جانبازیوں کا بہت کچھ فائدہ اٹھاتا مگر ان ملانوں نے جو اس کے ساتھ تھے اُسے ہمیشہ اپنی نامعقول تدابیر کے صدقہ میں ناکام رہنے دیا اور آخر نوبت یہ ہوئی کہ مولانا شہید اور سید صاحب کی شہادت ہی پر کل کوششوں اور خونریز جانبازیوں کا اختتام تھا۔

غرض جب یہ قافلے ہندوستان کے مختلف شہروں سے آئے تھے تو ان میں مولوی محبوب علی صاحب دہلوی عجیب دماغ کے شخص تھے ان کی نسبت زیادہ لکھنا فضول ہے صرف یہی دو لفظ کفایت کرتے ہیں۔ وہ ملا نے تھے کچھ ضرورت نہیں کہ تمام جہاں کا رونا رو بیٹھیں کہ وہ خودپسند تھا۔ خردماغ تھا متعصب اور کوتاہ اندیش تھا حاسد اور مسلمانوں کو برباد کرنے والا تھا۔ بس ان الفاظ کے بجائے یہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ وہ ملانا یا ملّا تھا۔ مولوی محبوب علی صاحب جن کا سفر مولانا شہید یا سید صاحب اور آپ کی پارٹی (گروہ) کے لئے منحوس تھا وارد پنجاب ہوئے اور ابھی پانچ چار منزل سید صاحب سے دور ہونگے کہ آپ نے تند اور نامہذب الفاظ میں جیسا کہ عموماً ملانوں کی تحریر ہوا کرتی ہے ایک خط سید صاحب کو روانہ کیا اور اس میں یہ ناقابل باتیں تحریر کیں پہلے تمہیں لازم تھا کہ کلمہ گو کافروں سے بھگتتے اور ان پر جہاد کرتے پھر سکھوں کی طرف متوجہ ہوتے۔ یہ کلمہ گو کافر درانی تھے جنہوں نے محبوب علی صاحب کے مذہبی احکام میں انگشت اعتراض دراز کی تھی یا دوسرے

راوی کی روایت کے بموجب انہوں نے سمجھایا تھا کہ ابھی آپ آگے نہ بڑھیں رستہ میں سکھوں کی فوج جو ابھی دربار لاہور نے بھیجی ہے پڑی ہوئی ہے مبادا آپ سے مقابلہ ہو اور آپ چشم زخم اٹھائیں۔ بس اس سننے کی کہاں تاب تھی فوراً ان پر کفر کا فتویٰ لگا دیا اور یہ بھی فتوے دیدیا کہ سکھوں سے زیادہ ان کلمہ گو کافروں پر (معاذ اللہ) جہاد فرض ہے۔ [۵۱]

مولانا شہید نے نہایت صبر سے اس خط کو پڑھ کر سنایا۔ مولوی صاحب کی تیز مزاجی اور بے جا ظلم پر افسوس کیا اور بعد مشورہ یہ ہوا کہ جواب لکھ کر بھیجا آپ اتنی جلدی نہ فرماویں انشاءاللہ جو کچھ یہاں آکر مشورہ ہوگا اس پر عمل کیا جائیگا۔ غرض خدا خدا کر کے کل مولوی صاحبان پنجتار میں پہنچے۔

{ "یہاں مصنف نے مولوی محبوب علی کے چند واقعات نہایت ہتک آمیز عبارت میں لکھے ہیں۔ اس لئے ہم نے ان سطور کو حذف کر دیا۔" (مصحح) }

دوسرا غضب ناک واقعہ مسلمانوں کے کیمپ میں یہ ہوا کہ مولانا عبدالحی صاحب نے جنہیں علم وفضل میں مولانا شہید سے دوسرے نمبر پر سمجھنا چاہیئے اس دار فانی سے کوچ کیا۔ آپ کی وفات بتاریخ ۸ شعبان ۱۲۴۳ھ میں وقوع میں آئی۔ یہ قبل از وقت موت مومنین کے دلوں کو ہلا دینے والی تھی۔ جسطرح مولانا شہید نے اپنے زبردست مشیر اور فاضل دوست کو کھو دیا اسی طرح سید صاحب نے اپنا ایک بازو ٹوٹا ہوا سمجھا یہ بےنظیر فاضل جس پر ہمیشہ تاریخ کی روشنی چمکیگی عجیب وغریب قابلیت کا تھا اس کی زبان میں قوت گویائی اور قلم میں غیر معمولی نمو کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ دور دور آپ کا شہرہ تھا۔ شیریں کلامی اور برجستہ تقریر کرنے میں بھی آپ یدطولےٰ رکھتے تھے۔ سید صاحب نے آپ کا ماتم کیا۔ مولانا شہید آپ پر خون کے آنسو روئے۔ مسلمانوں کی زبان سے بے ساختہ یہ نکل رہا تھا۔

نوجوان تجھ سے ہی آباد تھا یہ سب خطہ	تیرے منہ موڑتے ہی جل گیا سارا گلشن
ہچکی بندھ جاتی ہے اے مخزن لطف وخوبی	یاد کر کر کے تجھے کرتا ہے عالم شیون

یہاں تو غریب الوطن پردیسی مسلمانوں پر یہ بپتا پڑی اور ہندوستان میں مولوی محبوب علی صاحب نے ان کے خلاف لوگوں کو آمادہ کیا اور ایسی ایسی بے بنیاد باتیں گھڑ گھڑ کر ان کے سر چپکیں کہ عموماً مسلمان برافروختہ خاطر ہوئے اور جو کچھ ہمدردی مولانا شہید سے وہ کرتے تھے انہوں نے کرنی چھوڑ دی ناچار سید صاحب نے مولانا شہید کے مشورہ سے چند فاضل اس غلط فہمی کے

[۵۱] آئندہ واقعات نے ثابت کیا کہ مولوی محبوب علی بڑے دور اندیش تھے۔ (مصحح)

مٹانے کے لئے روانہ ہندوستان کئے جنہوں نے واقعات کا پر اثر الفاظ میں بیان کر کے بہت کچھ لوگوں کا اطمینان کیا اور انہیں پھر سید صاحب اور مولانا شہید کا ہمدرد بنا دیا۔

یہ صحیح ہے کہ بہت سے ہندوستانی سکھوں سے اپنے بھائی مسلمانوں کا انتقام لینے کے لئے شامل مولانا شہید نہ ہوئے تھے اور انہیں صرف لوٹ کا لالچ کشاں کشاں لایا تھا مگر ان کی اس بدکرداری سے بیچارے شہید پر کوئی دھبہ نہیں آسکتا جیسے بعض کفار عرب بظاہر مسلمان ہوجاتے تھے مگر باطناً کا فر رہ کر جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف کاروائی کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کے زک دینے کی نئی نئی تدبیریں کرتے تھے۔ اسی لئے ان کے واسطے یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ "ایمان والوں سے مل کر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ اپنے شیاطین میں جاتے ہیں تو کہا کرتے ہیں ہم مسلمانوں سے ٹھٹھا کرتے ہیں"۔

یہی کیفیت مولانا شہید کے کیمپ کی تھی اس میں دونوں طرح کے آدمی تھے دین کی حمایت بھی کرنے والے تھے اور لوٹ کا مال اینٹھنے کے لئے بھی آگئے تھے دلوں کا حال تو اللہ جانتا ہے ان کی شناخت قوت بشری سے جب تک تجربہ نہ ہو بہت بعید ہے۔

ساتویں جنگ

یہاں غریب الوطنی پر پے در پے یہ بپتا پڑ رہی تھی اور دربار لاہور وہاں مسلمانوں کے پسپا کرنے کے لئے نئی نئی فوجیں برابر روانہ کر رہا تھا۔ ابھی مولانا شہید اتفاقی حوادث سے سنبھلے بھی نہ تھے کہ چار ہزار فوج دریائے لنڈہ سے عبور کر کے اتمان زئی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے آپہنچی۔ اب کے نئی بات یہ ہوئی تھی کہ ان چار ہزار آدمیوں میں خال خال سکھ نظر آتے تھے ورنہ سب کے سب درانی مسلمان تھے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایک دو چھینٹوں سے اپنے بھائی مسلمانوں پر چڑھ آئے تھے ان کے ساتھ دو توپیں بھی تھیں۔ مولانا شہید نے اطلاع پاتے ہی اپنی شکستہ فوج کو آراستہ کیا۔ اور تھوڑی سی جمعیت کے دو حصے کر کے ایک حصہ اپنی زیر کمان کیا اور دوسرا حصہ سید صاحب کی ماتحتی میں مقرر ہوا۔ کل حملہ آور مسلمان جو محمدی جھنڈے کے نیچے کام کر رہے تھے مشکل سے بارہ تیرہ سو ہوں گے۔ باہم مولانا شہید اور سید صاحب میں یہ مشورہ طے پا گیا کہ میں دشمن کے میمنہ کی طرف

شبخون ماروں اور آپ میسرہ کی جانب سے ان پر گر پڑیں۔
درانی اپنی کثیر التعدادی پر اکڑے ہوئے تھے اور یہاں خدا کے بھروسہ پر پھولے نہ سماتے تھے سید صاحب جس نصف حصہ فوج کی کمان کر رہے تھے وہ ابھی بہت دور تھا مگر مولانا شہید درانیوں کی فوج کے بہت ہی قریب پہنچ گئے تھے۔ پہرہ دار نے آواز دی کون آتا ہے مولانا شہید خاموشانہ آگے بڑھے چلے آئے اس نے پھر دوسری آواز دی آپ نے اس کا بھی جواب نہ دیا پھر اس نے تیسری آواز دی جواب نہ ملنے پر اس نے گولی ماری اور خوفزدہ غل مچاتا ہوا لشکر میں آگیا۔ مولانا شہید گھوڑے پر سوار تھے اور دو سو آدمی اور بھی آپ کے ساتھ قدم بقدم علاوہ چار سو پیدلوں کے آرہے تھے مولانا شہید کی پہلی نظریں توپوں پر لگ رہی تھیں آپ سب سے پہلے ان ہی پر جا پڑے گولہ انداز نے مہتابی کو روشن کر کے چاہا کہ پہلے مولانا شہید کو اڑا دوں کہ مولانا نے تلوار کا پھرتی سے وار کر کے اس کی گردن اڑا دی۔ دوسرا توپچی بھی یوں ہی مارا گیا۔ مولانا شہید نے فوراً وہ دونوں توپیں درانیوں کی طرف پھیر کر فیر کرنے شروع کئے ایک وفادار ہندو[۵۲] جو مولانا شہید پر فریفتہ تھا۔ گولہ اندازی پر مقرر ہوا۔ اس نے اسقدر پھرتی سے گولہ اندازی کی کہ درانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ادھر مولانا شہید ان پر ٹوٹ پڑے تکبیروں کی آوازیں خوب زور شور سے بلند ہو رہی تھیں۔ بھلا اب درانی کیونکر میدان جنگ میں ٹھہر سکتے تھے اپنا کل سامان چھوڑ کر بھاگے جب وہ فرار ہو رہے تھے سید صاحب بھی ان پر آپڑے تھے۔ جتنے درانی مارے گئے ان کی تعداد ٹھیک ٹھیک نہیں معلوم ہاں جن مردوں کو وہ میدان میں چھوڑ گئے تھے وہ چار سو سے زیادہ تعداد میں تھے۔ مولانا شہید کی فوج کا ایک آدمی بھی زخمی نہ ہوا یہاں سے فرار ہو کر درانیوں نے تھوڑی دور کے فاصلہ پر ایک بلند ٹیلہ پر مورچہ بندی کی اور اب ان کا ارادہ انتقام لینے کا پورا پورا ہو گیا۔ اس عرصہ میں صبح ہو گئی تھی۔ ان کے مقابل میں مولانا شہید بھی مورچہ بندی کر چکے تھے مورچہ بندی سے فارغ ہو کر آپ نے اذان کہی اور سب مسلمانوں نے جماعت سے نماز پڑھی جب یہ جماعت ہو چکی تو مورچہ والی جماعت نے اسیطرح نماز فجر پڑھی اور اب تازہ دم ہو کر گولہ باری شروع کر دی۔ درانی گولیاں مار رہے تھے اور یہاں سے گولوں کو ان کے جواب کے لئے چھوڑا جاتا تھا۔ تین چار گھنٹے تک تو وہ بہت جم کر لڑے۔ مگر جب ان کے آدمی آموں کی طرح گولوں سے ٹپ ٹپ ٹپکنے لگے تو مورچہ غریب الوطنوں کے حوالے کر کے

۵۱ مولوی محمد علی صاحب۔ مولوی ولایت علی صاحب۔ مولوی عنایت علی صاحب

۵۲ راجہ رام قوم راجپوت باشندہ بیسواڑہ۔ ۱۲

بھاگے اور میل بھر کے فاصلہ پر جا کر قیام کیا۔ مولانا شہید نے صرف اس خیال سے کہ درانی مسلمان ہیں اپنے آدمیوں کو یہ حکم کر دیا تھا جب تک سینہ بسینہ جنگ میں کوئی مقابلہ کے لئے تلوار نہ اٹھائے اسے قتل نہ کرنا نہ بھاگتے کا تعاقب کرنا اور جسے گرفتار کرو اسے وہی کھانا دینا جو تم آپ کھاتے ہو اور وہی کپڑا پہنانا جو تم آپ پہنتے ہو کیونکہ وہ بھی تمہارے بھائی مسلمان ہیں۔

درانی جہاں سے آئے تھے وہیں بھاگ کر چلے جاتے اگر انہیں خیبر وغیرہ کی طرف سے انکو مدد نہ پہنچتی خیبر والا سید صاحب سے بیعت کر چکا تھا مگر سکھوں کی رشوت نے اسے باغی بنا دیا اور اب وہ کھلم کھلا مولانا شہید سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ قدرتی طور سے درانیوں پر مولانا شہید کا ایسا خوف بیٹھا ہوا تھا کہ خفیف سی جنگ میں وہاں سے بھی فرار ہو گیا اور اپنے ساتھ خیبریوں کو بھی بھگا کر لے گیا۔

اس عظیم الشان فتح سے مسلمان مالامال ہو گئے اور اس کا اثر ملک پنجاب پر بہت بڑا یہ ہوا کہ دو ہزار سرداروں کے فدویت نامے ایک دن میں آ گئے جس میں انہوں نے اپنی گذشتہ گور پرستی وغیرہ سے توبہ کی تھی اور سچی راہ اختیار کی تھی انہوں نے عہد کیا کہ قرآنی احکام پر عملدر آمد کریں گے اور جو بدعتیں دین میں خلل ڈالتی ہیں بالکل ترک کر دینگے ان کی یہ بھی درخواست تھی کہ ہمارے ہاں اعمال اور قاضی مقدمات کے فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کئے جائیں ہم ان کی اطاعت کرینگے اور ان کے فیصلوں کو اپنے حق میں ناطق خیال کرینگے۔ پیارے شہید کا پہلا مدعا یہ تھا کہ دین خدا کی اشاعت ہو اور مسلمان اس بدعت و شرک کی گھنگھور گھٹا سے نکلیں وہ مدعا جیسا دہلی میں حاصل ہوا تھا ایسا ہی پنجاب میں بھی حاصل ہوا۔ الحمد للہ کہ ایسے تاریک ترخطہ میں خدا کا جمال چمکا اور لوگ سچے محمدی بننے لگے۔ گور پرستی اور پیر پرستی تعزیہ پرستی ماتا کی پرستش کو لات ماری اور اس اکیلے خدا کی پرستش کا ڈنکا بج گیا جس کا ناطق قرآن مجید ہے۔

یہ لوگ جو سچے دیندار بنے تھے مولانا شہید اور آپ کے غریب الوطن ساتھیوں کے سب سے زیادہ ہمدرد تھے انہوں نے یہ التزام کر لیا تھا کہ اپنی کمائی کا آٹھواں حصہ مولانا شہید کے لشکر کی نذر کر دیں اور جو کچھ وقتاً فوقتاً ان سے بن آوے وہ لشکر اسلام کی خدمت کرتے رہیں۔

آٹھویں جنگ

یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور ہے کیونکہ اب کے ایک فرانسیسی جنرل سے مقابلہ تھا جو سکھوں

پر کمان کر رہا تھا اور جسے دربار لاہور نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا تھا۔ ان صاحب بہادر کا نام اسوانٹورا تھا یہ دربار لاہور میں اپنی جانبازی اور فوجوں کو دشمن سے لڑوانے میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے غرض تین ہزار سکھی فوج لے کر بڑھے اور چلتے وقت یہ وعدہ کر آئے کہ میں سید احمد اور اسمٰعیل کو حضور کے دربار میں زندہ لا کر کھڑا کر دونگا۔ فوراً دریائے اباسین کو معہ چند مسلمان سرداروں کی رہنمائی کے عبور کیا اور اب سید صاحب کے کیمپ کی طرف بڑھے۔ لیکن بڑھنے سے پہلے وہ ہنڈ ریاست میں ٹھہر گیا یہاں ایک باغی امیر[1] مسلمان کا عملہ دخلہ تھا وہ سید صاحب سے بیعت کر کے باغی ہو گیا تھا اس نے فرانسیسی جنرل کو غریب الوطن مسلمانوں کے رازدارانہ حالات کی بہت کچھ اطلاع دی اور بیان کیا کہ یہ مٹھی بھر آدمی ہیں صرف اسمٰعیل کی تدبیروں سے چار چار پانچ پانچ ہزار فوج سے میدان لیا ہے۔ فرانسیسی نے بہت غور سے رئیس کی تقریر سنی اور حکم دیا کہ تم بھی ہمارے لئے کچھ فوج جمع کر دو۔ کئی دن تک یہاں مقیم رہا اور بہت سا سامان رسد اور کئی توپیں ڈھائی ہزار فوج نئی بھرتی کر کے مولانا شہید کے کیمپ کی طرف بڑھا یہاں دم دم کی خبریں برابر آ رہی تھیں آپ بھی اپنی تیاری سے غافل نہ تھے۔ آپ نے چاروں طرف خوب دیکھ بھال کر مورچہ بندی کے لئے ایک مقام دو پہاڑوں کے بیچ میں پسند کیا یہی راستہ تھا جسے طے کر کے آدمی پنجتار میں آسکتا تھا آپ نے ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں پھرتی سے ایک دیوار ساڑھے پانچ فٹ بلند بنوائی اس کی تعمیر میں مولانا شہید اور سید احمد صاحب بھی شریک تھے۔ بارہ تیرہ سو مسلمانوں نے دو تین دن کے عرصہ میں اس پھرتی سے ایک مضبوط دیوار بنالی کہ دیکھ کر تعجب ہوتا تھا۔ دیوار پر چار برجیاں بنائیں اور ہر برجی میں ایک ایک توپ لگائی گئی کئی کئی گولہ انداز مقرر کئے گئے۔ یہ دیوار گویا مسلمانوں کا زبردست مورچہ بنی۔ سکھ تو سکھ اگر فرانسیسیوں کا زبردست لشکر بھی حملہ کرتا تو مسلمانوں کا خیال تھا کہ ایک دفعہ تو ہم اسے بھی پسپا کر دینگے یہ مانا کہ آدمی بہت کم تھے مگر ان میں ابتدائی مسلمان عربوں کا سا جوش تھا اور ہر شیر شمشیر بکف جنگ کرنے کے لئے موجود تھا۔ آخر کئی دن کے بعد فرانسیسی جنرل وہاں پہنچا اور اپنے خیمے وہیں نصب کئے۔

مولانا شہید اور سید صاحب نے اب کے اور ایک نیا انتظام کیا تھا یعنی فوج کے تین حصے کر کے ہر حصہ کو ذرا فاصلہ پر روانہ کر دیا تھا۔ پہلے نشان کا نام صبغۃ اللہ تھا اس پر سفید اور زرد ریشم ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم آیت آخر تک نفیس حرفوں میں کاڑھی گئی تھی۔ یہ نشان ابوالحسن

[1] سردار خادی خاں باغی۔ ۱۲

نصیر آبادی کے پاس تھا جو چار سو جانباز مسلمانوں کے آگے ایک خوبصورت گھوڑے پر سینہ تانے ہوئے کھڑا تھا۔ دوسرا نشان جس کا نام مطیع اللہ تھا اور جس پر سورہ بقر کا آخری رکوع سبز ریشم سے موٹے موٹے لفظوں میں نہایت ہی خوشخط کاڑھا گیا تھا ابراہیم کے پاس تھا جو خود فولادی اور زرہ بکتر پہنے ہوئے اپنے حصہ کو لئے ادھر ادھر گردش لگا رہا تھا۔ تیسرا نشان فتح اللہ نامی تھا اس پر اخیر رکوع سورہ صف کا لکھا ہوا تھا اور اس کو ایک عرب محمد نام لئے ہوئے تھا۔ یہ نشان نہایت ہی فوق البھڑ تھا اس کا حاشیہ ایک خوبصورت ہلال کا تھا اور جو آیت اس کے نیچے کاڑھی گئی تھی وہ بالکل سرخ ریشم کی تھی یہ ساری ترکیبیں مولانا شہید کی تھیں آپ گویا کمانڈر انچیف اور ان جان بازوں کے لڑانے والے تھے۔ جب تمام مسلمان اس طرح میدان میں آکر جمے تو مولانا شہید نے نہایت پرشوق اور فرحت افزا نگاہوں سے اس طرف دیکھا۔ مسلمانوں کی آن بان اور ان کے بہادرانہ تیور دیکھ کر پیارا شہید بہت ہی خوش ہوا اور سب کے بیچ میں کھڑے ہو کر آیہ بیعت رضوان پڑھ کر سنائی اور نہایت خوبی سے اس آیۃ کی تفسیر بیان کی عام مسلمانوں میں جن میں قندھاری بھی ڈھائی سو شامل تھے ایک مہیب تحریک پھیل گئی ایک ایک نے وجد انگیز حالت میں نہایت صدق دلی سے سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی یہ بیعت گویا ایک قسم کا پرن تھا کہ جنگ میں ہم منہ نہیں موڑنے کے اور جب تک ہماری جان میں جان باقی ہے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑنے کے بس اسی ایک قسم کی بیعت شریعت اسلام کے بانی نے جائز قرار دی ہے اور یہ موجودہ پیری مریدی کی مکروہ بیعت ایک محض لغو اور ناکارہ خلاف اسلام فعل ہے۔

وہ وقت آگیا کہ مولانا شہید کے وعظ کے اثر کا نتیجہ جو مسلمانوں کے دلوں پر ہوا تھا کچھ رنگ لائے یہاں فرانسیسی جنرل آندھی اور مینہ کی طرح یلغار کرتا ہوا زیر دیوار پہنچا۔ ابھی دو گولی کے ٹپے سے بھی زیادہ تھا۔ کیمپ بہت پیچھے رہ گیا تھا اس نے ایک بلند ٹیلہ پر چڑھ کر دوربین سے مسلمانوں کی فوج کو ملاحظہ کیا جو کہ مولانا شہید نے تیرہ سو آدمیوں کو ٹکڑیاں ٹکڑیاں کر کے ذرا دور دور کے فاصلہ پر اس ترکیب سے کھڑا کیا تھا کہ دیکھنے والے کو ہرگز یہ تمیز نہ ہو سکتی تھی کہ یہ صرف تیرہ سو ہی ہیں جونہی اس کی نظر لہراتی ہوئی سرخ و زرد جھنڈیوں پر پڑی اور زرہ بکتر والے سواروں کو ادھر ادھر دوڑتے ہوئے دیکھا ہوش باختہ ہو گئے متعجب اور خوف زدہ ہو کر کہنے لگا او خادیخان رئیس ہنڈ باغی تم نے ہمیں دھوکا دیا تم کہتا تھا کہ اسمٰعیل کے ساتھ غازی تھوڑے ہیں یہ اتنے کہاں سے آ گئے۔ اور با ہم اتنے غازیوں سے کیونکر میدان جنگ لیگا جب تک مہاراجہ رنجیت سنگھ خود ہی نہ آئے گا

اسے فتح نہیں ہوسکتی۔ پھر بھی رئیس منڈ نے اطمینان کیا اور کہا آپ جنگ کریں میں اور فوج جمع کرونگا غرض بہزار دقت قدم بقدم اپنی فوج کو لے کر بڑھا یا تو بہت تیز رفتار میں آرہا تھا یا اس نے اب دھیمی چال کردی اور ایک طرف سے پیارے شہید کو دھوکا دیکر دوسرے رخ سے دیوار پر جا پہنچا اور دیوار کو ڈھانا شروع کردیا۔ اس وقت مولانا شہید نے بھی عجیب کام کیا آپ نے پہلے صبغۃ اللہ نشان والی فوج کو بڑھنے کا حکم دیا اور پھر جو تاک تاک کر گولہ اندازی کی تھی انہیں سنبھلنے کی مہلت ہی نہ دی اب سکھ پسپا ہوئے اور جیسے بیدھڑک وہ دیوار پر چلے آئے تھے کئی سو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ بہادر ابوالحسن صبغۃ اللہ لئے ہوئے برابر وجد انگیز حالت میں بڑھا چلا جاتا تھا بندوق دونوں ہاتھوں میں تھی توڑا سلگ رہا تھا مگر ابھی اس نے نہ اس کی فوج نے فیر کرنے شروع کئے تھے۔ مولانا شہید ان تمام ٹکڑیوں کو لڑا رہے تھے آپ کے ہاتھ میں ایک سبز جھنڈی تھی۔ اور آپ نے یہ حکم دیدیا تھا جب تک میں جھنڈی نہ ہلاؤں فیر نہ کئے جائیں۔

ہر جان باز بہادر بےچین تھا کہ اسمٰعیل جھنڈی کیوں نہیں ہلاتا آخر جب وہ موقع آگیا کہ مسلمانوں کے فیر کچھ کام کرتے آپ نے جھنڈی ہلائی اور ایک کڑاکے کی آواز میں اللہ اکبر کہا۔ بس یہ کہنا تھا کہ فیر شروع ہو گئے اور بڑھتے بڑھتے اس قدر قریب آگیا کہ سینہ بسینہ جنگ کی ٹھہر گئی۔ اتفاق سے نشان بردار کے بازو میں ایک گولی لگی اور مولانا شہید نے دیکھا کہ نشان جھکنا چاہتا ہے کہ آپ قلب فوج میں سے لپکے اور فوراً اس کے ہاتھ سے نشان لے کر اس پرے کی کمان کرنے لگے۔

قدرتی طور پر پیارے شہید کا رعب سکھوں کے دلوں پر اس قدر بیٹھا ہوا تھا کہ جہاں انہوں نے صورت دیکھی وہ کانپ گئے اب کیا تھا خوب گھمسان کا میدان ہوا۔ تلوار، بندوق، چھری، کٹاری ہر ایک چیز چل رہی تھی۔ جس کے پاس جو کچھ ہوا اس نے مقابل کی اُسی سے خبر لے لی جدھر یہ شیر گرتا تھا صفوں کی صفوں کو کائی کی طرح سے چیر ڈالتا تھا مولانا شہید جب کئی سکھوں کی کمپنیوں کو صاف کر چکے تو آپ کی طبیعت میں خطرناک دلیری کا ایک دھواندھار جوش اٹھا اور وہ جوش یہ تھا کہ انٹورا صاحب جنرل افواج سکھ کا سر کاٹ لاؤں۔ یہ جوش گو آپ کی نڈر طبیعت بیدھڑک دلیری سچی شجاعت اور سخت بجگری کا شاہد تھا مگر ساتھ ہی اس کے خوش آیندہ نہ تھا۔ فرانسیسی دو ھزار سکھوں کے بیچ میں محفوظ تھا وہاں تک دو تین سو آدمیوں کا اول تو پہنچنا ہی محال تھا اور اگر پہنچ بھی جائیں تو کامیابی عنقا صفت سمجھنی چاہیئے۔

بایں ہمہ پیارا شہید پسپا کرتا ہوا سکھوں کے قلب تک جا پہنچا اور ذرا دم لے کر اپنے پراگندہ

آدمیوں کو سمیٹا اور ارادہ کیا کہ بجلی کی طرح انٹورا پر جا پڑوں وہ مولانا شہید کی غیر معمولی شجاعت کی بانگی دیکھ رہا تھا اور یہ بھی اس کی نظر میں تھا کہ اور جتنے اسلامی پرے لڑ رہے ہیں کوئی پیشقدمی کر کے اس قدر آگے نہ بڑھ سکا جتنا اسمٰعیل اپنی کمپنی کو لے کر آگے بڑھ آیا یہ خیال انٹورا کو پسپا کرنے کے لئے کافی تھا ایسا ہیبت ناک اثر اس کی طبیعت پر ہوا کہ اس نے باگیں اٹھا دیں اور بمشکل مسلمانوں سے پیچھا چھڑا کر اپنے کیمپ میں آرام لیا۔ بھلا بپھرا ہوا شیر (اسمٰعیل) کب گوارا کر سکتا تھا کہ اس کے آگے سے گورخر اس طرح بھاگ جائے اس نے تعاقب کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کل کیمپ اور اس کا سامان مسلمانوں کے لئے چھوڑ کر آپ سیدھا لاہور کی طرف بھاگا۔ یہ فتح بہت شان و شوکت سے پیارے شہید کو حاصل ہوئی۔

نویں جنگ

نا ہنجار خادیخان نے اس شکست سے بڑی منہ کی کھائی۔ رستہ میں جتنے گھر اور گاؤں محدیوں کے آئے ایک ایک کو بتا بتا کے انٹورا صاحب سے آگ لگوادی اور معصوم بچوں کو سکھوں کی خون آلود تلوار سے قتل کرایا جہاں تک اس سے ہو سکتا تھا مسلمانوں کی بیخکنی میں کوتاہی نہ کرتا تھا۔ اپنے اضلاع میں نئی نئی گھڑتیں گھڑ کر پیارے شہید اور سید احمد صاحب کو بدنام کرتا اور ہمیشہ ان کے خلاف مسلمانوں کو آمادہ پیکار کرتا رہتا تھا لطف یہ تھا کہ صدق دلی سے بیعت بھی کر چکا تھا۔ مولانا شہید نے کہا سکھوں سے تو ہم لڑتے ہی رہینگے مگر سب سے پہلے اس کانٹے کو راہ سے ہٹا دینا چاہیئے مبادا کسی وقت اس سے سخت چشم زخم پہنچے۔ اب اس یورش کے قابل سوائے پیارے شہید کے اور کون تھا سات سو آدمیوں کو ساتھ لے کر آپ ہنڈ کی طرف بڑھے۔ خادیخاں کو بھی مولانا اسمٰعیل کے آنے کی خبر ہوئی وہ اپنے قلعہ کی مضبوطی اور فوج ہونے پر اسقدر غران تھا کہ اسے کچھ پرواہ نہ ہوئی اور اس نے کہدیا کہ اسمٰعیل کی قضا لا رہی ہے۔ کسی کے گھر پر چڑھ کر آنا۔ پہلے آپ کا ارادہ تھا کہ شب کو سیڑھیاں لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں مگر شب کو رستہ بھولنے کی وجہ سے یہ ارادہ تو پورا نہ ہو سکا۔ ابھی صبح کی پو پھٹی تھی کہ آپ قلعہ ہنڈ کی دیواروں کے نیچے جا پہنچے۔ کل ڈیڑھ سو آدمی ساتھ تھے اور باقیماندہ پیچھے رہ گئے تھے۔ آپ نے خاموشی سے بارہ بند وقچیوں کو بھیجدیا کہ تم دروازہ کے پاس اس ٹیلہ کے پیچھے چھپ کر کھڑے ہو جاؤ۔ جونہی دروازہ کھول کر قلعہ میں سے لوگ نکلیں اور شہر کی طرف جانے لگیں تم فوراً قلعہ میں گھس جانا اور انہیں گولیاں مار دینا بھاگتے ہوؤں کو روکنا نہیں مقابلہ کرنے والے کو تہ تیغ کرنا۔ ابھی بہت روشنی نہ ہوئی تھی۔ نسیم سحری

طفلانہ اٹکھیلیاں کرتی ہوئی چل رہی تھی اور خادیخان کو خبر دے رہی تھی کہ تیرا یہ خواب نوشین زہر آلود ہے مگر وہ کچھ اپنے قلعہ کی مضبوطی میں ایسا مخمور تھا کہ اسے نسیم سحری کے جھوکوں کی اطلاع کی بھی ذرا خبر نہ تھی جونہی مولانا شہید نے بندوقوں کی آواز سنی آپ بھی فوراً بندوق چھپائے ہوئے معہ ہمراہیوں کے داخل قلعہ ہوئے۔ ہتھیار اٹھانے کی بھی فرصت نہ دی۔ اور سب کو خوف دے کر باہر نکال دیا۔ قلعہ کے دوسرے حصہ میں خادیخان سوتا تھا۔ ٹھائیں ٹھائیں بندوقوں کی آواز ہوئی اور لوگوں کا غل سنائی دیا تو بیخبر رئیس ہڑ بڑا کر اٹھا اور پریشان باہر نکل آیا دیکھا تو یہاں گل ہی اور کھلا ہوا ہے۔ فوج کے سرداروں کو ڈراؤنی صدا میں پکارا وہاں کسی کا بھی پتہ نہ تھا۔ پھر وہ اپنے کمرہ کے زینہ سے قلعہ کی چھت پر چڑھ گیا اور وہاں سے غل و شور مچانا شروع کیا۔

سراسیمہ ادھر ادھر بھاگا بھاگا پھرتا تھا آخر ایک مسلمان کی گولی نے اسے لٹا دیا۔

یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ سوائے سامان حرب کے مولانا شہید نے قلعہ میں کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا اس کی مستورات کو حکم دیدیا کہ تم جہاں چاہو چلی جاؤ اور اپنا کل مال و متاع لے جاؤ۔ چنانچہ وہ اپنا تمام سامان لے کر چلتی بنیں۔ اب مولانا شہید کا قبضہ بالکلیہ قلعہ پر تھا۔ مگر مخالفت کی آگ دن بدن بھڑکتی جاتی تھی اور افسوس یہ ہے کہ غریب الوطن مسلمانوں میں کوئی بھی مولانا اسمٰعیل جیسا تدبیر جنگی میں ماہر و کامل نہ تھا۔ پھر کون امید کر سکتا ہے کہ زمانہ کے وہ وعدے جو اس نے مولانا شہید سے بچپن میں کئے تھے پورے ہوتے اور تمام وہ آرزوئیں جو اول دن سے آپ کی طبیعت میں اُٹھ رہی تھیں بر آتیں اکیلا چنا بھاڑ کو نہیں پھوڑ سکتا یہاں مولانا شہید کا قبضہ ہنڈ کے قلعہ پر ہوا اور وہاں پنجتار اور ہنڈ کی راہ مخالفوں نے بند کر دی سید صاحب سخت پریشان ہوئے اور متذبذب تھے کہ کیا کرنا چاہئے کاش وہ اپنے کل آدمیوں کو لے کر ہنڈ میں چلے آتے تو یہ چشم زخم جو بہادر شہید نے اٹھائی کبھی اس شجاع نفس کو نہ اٹھانی پڑتی۔ خبر نہیں سید صاحب کیا سوچتے رہ گئے اور انہوں نے اسمٰعیل کی ذرا بھی خبر نہ لی قلعہ میں صرف سوا سو کے قریب آدمی تھے جن میں سے کم ہوتے ہوتے ساٹھ رہ گئے تھے۔ کیونکہ ایک ایک دو شخص روز سید صاحب کی خدمت میں روانہ کئے جاتے تھے کہ آپ فوراً قلعہ ہنڈ پر آجائیں خبر نہیں رستہ ہی میں بیچارے مخالفین کی تیغ براں کے شکار ہو جاتے تھے یا سید صاحب کے کیمپ میں جاکر غائب ہو جاتے تھے۔

حاکم قلعہ کے بھائی امیر خاں نے تنگ ہو کر اور قلعہ کی فتح سے مایوس ہو کر سید صاحب کو جا گانٹھا کہ آپ مجھے قلعہ واپس دلوا دیں میں آیندہ سے شریعت محمدی کے موافق عملدرآمد کرنے کو موجود ہوں

وہ بیچارے ایک فقیر طبیعت آدمی تھے انہیں ملکی اور جنگی معاملات سے اتنی دلچسپی نہ تھی گو آپ کی دلیری اور بجگری میں کلام نہ تھا مگر ایسی شجاعت جب تک کہ اس کے ساتھ پولٹیکل دماغ نہ ہو محض بیکار ہوتی ہے۔ امیر خان کے بہکائے میں آکر آپ نے مولانا اسمٰعیل کو ایک رقعہ لکھ کر بھیجا کہ قلعہ فوراً حامل رقعہ ہذا کے حوالہ کردو یہ آیندہ شریعت محمدی کی اشاعت دینے کی قسم کھاتا ہے۔

شاہ صاحب نے زیادہ وقعت کی نظر سے اس رقعہ کو نہ دیکھا اور اس کا جواب لکھ بھیجا یہ قلعہ اس آسانی سے نہیں دیا جا سکتا قصہ مختصر کہ آخر حاکم پشاور نے پانچہزار فوج سے قلعہ ہنڈ پر حملہ کیا تاکہ اپنے سپاہی کا انتقام لے۔ یہاں پچاس ساٹھ آدمی جن کے پاس سامان رسد بھی بہت کم رہ گیا تھا کیونکر ایسی عظیم الشان فوج کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ سید صاحب کا راستہ دیکھتے دیکھتے شاہ صاحب کی آنکھیں پتھرا گئیں تھیں مگر دہاں صدائے برنخاست کا مضمون تھا آخر غازی اسمٰعیل محصور ہو گیا۔ حاکم پشاور کے لشکر کی کمان ایک انگریز کیول نامی کے ہاتھ میں تھی۔ آٹھ دن تک غازی نے ان مٹھی بھر آدمیوں سے پانچہزار فوج کو قلعہ پر قبضہ نہ پانے دیا مگر تابکے رسد بند کردی گئی تھی۔ پانی سوائے چشمان پرنم کے کہیں ڈھونڈے بھی نہ ملتا تھا کیونکر کام چل سکتا تھا۔ حاکم پشاور کو یہ خبر نہ تھی۔ کہ اسمٰعیل ایسا خستہ حال ہے وہ آٹھ دن کے محاصرہ سے خود تنگ آگیا۔ اس نے کیول کی معرفت صلح کا پیغام دیا۔ چونکہ ایک انگریز کا قدم بیچ میں تھا اس لئے شاہ صاحب کو بھروسہ تھا کہ مجھ سے دغا نہ ہوگا معاہدہ میں یہ امر طے پایا کہ اسمٰعیل اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر قلعہ سے نکل جائیں کوئی مزاحم نہ ہوگا مگر ہتھیار ایک بھی ساتھ نہ ہو۔ جب عہدنامہ پر کیول کے دستخط ہو گئے تو شاہ اسمٰعیل معہ اپنے جان نثار ہمراہیوں کے نہتے قلعہ میں سے نکل آئے حاکم پشاور سلطان محمد خاں نے سخت بزدلی اور بے ایمانی کو کام فرما کر مولوی اسمٰعیل کو ان کے کل آدمیوں کے ساتھ قید کر لیا۔ کیول چونکہ ایک ایماندار مسیحی تھا اپنے آقا کے اس بزدلانہ پن سے سخت ناراض ہوا اور نہایت سخت و سست کہا نتیجہ کچھ بھی نہ ہوا کیول نے نوکری چھوڑ دی۔ اور شاہ صاحب بیکسی کی حالت میں قید ہو گئے۔ سلطان محمد نے مولوی اسمٰعیل کو سامنے بلا کر کہا تم جانتے ہو تمہارے ساتھ اب کیا سلوک کیا جائیگا۔ مولانا شہید نے بیباکانہ جواب دیا تیری شقاوت قلبی اور بے ایمانی سے یہ امید ہے کہ تو ہمیں شربت شہادت پلائے بسم اللہ ہم اس کے لئے تیار ہیں اور بہت خوشی سے خدا کی راہ میں گردن کٹانے کو موجود ہیں۔

یہ خبر خوفناک آگ کی طرح پنجتار میں پہنچی سید صاحب اور غازیوں کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی اور ہر مسلمان غریب الوطن کا دل دھکڑ پکڑ کرنے لگا۔ ساتھ ہی اس کے اس سخت جانکاہ غم نے

اُنہیں بزدل نہ بنادیا بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ طیش میں بھر گئے اور انہوں نے عہد کرلیا کہ جب تک اسمٰعیل کا انتقام سلطان محمد سے نہ لے لینگے ہمیں کھانا پینا حرام ہے۔ سید صاحب نے بصلاح چند مسلمین پشاور کی طرف باگیں اٹھادیں۔ سلطان محمد نے جب یہ سنا کہ سید صاحب پشاور کی طرف بڑھے ہیں وہ قلعہ ہنڈ کو چھوڑ کر پشاور میں ہل ہانکتا پھانکتا پہنچا قیدی اس کے ساتھ تھے یہاں پہنچ کر قیدیوں کو اس نے ایک سخت گڑھی میں قید کیا جو جو تکلیفیں بیچارے غازیوں کو دی جاتی تھیں وہ قابل بیان نہیں گڑھی کے اردگرد دو سو سواروں کا پہرہ ہر وقت رہتا تھا مگر مولانا اسمٰعیل اپنی رہائی کی تدبیر میں لگے ہوئے تھے اور اس تکلیف اور سخت ترقید میں بھی مایوس ہو کر نہ بیٹھ رہے تھے ایک دن موقع پا کر آپ فصیل پر معہ اپنے کل ہمراہیوں کے چڑھ آئے وہاں سے دھڑام دھڑام کود کر سواروں پر گر پڑے سوائے بودی سی لکڑیوں یا پتھروں کے آپ کے پاس کچھ نہ تھا شب کی تاریکی نے سواروں کو سراسیمہ کردیا۔ کئی سوار گر پڑے اور کتنے سوار ادھر ادھر جان کے خوف سے چھپ گئے شاہ صاحب کے ہاتھ بیس گھوڑے اور سامان حرب بندوق تلوار وغیرہ لگ گیا آپ گھوڑوں پر سوار ہو کر یہ غل مچاتے ہوئے بھاگے سلطان محمد خان سے کہہ دینا اسمٰعیل جاتا ہے اگر روکا جائے تو روک لے۔

آپ دھڑا کے سے نکلے چلے آئے کسی کا یہ یارا نہ ہوا کہ آپ کا تعاقب کرتا یہاں سے رہائی پا کر آپ پنجتار پہنچے اور سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھتے ہی سید صاحب اور کل غازیوں کی جان میں جان آگئی اور سب نے شکر خدا کیا کہ ظالم عہد شکن کے پنجہ سے کس آسانی سے جان بچائی سید صاحب کا ارادہ تھا کہ اپنا ہیڈ کوارٹر کشمیر کو بنائیں مگر راستہ کے امیروں کی مخالفت سے کوئی امید نہ ہو سکتی تھی کہ غریب الوطن صحیح وسالم کشمیر پہنچ سکیں گے۔ ایک بار اسمٰعیل صاحب نے کوشش بھی کی مگر انب وعشرہ کا حاکم آپ کا سدراہ ہوا اس لئے آپ کو مجبوراً آنا پڑا اور اب آیندہ حملہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دسویں جنگ

مولانا شہید کو کشمیر کے راستہ میں جس ریاست نے روکا تھا وہ انب کی دولتمند ریاست تھی اسکی سرسبزی اور خودسری کی دھاگ تمام پنجاب پر بیٹھی ہوئی تھی۔ صلاح یہ ٹھہری کہ کشمیر کی جگہ غازیوں کا ہیڈ کوارٹر انب ہی کو کرنا چاہیئے مگر ریاست انب پر قبضہ کرنا کچھ منہ کا نوالہ نہ تھا بلکہ اس مشکل کشائی کے لئے اسمٰعیل جیسا نڈر بہادر اور فنون جنگ کی ضرورت تھی۔ کئی دن کے مشورہ ہونے کے بعد مولانا شہید نے

انب کی طرف باگ پھیری۔ پایندیخان حاکم انب کو جب معلوم ہوا کہ اسمٰعیل یلغار کرتے ہوئے آرہے ہیں تو اس نے ایک چال چلی یعنی ایک فدویت نامہ لکھ کر شاہ صاحب کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور صاف طور پر تحریر کر دیا کہ میں نے اطاعت قبول کی احکام اسلام کی پابندی اپنے اوپر فرض جانی اور اپنی کل ریاست میں احکام جاری کردونگا کہ ہر شخص قرآن وحدیث کے مطابق آیندہ سے عمل کرے اس سے بہتر شاہ صاحب کی نظر میں اور کونسی بات آسکتی تھی آپ یہ فدویت نامہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور باری تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کہ تیری ہی برکت سے تیرا جلال پنجاب کے تاریک خطہ میں پھیلتا جاتا ہے۔

پایندیخان اپنے خیال میں جب مسلمانوں کو چکمہ دے چکا تو اب اس نے دو ہزار مرد میدان منتخب کر کے حملہ کی تیاری کی اور چاہا کہ غفلت میں سب کو تہ تیغ کر ڈالوں مگر اس کا یہ بزدلانہ خیال خبط تھا شاہ اسمٰعیل بڑا تجربہ کار اور ہوشیار جنگی شخص تھا وہ اپنی خوابگاہ میں بھی ہتھیار باندھ کر سوتا تھا وہ بالکل امن کی جگہ بھی چوکنا رہتا تھا۔ اسے قطعاً ہتھیار کھولنے کی ممانعت تھی اور حکم تھا فتح کے بعد بھی ایسے چوکنے اور ہوشیار رہو گویا تم مغلوب ہو چکے ہو اور تمہیں اپنے مہیب دشمن کا خوف ہے۔

شب کے تین بجے پائیندیخان نے اپنے خیال میں غافل پا کر اسمٰعیل پر حملہ کر دیا یہاں سارا معاملہ لیس تھا۔ ایسی خونریزی سے جنگ ہوئی اور بہادر ایسی جان توڑ کر لڑے کہ بڑے نقصان کے ساتھ پائیندیخان کو بھاگنا پڑا اور پھر اس پیمان شکن کا انب کے کسی ضلع میں بھی ٹکنا دشوار ہو گیا۔ معمولی طور پر آپ کا چند آدمیوں نے تعاقب کیا مگر اس پر ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ دریائے اباسین کو عبور کر کے خبر نہیں کہاں کا مارا کہاں جا نکلا۔

انب چونکہ سرسبز دولتمند اور وسیع ریاست تھی اسلئے فی الحال مولانا شہید نے یہی بہتر سمجھا کہ انب ہی کو ہیڈ کوارٹر بنایا جائے چنانچہ نہایت اطمینان سے کل دفاتر قاضیوں اور مفتیوں کے کھولے گئے اور بالکل ہر بات شرع محمدی کے موافق انجام پانے لگی۔ سید صاحب نے نئے طور سے اپنی مہر کندہ کرائی جس پر اسمہٗ احمد کھدا ہوا تھا مولانا شہید نے بھی ایک مہر کندہ کرائی اس پر واذکر فی الکتاب اسمٰعیل لکھا ہوا تھا یہ دونو مہریں کبھی تو مولانا شہید کی امانت میں رہتی تھیں اور کبھی منشی فضل الرحمٰن صاحب کے پاس رہتی تھیں ہر شے کا حساب کتاب ہر منشی کے پاس تھا اور علیحدہ علیحدہ ہر ہر محکمہ کے افسر مقرر ہو گئے تھے تحصیل مالگذاری کا بندوبست بھی بطرز احسن ہو گیا اور جتنی باتیں کہ تدابیر ملکی کے لئے ضروری ہیں وہ سب مولانا شہید جیسے صائب رائے کی بدولت انجام پذیر ہو گئی تھیں اور اب کسی قدر شان دین احمدی معلوم ہوتی

تھی ۔غریب الوطن مسلمانوں کو بھی چنداں آرام ملا تھا اور ہر شخص خوش وخرم نظر آتا تھا۔

گیارھویں جنگ

یہ ایک قدرتی بات تھی کہ مسلمان لڑاکوں کی دھاک ملک پنجاب پر ایسی زبردست بیٹھی ہوئی تھی کہ ہر لشکری کا دل کانپتا تھا اور بڑے بڑے افسر مانے بیٹھے تھے کہ ہم نے اسمٰعیل جیسا جنرل اور فوج کو لڑانیوالا نہیں دیکھا لفظ اسمٰعیل پنجاب میں بچہ بچہ کو معلوم تھا اور اس کا ایسا خوف چھایا ہوا تھا کہ درانیوں اور سکھوں کی عورتیں اپنے بچوں کو اسمٰعیل کے نام سے ڈراتی تھیں صرف اس بینظیر قوی جری اور شجاع نفس کی بدولت پنجاب کا بہت سا حصہ سید صاحب کے زیر حکومت ہوگیا تھا۔پنجتار قلعہ لنڈہ اور اس کے تمام اضلاع نوبت بنوبت فتح ہوتے چلے گئے تھے۔ دریائے اباسین کا سارا ملک مسلمانوں کے ہی زیر حکومت تھا۔ زیدہ۔ تربیلا۔ پھولڑہ وغیرہ وسیع اور سرسبز صوبے سب فتح ہو چکے تھے اور فی الحال محمدیت نے سب کو اپنا محاط بنا لیا تھا۔مولانا شہید ارمان بھری خوش خوش نظروں میں دین خدا کی سچی نورانی ہدایت کی اشاعت دیکھتے تھے اور دل ہی دل میں پھولے نہ سماتے تھے آپ کا اصلی مدعا یہ تھا کہ شرک اور بدعت کی خراب اور غلیظ رسم مٹ کر وحدت پرستی کا نور چمکے۔اس سے زیادہ ایک مصلح اپنی مرادمیں اور کیا کامیاب ہوسکتا ہے خود خداوند تعالیٰ اس جانکاہی اور بے مثال کوشش کی داد دیتا تھا۔ اور تمام مخلوق غرض ذرہ ذرہ مرحبا و صد مرحبا کی صدائیں بلند کرتا تھا۔ یہ ایک شاعرانہ استعارہ نہیں ہے بلکہ ایک حقیقی بات ہے جب ایک مقدس نفس ایک عظیم الشان فرض کی انجام دہی کر چکتا ہے اور پھر اس کا نتیجہ بھی نکل آتا ہے اسوقت خود اس کا دل بولتا ہے اور اسے مبارک باد دیتا ہے اور وہ اس آواز کو اپنے کانوں سے سنتا ہے یہ وہ آواز ہے جو حضرت موسیٰ کو کوہ طور پر آئی تھی اور جس آواز میں خدا بولتا ہے یہ آواز ان ہی مقدس اور برگزیدہ انفاس کو آتی ہے جن کا دل دنیاوی کدورتوں سے پاک ہوتا ہے اور جن کے نورانی قالب پر ہر دم ربانی جلوے پرتوفگن ہوتے ہیں ان کا یقین معمولی یقین رکھنے والوں سے کہیں بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ انکا اعتقاد اپنے اکثر ہمعصروں سے درجۂ ممتازیت رکھتا ہے اپنے دل کی مستقیمی حالت سے جانتے ہیں جو کچھ ہم کرتے ہیں خداوند تعالیٰ اس میں ہمارا رہبر ہے وہ خدا کا جلال باطنی آنکھوں سے دیکھتے دیکھتے ظاہری آنکھوں سے بھی دیکھنے لگتے ہیں اور انہیں کچھ تعجب نہیں معلوم ہوتا۔ وہ اپنی تمام آیندہ اور گذشتہ آرزوؤں کو بہلو بہ بہلو اپنے دل میں آتا ہوا اور موجود دیکھتے ہیں اور باہم مقابلہ کرنے کی قوت ان میں پوری ہو جاتی ہے آخر یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اپنی ناکامی کو بھی کامیابی تصور کرکے اس سے خوشدل رہتے ہیں غرض ایسے مصلح جن کے دل کے اتار چڑھاؤ کی یہ

کیفیت ہوتی ہے انہیں یہ یقین کامل ہوجاتا ہے کہ ہم دنیا میں محض اصلاح قومی اور خدا کی مخلوق کے لئے بہبودی کے سامان مہیا کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں اسی پاک اور برتر خیال میں ہوش سنبھالتے ہیں اسی میں جوان ہوتے ہیں۔ اسی میں پوری عمر پر پہنچکر جان بحق تسلیم ہوجاتے ہیں۔

اسی طرح مولانا شہید کا حال تھا جو آرزو آپ نے ہوش آتے ہی کی تھی وہ نہ دولت حاصل ہونے کی تھی اور نہ ملک گیری کی خواہش تھی صرف یہ آرزو تھی کہ جسطرح ہو قرآن وحدیث کے احکام کی پابندی مومنین پھر سرگرمی سے کریں اور اپنے کو کسی کے ساتھ بجز محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے نسبت دینی سخت بے ادبی اور خیرہ چشمی خیال کریں کتنے غضب کا مقام ہے کہ جس مسلمان سے دریافت کرو کہ تمہارا مذہب کیا ہے یا تم کس گروہ میں ہو تو وہ اس کا جواب یہ دیگا کہ میں حنفی ہوں یا شافعی ہوں یا حنبلی ہوں یا مالکی ہوں یا کیا جانے کہ کیا کیا ہوں۔ مگر کسی خدا کے بندہ کی زبان سے یہ نہ نکلیگا کہ میں الحمدللہ محمدی ہوں۔ اس سے زیادہ بے ادبی مسلمان ہوکر اور کیا ہوسکتی ہے کفران نعمت اور محسن کشی اسی کو کہتے ہیں۔ اگر نسبت کا بھی کچھ شرف ملنا تھا تو چار صحابہ کو مگر یہ بات نہ ہوئی۔ نہ کوئی ابوبکری ہوا نہ عمری ہوا نہ عثمانی ہوا ہاں حضرات شیعہ خواہ مخواہ اپنے کو شیعان علی کہتے ہیں مگر جب اُن سے دریافت کیا جائیگا تو جواب یہی دینگے ہم شیعہ ہیں۔

پیارے شہید نے ہزاروں بلکہ لاکھوں کی زبان سے یہ نکلوادیا کہ ہم محمدی ہیں چاروں طرف سے آوازیں بلند ہورہی تھیں کہ اس ضلع میں اتنے محمدی آباد ہیں اور اس ضلع میں اتنی تعداد اسلامیوں کی ہے یہ مولانا شہید کی تائید غیبی سمجھنی چاہیئے کہ دن بدن ان کی سلطنت خود بخود بڑھتی جاتی تھی اور تمام سرداروں کے فارویت نامے برابر چلے آرہے تھے مسلمانوں کے پاس سامان حرب مکمل ہوگیا تھا اور چند روز کے آرام نے انہیں پھر کے سے ایسا تازہ دم بنادیا تھا کہ اب ان کی تلواریں میانوں میں تڑپنے لگی تھیں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ جو کئی شکستوں کے بعد بھی اب تک خواب خرگوش میں پڑا سوتا تھا آخر بیدار ہوا اور متوحش نظروں نے اسمٰعیل کی فتوحات کی لین ڈوری آگے بڑھتی ہوئی دیکھی اس کے ہوش وحواش پراگندہ ہو گئے اور اب اسے یقین ہوگیا کہ جب تک میں بذات خود اس کا انتظام نہ کرونگا ملک بچنا مشکل ہے۔

سکھ اب تک بالکل بچے ہوئے ایک آدھ شکست کھاکر سیر دیکھ رہے تھے انہوں نے رشوتیں دے دیکر مسلمان رئیسوں کو سید صاحب کے مقابلہ پر کھڑا کردیا تھا اگر یہ بات نہ ہوتی اور کوئی مسلمان سید صاحب سے مخالفت نہ کرتا بلکہ ساتھ دیتا تو پھر ناممکن تھا کہ پنجاب بھر میں سکھوں کی سلطنت کا نام ونشان بھی رہتا مگر یہ بات ہی اول دن سے ہونی نہ لکھی تھی بھلا کیونکر ہوکر رہتی۔

وہ خیال سکھوں کا کہ مسلمان رئیس ہی اسمٰعیل کو نیچا دکھادینگے بالکل خام ثابت ہوا اور اب انہوں نے

وحشتناکی سے دارالخلافہ کے مطلع پر غبار جنگ نمودار دیکھا۔ رنجیت سنگھ نے مشورہ کے بعد چار ہزار فوج پیدل اور ایک ہزار سوار چار توپخانے اور بہت سامان حرب دیکر چتر بائی پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ کئے اور افسر فوج خالصہ کو آپ ہدایتیں کر دیں کہ یوں جنگ کرنا اور یہ کرنا غرض جتنی باتیں اسے سمجھانی تھیں سب بیان کر دی گئیں وہ جنرل شراب کے نشہ میں سرمست چتر بائی پر حملہ آور ہوا۔

شاہ صاحب نے یہ انتظام کیا تھا کہ بہت سے پرچہ نویس ادھر ادھر مقرر کر دیئے تھے جو بھیس بدلے ہوئے پھرتے تھے اور ایک ایک ادنٰے ادنٰے خبر لا لا کر دیتے تھے۔ پرچہ نویسوں نے سکھوں کے لشکر کی پوری پوری خبر دیدی۔ یہ سب سے زیادہ انسب معلوم ہوا کہ مولانا شہید ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ سکھوں کی فوج کا استقبال کریں۔ دو توپیں اور ایک ہزار آدمی لے کر آپ سکھوں کے استقبال کے لئے بڑھے ہزار میں آٹھ سو پیدل اور دو سو سوار تھے چتر بائی سے جانب شرق ایک وسیع میدان میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا پہلے دونوں طرف سے توپوں کے فیر ہوتے رہے بعد ازاں شاہ صاحب نے حملہ کا حکم دیا پانسو آدمی تو مورچوں پر قابض رہے اور پانسو نے حملہ کر کے دو مورچے اپنے قبضہ میں کر لئے اور پھر آگے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ ابھی دست بدست بھی جنگ نہ ہوئی تھی کہ سکھوں کی خالصہ خونخوار مہیب فوج ایسی دم دبا کر بھاگی جس کی نظیر کہیں بھی نہیں معلوم ہوتی خبر نہیں ایک ایک مسلمان انہیں سو سو کے برابر معلوم ہوتا تھا یا خبر نہیں ان کی صورتیں ایسی وحشتناک دکھائی دیتی تھیں کہ جہاں انہوں نے حملہ کیا اور مخالفین کے پاؤں اکھڑے۔

ان متواتر فتوحات سے اندازہ کرنے والا سمجھ سکتا ہے کہ اگر ذرا بھی مسلمانوں میں قوت انتظامیہ ہوتی تو ان کی حکومت قطعی دوبارہ پنجاب پر قائم ہو چکی تھی رنجیت سنگھ جیسے دس اور ہو جاتے تو کچھ بھی نہ کر سکتے تھے۔ ایک صرف اسمٰعیل کا دم تھا بھلا وہ کیا کر سکتا تھا اور اکیلا تمام جہاں کے فرائض کی انجام دہی اس سے کیونکر ہو سکتی تھی۔ آخر کو انسان تھا خطا و صواب دونوں کا احتمال بلکہ یقین اسکی رائے پر ہو سکتا تھا ہاں واقعات کو پیش نظر رکھ کر یہ ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ ایسا بہت کم اتفاق پڑا ہے جہاں اسکی رائے نے خطا کھائی ہو ورنہ ایسی صحیح بیٹھتی تھی کہ گویا کسی نے اسے القا کر دی ہے اور بیشک خدا اسے القا کرتا تھا اور اس کا دل خصوصیت سے گذرگاہ جبیل اکبر تھا یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ اب سید صاحب اور مولانا شہید کی وہ دھاک بندھی ہوئی تھی کہ ایک صوبہ یا ایک قلعہ فتح کیا اور آس پاس کے کئی ضلع اور بھی فتح ہوتے چلے گئے۔ چتر بائی کی فتح کیا پائی بیسیوں فدویت نامے امیران دہ کے آنے شروع ہوئے اور سب نے شریعت محمدی کے روشن رستہ پر چلنے کا عہد واثق کیا۔

مسلمانوں پر کبھی مولانا صاحب نے خود حملہ نہیں کیا نہ آپ کو ان سے پرخاش تھی بلکہ اس کے مقابلہ میں وہ اپنی شقاوت قلبی سے دنیا کے فانی اور معمولی سے لالچ میں آکر مسلمانوں کے مقابلہ میں شمشیر بدست ہوتے تھے اور انہیں ذرا بھی شرم نہ آتی تھی۔ آپ نے کبھی کسی ضلع یا ریاست کو اپنے قبضہ میں کر کے کچھ جزیہ نہ چاہا نہ ملک کا کوئی حصّہ مانگا بلکہ اس کے مقابلہ میں یہ التجا کی جاتی تھی کہ بدعت و شرک سے تائب ہوجاؤ اور دین محمدی کی سوسائٹی کے سچے ممبر بن جاؤ جو راستہ قرآن و حدیث بتاتا ہے اس پر چلو اور اس کے خلاف کو گمراہی تصور کرو بس یہ ہدایت ہوتی تھی اور یہ جزیہ لیا جاتا تھا ساتھ ہی اس کے یہ بھی معاہدہ کر لیا جاتا تھا چونکہ تم بھائی مسلمان ہو اگر ہمارا سکھوں سے مقابلہ ہوا تو تم ہماری جان و مال سے مدد کرنا۔

گیارہواں باب

فتح پشاور میں بعض بے اعتدالیاں

پے در پے کی کامیابیوں نے ایک زبردست اثر اضلاع تمہ اور پشاور کے سرداروں پر ڈالا اور دن بدن اکثر ریاستیں خود بخود مطیع ہوتی گئیں جب یہ قوت مسلمانوں کو حاصل ہوئی تو مولانا شہید کے مشورہ سے پشاور کی طرف باگیں پھیریں اور ارادہ کیا کہ پشاور کو زیر فرمان شریعت کر کے لاہور پر ایک زبردست حملہ کی تیاری کر دی جائے مولانا شہید کے رعب کی قوت نے کسی کو یارا نہ دیا کہ وہ پشاور کے راستہ میں مزاحم ہوتا آخر آپ بے روک ٹوک حدود پشاور سے گزر کر اس کی چار دیواری کے نیچے پہنچ گئے اس وقت حاکم پشاور دست بستہ حاضر ہوا اور سید صاحب کے ہاتھ پر بڑے جھگڑے اور قیل و قال کے بعد بیعت کی اور ٹھنڈے پیٹوں ملک پشاور سید صاحب کے سپرد کر دیا اور عرض کیا حضور کو اختیار ہے۔ خواہ مجھے اپنی جگہ پر بحال کریں یا اپنا دوسرا خلیفہ مقرر کر دیں" اب یہاں اور مملکت کے ایک بہت بڑے ماہر کی ضرورت تھی جب خدا نے اس آسانی سے ملک دیدیا تھا اس کو اسی آسانی سے کھو دینا ایک پولیٹیشن کی نگاہ میں وقعت پیدا نہیں کرتا۔

جب لشکر اسلام پشاور میں داخل ہوا ہے تو چاروں طرف سے مبارکباد کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں اور بظاہر ہر شخص خوش و خرم معلوم ہوتا تھا۔ سلطان محمد خان نے چند ہی روز میں سید صاحب کو کچھ ایسا شیشہ میں اتار لیا کہ انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ ملک پشاور پھر اسی کو تفویض کیا جائے مولانا شہید نے جب سید صاحب کو ایسا آمادہ پایا تو آپ خاموش ہو رہے اور کچھ زبان پر نہ لائے حالانکہ آپکی ہرگز منشی

نہ تھی کہ ایسا کیا جائے مگر اپنے امیر کا ادب مانع تھا کہ ان کی آمادگی کے خلاف رائے زنی کی جائے اور جو تصور بندھ گیا اس کی ضد میں سمجھایا جائے جاہل سے لے کر عالم تک حتیٰ کہ اسی ملک کے اکثر سردار جو سید صاحب کے دل سے معتقد تھے برابر اپنی ناراضگی ظاہر کر رہے تھے بلکہ دو چار نے تو جرأت کر کے سید صاحب کی خدمت میں عرض کر دیا کہ سلطان محمد خان حاکم پشاور اور اس کے بھائیوں نے بارہا عہد شکنی کی ہے اور ہمیشہ بیعت کر کر کے پھر گئے ہیں اس کا ہرگز اعتبار نہیں ہے آپ کبھی اس پر بھروسہ نہ کریں اور اس ملک کو اس کے سپرد نہ کریں مگر سید صاحب نے اپنی نیک نیتی سے کسی کے مشورہ کو نہ مانا اور آخر اسی کو امیر پشاور کر کے آپ پنجتار میں واپس چلے آئے۔

ہاں انتظام میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا۔ قاضی اور تحصیل کرنے والے مقرر کئے گئے اور عام حکم دیدیا گیا کہ شراب، افیون، چانڈو، مدک کوئی نہ پینے پائے۔ شراب کی بھٹیاں توڑ دی گئی تھیں کسبیاں اور خانگیاں ناپید کر دی گئی تھیں اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھتا تھا اس کو تعزیر دی جاتی تھی عموماً پنجاب کے باشندے منشی چیزوں کے استعمال کرنے کے عادی تھے انہیں یہ قیود سخت قہرناک معلوم ہوئیں مگر ابھی غازیوں کا سکہ جما ہوا تھا کوئی چون تک نہ کر سکتا تھا چہ جائیکہ علانیہ مخالفت کرتا ملک پشاور در حقیقت مولانا شہید اور سید صاحب کا رام ہو چکا تھا اور ہر شخص یہی جانتا تھا کہ سلطان محمد انہی کی طرف سے حکمرانی کرتا ہے۔ احکام شریعت ناگوار صورت میں پبلک کے آگے پیش کئے جاتے تھے سید صاحب نے صدہا غازیوں کو مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا کہ وہ شرع محمدی کے موافق عملدرآمد کریں مگر انکی بے اعتدالیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں وہ بعض اوقات نوجوان خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کر لیں۔ اور بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر دو تین دوشیزہ لڑکیاں جا رہی ہیں مجاہدین میں سے کسی شخص نے انہیں پکڑا اور زبردستی مسجد میں لے جا کر نکاح پڑھا لیا۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مجاہدین میں سب طرح کے آدمی تھے بُرے بھی اور بھلے بھی بلکہ یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ بُرے زیادہ اور بھلے کم تھے کبھی علانیہ طور پر سید صاحب کے کسی ساتھی کو سزا نہیں دی گئی حالانکہ اکثر ناجائز افعال ان سے سرزد ہوا کرتے تھے یہ محض ناممکن تھا۔ کہ نوجوان عورت رانڈ ہو کر عدت کی مدت کے گذر جانے پر بے خاوند بیٹھی رہے اس کا جبراً نکاح کیا جاتا تھا خواہ اس کی مرضی ہو یا نہ ہو۔ پشاور میں بڑے بڑے سرداروں میں نکاح ثانی کی رسم نہ تھی اور وہ اُسے سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے یہ مانا کہ نکاح ثانی قرآنی حکم ہے مگر جس ناگوار طریقہ سے وہ پبلک کے آگے پیش کیا گیا تھا وہ ناقابل برداشت تھا۔

ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی کہ میرا نکاح ثانی ہو مگر مجاہد صاحب زور دے رہے ہیں نہیں ہوتا!

چاہیئے آخر ماں باپ اپنی نوجوان لڑکی کو حوالہ مجاہد کرتے تھے اس کے سوا انکو کچھ چارہ نہ تھا۔

ایک ایک چھوٹے ضلع قصبہ گاؤں میں ایک ایک عامل سید صاحب کی طرف سے مقرر ہوا تھا وہ بے چارا جہانداری کیا خاک کرسکتا اُلٹے سیدھے شریعت کی آڑ میں نئے نئے احکام بیچارے غریب کسانوں پر جاری کرتا تھا اور وہ اُف نہ کرسکتے تھے۔ کھانا پینا بیٹھنا اٹھنا شادی بیاہ کرنا سب ان پر حرام ہوگیا تھا۔ نہ کوئی منتظم تھا نہ کوئی دادرس تھا معمولی باتوں پر کفر کا فتوے ہوجانا کچھ بات ہی نہ تھا۔ کاش مولانا شہید پشاور کے عامل ہوتے تو پشاوریوں پر یہ ظلم نہ ہوتا ذرا کسی کی لبیں بڑھی ہوئی دیکھیں اس کے لب کتروا دیے۔ ٹخنوں سے نیچے تہ بند دیکھی ٹخنہ[1] اڑا دیا۔ تمام ملک پشاور پر آفت چھارہی تھی۔ انتظام سلطنت ان مسجد کے ملانوں کے ہاتھ میں تھا جن کا جلیس سوائے مسجد کے دلو درسن کے کبھی کچھ نہ رہا تھا اور اب انکو منتظم امور سلطنت بنادیا گیا تھا اور پھر غضب یہ تھا کہ ان پر کوئی حاکم مقرر نہ تھا کہ پبلک ان کی اپیل اعلےٰ حکام کے آگے پیش کرے ان ہی بے دماغوں کے فیصلے ناطق سمجھے جاتے تھے اور تسلیم کرلیا جاتا تھا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس میں کوئی بات بھی قابل تنسیخ اور ترمیم نہیں ہے کیسا ہی پیچیدہ مقدمہ ہوتا اس کی گھڑی بھر بھی تحقیق نہ کی جاتی تھی نہ اس پر غور کیا جاتا تھا بس ملاں جی کے سامنے گیا اور انہوں نے جھٹ سے فیصلہ دیدیا کون جھک جھک کرے اور کون تحقیق کی تکلیف برداشت کرے۔ سید صاحب کی خدمت میں شکایتوں کی عرضیاں گذر رہی تھیں مگر وہاں کچھ بھی پرسش نہ ہوتی تھی۔ آپ کو یقین تھا شریعت کے ارکان کی پابندی کرنے کے چونکہ یہ عادی نہیں ہیں اور اب انہیں پابندی کرنی پڑتی ہے اس لئے یہ ہمارے آدمیوں سے ناراض ہوتے ہیں۔ مولانا شہید خاموشی سے اس بے انتظامی کو دیکھ رہے تھے اور سکتہ میں تھے کہ دیکھئے اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے[2]

غرض ایک عام ناراضگی ان نئے منتظموں کی طرف سے تمام ملک پشاور میں پھیل گئی اور یہانتک نوبت پہنچی کہ ان کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں تاہم ابھی بہت کچھ رعب کی دھاک بندھی ہوئی تھی اور رئیسوں پر سکہ جما ہوا تھا ابھی وہ ان خونخوار سازشوں میں جو منتظموں کے خلاف کی جاتی تھیں شریک نہ تھے گو ان کے تیور بھی بدلنے لگے تھے پھر بھی ان میں سنجیدہ سکوت حکمرانی کررہا تھا۔

بدقسمتی سے ایک نیا گل کھلا گل کیا کھلا گویا غازیوں یا مجاہدوں کی زندگی کے شیرازہ کو اس نے پراگندہ کردیا۔ یہاں کے کل عمّال نے جن کی تعداد ہزار سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی تھی ایک فتوے مرتب کیا اور اسے

---

[1] یہ مصنف کا مبالغہ معلوم ہوتا ہے ورنہ شرعی جماعت حدود شرعیہ سے تجاوز کیسے کرسکتی ہے۔ (مصحح)

[2] دبی زبان سے سید صاحب اور مولانا شہید دونوں پر اعتراض ہے۔ (مصحح)

پوشیدہ مولوی اسمٰعیل صاحب کی خدمت میں بھیجدیا۔ فتویٰ کا مضمون یہ تھا کہ بیوہ کا نکاح ثانی فرض ہے یا نہیں مولانا شہید کیا واقف نہ تھے کہ ملک پشاور میں یہ آگ پھیل رہی ہے اور اسوقت اس فتوے کی اشاعت سخت غضبناک ہوگی آپ نے سادہ طور پر اس پر اپنی مہر کردی اور سید صاحب کی بھی اس پر مہر ہوگئی۔ اور پھر وہ فتوے قاضی شہر پشاور سید مظہر علی صاحب غازی کو بھیجدیا گیا۔ انہوں نے اس فتوے کی اشاعت ہی پر قناعت نہ کی بلکہ یہ اعلان دیدیا کہ تین دن کے عرصہ میں ملک پشاور میں جتنی رانڈیں ہیں سب کے نکاح ہو جانے ضرور ہیں ورنہ اگر کسی گھر میں بے نکاح رانڈ رہ گئی تو اس گھر کو آگ لگادیجائیگی[1]

اس اعلان کا شائع ہونا تھا تمام ملک مجاہدین کے خلاف شمشیر بدست ہوگیا بہت دھوم دھام سے سازشیں ہونے لگیں اور ایک عام کہرام تمام ملک پشاور میں مچ گیا بڑے بڑے خوانین جو اپنی رانڈ لڑکیوں کا نکاح ثانی کرنا سخت عیب خیال کرتے تھے بڑے برافروختہ ہوئے اور انہوں نے باہم یہ مشورہ کیا کہ تین دن کی مدت میں ان سب کو یہیں تہ تیغ کرڈالو۔ مجاہدین نے بھی آخر وقت میں جاکر جب سب سامان ہوچکا تھا اُن کے تیور پہچانے اور اب وہ خائفانہ سید صاحب کو لکھنے لگے کہ یہاں یہ کیفیت نظر آتی ہے۔ سید صاحب کچھ ایسے بے پرواہ ہوگئے تھے کہ انہوں نے کچھ بھی خیال نہ کیا نہ مخبروں کی خبروں پر کچھ توجہ کی جو دم بدم یہ پرچہ گذار رہے تھے کہ آپ جلد فوج لے کر اسطرف روانہ ہوں ورنہ خاتمہ ہی ہوا چاہتا ہے۔

سید صاحب نے مطلق توجہ نہیں کی آخر نتیجہ یہ ہوا کہ حاکم اعلےٰ مولوی سید مظہر علی صاحب جو اس آتش فشاں فتوے کے بانی مبانی اور اشاعت دہندہ تھے اور جنہیں سید صاحب نے بڑے اعتبار اور بھروسے سے مقرر کیا تھا۔ سلطان محمد حاکم پشاور کے دربار میں معہ ساتھیوں کے بلائے گئے اور فوراً ان کا سر قلم کیا گیا اور عام حکم دیدیا کہ ایک ایک مجاہد قتل کیا جائے ساری رات میں کل مجاہدوں کی جو بطور منتظم مختلف حصص میں متعین تھے گردنیں اڑادی گئیں اور نہایت بیکسی کی حالت میں ان میں سے اکثر سڑکوں پر بکروں کی طرح لٹا کر ذبح کئے گئے۔ یہ خونی خبر وحشتناک آگ کی طرح پنجتار میں سید صاحب کے گوش حقیقت نیوش میں بھی پہنچی۔ آپ نے یہ خبر گوش گذار فرما کر خون کے آنسو روئے اور ایسا صدمہ ہوا کہ کل ارادے پست ہوگئے اور ایسی مایوسی چھائی کہ انتقام کی بھی ہمت نہ رہی۔ بیچارے شہید کا دل سب سے زیادہ ٹوٹ گیا تھا اور وہ سخت حرمانی کی بھری ہوئی نظروں سے چاروں طرف تکنے لگے۔ اب کیا تھا کمر ٹوٹ چکی تھی اور پاؤں کے نیچے سے زمین نکل چکی تھی۔ ظاہر تھا کہ کئی برس خون پسینہ ایک کرکے ملک پنجاب کے بڑے حصہ پر سکہ بٹھایا تھا اور وہ آناً فاناً میں یوں خیرباد ہوگیا کہ کثیر التعداد مجاہدین کا مارا جانا بھی قہرناک تھا اور پشاور کا ملک جس

[1] یہ بھی مبالغہ ہے کیونکہ عدم نکاح کی یہ شرعی سزا نہیں۔ (مصحح)

جانا تو سب سے ہی زیادہ خونی اثر پیدا کرنے والا تھا۔ ان تمام ناگفتہ بہ غضبناک صورتوں نے مولانا شہید کو بٹھا دیا اور پھر اس شیر میں بھی یہ اولوالعزمی نہ رہی کہ وہ اپنے دوستوں کا عوض لیتا اب اس نے اپنی شکستہ دلی اور سخت مایوسی کی حالت میں اپنے کو بالکلیہ اپنے محترم امیر کے حوالہ کردیا کہ جو کچھ یہ چاہیں کریں ان کے سامنے کوئی بات سوچنا اور مشورہ دینے کا کام نہیں ہے سید صاحب مولانا شہید سے بھی زیادہ شکستہ خاطر تھے آپ نے یہی بہتر جانا کہ اس ملک پنجاب کو چھوڑ دینا چاہیئے ہر چند لوگوں نے سمجھایا مگر آپ نے نہ مانا اور کہا جہاں میرا خدا لے جائیگا میں چلا جاؤنگا۔

جب آپ پنجاب سے ہمیشہ کے لئے ہجرت کی تیاری کر رہے تھے تو روانہ ہونے سے دو دن پہلے جمعہ کے دن اپنے کل ساتھیوں کو باآواز بلند اپنے ارادہ سے آگاہ کردیا اور یہ بھی اذن دیدیا جو شخص اپنے وطن جانا چاہتا ہے بخوشی جائے امیں ناراض نہیں ہوں میرے ساتھ وہی شخص رہ سکتا ہے جسے تین تین وقت کے فاقے برداشت کرنے اور برہنہ پا جنگلوں میں چلنا گوارا ہو بعض یہ سن کر تو رخصت لے کر چلے آئے اور اکثروں نے یکزبان ہوکر یہ کہا۔ ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے ✦ یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

ملک تمہ والوں نے ناقابل بیان مظالم مجاہدین پر توڑے تھے اور سخت کمینہ پن سے انہیں فریب دے دیکر ضائع کیا تھا ایک شخص نے جب قافلہ مجاہدین ہجرت کر رہا تھا مولانا شہید سے کہا تمہ والوں سے تو اپنے ساتھیوں کا انتقام لو انہوں نے سب سے زیادہ عہد شکنی کی اور ظلم توڑے ہیں آپ نے ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا خدا منتقم حقیقی کافی ہے یہ دعائی جملہ بارگاہ ایزدی میں قبول ہوگیا آپ کو ملک تمہ چھوڑے ہوئے دو تین دن ہی گذرے ہونگے کہ خالصہ فوج ساکنان تمہ پر آپڑی اور دیسیوں کی ایسی خونریزی کی جس کی نظیر اس ملک کی تاریخ میں کہیں نہیں ملیگی۔ اہل تمہ کے گھر جلا دیئے اور سکھوں کی جس تلوار نے ماؤں کو قتل کیا ان ہی تلواروں نے بچے بھی قتل کئے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے اچھال اچھال کر تلواروں سے چورنگ اڑا دیئے گئے۔ گھر کھیت سب جلا کر خاکستر کر دیئے گئے جب اسقدر خونریزی ہوئی تو تمہ کے باشندے سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا خدا کے لئے چلیے اور ہمارے سروں پر ہاتھ رکھیے اب ہم آپ سے بغاوت اور عہد شکنی نہ کریں گے۔ مولانا شہید بھی اسوقت موجود تھے آپ نے سید صاحب کی اجازت سے جواب دیا "خدا ہی اپنی حکمت کو خوب جانتا ہے تمہاری سزا یہی ہے۔ تم نے ہم سے دغا کیا اور بیگناہ مسلمانوں کا خون کیا۔ سکھوں نے اسکی تادیب تمہیں پوری دی اور اسی کے تم لائق تھے۔ اب تم جاؤ اور اپنے کام سے لگو" یہ سن کر وہ چلے گئے اور سید صاحب راج دواری (ملک کاغان) میں

جاکر مقیم ہوئے آگے جانے کے راستے برف باری سے بند ہوگئے تھے مجبوراً سید صاحب کو وہیں قیام کرنا پڑا۔ کچھ کچے پکے مکانات بھی تیار ہوگئے اور مہاجر بآرام اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔

ناظر جب مولانا شہید کی بے مثال امنگ اور اولوالعزمی کو دیکھیگا اور بعدازاں اس کا نتیجہ ملاحظہ کریگا تو اُسے پیارے شہید کی زبردست طبیعت کا نقشہ بخوبی معلوم ہوجائیگا اور وہ یہ سمجھ لیگا کہ دنیا میں جتنے حکمران شمشیرزن یا مصلح ہوئے ہیں وہ سب ایسی طبیعت اور بنظیر لیاقت کے ہوئے ہیں جس کی مایوسی اور ناکامی کامیابی کے مساوی تھی۔ اور جس نے کسی کام میں فیل ہونے پر افسوس نہیں کیا اور ہمیشہ اپنا کامل بھروسہ خداوند حقیقی پر رکھا وہ پیارا شہید تھا جس نے ہندوستان میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرح شریعت محمدی کا ٹھنڈا خوشگوار شربت ہندوستانی مسلمانوں کو پلایا اور انکی قابل نفرت عادتوں اور رسوم کو ایسا مٹا دیا کہ آیندہ پھر کبھی ان کی اولاد اس طرف متوجہ نہ ہوگی ایسا شیر ایسا دلیر ایسا مصلح ایسا اپنی متواتر کوششوں میں کامیاب اب اس خطہ سے ہجرت کر رہا ہے جس میں اس نے توحید کا بیج بویا تھا اور جس نے سکھوں کے قابل انتقام مظالم سے نجات دلوانے کا بیڑا اٹھایا تھا اور جس کا بہت ساحصہ سخت خونریزی کے بعد صاف کر دیا تھا اور اب اپنے بوڑھے پیر کی ماتحتی اور اطاعت میں سرنگون آنکھیں نیچے کئے ہوئے خاموشانہ حالت میں چلا جاتا ہے اور کچھ نہیں کہتا مگر اس کی باطنی نظریں پنجاب کے ناممکل خطہ کی طرف پڑ رہی ہیں جسے وہ ادھورا چھوڑ کر جاتا ہے اور جتنی کوشش کی تھی اس کا پھل اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھیگا۔

ابھی چند روز کا عرصہ ہوا تھا کہ تمام پنجاب میں بجز چند حصوں کے دین محمدی کی اشاعت ہوگئی تھی اور سب نے باتفاق عہد کرلیا تھا کہ آیندہ سے قرآن و حدیث پر عمل کیا جائیگا اور ہونے بھی لگا تھا۔ مگر ان بے اعتدالیوں کی کسے خبر تھی جو عمال اور سید صاحب کے مقرر کئے ہوئے قاضی پشاوریوں پر توڑینگے اور مولانا شہید کی ساری کوشش یوں بیکار رجائیگی گو اس کوشش کا روحانی اثر پنجابیوں پر تو بہت کچھ رہا اور آیندہ جوں جوں زمانہ گذرتا جائیگا نکلتا آئیگا مگر ملکی اثر کچھ نہ رہا سوا اسکے کہ ایک ویران ملک میں ان کا کچھ بقیہ نظر آتا ہے۔

روحانی اثر جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ابھی تک پنجاب کے کسی نہ کسی ضلع میں دکھائی دیتا ہے جتنے پکے مسلمان ہیں بدعت و شرک۔ گورپرستی تعزیہ پرستی نہیں کرتے اور اکیلے خدا کی پرستش کرتے ہیں جس کا شاہد قرآن ہے۔ ورنہ پنجاب میں تو کوسوں بھی نظر نہ آتا تھا کہ ایک شخص بھی اللہ کا نام لیتا ہوا سنائی دیا ہو سوائے غوث اور قطب کے ان کا کوئی خدا ہی نہ تھا۔

حقیقت میں یہ صحیح ہے کہ ناتجربہ کاروں کی ہمراہی ایک مدبر اعلیٰ کی لائق تدابیر کو بدنما لباس پہنا دیتی ہے جو کچھ پیارے شہید نے کیا اس کے کاموں کا بہت سا حصہ ہر عیب خطا سے پاک ہے ہاں بعض بعض امور ملکی میں اس سے سخت غلطیاں سرزد ہوئیں لیکن پھر بھی ان غلطیوں کا اثر اسی کی ذات تک رہا دوسرے اس کے ساتھیوں پر نہ پڑا مگر حیف صد حیف اس کے ہمراہیوں نے تو لذائذ نفسانیہ اور اپنی خردماغی سے تو لٹیا ہی ڈبو دی اور ایسا ستیاناس کر دیا کہ اسے ملک پنجاب چھوڑتے ہی بن پڑی۔

ایک یورپین[1] مورخ اس افسوسناک واقعہ کی نسبت یہ تحریر کرتا ہے کہ:۔

"سید احمد صاحب نے یہ ضرورت سمجھی کہ وہ اپنے ہندوستانی پیرواں کو اپنے فضل وکرم سے نہال کر دیں جن پر اُن کا کامل بھروسہ تھا۔ پہلے آپ نے اپنے کو سرحدی لوگوں سے دہ یکی (عشر) لینے میں محدود کیا اس امر کو انہوں نے خفیف استکراہ سے برداشت کیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم سے دہ یکی (عشر) ایک کام میں خرچ کرنے کے لئے لی جاتی ہے۔ مگر جب سید صاحب کے پیروان دہ یکی سے گذر کر زیادہ لینے لگے تو سرحدی لوگ سخت برہم ہوئے اور جس کا نتیجہ سید صاحب کے لئے بہتر نہیں ہوا۔ سید صاحب کا مزاج صلح کل حاکمانہ امتزاجی عنصر اپنے میں بہت کم رکھتا تھا بلکہ اسمیں سخت تعصب اور فتنہ انگیزی (استغفر اللہ) آمیز ہو رہی تھی جس نے اس حیرت انگیز اثر کو جو سرحدی لوگوں پر ہوا تھا اناً فاناً میں ملیا میٹ کر دیا جب آپ کو معلوم ہوا کہ میری قوت زوال پذیر ہو رہی ہے آپ نے اور بھی زیادہ سرحدی لوگوں پر سختی کی اور ان کے ساتھ سخت ناانسانیت کا برتاؤ کیا جس نے سرحدیوں کی اس بے نظیر محبت کی دوشیزہ نازک لڑکی کو مجروح کیا جس نے ان پر غضب کا عجیب افسوں پھونکا تھا آپ نے پہاڑی آدمیوں کی شادی بیاہ کی رسوم میں دست اندازی کی جو اپنی لڑکیاں بڑے بڑے امیروں کو پیسے کے لالچ میں بیاہ دیتے تھے یا یہ کہو کہ ان کے ہاتھ فروخت کر ڈالتے تھے اور چونکہ آپ کے ساتھی غریب الوطن تھے اور اب انہیں جوروؤں کی بھی خواہش تھی تو آپ نے ایک فرمان جاری کیا کہ جتنی کنواری لڑکیاں ہیں وہ سب ہمارے لیفٹنٹ کی خدمت میں مجاہدین کے لئے حاضر کی جائینگی اگر ان کی شادی بارہ ۱۲ دن میں نہ کر دی گئی۔ قوم کی قوم اس اعلان سے بھڑک اٹھی اور اس نے ہندوستانی آدمیوں کو قتل کر ڈالا سید صاحب بڑی دقت سے اپنی جان بچا کر بھاگے۔"

یہ بیان ایک یورپین مؤرخ کا ہے میں ان الفاظ کی تائید نہیں کرتا جو اس نے سید صاحب کی نسبت لکھے ہیں نہ مجھے اس کا پتہ لگا ہے آیا یہ اعلان سید صاحب نے جاری کیا تھا۔ اسکی بابت جو کچھ میں اپنے

---

[1] (دی انڈین مسلمان مصنفہ ہنٹر صاحب صفحہ ۱۷ و ۱۸) یہ انگریز اعلیٰ درجہ کا متعصب ہے۔ (مصحح)

گذشتہ صفحوں میں لکھ آیا ہوں درحقیقت وہی بات ٹھیک ہے اور اسمیں ذرا بھی تفاوت نہیں ہے۔ گو بعض ہمارے ہمعصر سوانح نویسوں نے اس کا ذرا بھی ذکر نہیں کیا ہے اور سوئے ادبی کے خیال نے انہیں دیانتداری سے بعض رکھا مگر ہم نے اپنی ایمانداری سے جو واقعات ہمیں پہنچے انہیں بے کم وکاست یہاں درج کر دیا۔

بار بار زیادہ افسوس اس بات کا آتا ہے کہ وہی مثل یہاں صادق آتی ہے۔ "کرے ڈاڑھی والا اور پکڑا جائے موچھوں والا" مولانا شہید نے تو اس محنت اور جانکاہی سے ملک پنجاب کے اتنے بڑے حصہ کو مسلمانوں کے لئے صاف کر دیا تھا اور ناتجربہ کاروں نے چند بے اعتدالیوں سے اپنی جانیں بھی کھوئیں اور مفتوحہ ملک بھی چھنوا دیا ایسا کہ تسمہ تک لگا ہوا باقی نہ چھوڑا۔ وہ عظیم الشان بہادر جس نے رنجیت سنگھ جیسے شیر پنجاب کے خونخوار پنجوں سے اتنا بڑا ملک چھین لیا تھا خردماغ ملانوں نے اس آسانی سے اپنی جانوں کے ساتھ اُسے بھی کھو دیا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد ٭ روئے گل سیر ندیدم بہار آخر شد

بارھواں باب

شہادت

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ٭ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

دنیا کی ناپائیداری کا المناک اور دل بجھا دینے والا خیال عجیب وغریب قوت سے تمام جہاں میں پھیل رہا ہے اور ہر شخص خواہ فاضل ہو یا جاہل خود بخود اس عظیم الشان تغیر وتبدل سے جو روزمرہ اس کی آنکھوں کے آگے ہوتا رہتا ہے دنیا کی بے ثباتی کا استنباط کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے جو کچھ میں نے کیا یا آیندہ جو کچھ کرونگا چند روز میں اس کا نام ونشان تک مٹ جائیگا اور پھر صفحہ ہستی پر شمہ برابر بھی نہیں رہنے کا وہ خیال کرتا ہے ہزاروں شہنشاہ ہوگئے کوئی بھی نہیں جانتا کہ کہاں تھے اور کہاں چلے گئے۔ آخر اکہ خبر شد خبرش باز نیامد۔ یہ پست اور فانی خیالات اس کے دل کو بجھا دیتے ہیں اور پھر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کسی گوشہ میں عزلت گزینی اختیار کرتا ہے اور اس متبذل حالت میں اپنی زندگی گذار دیتا ہے مگر حقیقت میں یہ اس کی بڑی بھاری غلطی ہے دنیا ناپائیدار ہے مگر انسان ایک دائمی چیز کا نام ہے یہ مانا کہ ذات باری کے آگے اس کو مداومت کا درجہ حاصل نہیں ہے پھر بھی وہ اس تمام کائنات سے زیادہ دیر قائم رہنے

والا ہے مگر یہ ان پاک برتر نفوس کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی خوشی جانیں اصلاح بنی نوع اور بہبودیٔ خلائق کے لئے قربان کر دیں اور اپنا تن من دھن قوم پر قربان کر دیا۔ گو وہ ایک مقرر مدت کے بعد آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں مگر درحقیقت وہ مٹتے نہیں ہیں اور جوں جوں زمانہ گذرتا ہے اور انکی سچی زندگی میں جان پڑتی جاتی ہے۔ یہ کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ آفتاب اور سیارے تو لاکھوں برس سے قائم ہیں اور ابھی ان کی زندگی کی کوئی حد نہیں مگر انسان جو ان سے اشرف اور اعلیٰ ہے چند روز میں فنا ہو جائے اور پھر اس کا نام و نشان تک مٹ جائے یہ خیال یا عقیدہ جسقدر رکیک اور خام ہے اسی قدر انسان کے لئے ایسا خیال کرنا خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہے۔

مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب گو ہماری ظاہری آنکھوں کے آگے سے غائب ہو گئے مگر وہ اب بھی ہم میں موجود ہیں۔ ہم بعض وقت اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں مگر ان کا تصور نہیں جاتا اور ہر دم اپنے سچے محسن کی یادگار رہتی ہے جو نمایاں کام مولانا شہید نے کئے وہ معمولی نظروں سے دیکھنے کے قابل نہیں ہیں بلکہ گہری و عمیق تر نگاہیں جبتک ان معاملات میں نہ بیٹھ جائینگی کبھی ان کا اصلی رتبہ اور سچا ارتفاع نہیں کھلیگا۔

جب پشاور میں ملانوں کی بعض بے اعتدالیوں نے غضب ڈھایا ہے اور سید صاحب کو پنجاب چھوڑتے بن پڑی ہے اسوقت پیارے شہید کے دل کی جو کیفیت تھی وہ وہی شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس پر ایک ہزارواں حصہ بھی ایسی مایوسانہ حالت کا گذر چکا ہے کس شوکت سے جس حصہ پنجاب کو سکھوں کے ہاتھ سے چھینا تھا وہ چند بددماغوں کے صدقہ میں آناً فاناً میں ہاتھ سے نکل گیا وہ امیدیں جو پشاور فتح ہونے کے بعد طبیعت میں ندرت مآب دلوں کا جامہ پہن کر اٹھ رہی تھیں ایک خونریز دور سے سب کا خاتمہ ہو گیا ایسی قاتل اور فنا کر دینے والی حالت میں کسی معمولی انسان کا زہرہ ہے کہ وہ ایک سکنڈ بھی زندہ رہ سکے اور اسکا پتہ پانی ہو کر نہ بہ جائے مگر یہ اسمٰعیل ہی کا دم تھا کہ اس نے بمقتضائے فطرت بشری حسرت بھری نگاہوں سے تو اس واقعہ جانکاہ کو دیکھا اور ایک سرد آہ کھینچی مگر وہ صبر سے خاموش ہو رہا اور اپنے امیر کی متابعت میں اسیطرح سرگرم پرجوش بن گیا گو فطرت کے ہنروں کا کامل نمونہ تھا مگر زمانہ نے اُسے محہ کی لمحہ اپنی آنکھوں پر بٹھانے سے انکار کیا اور آخر اب وہ زمانہ آیا کہ وہی زمانہ جس نے انکار کیا تھا اب آنکھوں پر بٹھاتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ مولوی اسمٰعیل کے نام سے میں ہمیشہ کے لئے مستفیض کیا جاؤں۔

پشاور کا ہاتھ سے نکلنا تھا اور سید صاحب کے گروہ کا خاتمہ ہو جانا تھا۔ جب آپ بالاکوٹ تشریف لے جا رہے تھے رنجیت سنگھ والئی لاہور نے یہ موقع غنیمت جان کر شیر سنگھ کی سرکردگی میں بیس ہزار فوج سکھوں کی روانہ کی کہ پہاڑوں ہی میں ان کا فیصلہ کر دے اور ایک خونریز میدان کے بعد مجاہدین کی قسمتوں اور

کوششوں کو انجام پر پہنچا دے۔

آپ بالاکوٹ پہنچے تھے کہ پیچھے سے سکھوں کا لشکر بھی آدھمکا۔ جو راستہ کہ سید صاحب نے اختیار کیا تھا وہ حد سے زیادہ تنگ تھا ایک توپ بھی نہیں جا سکتی تھی دو آدمی برابر نہیں نکل سکتے تھے جب سکھوں کے حملہ کی خبر ہوئی تو مولانا شہید نے پہاڑوں پر چڑھ کر دو تین مورچے بنائے اور ہر مورچہ پر قلیل تعداد آدمیوں کی مقرر کر دی۔ آپ نے خود ایک مسجد کے غرب رویہ مکان میں اپنا مورچہ بنالیا تھا۔ کل تعداد مسلمانوں کی نو سو سے زیادہ نہ تھی اور پھر لطف یہ کہ سوائے توڑے دار بندوقوں کے توپ ایک بھی نہ تھی۔ جو توپیں کہ آپ پنجتار سے لائے تھے وہ راستہ کی تنگی کی وجہ سے امرائے دہ کو دیتے آئے تھے یا ان کے پاس امانتاً رکھ دی تھیں اب صرف تلواریں اور بندوقیں رہ گئی تھیں پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ بیس ہزار فوج سے یہ آٹھ نو سو آدمی مقابلہ کر سکتے اور مخالفین کی آتش نشاں توپوں کا جواب دیتے۔

مولانا شہید سمجھ گئے تھے کہ بس یہ آخری میدان ہے جہاں تک ہو سکے جان توڑ کر لڑیں اور مسلمانوں کے لئے اپنی جان قربان کر دیں پہاڑی بدذات قومیں روپیہ کے لالچ سے مسلمان ہو کر سکھوں سے گٹھ گئی تھیں اور انہوں نے رستہ ہی دینے پر قناعت نہ کی بلکہ سید صاحب کے ضعف کی کیفیت بھی ساری بیان کر دی اب وہ وقت آ لگا کہ جانباز بہادر اپنی اصلی شجاعت کا جوہر دکھا کر سکھوں کے مقابلہ میں جوانمردی سے شہید ہوئے تھوڑی دور کے فاصلہ پر سکھوں نے اپنی مورچہ بندی کی اور اب گولہ اندازی شروع ہوئی گولوں کا جواب گولیاں کسی حالت میں ممکن نہیں ہو سکتا کئی گھنٹے تک تو مولانا شہید نے یہ غیر نتیجہ کوشش کی مگر جب آپ نے بندوقوں کے فیر کرنے فضول دیکھے تو مورچہ پر دو تین آدمی چھوڑ نشیب میں ہو کر سکھوں کے مورچہ کی پشت پر جا پہنچے اور جونہی للکار کر اللہ اکبر کا نعرہ مارا سکھ پریشان ہو کر اور مورچہ چھوڑ کر بھاگے چار توپیں مولانا شہید کے ہاتھ میں آئیں آدمی سو سے زیادہ نہ تھے پھر بھی توپوں نے ہمت بندھوا دی اور اب آپ شیر ببر کی طرح سکھوں کے لشکر کی طرف جھپٹے۔ بدقسمتی سے جب آپ حملہ کر رہے تھے۔ ایک مسلمان نے پکار کر کہا اسمٰعیل دوڑ و سید صاحب کی نازک حالت ہے سکھوں نے گھیر لیا ہے۔ یہ سننا تھا آپ بیتاب ہو گئے اور سید صاحب کا رخ کیا یہاں حقیقت میں اگر مولانا شہید بہت جلد اپنے کو نہ پہنچا دیتے تو سید صاحب کی جان خطرہ میں پڑ چکی تھی۔

خدا خدا کر کے سید صاحب کی جان بچی ہاں وہ مورچے جو مولانا شہید نے قایم کئے تھے ان پر سکھوں کا قبضہ ہو چکا تھا بپھرا ہوا شیر کبھی ادھر جاتا تھا اور کبھی اُدھر جاتا تھا جس طرف رخ کیا غل مچ جاتا تھا بھاگو اسمٰعیل آیا ہے۔ رنجیت سنگھ نے شیر سنگھ سے کہدیا تھا جہاں تک ہو سکے اسمٰعیل کو زندہ پکڑ کر لانا۔

شیر سنگھ نے ہر چند کوشش کی مگر ممکن نہ ہوا۔ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ شیر ببر اور وہ بھی بپھرا ہوا شیر زندہ گرفتار ہو سکتا۔ استغفر اللہ۔ اس کے نام میں وہ اثر تھا کہ سپاہیوں کے ہاتھوں سے ہتھیار گر پڑتے تھے پھر اس کو زندہ کیونکر پکڑ سکتے۔ قصہ مختصر یہ کہ سخت خونریزی ہوئی اور بہادر اسمٰعیل جسطرح جان توڑ توڑ کر لڑا ہے وہ حد سے زیادہ داد دینے کے قابل ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس خونریز معرکہ کا بیان نظم میں بہت مختصر طور پر کیا جائے جس سے ناظر سوانح کو کافی طور پر دلچسپی ہو۔

دم صبح چو بانگ بزد خروس — بنالید شہناؤ غرید کوس
دو لشکر رواں گشت زانسو چو میغ — بسر خود آہن بکف تیز تیغ ،
شہید چو امزد روز نبرد — مگر بست آہنگ پیکار کرد
چو نیر بانجم کشد تیغ روز — در آمد جوان بارخ دلفروز
در آمد بمیدان جوانان دلیر — بہ نخچیر صد گورخر رفت شیر
خرامید مورے پے جنگ فیل — رواں گشت موجے بدریائے نیل
بجنگ اندر آمد اسد سرفروش — بہ کتفش سپر تیغ ہندی بدوش
بہ سر خود در بر زرہ بر زرہ ؎ — بدستش کمندے گرہ بر گرہ
سمندش چو طاؤس باغ ارم — کمندش چو زلف پری خم بخم
زسر تا بپا بود پولاد پوش ، — زرہ در بر و تیغ ہندی بدوش
بجنگاہ آمد چو نیل دمان — بچالش در آمد چو شیر ژیان
بمیداں صف آراستہ شیر سنگ — بہ پشت ہیونے دخونخوار جنگ
سواراں سکھاں جوانان فوج — در آمد بسوئے جوان موج موج
دو لشکر دو سو صف بر آراستند — پے عزم کین ہر دو برخاستند
سواران جنگی تہمتن توان ، — بہ پشت سمندان چابک عنان
بیک حملہ مرد نبرد آزما — دو صف صاف کردہ زتیغ قضا
تلاطم در آمد بفوج سکھان ؎ — کہ چوں دید آن تیغ نشیر ژیان
چناں راند شمشیر خاراشگاف — کہ لعلے بر آورد از کوہ قاف
رمیدہ زباران توپ و تفنگ — زصحرا پلنگ وز دریا نہنگ

شہید جوان مرد با صد سوار ۔۔۔ ہمیں بود در سایہ کردگار
ہمہ کاردان و پیمبر شناس ۔۔۔ چو ایمان خود جملہ محکم اساس
ہمہ نوجوانان ماہوت پوش ۔۔۔ بخاکسترے جامہ آتش فروش
بدشمن کشی جملہ صاحب شکوہ ۔۔۔ پر از کژدم و مار مانند کوہ
براہ شکاران ہمہ درع پوش ۔۔۔ چو سیاد پیوستہ دامے بدوش
بطرز فسون پیشگان وقت کار ۔۔۔ بیکدست مہرہ بیکدست مار
گہے مہرہ از کیسہ بیرون نہند ۔۔۔ گہے مار را بر ہوا سر دہند
شہید دلا دلان رستخیز ۔۔۔ دماغ از شہادت دل از پرستیز
بھر پایۂ مومنان را گذاشت ۔۔۔ بہر مورچہ افسرے را گذاشت
بہر افسر اژدہا پیکرے ۔۔۔ بہر اژدہا پیکرے لشکرے
بہر سوئے آن کندہ توپے بزرگ ۔۔۔ چو بالائے چاہ اژدہا سترگ
چناں توپہا چنیں تاب و تپ ۔۔۔ بگردون گروندہ راس و ذنب
ارابہ چو پیلے و آن پاے پیل ۔۔۔ کہ خرطوم پیلے ببالائے پیل
تو گوئی کہ دریاے دوزخ تمام ۔۔۔ شدہ باز بر عاصیان صبح و شام
سکھاں ہم ازاں سوی با افسران ۔۔۔ برآراستہ لشکرے از یلان
بے افسران دگر بے شمار ۔۔۔ نہ صد نے دو صد بل ہزاران ہزار
جہاں بان و لشکر جہاں در جہاں ۔۔۔ عناں در عناں و سناں در سنان
ہمہ تیرہ بازاں گردن فراز ۔۔۔ بہ بہرام خونخوار سرگرم راز
بنوک سناں در فلک رخنہ گر ۔۔۔ بہ تیر و کماں بر ہوا جان شکر
بہ تیر و سناں جملہ شیر اوژنان ۔۔۔ چو شیراں پر حملہ در نیستان
بر آوردہ از توپہا پیش روے ۔۔۔ یکے آہنین بارہ از چار سوے
دہن کردہ وا توپہا ہمچو غاز ۔۔۔ کہ اژدی بر آیند افعی و مار
تو گوئی نہنگاں دریائے شور ۔۔۔ گرفتند بردند آنجا بزور
کہ گوید کہ توپ افعی خفتہ است ۔۔۔ کہ ایں فتنہ را اژدہا گفتہ است
زنند آتش ایں اژدہا پیکران ۔۔۔ بسوزند چوں کاہ کوہ گران

دفلها چو مار د چو سوراخ مار — درو مہرہ چوں کژدم نیش دار
اشارت چنیں شد بہ یکی سپاہ — کہ حملہ کنند بر اسمعیل شاہ
قدم بر قدم بر بر کف بکف، — کمر در کمر کش بکش صف بصف
بہر ترکتازے شلنگے زدند — بہر جست و خیزے تفنگے زدند
نہ ماندہ کسے یک قدم پیش و پس — ہمہ ہمرہ و ہمنگ و ہم نفس
چناں گشتہ از ہر طرف گرم فیر — کہ دست از عناں رفتہ و پار نیر
نکردند در حملہ یک دم درنگ — سمٰعیل زد بانگ و اسپہ تفنگ
گہے خفتہ بر خاک مانند مار — گہے رہ گہرائید چوں سوسمار
گہے راست گہ خم چہ برنا چہ پیر — گہے چوں کمان گاہ مانند تیر
گہے حلقہ مانند مارے شدہ — گہے گرد ہیچو حصارے شدہ
کفل بر کفل گاہ باہم چو گور — پے ہمردان گاہ مانند مور
دو صد فیر کردند بر یک نفسیر — بر آوردہ یم را باہنگ زیر
ازیں سوی مسلمان طاعت گذار — بکار خداوند سر گرم کار
وضو کردہ ہر یک بجو ناب خویش — بشوق سجودے سر انگندہ پیش
نمازے بجون جا بجا ساختہ — دل از نہر و آزرم پرداختہ
گہے در رکوع و گہے در سجود — گہے در قیام گہے در قعود
یکے گرم سعی و یکے در طواف — یکے فدیہ گردیدہ خود در مصاف
شمردند محراب شمشیر را — رساندند بہ عرش تکبیر را
بہ پیکار کارے کہ تکبیر کرد — نہ شمشیر میکرد و نے فیر کرد
روا رو در افتاد در این و آن — یکے در سقر شد یکے در جنان
پس توپ میرفت ہر یک دلیر — کہ روبہ چو باشد بدنبال شیر
عنان بر عنان و کفل بر کفل، — سنان بر سنان و رفل بر رفل
رفل کردہ خالے دپر دمبدم — چو اہل کرم کیسہ پر و درم
بدیں رسم و راہ پیش مے تاختند — بہر داد صد نہرہ مے باختند
قضا گر کسے راز پا مے نشاند — تدر دیگرے را بجایش رساند

فلک بانگ برزد کہاں بیشتر / سپہ بیشتر میشد و ریشتر
قضا شد کمان و قدر گشت تیر / زمیں گفت بالا فلک گفت زیر
گہے برصف راست دیدی کہ فیر / گہے جانب چپ دویدے کہ سیر
گہے پریساں بانگ برزد کہ بس / گہے برصف پیش راندے کہ پس
گر آمد بہ سید دلاسا نمود / عیار ہنر آشکارا نمود
گہے برصف ژندہ پیلان دلیر / شدے حملہ آور چو بزگلہ شیر
چناں بُد سمعیل با تیغ و ترگ / بد اندیشں را کردہ دعوت بمرگ
سوارے ز سکھے سپہ شد پدید / چو مغلوب نزدیک غالب رسید
یکے نیزہ میداشت غالب بمشت / بنافش سپرد و برآمد ز پشت
چناں بر ہوائیش ربود از سمند / کہ فغان ز سکھی سپاہ شد بلند
دو لشکر در آمیخت چوں نار و نور / دو دریا یکے شد چہ شیریں چہ شور
بہر لطمہ طوفانے انگیختند / بہر لمعہ برقے ہمیں ریختند
شدہ برہم از بسکہ میدان کین / یمین گشت الیسر شد الیسر یمین
زبس تیر و ناچخ و مادم زدند / چو مژگان چہ صفہا کہ برہم زدند
نہ از توپ بیمے دنے از تفنگ / نہ از اژدہا ترس دنے از پلنگ
نہ ہر مور جائے گذشتہ چناں / کہ از ہفت خوان رستم داستان
چو بر قلب سکھاں در آمد شکست / بہ بیکار ساقہ کشادند دست
یکے صاعقہ سر ز ساقہ کشیدہ / بساق سمعیل شاہ در رسید
در آمد سپہبد ز بالائے زیں / تو گوئی فتاد آسمان بر زمیں
دریغ آں نکو روئے تاباں چو ماہ / کہ بازش ندیداں خردمند شاہ
دریغ آں لبردہ گرانمایہ گرد / کہ نادیدہ بازاں پدر را بمرد
دریغ آں شہ[1] پر دریدہ نیاز / شدہ روی او باب نادیدہ باز
سرانجام کارش بکشتند زار / بداں گرم خاکش نکنند[2] خوار
دریغ آں نبردہ سوار دلیر / کہ نازش ندید آں خردمند پیر

لہ مراد شاہ عبدالعزیز صاحب ٢ہ مراد از مولوی ہندی جو پشاور میں قاضی اور عمال مقرر کیے گئے تھے۔

دریغ آں سوار گرانمایہ شیر	کہ افگندہ شد رائیگاں خیر خیر
کہ ہمچو پدر بود ہمتائے او	دریغ آں نکوردی بالای او
چوکشتہ شد آں خوب چہرہ سوار	زگرداں بگردش ہزاراں ہزار
بہر گوشہ برہم آویختند	زردی زمین گرد انگیختند
زمینہا پر از خستہ وکشتہ شد	سراپردہ ہا نیز بربستہ شد
درو دشتہا شد ہمہ لالہ گون	بدشت دبیا باں ہمیرفت خون

افسوس ہے ایسا خونخوار بہادر ایسا لاثانی شجاع ایسا عظیم الشان مصلح ایسی مایوسی اور بےبسی کی حالت میں شہید ہوا مگر یہ وہ شہادت تھی جس کے خونی نقوش زمانہ کی پیشانی پر ابتک چمک دے رہے ہیں اور جب تک زمانہ قایم ہے یہ سرخ رنگ نقوش کبھی مٹ نہیں سکتے بے اختیار زبان سے یہ ماتمی اشعار نکلتے ہیں۔

اے دل بچشم زخم حوادث فگار شو	اے از تراوش دل اشکبار شو
اے خون بدیدہ درد گذار جگر فرست	اے دم بسینہ دود چراغ مزار شو
اے لب بنوحہ نالہ جانکاہ ساز دہ	اے سر بغصہ خاک سر رہگذار شو
اے خاک چرخ گرنہ تواں زد بجادرائے	اے چرخ خاک گرنہ تواں شد غبار شو
اے نوبہار چوں تن بسمل بخون بغلط	اے روزگار چوں شب بے ماہ تار شو
اے ماہتاب روی بسیلی کبود کن	اے آفتاب داغ دل روزگار شو
اے فتنہ باد صبح وزید ایں قدر مخسپ	اے رستخیز وقت رسید آشکار شو
آہ ایں چہ سیل بود کہ مار از سر گذشت	تنہا ز سر مگو کہ ز دیوار و در گذشت

سب سے زیادہ افسوس کی یہ بات ہے کہ سید صاحب بھی اسی میدان کارزار میں شہید ہوئے گو آپ کے بعض متعلقین پر خدا کی شان سے آج تک نہیں آئی پھر بھی وہ فضلا اس میدان میں کام آئے کہ ہندوستان کی اپنے علم و فضل کے لحاظ سے جان تھے ہرچند مولانا شہید نے چاہا کہ سید صاحب کو بچالوں اور اپنی جان ان پر قربان کردوں مگر ممکن نہ ہوا باہمی جدائی کی گھڑی آن لگی تھی اور اسے کوئی ٹالنے والا نہ تھا یہ جانکاہ واقعہ بماہ مئی ۱۸۳۱ء کو وقوع میں آیا (خاص بالاکوٹ میں)

جو لوگ بچے تھے دریائے انڈس سے عبور کرکے ستیانا میں جاگزیں ہوئے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے وہاں اپنی ایک بستی بسالی اور پہاڑیوں کو بھی اپنا مرید بنالیا۔ جو اب تک سوات بنیر میں دیکھے جاتے ہیں۔

تیرہواں باب

محمد بن عبدالوہاب علینی (نجدی) اور مولانا شہید دہلوی بعض یورپین کی رائے

محمد بن عبدالوہاب جس نے دوبارہ مکہ اور مدینہ کو اسلامی شریعت کی پابندی کے لحاظ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا سا بنانا چاہا اور آخر میں اپنی خونریز کوششوں میں کامیاب ہوکر اسلامی احکام کا پابند ہونے کے لئے ہر شخص کی آور مدنی مجبور کیا گیا تھا ملکی معاملات میں خواہ وہ کیسا ہی ضعیف العقل ہو اور اس نے کیسی ہی خطائیں کی ہوں مگر دین کے معاملہ میں اس کی زندگی سچے مسلمان کی زندگی کے ہمپلہ تھی۔ خلاف شریعت امور سے اُسے سخت چڑ تھی اور وہ چاہتا تھا کہ نبی اکرمؐ نے جن شرعی امور کی پابندی کی مسلمین کو ہدائت کی تھی ان کا پابند مسلمانوں کو بنادوں اب یہ اس کی غلطی تھی کہ اس نے اپنے زمانہ کی ملکی آب وہوا اور طبائع کے میلان کو نہیں دیکھا اور یکایک ان سے چاہا کہ ناگوار طریقہ میں شریعت کے احکام کی پابندی کریں اگر وہ نبی اکرم کی مصلحت یا ربانی حکمت کو غور کرتا تو اُسے معلوم ہو جاتا کہ قرآن کا پارہ پارہ ہوکر ۲۳ برس کے عرصہ میں نازل ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ رفتہ رفتہ انہیں ربانی احکام قبول کرنے اور ان سے دلچسپی لینے کا عادی بنا دیا گیا اور جوں جوں طبیعت میں شوق پیدا ہوتا گیا اسی کے مطابق آیتیں بھی نازل ہوئی گئیں

جو کچھ محمد بن عبدالوہاب نے مذہب اسلام کو چمکانا چاہا اور لوگوں کو موحد بنانا چاہا اور اپنی کوشش میں کامیاب ہوا وہ نجد بلکہ تمام عرب کی تاریخ میں ایک مشہور واقعہ ہے۔

اکثر نافہم مسلمان ہوکر ان پاک نفوس کو جنہوں نے قرآن وحدیث کو نصب العین ٹھہرایا ہے اور ان ہی دو مقدس چیزوں پر عمل کرتے ہیں اور اسی کی اپنے بھائیوں کی بھی دعوت کرتے ہیں وہابی کہتے ہیں اس کہنے سے وہ وہابی نہیں بن سکتے مگر اس کہنے سے اس تلخ تر دشمنی اور حسد کا اندازہ ہو سکتا ہے جو اکثر نافہم پاک مسلمانوں سے رکھتے ہیں وہ اپنی نسبت اپنے پاک نبی سے کرتے ہیں اور اسی میں انہیں فخر ہے اور یہی ان کا مایہ بساط ہے اب یہ دیکھنا ہے کہ شاہ اسمٰعیل صاحب اور ابن عبدالوہاب کے مرتبہ اور اصلاح مومنین کی بےنظیر کوششوں میں کیا امتیاز قایم ہو سکتا ہے اور باہم دونوں میں کیا مناسبت ہے چونکہ یہ ایک دلچسپ اور نہایت لطیف مضمون ہے اس لئے میں ابن عبدالوہاب اور اس کے جانشینوں کی مختصر تاریخ بیان کرتا

ہوں جس کی مناسبت مولانا شہید کے حالات زندگی سے بہت کچھ ہے۔

ابن عبدالوہاب ۱۶۹۱ء میں بمقام عینیہ (نجد میں) پیدا ہوا۔ امام احمد بن حنبلؒ کے مذہبی طریقہ پر نہایت عمدگی سے اس کے باپ نے اسے تعلیم دلوائی جب نجد میں فارغ التحصیل ہو گیا تو مکہ مدینہ اور بصرہ میں جاکر اپنے علوم دینی کی تکمیل کرنی چاہی جب اس نے اپنی آرزو کے موافق ان شہروں میں بھی تحصیل علوم کر لی تو بغداد کے عظیم الشان کتب خانہ کی مقناطیسی کشش نے ابن عبدالوہاب کو اپنی طرف کھینچا جب ابن عبدالوہاب نے بغداد میں کل حدیثوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اسلام کی بابت بہت سی قلمی کتابیں ملاحظہ کیں تو اور بھی اس کی سرگرم روح میں ایک تازہ جوش کی روح پھنکی۔

اس کے بعد اس فاضل نے اپنے باپ کے ساتھ حج بیت اللہ کیا اور مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر شیخ عبداللہ بن ابراہیم کے ہاتھ پر بیعت کی یہ ایک متبحر عالم تھا اس نے شریعت اسلامی کی اور بھی ابن عبدالوہاب کو تعلیم دی۔ کچھ دنوں تک اپنے باپ کے ساتھ حرملہ میں رہا اور جب اس کے باپ کی وفات ہو گئی وہ اپنے وطن عینیہ میں چلا آیا جہاں مذہبی پیشوا بنایا گیا اپنے مختلف سفروں میں ابن عبدالوہاب نے گو بڑے بڑے فضلا دیکھے اور اسلامی سوسائیٹوں اور درسگاہوں کی بھی خوب دھوم دھام دیکھی مگر شریعت محمدی کا پابند یا عامل بالحدیث بہت ہی کم نظر پڑا۔ اس نے مقبروں کو مزین دیکھا۔ اس نے ریشم اور چاندی سونے کے برتنوں کا استعمال عام دیکھا۔ منشی چیزوں کا رواج بھی ہر مسلمانی حکومت میں ملاحظہ کیا بفضول شگونوں اور وہموں کا معتقد اور تابع لوگوں کو پایا۔ گور پرستی کی لے بڑھی ہوئی دیکھی اور عیاشی کو نئی صورتوں میں جلوہ افزا دیکھا۔ اس نے قرآن شریف اور احادیث نبویہ کو نہایت توجہ سے سمجھ سمجھ کر پڑھا تھا۔ ربانی مقاصد اس کے بخوبی دلنشیں ہو گئے تھے اور وہ اسلام اور اس کے واجب الاعتصام ہادی کا مفہوم سمجھ گیا تھا یہ قرآنی مقصد اعلیٰ پر عبور اور پھر اسلامی دنیا میں یہ خلاف شریعت باتیں دیکھنی ایک نیا رنگ اصلاح کا اس کی طبیعت میں پیدا کر دیا تھا۔ اسکی عین خواہش تھی کہ ان مکروہ اور ناپاک باتوں کو اور ناقابل بیان رسوم کو جو عجمیوں سے پیوند ہونے کے بعد مسلمانوں میں پڑ گئی تھیں سب کو علیحدہ کر دوں اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی جدا کر کے انہیں پاک صاف اور ستھرا ہوا مسلمان بنا دوں یہ خیال غیر معمولی جوش کی صورت میں ابن عبدالوہاب کے دل میں پیدا ہوا اور نیز اسکی تکمیل کی امنگ اٹھی۔

ابن عبدالوہاب نے سوائے قرآن وحدیث یا صحابہ کے قیمتی اقوال یا حدیثوں کے دوسرے ائمہ کی باتوں پر نہ کبھی عمل کیا نہ اپنے معتقدوں کو عمل کرنے کی ہدایت کی وہ کہا کرتا تھا جن پاک اور مبارک انفاس نے اپنی آنکھوں سے جمال احمدی دیکھا ہے اور آپ کی زبان فیض ترجمان سے مشرف ہو چکے ہیں ان کی باتوں

کو قبول کرنا اور ماننا چاہیئے نہ کہ ان لوگوں کی باتوں اور استنباطی مسائل کو تسلیم کریں جو عقل کے تکّے لڑا گئے اور جنہیں نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی نہ حضور کی زبان مبارک سے انہوں نے کچھ سنا۔ اسلام کی بنا صرف قرآن و احادیث پر ہے اور یہی کافی ہے جب قرآن میں موجود ہے کہ تمہارا دین کامل ہو چکا پھر دوسرے کسی نفس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ دین اسلام میں کوئی مین میگ پیدا کرے اور پھر لوگ اس کے استنباطی مسائل میں اس کے گرد دھکے کھائیں۔ ابن عبدالوہاب کی اس بےنظیر اور سچی سچی سیدھی سیدھی تعلیم نے عظیم الشان اثر مسلمانوں پر کیا اور وہ غول کے غول اس کے پاس آنے لگے مگر اس کی یہ کامیابی نامساعد ثابت ہوئی رئیس شہر سخت برہم ہوا اور آخر ابن عبدالوہاب کو شہر چھوڑنا ہی بن پڑا وہاں سے بھاگ کر اس نے صرحیہ میں ایک رئیس اعظم محمد بن سعد کے پاس پناہ لی اس سردار نے جس کا قوی تر اثر ہزاروں آدمیوں پر پھیلا ہوا تھا ابن عبدالوہاب کے اسلامی نتھرے ہوئے خیالات کو چمکایا اور اپنی تلوار سے بھی مدد کرنے کو مستعد ہوا۔ اس نے محمد بن عبدالوہاب کی لڑکی سے شادی کر لی خدا کی شان سے اُس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبدالعزیز رکھا گیا۔ یہ لڑکا فطرت نے عجیب دل و دماغ کا پیدا کیا تھا وہ اپنے باپ دادا اور نانا سے بھی خالص محمدی دین پھیلانے میں پرجوش نکلا اپنے باپ کے گذر جانے کے بعد (۱۷۶۵ء) اس نے اپنی فتوحات کی لین ڈوری، جزیرہ نمائے عرب کے بہت دور کے حصہ تک بڑھا دی۔

عبدالعزیز صرف ایک لڑاکو اور جانباز بہادر مرد میدان جری ہی نہ تھا بلکہ ایک سچا مسلمان تھا اور اسکو حقیقی عامل بالحدیث کہہ سکتے ہیں۔ قرآن وحدیث کے جتنے احکام ہیں سب پر استواری اور زندہ دلی سے اس کا اور اس کے دوستوں کا عمل تھا اور وہ خوش تھا کہ میری وجہ سے پھر کئی صدیوں کے بعد دوبارہ سچا اسلام عرب میں پھیلتا جاتا ہے مگر افسوس ہے کہ ایک خراسانی کی چھری نے عین سجدہ کی حالت میں قبل از وقت اس کا فیصلہ کر دیا۔ یہ جانکاہ اور المناک واقعہ ۱۸۰۳ء میں وقوع پذیر ہوا عبدالعزیز کے بعد اس کا بڑا بیٹا سعد اپنے باپ سے بھی زیادہ پرجوش اور مرد میدان نکلا اس نے اور بھی اپنی فتوحات ملکی اور مذہبی کو وسعت دی اور ترکی سلطنت کی بنیادوں کو ہلا دیا۔ یہ ایک نہایت ہی پاکیزہ صورت اور جمیل شکل کا نوجوان تھا جیسا حسن ظاہری سے آراستہ تھا حُسن باطنی سے بھی قدرت نے اسے ویسا ہی مزین کیا تھا علم و فضل میں جیسا اپنے وقت کا شیخ الکل تھا۔ اسیطرح فنون جنگ میں بھی بیمثال مہارت رکھتا تھا۔

بارہ برس کی عمر میں اپنے باپ کے مذہبی جھنڈے کے نیچے خونخوار عربوں سے ایک بڑا میدان لے

چکا تھا اور اب تو اس کی عنفوان جوانی کا زمانہ تھا اس حالت میں اس نے وہ وہ کارنمایاں کئے جو اب تک نجد کی تاریخ میں تعجب سے سُنے جاتے ہیں۔

قرآن کا قرأت کے ساتھ خوش لہجہ پڑھنا بھی اسی پر ختم تھا حدیث کی چھ کتابیں تقریباً اسے حفظ تھیں ادھر اسکی جنگی شوکت بڑھی اور ادھر اس کے علم وفضل کی دھاک نے ہزاروں عربوں کو اس کا گرویدہ بنا دیا وہ غول کے غول آنے لگے اور اس کے اسلامی مذہبی جھنڈے کے نیچے کھڑے ہونے لگے۔

سعد نے بیس ہزار فوج سے سلیمان پاشا سے مختلف جنگوں میں پے درپے فتوحات حاصل کیں اور اس کے مذہبی پیروان یا فوج کے آگے ترکوں کی ملکی اسپرٹ کی دال نہ گلی۔ آخران فتوحات کے بعد اس نے سیدھا کربلائے اقدس کا رخ کیا اور خفیف سے مقابلہ کے بعد شہر کربلا پر سعد کا قبضہ ہوگیا صدہا بلند بلند مقبرے جن پر سنہری کام ہورہا تھا شریعت محمدی کے مطابق ڈھا دیئے گئے اور شہدائے کربلا کے مزاروں کے آرائشی سامان فوراً آگ میں جلا دیئے گئے سعد کی طرف سے ڈھنڈورا پٹ گیا کہ آئندہ سے اگر کسی نے خلاف شریعت کوئی بات کی اس کی سزا قرآن وحدیث کے موافق دی جائیگی اسی سال کے بعد اس کے پرجوش مذہبی لشکر نے مکہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور ۲۷ اپریل ۱۸۰۳ء میں سعد اپنے ہمراہیوں کے ساتھ طواف کے لئے کعبہ میں داخل ہوا۔ مقام کی بزرگی نے سعد کی کسی قدر وحشیانہ خونخوار روح کو ملائم کر دیا اور اس نے صرف اس ادب سے کہ یہاں ہمارا آخرالزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوا تھا مطلق یہاں کے لوگوں کو کسی قسم کی بھی تکلیف نہیں دی ہاں خلاف شریعت امور کی اصلاح کرنے کے لئے سخت ہدایت ضرور کر دی گئی۔ مثلاً چاندی سونے کے حقے۔ ایرانی شال۔ گنگا جمنی کے ظروف۔ ریشمی ایرانی پوشاکیں جنہیں شریعت اسلام نے کبھی جائز نہیں ٹھہرایا تھا ایک جگہ جمع کئے گئے اور ان سب میں آگ دے دی گئی۔ ہر شخص مجبور کیا گیا تھا کہ احکام دین کی پابندی کرے اور تمام وہ باتیں جو نبی اکرم کے زمانہ مسعود میں رائج تھیں بہت دھوم دھام سے ان کی اشاعت دی گئی۔ حقہ پینے کی ممانعت بہت سخت تھی۔ ایک دن اتفاق سے محتسب نے ایک خاتون کو جو حقہ کی حد سے زیادہ عادی تھی حقہ پیتے دیکھ لیا وہ ہر چند چاہتی تھی کہ بچ کر نکل جائے پر ممکن نہ ہوا۔ آخر وہ پکڑی گئی اُلٹے گدھے پر اسے سوار کیا گیا اور اس کی گردن پر اسکا حقہ رکھا گیا اور گلی در گلی اسے پھیرا گیا تاکہ عورتوں کو سخت عبرت ہو اور پھر وہ شہر بدر کر دی گئی۔ ان لوگوں کو شریعت کے قوانین کے موافق سزا دی جاتی تھی جو احکام اسلام سے انحراف کرتے تھے خواہ مرد ہوں یا عورت۔ پنجوقتہ نماز میں ہر مسلمان مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ ہر نماز میں شریک جماعت ہو۔ اگر کہنے پر بھی کوئی سوتا ہوا نہ اُٹھا تو اسے دُرہ ہوشیار کرتا تھا۔ شہر کی مسجدیں اب

پانچوں وقت لبالب بھری ہوئی معلوم ہونے لگیں خلفائے راشدین کے عہد مبارک کے بعد پھر یہ موقع تھا کہ معائنہ کرنے والے کی آنکھ شریعت کے احکام پر لوگوں کو خواہ دلچسپی سے خواہ طوعاً کرہاً مگر عمل ضرور ہی کرتا ملاحظہ کریگی بازار میں کسی دکان پر ایک حقہ یا کوئی چلم نظر نہ آتی تھی اور ذرا بھی خلاف شریعت کوئی سامان کہیں دوائی کو بھی ڈھونڈے نہ ملتا تھا۔ کیا مقدور تھا کہ کوئی اپنے گھر میں پوشیدہ رکھ سکے۔ بازار تو بازار رہا۔

جب سعد نے اپنا پورا پورا منشا فتح مکہ کا حاصل کر لیا تو اس نے سلطان ترکی کی خدمت میں مفصل ذیل الفاظ میں ایک خط لکھا۔ جس میں اپنی کامیابی یا فتحیابی کی خبر دیگئی ہے وہ خط یہ ہے۔

سعد کی طرف سے سلیم کو معلوم ہو

میں مکہ معظمہ میں ۴ر محرم ۱۲۱۸ھ داخل ہوا۔ میں نے شہر میں بالکل امن رکھا اور کسی متنفس کو نہیں ستایا ہاں ان چیزوں کو برباد کر دیا جن کی پرستش ہوتی تھی۔ میں نے ہر قسم کے خراج کو سوائے ان ٹیکسوں کے جن کی اجازت قرآن دیتا ہے موقوف کر دیا ہے۔ میں نے قاضیوں کو مقرر کر دیا ہے جو بالکل شریعت محمدی کے موافق مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں امید ہے کہ آپ بھی یہ سن کر خوش ہونگے میں چاہتا ہوں آپ دمشق اور مصر القاہرہ کے حکمرانوں کے پاس حکمنامہ لکھ کر بھیجدیں کہ وہ اس پاک معبد میں خلاف شرع محل کے لئے نہ آئیں اور نہ قرنا بجاتے ہوئے شہر میں داخل ہوں۔ مذہب ایسی ویسی باتوں کی اجازت نہیں دیتا میں دعا کرتا ہوں خدا کی برکتیں اور رحمتیں تم پر نازل ہوں۔

۱۸۰۴ء کے اختتام پر مدینہ بھی سعد کے قبضہ میں آگیا مدینہ لے کر اس کے مذہبی جوش میں یہاں تک ابال آیا کہ اس نے اور مقبروں سے گذر کر خود نبی اکرمؐ کے مزار کو بھی سلامت نہ چھوڑا۔ آپ کے مزار کی جواہر نگار چھت کو برباد کر دیا اور اس چادر کو اٹھا دیا جو آپ کی قبر مقدس پر پڑی رہتی تھی۔

نو برس تک سعد نے بہت زور شور سے مذہبی حکومت کی دن بدن عربوں میں ان کا اثر بڑھتا گیا اور فوج سال بسال زیادہ ہوتی گئی۔ جب ان کی قوت بڑھنے لگی تو سلطان ترکی کی بھی آنکھیں کھلیں اور اب انہیں اپنی سلطنت کا اندیشہ ہوا کہ کہیں اس پر سعد حملہ نہ کرے۔

علی پاشا ترکوں کی فوج لے کر سلطان کے حکم سے مکہ کی طرف بڑھا۔ دو تین خونریز میدانوں کے بعد مکہ اور مدینہ فتح کر لیا گیا سعد کی وفات کے بعد (۱۸۱۴ء) اس کا بیٹا عبداللہ اپنے باپ کی جگہ تخت خلافت پر بیٹھا اور اس نے پریشان فوج کو جمع کر کے ابراہیم پاشا افسر ترکی سے مقابلہ کیا۔ لڑتے لڑتے عین میدان جنگ میں گرفتار ہو گیا ابراہیم پاشا نے اسے قسطنطنیہ روانہ کر دیا۔ مسجد صوفیہ میں ۱۹ر دسمبر ۱۸۱۸ء کو اس کی

گردن اڑادی گئی۔

عبدالله کے بعد اس کا بیٹا ادھر ادھر ترکوں کے خوف سے بھاگا بھاگا پھرا آخر ریاض میں وہ بھی گرفتار ہو کر قتل کیا گیا اس کے بعد عبدالله کا پوتا فیصل اپنے باپ کی جگہ تخت خلافت پر ۱۸۳۰ء میں جلوہ افزا ہوا۔ اس نے وسطی عرب میں اپنے مذہبی اثر کو بہت سرگرمی سے پھیلایا اور ریاض کو جہاں اس کا باپ قتل ہوا تھا اپنا دارالخلافہ بنایا۔ وہ پہلا خلیفہ تھا جس نے ۱۸۶۳ء میں یورپین مسافر پیلگریو سے ملاقات کی اور سر لونیس پیلی لیفٹننٹ کرنیل "کا بطور وکیل ملکہ معظمہ استقبال کیا۔ سر لونیس کی ملاقات کے بعد ۱۸۸۶ء میں فیصل کا انتقال ہو گیا اور اب اس کی جگہ اس کا بیٹا عبدالله تخت نشین ہے۔

یہ دیکھ کر ناظر اندازہ کر سکتا ہے کہ اگر محمد بن عبدالوہاب کے بعد پے در پے اس کے بیٹے پوتے ایک سے ایک زیادہ نہ پیدا ہوتے رہتے تو کبھی کا ان کا نام و نشان تک مٹ جاتا برخلاف مولانا شہید کے نہ ان کے ساتھیوں میں ان کی زندگی میں نہ بعد ازاں کوئی ایسا سر دھرا تھا کہ سکھوں سے اپنے رہنما کا انتقام لیتا یا ان کے اصول مذہبی کو خوب پھیلانے کی کوشش کرتا مگر الحمدللہ کہ جو بیج مذہبی اصلاح کا مولانا اسمٰعیل صاحب بو گئے تھے وہ پھلا پھولا بڑا ہوا اور اس نے اپنی جڑیں لوگوں کے دلوں میں مضبوط پکڑ لی ہیں جو کبھی نہیں جا سکتیں اور جن کی نسبت ہمارا بزرگ قوم اپنی بیش بہا کتاب[۱] میں یہ لکھتا ہے۔

"سنی چرچ کے جگر میں سو برس گذشتہ سے ایمان اور عمل کی مطابقت نے بہت بڑا اثر کرنا شروع کیا ہے مذہب وہابیہ جس نے اپنی صورت صدی کے آغاز میں ظاہر کی اپنی روح رواں صحرا سے استنباط کرتا ہے۔ غیر مقلدی مذاہب کا چشمہ انسانی قلوب کے باطنی گوشوں سے ابلتا ہے اور مستحکم چرچ کی سخت اور درشت مخالفت سے اپنی حفاظت کی جگہ تلاش کرتا ہے۔ یہ سخت ناانصافی اور جہالت ہے کہ ہم ایک غیر مقلد کو وہابیوں کے حدود میں محدود کر دیں وہ اس وہابیہ دائرہ میں آنے سے آزاد ہے وہ بہ نسبت اپنے مخالفین کے آپ بہت بڑے فلسفیانہ اور عقلی اصول رکھتا رہے۔ اس میں شک نہیں کہ سنی چرچ کے جگر میں غیر مقلدی کی جو یہ تحریک ہوئی ہے اپنے ساتھ آیندہ خوش کن نتائج اور وعدے وعید کا مادہ مضمر رکھتی ہے۔"

مسٹر امیر علی جج کی آزادانہ رائے کی قدر وہی شخص کر سکتا ہے جسے آزادی اور انصاف سے کچھ حصہ ملا ہے۔ اگر ہم ذرا بھی توجہ کرینگے تو ہمیں کھل جائیگا جس شخص نے کئی کروڑ مسلمانوں کے جگر میں نئی تحریک پیدا کر دی اور اس کی وفات کے بعد کوئی اس کے مذہبی خیالات کی تائید کرنے والا نہ ہوا اس کے عالی رتبہ

[۱] اسپرٹ آف اسلام مصنفہ سید امیر علی جج ہائیکورٹ کلکتہ صفحہ ۵۵۱ - ۵۵۲

اور عالیشان درجہ کا اندازہ پورا نہیں ہو سکتا۔ اسکی نسبت ہمارا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ سات آٹھ سَو برس کی ہندوستانی اسلامی سلطنت کا اگر ہمیں یا خود اسلام کو کوئی نتیجہ حاصل ہوا تو صرف دہلی میں ابتدائے صدی میں شاہ اسمٰعیل کے پیدا ہونے سے اور سنی چرچ ہی نہیں بلکہ شیعہ چرچ کے جگر میں اصلاح کی غیر معمولی تحریک قایم کرنے سے ہی بہر پایا۔

اب میں مفصلہ ذیل یورپئینس کی کتابوں سے مولانا شہید اور سید صاحب اور محمدی (مذہب جسے غلطی سے وہابیہ مذہب سے پکارا گیا ہے اسکی نسبت کچھ طول طویل آمائے کا خلاصہ کرتا ہوں جو یقیناً بہت ہی دلچسپ ہوگا۔

(۱) برک ہرڈس بدوئنس اینڈ وہابیز (برک ہرڈس صاحب کا بیان بابت بدو اور وہابیوں کے)

(۲) برا نجیز بریف ہسٹری اف وہابیز (وہابیوں کی مختصر تاریخ مصنفہ براج)

(۳) سر لیوس پیلیس پولٹیکل مشن ٹو نجد (سر لیوس پیلیس کی پولٹیکل سفارت نجد میں)

(۴) ہنٹرس مسلمان آف انڈیا (مسلمانان ہند مصنفہ ہنٹر صاحب)

(۵) پیلگریوس سنٹرل اینڈ ایسٹرن عربیا (پیلگریو کی کتاب وسطی اور مشرقی عرب کے بیان میں)

(۶) لیڈی امنس بلنٹس پلگریج ٹو نجد (بیگم امنس بلنٹس کا سفر نجد)

(۷) ڈی آر بیڈجرس امام اینڈ سید آف اومان (ڈی آر بیڈجرس کی کتاب اومان کے سیدوں اور اماموں کے بیان میں)

(۸) بلنٹس فیوچر آف اسلام (بلنٹس صاحب کی کتاب اسلام کی آیندہ حالت میں)

مذکورہ بالا کتابوں میں سے جو بہت جوش وخروش سے انگریزی میں اناپ شناپ تصنیف کی گئی ہیں اور جن میں زیادہ تر مصنفوں نے اپنے خیالات کو درک دیا ہے اور خواہ مخواہ بیچارے محمدیوں کو خونناک صورت میں دکھایا ہے یہاں کچھ تذکرہ کیا جاتا ہے جس سے ہندوستان کے مسلمان واقف ہوں کہ ان کے دوست مسیحوں کا خیال ان کی نسبت کیا ہے (وھو ہذا)

اگرچہ وہابیوں کی جنگی اور ملکی قوت چکنا چور ہوگئی اور سعد کے خاندان کی حکمرانی کی حدود نجد میں محدود ہو کر رہ گئیں مگر پھر بھی جو اصول مذہبی محمد بن عبدالوہاب نے بتائے تھے اب تک مساجد میں نہایت مذہبی جوش میں بیان کئے جاتے ہیں اور ان پر خوب دھوم دھام سے وعظ ہوتے ہیں ان جوشیلے وعظوں کی گونجیں حدود نجد ہی میں مقید نہ رہیں بلکہ انہوں نے ہندوستان کے ایک بزرگ کی بے آرام روح میں مذہبی ولولے کی نئی روح پھونکدی جب یہ بزرگ مکہ شریف کے حج کو

آیا تو اس نے وہابیوں کے بڑے فاضل سے وہابی مذہب کی تعلیم حاصل کی اور محمد بن عبد الوہاب کے اسلامی اصول کو خوب مانجھا سید احمد رائے بریلی کے قزاق اور رہزن نے ۱۸۲۲ء حج بیت اللہ کرکے چاہا کہ شمالی ہند کو یک لخت اپنے اسلامی اصول منوادوں پیغمبر اسلام کے براہ راست سلسلہ اولاد میں ہونے سے برخلاف وہابیان نجد کے اس نے اپنے میں امیر المومنین بننے کی ضروری صفات ملاحظہ کیں مسلمانان ہند نے اسے سچا خلیفہ یا مہدی تسلیم کر لیا۔ انگریزی حکام کی لاعلمی میں وہ ہمارے صوبوں میں گشت لگاتا پھرا اور بے شمار لوگوں کو اپنا معتقد بنایا اس نے اپنے کارندے پٹنہ میں مقرر کئے اور پھر دہلی کی طرف رخ کیا یہاں خوش قسمتی سے ایک فاضل اجل محمد اسمٰعیل نامی اس کا مرید ہو گیا اور آخر میں اپنے پیر کا ایسا والہ وشیدا ہوا کہ اس نے نئے خلیفہ کے اصول مذہبی کی ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام "صراط المستقیم" ہے۔

۲۱ر دسمبر ۱۸۲۶ء کو اس نے سکھوں کے خلاف جہاد کا جھنڈا بلند کیا اور وسط ایشیا کو اپنے ساتھ ہم زبان کرنے کی کوشش کی حدود پشاور اور پشاور میں اس نے قیامت برپا کر دی اور رنجیت سنگھ پر رات کی نیند اور دن کا آرام حرام کر دیا۔ جہادی جنگیں چار برس تک ہوتی رہیں۔ جن میں سید احمد ہی کو متواتر کامیابی ہوتی رہی اب وہابیہ لشکر کی قوت اور بھی خوفناک ہو گئی تھی اور وہ ابھی اور بھی بڑھتی مگر اپنے سردار کے ایک عظیم الشان جنگ میں جو شیر سنگھ سے بالاکوٹ ہزارہ میں ہوئی تھی ماہ مئی ۱۸۳۱ء میں قتل ہونے سے رک گئی۔ ہزیمت یافتہ لشکر کا بقیہ حصہ حدود سے عبور کر کے ستیانا میں جا کر آباد ہو گیا۔ ۱۸۶۳ء کی جنگ میں برٹش گورنمنٹ نے ان کا بالکل فیصلہ کر دیا۔ پھر بھی کوئی تین سو کے قریب انڈس کے کناروں پر پلوسی میں آباد ہیں جن کا سردار مشہور ۱۸۵۷ء کا باغی شیخ عبد اللہ ہے جو ایک بہت ضعیف شخص ہے۔ جس نے حال میں اپنی لڑکی کی شادی سابق امام پشاوری سے کر دی ہے اس شادی کی وجہ یہ ہے کہ پلوسی کا وہابیہ اثر حدود پشاور پر بھی محیط ہو جائے ہنوز دیکھنے میں آتا ہے کہ وہابی مذہب کے لیڈروں کی غیر موجودگی سے گو جنگی قوت کا ڈھانچہ بالکل توڑ مروڑ ڈالا گیا ہے تاہم اس مذہب کا اثر ہندوستان اور نجد میں باقی ہے اور جو دن بدن بڑھتا جاتا ہے بہت دھوم دھام سے ہندوستان میں وہابی مذہب کی کتابیں طبع ہوتی ہیں اور انہیں اشاعت کیا جاتا ہے مثلاً تقویۃ الایمان اور صراط المستقیم کتابیں جنہوں نے ہندوستانی مسلمانوں پر اپنا زبردست اثر ڈال رکھا ہے۔

وہابی مذہب بالکل ہمارے مذہب پروٹسٹنٹ سے مشابہت رکھتا ہے اس کے عقلی اور

قابل تسلیم اصول پروٹسٹنٹ کے ہمپلّہ ہیں۔ یہ لوگ اپنا ایمان قرآن وحدیث پر رکھتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں احادیث نبویہ کے مطابق کرتے ہیں اس لحاظ سے اپنے کو اہلحدیث کے لقب سے ملقب کرتے اور جہاں تک ان سے ہوتا ہے حدیث کی درس وتدریس میں اپنے ذہن اور وقت سے مدد کرتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو اپنا ہمخیال بنانے کی سرگرمی رکھتے ہیں۔ وہابی اپنے کو موحد اور دوسرے مسلمانوں کو مشرک بتاتے ہیں اور ان کے اصول مفصلہ ذیل ہیں۔

(۱) وہ چار مذہبوں کے اماموں کا فیصلہ تسلیم نہیں کرتے ان کا قول ہے کہ کوئی شخص جو قرآن وحدیث کو پڑھ سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے اصول مذہب کے معاملات میں اپنا فیصلہ آپ کر سکتا ہے اس لئے وہ خلفائے راشدین کے بعد اجماع کو تسلیم نہیں کرتے۔

(۲) سوائے خدا کے آدمی کے دل کا بھید کوئی بھی نہیں جانتا نماز سوائے خدا کے نہ کسی پیغمبر نہ ولی نہ پیر شہید کی جائز ہے اور نہ کسی پیر شہید کے ذریعہ سے خدا کی جناب میں کسی ضرورت کو پیش کرنا روا ہے۔

(۳) قیامت کے دن محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) خداوند تعالیٰ سے اپنی امت کی شفاعت کرنے کی اجازت یا اذن چاہینگے مقلدوں کا مذہب ہے کہ اذن رسول خدا کو دیا جا چکا ہے۔

(۴) وہابی خلاف شریعت سمجھتے ہیں کہ کسی پیر شہید کے مزار پر روشنی کی جائے اُس کے آگے جھکا جائے یا اُسکا طواف کیا جائے حتیٰ کہ وہ یہ باتیں خود نبی عربی کے مزار کیلئے بھی جائز نہیں قرار دیتے۔

(۵) عورتوں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی کی قبر پر جائیں اور وہاں روئیں پیٹیں اپنے بال نوچیں اور اپنے کو نیم بسمل کریں۔

(۶) صرف چار تہوار قابل تسلیم ہیں۔ عید الفطر۔ عید اضحیٰ۔ عاشورہ۔ لیلۃ المبارک۔

(۷) مولود شریف کی تقریب کو فعل عبث جانتے ہیں جو اور مسلمانوں میں ہوا کرتا ہے۔

(۸) وہ کسی مزار پر کوئی نیاز نذر نہیں چڑھاتے نہ مراد حاصل ہونے کے لئے کلاوا باندھتے ہیں۔

(۹) وہ خدا کے ننانوے نام اپنی انگلیوں پر پڑھتے ہیں تسبیح کا استعمال نہیں کرتے۔

(۱۰) وہ خدا کا عرش پر قیام کرنا اور خدا کا ہاتھ ہونا جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے مجازی نہیں سمجھتے بلکہ حقیقی جانتے ہیں مگر ساتھ ہی اس کے یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ نہیں حکم لگا سکتے کہ اس کا بیٹھنا ہمارے بیٹھنے کے مساوی ہے یا اس کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کی طرح ہے یہ بھید اپنے وہ خود ہی خوب جانتا ہے۔ نقط "

یورو پنس کی اس تحریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ وہ کس قدر اپنے خیال میں دوسرے مذہب کی

چھان بین کرتے ہیں مگر پھر بھی بہت سی باتیں بالکل غلط بے تحقیق ہوتی ہیں۔ مولوی اسمٰعیل جو ہندوستان میں فرقہ موحد کا مبلغ ہے کبھی کسی نجدی شیخ سے نہیں ملے نہ انہوں نے ان کی کوئی کتاب دیکھی انہوں نے وہی تعلیم دی جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتی ہے محمد بن عبدالوہاب کی پیدائش سے پہلے محمدیت کی بنا ان کے خاندان میں پڑھ چکی تھی اور جو کچھ اس نے اور اس کے خاندان نے حاصل کیا وہ اپنے ہی باپ داداؤں سے۔ اسلامی دنیا میں ایک یہی خاندان ہے جسے غیر کے شاگرد بننے کا افتخار حاصل نہیں ہوا۔ یورنیس کا یہ لکھنا کہ محمد بن عبدالوہاب نے ہندوستان تک اپنے مذہبی اصول کے خیالات پھیلائے محض لغو اور بے سروپا بات ہے۔

جس بُرے پیرایہ میں محمدیوں کو جنہیں سخت غلطی سے وہابی کہا ہے انگریز مصنفوں نے گورنمنٹ کو دکھایا ہے سخت حقارت انگیز کارروائی ہے۔ گورنمنٹ خود جانتی ہے کہ اس کی سلطنت کی برکتوں کو فرقہ اہلحدیث نے کس قدر تسلیم کیا ہے اور اس کے کیسے فرمانبردار مطیع اس گروہ کے لوگ ہیں ان پر کیا ہندوستان کے کل مسلمان اپنی گورنمنٹ کا ساتھ دیتے ہیں اور کبھی ان کارروائیوں میں شریک نہیں ہوتے جو گورنمنٹ کے خلاف سمجھی جاتی ہیں ہنٹر صاحب نے خصوصاً جو کچھ لکھا ہے اس کا بہت سا حصہ غلط اور خیالی ہے اگر وہ کچھ بھی اپنے غصہ کا جسمیں کسی قدر خوف بھی ملا ہوا تھا ضبط کرتے تو کبھی ایسی بے سروپا اور پا در ہوا باتوں کے بنانے کا ان کو موقع نہ ملتا۔

چودہواں باب

شریعت

لفظ شریعت جس کے سیدھے معنے راستہ کے ہیں ان ہی معنوں میں ایک جگہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ اسلامی علم الٰہی کی کتابوں کو بھی شریعت کہتے ہیں اور کتاب کے معنوں میں لفظ شریعت کا استعمال کلام اللہ میں بھی ہوا ہے جہاں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے: "ہر ایک کو ہم نے شریعت دی ہے۔"

احادیث اور علم الٰہی کی کتابوں میں لفظ الشرع عام طور پر قانون محمدی کے اظہار کے لئے مستعمل ہوتا ہے قرآن مجید میں اسی لفظ کے ہم معنے تورات کا عبرانی لفظ آیا ہے جس کے معنے قانون موسوی کے ہیں یا جو قانون حضرت موسےٰ کے لئے کیا جاتا ہے۔ ں ہوتا ہے علمائے اسلام کے نزدیک الشرع یا قانون کے پانچ حصے ہیں (۱) اعتقادات (۲) آداب (۳) عبادات (۴) معاملات (۵) عقوبات۔

(۱) اعتقادات میں وہ چھ باتیں شامل ہیں جن پر دین اسلام قایم ہے یعنی (۱) خدا میں یقین (ب) اس کے

فرشتوں میں یقین (ت) اس کی کتابوں میں (ث) اس کے انبیا علیہم السلام پر (ج) قیامت کے دن پر (ح) تقدیر خدا پر اسلامی قانون میں اسے علم العقائد سے تعبیر کرتے ہیں اس میں تمام تفسیری علم الٰہی کی شاخیں شامل ہیں خاص اس مضمون پر موجودہ زمانہ میں جو کتابیں زیادہ مشہور اور مروج ہیں۔ یہ ہیں:۔
شرح المواقف مصنفہ سید شریف الدین جرجانی۔ شرح العقائد مصنفہ مسعود سعدالدین تفتازانی۔ وغیرہ

(۲) آداب میں تمام وہ تمدنی اور اخلاقی عمدگیاں شامل ہیں جن کا شاہد خود قرآن مجید اور احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے کہ اخلاص۔ توکل۔ تواضع۔ تفویض۔ قصر الاعمال۔ زہد فی الدنیا۔ نصیحتہ قناعۃ۔ حب۔ صبر۔ دیکھو مجمع البحار جلد ۲ صفحہ ۲۲۴۔

(۳) عبادات اسمیں تمام وہ عبادتیں اور دعائیں شامل ہیں جو باری تعالےٰ سے تعلق رکھتی ہیں اور جن کے پانچ ارکان ہیں (۱) تلقین مذہب (ب) نماز (ت) زکوٰۃ (ث) صوم (ج) حج۔

(۴) معاملات میں وہ فرائض شامل ہیں جو باہمی ایک آدمی پر دوسرے آدمی کے ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں۔ مخاصمات۔ امانات ان ہی حصول میں کل معاملات دنیوی بھگتائے جاتے ہیں مثلاً تبادلہ۔ خرید و فروخت الکفیبی اشتراک۔ سرقہ۔ شادی۔ طلاق۔ قہر۔ دعوے وغیرہ۔

(۵) عقوبات میں وہ سزائیں شامل ہیں جو قرآن و حدیث کے موافق مجرموں کو دی جاتی ہیں۔ مثلاً قصاص حد السرقہ۔ حد الزنا۔ حد القذف۔ حد الشرب۔ ان دو موخر الذکر حدوں میں اسی دروں کی سزا دیجاتی ہے۔

اسلامی شریعت کے دو عام حصے یہ ہیں۔ علم الکلام اور علم الفقہ۔

اسلامی شریعت اور بھی دو بڑے بڑے حصوں میں منقسم ہے۔ ایک مشروع اور دوسرا غیر المشروع جسے فارسی میں روا اور ناروا سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

مشروع کی بھی پھر پانچ قسمیں ہیں (۱) فرض جو احکام قرآن و حدیث میں ہیں انہیں بلا استکراہ اور بلا اشتباہ قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کا نام فرض ہے اگر ان میں خفیف سا شبہ بھی ہو تو انسان دائرہ کفر میں آجاتا ہے (۲) واجب جو ضروری باتیں ہیں مگر یہ مشتبہ امر ہے آیا قرآن وحدیث میں انکی تاکید کی گئی ہے یا نہیں (۳) سنت وہ اعمال ہیں جن کی مزاولت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رہتی تھی (۴) مستحب وہ اعمال ہیں جو نبی ہاشمی اور آپ کے صحابہ نے کبھی کئے اور کبھی نہیں کئے (۵) مباح جن پر عمل کرنا سزاوار ہے اگر نہ عمل کیا جائے تو کوئی گناہ نہیں ہے وہ باتیں جو غیر المشروع ہیں انکی بھی تین قسمیں ہیں (۱) مفسد جو اعمال نہایت زبون زہریلے اور قاتل ہیں (۲) حرام وہ عمال جنہیں شد و مد سے روکا گیا ہے (۳) مکروہ وہ اعمال ہیں جو عام طور پر ناپاک سمجھے گئے ہیں۔

مشروع اور غیر المشروع کے فرق مع ان کے تمام حصوں کے اسلامی شریعت کے ساتھ چسپاں ہوتے ہیں چاہے ان میں انسانی معمولی زندگی کے فرائض کا ذکر ہو چاہے خدا کی عبادت کا بیان ہو۔

اخلاقی اور تمدنی قوانین میں یہ دلچسپی سے دیکھا جائیگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک مقولوں اور اعمال کی تین قسمیں ہیں جو زیادہ توجہ مبذول کرنے کے قابل ہیں۔

(۱) سنت الفعلی وہ کام جو نبی اکرمؐ نے خود کئے۔

(۲) سنت القولی۔ وہ باتیں جن کی تاکید نبی اکرمؐ نے اپنی امت سے کی کہ اُن پر عمل کرنا۔

(۳) سنت التقریری۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کیا گیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی پروانگی آپ نے دیدی میرے خیال میں ان تمام باتوں اور ہدایتوں کا تعلق ترقی و تمدن اور اخلاق کے لئے ہے کیونکہ قرآن میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ ہم نے آج تیرے (محمد کے) دین کی تکمیل کردی اور تجھ پر اپنی نعمتوں کو تمام کر چکے اصل دین جس سے غرض ہے وہ صرف قرآن حدیث سے حاصل ہو سکتا ہے جو باتیں اسمیں بیان کیگئی ہیں سب عام فہم اور ہر متنفس کے سمجھنے کے لایق ہیں ہاں صرف یہ قرآن کا بہت بڑا معجزہ ہے کہ کیسا ہی فاضل اجل قرآن پڑھیگا اس سے نئی نئی باریکیاں پیدا ہوتی جائینگی۔ اور وہ وہ ربانی نکات حل کریگا کہ جو دوسرے کے کبھی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ غرض قرآن مجید پڑھ کر جو لذت کہ ایک جاہل کو حاصل ہو سکتی ہے وہی ایک بہت بڑے فاضل کو مل سکتی ہے۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ ان تمام باتوں کا سرچشمہ قرآن و حدیث ہے جس نے احادیث نبویہ کو زیادہ وقعت کی نظر سے نہ دیکھا اس نے گویا نبی اکرمؐ کی جناب میں بے ادبی کی۔ خدا اور نبی کے اقوال کے آگے تمام جہاں کے فضلا کے اقوال اتنی وقعت بھی نہیں رکھتے جتنی کوہ ہمالیہ کے آگے اپنی جسامت کے لحاظ سے ایک چیونٹی رکھتی ہے اس لئے فرض اور سنت کا ترک کرنے والا گنہگاری سے نہیں بچ سکتا۔

قرآن و حدیث کے ساتھ اجماع بھی شریک کیا جاتا ہے۔ اسمیں مسلمان باہم مختلف ہیں مقلدین کا تو یہ مذہب ہے کہ چار مجتہدوں (مثلاً امام ابو حنیفہ۔ امام مالک۔ شافعی حنبل) سے اجماع شروع ہوا اور انہی پر ختم ہو چکا۔ اسکے مقابل میں اہلحدیث کا یہ مذہب ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد اجماع کبھی نہیں ہو سکتا۔

میرا یہ خیال ہے کہ باہمی غلط فہمی صرف تاریخ سے لاعلمی کی وجہ ہے۔ یہ سخت خیرہ چشمی اور اسلام کے ساتھ ناروا سوء ادبی ہے کہ ہم اس کا علمی جلال جس نے یورپ کی سترہ صدی تک آنکھیں منور کیں صرف چار نفوس میں محدود کریں۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

اگر ہم اسلامی دنیا کی تاریخ علماء دیکھیں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ائمہ موصوفین سے کہیں زیادہ فاضل

اور عالم ہر صدی میں ہوئے اور کسی نہ کسی اسلامی دار العلوم کے پروفیسر رہ چکے ہیں ان کی کیفیت ہماری کتاب المحمد کی دوسری جلد میں مل سکتی ہے۔ اہلحدیث کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پر تنویر سے اپنی آنکھیں منور نہیں کیں وہ کبھی اس قابل نہیں ہے کہ اجماع کی مسند پہ جلوی افزا ہو۔

اجماع کی تین بنیادیں ہیں (۱) اتفاق قولی (۲) اتفاق فعلی (۳) اتفاق سکوتی۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ایسے معاملات میں جن کا تعلق کچھ بھی مذہب سے ہے صحابہؓ راشدین ہی کا اجماع قابل تسلیم ہو سکتا ہے اور تمام استنباطی دینی یا تمدنی مسائل میں ہر پڑھا لکھا شخص مجتہد وقت ہے چنانچہ میں مولوی اسمٰعیل کو مجتہد وقت لکھتا ہوں جس کا ثبوت کسی آیندہ باب میں تفصیل کے ساتھ کیا جائیگا۔ انشاء اللہ۔

یہ دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے کہ مجتہدوں میں ہمیشہ سے اختلاف رہا ہے اور وہ اختلافات کچھ تو قیاسات کی وجہ سے ہے اور کچھ حدیثوں کا اختلاف سے پہنچنا اس کا سبب ہوا ہے۔ دو چار دس پانچ میں نہیں بلکہ صدہا مجتہدوں میں باہم اختلاف ہے ایسی حالت میں ہر شخص یہ حکم لگا سکتا ہے ایک صحیح اور دوسرا خطا پر ہو گا۔ پھر میں حیران ہوں کہ ان بدیہی اور روشن باتوں اور شہادتوں پر بھی ایک ہی مجتہد پر قناعت کرنی یا چار مجتہدوں کے علاوہ اور مجتہدوں کا قول قابل تسلیم نہ سمجھنا کتنا ظلم اور بے انصافی ہے۔

وہ خاص خاص قیمتی کتابیں جن پر مقلدین کا دار و مدار ہے مفصلہ ذیل ہیں۔ "جامع المذاہب"، "مجمع الخلافیات"۔ "نہایۃ الاحکام"، عیون۔ زبدۃ الاحکام۔ کنز الدقائق جو ایک بڑی مشہور و معروف کتاب ہے خصوصیت سے اس کے بہت سے مسائل واقعات سے استنباط کئے ہیں۔ اسمیں امام اعظم ابو حنیفہ ابو یوسف۔ امام محمد۔ شافعی۔ مالک وغیرہ کے اصول مذہب کے مطابق سوالات اور فیصلے کئے گئے ہیں بہت سی شرحیں موخر الذکر کتاب پر لکھی گئی ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں بحر الرائق مصنفہ زین العابدین المصری دالمتوفی ۹۷۰ھ دوسری ملتقی الابحار مصنفہ شیخ ابراہیم بن محمد جس کی وفات ۹۵۶ھ میں ہوئی یہ اسلامی قانون کا عالمگیر مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر چاروں بڑے مجتہدوں کے اختلافی مسائل بیان ہوئے ہیں ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ جھگڑے ان تمدنی معاملات میں ہیں جن پر پڑھا لکھا آدمی بحث کر سکتا ہے اور رد و قدح کرنے کا مجاز ہے۔ بہ نسبت اور فقہ کی کتابوں کے سلطنت ترکی میں یہ کتاب زیادہ مستند مانی جاتی ہے اس لئے کہ اس کے احکام زیادہ تر وہاں کی آب و ہوا کے موافق ہونگے۔ فقہ کی بیشمار کتابیں ہیں جنمیں سے اکثر کا نام ہندوستان کے علماء کے کانوں تک نہ پہنچا ہوگا وہ کتابیں جو چار مجتہدوں کے مذہبی اصول پر لکھی گئی ہیں بیشمار ہیں اگرچہ ان میں سے چند کتابیں جن میں مالکی، شافعی، حنبلی اصول کی

توضیح اور بیان ہے ہندوستان میں رائج ہیں۔ وہ کتابیں جو امام مالک نے لکھی ہیں۔ ہندوستان میں ڈھونڈے سے بھی ان کا پتہ نہیں لگتا۔

امام مالک کی فقہ کی دو کتابیں بہت دن ہوئے فرانس میں ملی تھیں۔ ایک کتاب بڑی عرقریزی سے ایم ونسنٹ نے ۱۸۴۲ء میں حاصل کی تھی اور دوسری کتاب ایم پیرن کے ۱۸۴۳ء میں ہاتھ لگی تھی۔

مذہب شافعی کی پہلی کتاب اصول نامی جس میں اسلامی عقائد اور ملکی آئین کے متعلقہ قوانین ہیں۔ ایک مستند کتاب سمجھی جاسکتی ہے۔ اور "منصور مختصر رسائل المعتبرہ کتاب الوثائق" یہ کل کتابیں شافعی فقہ میں ہیں ان کا فاضل مصنف ابوابراہیم بن یحییٰ باشندہ مصر تھا متوفی ۲۶۴ھ اور ابن حنبل اور آپ کے مقلدوں کی مصنفہ کتابیں بہت کم تعداد کی ہیں اور نادر الوجود ہیں۔

امام ابوحنیفہ صاحب کے مقلد جن کی تعداد ہندوستان میں سب سے زیادہ ہے دوسرے مذاہب کی طرح اپنے منضبط قوانین کو دو حصوں یا دو شاخوں میں تقسیم کرتے ہیں یعنی فقہ اور فرائض میں۔

وہ کتابیں جو فقہ حنفی پر تحریر ہوئی ہیں اور حنفی مذہب میں زیادہ مستند مانی جاتی ہیں مفصلہ ذیل ہیں۔

پہلی کتاب امام ابوحنیفہ کی خود تصنیف سے بیان کی جاتی ہے جس کا نام "فقہ الاکبر"[1] ہے اس کتاب پر متعدد شرحیں لکھی گئیں اور مختلف مصنفوں نے اس پر اپنا زور قلم دکھایا ہے جن میں سے اکثر مصنفوں کا ذکر حاجی خلیفہ نے کیا ہے اس عظیم الشان تعلق قوانین کے اصول اس کے مشہور و معروف شاگرد ابویوسف اور امام محمد کے ذریعہ سے بہت کچھ معلوم ہوئے ہیں۔ "اداب القاضی" نامی کتاب جس میں مجسٹریٹ کے فرائض سے بحث کی گئی ہے مشہور ہے کہ ابویوسف نے اس کتاب کو تصنیف کیا ہے۔ سوائے اس کتاب کے ابویوسف کی اور کسی کتاب کا پتہ نہیں لگتا غالباً انہوں نے اس کے علاوہ اور کوئی کتاب نہیں تصنیف کی۔ ہاں یہ بیان کیا جاتا ہے۔ امام محمد نے چھ کتابیں تحریر کی ہیں جن میں پانچ عام طور پر اشاعت پذیر ہیں اور جنہیں "ظاہر الروایات" کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) جامع الکبیر (۲) جامع الصغیر (۳) مبسوط۔ (۴) زیادات فی فروع الحنیفہ (۵) سیر الکبیر والصغیر (۶) نوادر امام محمد کی چھٹی کتاب اگرچہ اس وقعت کی نظر سے نہیں دیکھی جاتی جیسے اور پانچ مذکور الصدر کتابیں پھر بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ اسے بڑے بڑے علما نے مستند تسلیم کیا ہے اور نفس کتاب کی عمدگی میں بھی کوئی شک نہیں۔

جب مذہب حنفی کی بنیاد پڑ چکی تو حضرت امام اعظم کے دو واجب الاحترام شاگردوں کے بعد اور بھی دو فضلا کا ظہور ہوا جنہیں اپنے وقت کا مجتہد کہنا چاہیئے۔ اول امام زفر جو بصرہ کے قاضی القضاۃ

[1] محقق یہ ہے کہ امام ممدوح کی نہیں (سیرۃ النعمان)

تھے اور جن کی وفات ۱۸۹ھ میں اسی شہر میں ہوگئی اور دوم حسن بن زیاد تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ دو نو فضلا امام اعظم صاحب کے ہمعصر تھے ان کی قیمتی تصانیف کی ان مسائل میں جنمیں صاحبین بھی خاموش ہیں سند دی جاتی ہے اور ان کے مضامین بطور اعتبار کے کوٹ کئے جاتے ہیں۔

ان مشہور کتابوں میں سے جو "آداب القاضی" کے نام سے لکھی گئی ہیں اور سب سے زیادہ معتبر اور مشہور ابو بکر احمد بن عمر متوفی ۲۶۱ھ) کی کتاب "آداب القاضی" ہے۔ حنفیہ اصول کا اختصار جس کتاب میں نہایت عمدہ طور سے ہؤا ہے اس کا نام "مختصر الطحاوی" ہے ۳۳۱ھ میں اس کتاب کو ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی نے لکھا تھا اور اسی فاضل امام نے امام محمد کی کتاب "جامع الصغیر" پر بھی ایک نفیس شرح لکھی ہے۔

جس نے ان تصانیف کو دیکھا ہے وہ بیان کر سکتا ہے کہ گمان مذکور الصدر مصنفوں نے امام اعظم صاحب کے اصول کو نباہا ہے اور بہت شدومد سے ان کی تائید کی مگر جہاں اجتہاد میں خطا دیکھی ہے کھلم کھلا اپنی رائے دینے میں دلیری کی ہے اور کہیں یہ نقشہ نہیں دیکھا کہ تقلید کی ہیبت ناک رسی اپنے گلے میں ڈال کر خاموش ہو رہے ہوں اور ایسے مسائل پر جن میں صریح طور پر خطا کا احتمال ہو سکتا ہے یا غلطی پائی جاتی ہے۔ دیدہ و دانستہ وہاں سکوت اختیار کر کے حق سے چشم پوشی کی ہو۔ جیسا کہ اس زمانہ میں ہمارے معزز احناف کا قاعدہ ہے کہ وہ ضرور ہی حق سے چشم پوشی کرتے ہیں اور یہی پولیسی ان کی مایۂ افتخار ہے۔ "مختصر القدوری" مصنفہ ابوالحسن احمد بن القدوری متوفی ۴۲۸ھ) ایک اور بھی حنفیہ فقہ کی لاجواب اور قیمتی کتاب ہے جس کی اب اعلےٰ درجہ کی عزت کی جاتی ہے۔ اس کتاب پر ایک بہت قیمتی شرح بھی لکھی ہے جسے الجواہر المنیرہ کہتے ہیں۔ ایک اور مشہور کتاب "بلسوط" ہے جسے شمس الائمہ ابو بکر محمد نے قید خانہ میں تالیف کی ہے حنفیہ مذہب میں یہ کتاب بھی مستند مانی جاتی ہے۔ مصنف موصوف اور بھی ایک مشہور کتاب کا مصنف تھا جو "المحیط" کے نام سے مشہور ہے۔ اس قیمتی کتاب میں بہت سے مضامین "مبسوط"۔ "زیادات" اور امام محمد کی "نوادر" سے لئے گئے ہیں۔ اسی نام کی ایک کتاب برہان الدین بن احمد نے لکھی ہے مگر وہ مقدم الذکر "محیط" سے زیادہ وقعت اور تعظیم کی نگاہوں سے نہیں دیکھی جاتی القدوری مختصر کا خلاصہ جس کا نام "تحفۃ الفقہ" ہے ایک عجیب کتاب ہے جس کا مصنف شیخ علاؤالدین محمد سمرقندی ہے اور پھر بعد ازاں اسی کتاب کی علاؤالدین کے شاگرد ابو بکر بن مسعود نے شرح لکھی۔

ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جو حکیمانہ اور علم الٰہی کے مضامین پر تحریر ہوئی ہیں۔ جن کا نام "ہدایہ فی الفروع" یا امام ابو حنیفہ اور آپ کے شاگرد ابو یوسف اور امام محمد کے اصول فقہی کیطرف

رہنمائی کرنے والا اس کتاب کا مصنف شیخ برہان الدین علی ہے متوفی در ۵۹۳ھ) جس کی شہرت اور علمی ناموری نے اس کے ہمعصروں سے اسے ممتاز بنا دیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا فقیہ مشہور تھا۔ "ہدایہ" دراصل "بدایہ المبتدی" کی شرح ہے جو حنفی مذہب کی جان ہے۔ ہدایہ کی نسبت حاجی خلیفہ یہ لکھتا ہے۔

"ہدایہ نے اپنی سابق کی فقہی کتابوں کو اس طرح منسوخ کر دیا۔ جسطرح قرآن نے نازل ہوکر گذشتہ انبیاء کی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہر شخص کا فرض ہے کہ اس کے فقہی قواعد کو یاد کرے کیونکہ زندگی میں یہی قواعد اس کی رہنمائی کرینگے"

ہدایہ کی کفایہ کے علاوہ اور بہت سی شرحیں ہیں۔ جو ایسی نامور کتاب کے شایاں تھیں۔ جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں۔ عنایہ۔ نہایہ۔ فتح الکبیر

عنایہ۔ نہایہ۔ ہدایہ کی دو شرحوں کا نام رکھا گیا ہے ایک پہلی شرح کا مصنف شیخ کمال الدین محمد بن محمود ہوا ہے جس کی وفات ۷۸۶ھ میں ہوئی یہ شرح نہایت فائدہ مند اور قابل مدح ہے۔ اس شرح میں ان کتابوں اور ان اشاروں کی تشریح کی ہے جو ہدایہ میں آئے ہیں اور ان اسرار کو کھولا ہے جنہیں ہدایہ والا مضمر رکھ گیا ہے۔ ہر فقرہ اور جملہ کی اس عمدگی سے توضیح ہے کہ شارح کی خود بخود تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اصل میں عنایہ بجائے خود ایک کتاب ہے جسمیں اکثر ہدایہ کے مسائل کی تفصیل بیان کیگئی ہے۔

شرح نہایہ حسام الدین حسین بن علی کی تصنیف سے ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ برہان الدین کا شاگرد تھا۔ یہ پہلی شرح ہے جو ہدایہ پر لکھی ہے اس میں قانون وراثت بھی شامل ہے جو صرف فقہ سکھاتی ہے۔ شرح کفایہ امام الدین امیر کاتب بن امیر عمر کی تصنیف سے ہے جو اس شرح سے پہلے ایک اور کتاب "غایۃ البیان" لکھ چکا تھا ان دونو کتابوں سے مصنف کی شان معلوم ہوتی ہے ۷۴۷ھ میں کفایہ کی تکمیل ہوئی۔ "فتح الکبیر للعاجز الفقیر" مصنفہ کمال الدین محمد جسے عام طور پر ابن ہمام کہتے ہیں اور جس کی وفات ۸۶۱ھ میں ہوئی ایک بےنظیر شرح ہدایہ کی ہے اور جسے کل شرحوں میں دلہن کہنا زیبا ہے اسمیں ایک مجموعہ فیصلجات کا بھی شامل ہے جس نے اور بھی اسے سب سے زیادہ فائدہ مند ثابت کیا ہے

ہدایہ کی بہت چھوٹی شرح فوائد نامی حمید الدین علی بخاری کی تصنیف سے ہے جس کی وفات ۶۶۷ھ میں ہوئی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پہلی شرح ہے جو ہدایہ پر لکھی گئی ہے۔

شرح وافی مصنفہ ابوالبرکات عبدالدین احمد جسے عام طور پر حافظ الدین نسفی کہتے ہیں ایک مستند کتاب ہے اور کافی جو وافی کی شرح ہے وہ بھی ایک قابل دید کتاب ہے نسفی کا ۷۱۰ھ میں انتقال ہوا تھا۔

الوقایہ جو ساتویں صدی کی تصنیف ہے ایک اصولی کتاب ہے جو طالب علم کو اس قابل بنا دیتی ہے

کہ وہ ہدایہ کے مطالب پر پورا عبور حاصل کرے اس کا فاضل مصنف برہان الشریعت محمود ہے جس کی لاثانی قابلیت از خود ناظر کی نگاہ میں اس کی اعلےٰ درجہ کی وقعت قایم کرتی ہے۔ وقایہ کی بہت کثرت سے اس کی شرح شرح الوقایہ کے ساتھ تعلیم ہوتی ہے اور عام طور پر پڑھا جاتا ہے۔ شرح الوقایہ کا مصنف جلید الدین مسعود تھا۔ جس کا ۱۳۴۷ھ انتقال ہوا۔ شرح وقایہ میں وقایہ کا متن ایک بحر طویلی توضیح اور تفصیلی بیان کے ساتھ شامل ہے اس درجہ پر اسکی عمدگی مانی گئی ہے کہ فقہی مدارس میں شرح وقایہ کے وہ باب جن میں نکاح۔ مہر۔ طلاق کا بیان ہے خود ہدایہ سے بھی افضل شمار کر کے پڑھائے جاتے ہیں وقایہ کی اور بھی بہت سی شرحیں ہیں مگر وہ ایسی مفید نہیں ہیں۔ جیسے مذکور الصدر شرح۔ "شرح الوقایہ" پر بھی ایک شرح لکھی ہوئی ہے جسے چلپی کے نام سے پکارتے ہیں یہ ایک عمدہ اور فائدہ مند شرح ہے اس کا مصنف ابی یوسف بن جنید ہوا ہے۔ جو قسطنطنیہ کے آٹھ پروفیسروں میں سے تھا۔ یہ کتاب ۱۸۰۹ھ میں طبع ہوئی تھی اس کے بعد پھر اس کے خلاصی مختلف مطابع میں شائع ہوگئے۔

شرح الوقایہ کے مصنف کی دوسری کتاب نقایہ ہے۔ یہ بھی ایک اصولی کتاب ہے بعض وقت اسے مختصر الوقایہ بھی کہتے ہیں۔ اصل میں یہ نام اس کتاب کے لئے موزوں بھی ہے کیونکہ اس میں صرف شرح وقایہ کا خلاصہ درج کیا ہے۔ نقایہ پر تین شرحیں بہت نایاب اور اعلےٰ درجہ کی لکھی گئی ہیں گو اور بہت سی ہیں مگر یہی تین زیادہ مشہور ہیں جن کے فاضل مصنف مفصلہ ذیل ہیں:۔ ابو المکارم بن عبد اللہ متوفی (۱۴۸۶ھ) دوسرے ابو علی بن محمد البرجندی (۹۳۵ھ) تیسرے شمس الدین محمد الخراسانی الکوہستانی ۹۴۱ھ

آخری شرح کا نام "جامع الرموز" ہے جو بالکل کامل اور صاف ہے اور جسے ہم فقہ کی فائدہ مند کتاب کہہ سکتے ہیں۔ "الاشباہ والنظائر"۔ ایک مشہور و معروف اصولی کتاب ہے اس کی تدوین زین الدین مصنف بحر الرائق نے جس کا ذکر بھی ہو چکا ہے کی تھی۔ حاجی خلیفہ اس کتاب کی بہت تعریف کرتا ہے اور کتنے ہی ضمیموں کا نام گناتا ہے جو وقتاً فوقتاً لکھے گئے اور اس میں شامل ہوتے گئے۔ وہ شرحیں جو اس کتاب پر لکھی گئی ہیں ذیل میں درج ہیں۔ "نور الانوار فی الشرح المنار" مصنفہ شیخ جیون ابن ابو سعید بکی ۱۸۱۹ء میں کلکتہ میں طبع ہوئی اور عام طور پر مستند مانی جاتی ہے۔ دوسری شرح اصول الشاشی ہے جسے ایک تفصیلی یا توضیحی شرح کہنا چاہئے ۱۸۴۷ء دہلی میں یہ کتاب طبع ہوئی تھی۔

تنویر الابصار، مصنفہ شیخ شمس الدین محمد بن عبد اللہ الغازی (۹۹۵ھ) ایک مفید اور مشہور کتاب فقہ حنفی کی ہے۔ اس نایاب کتاب کی بھی بیشمار شرحیں ہیں۔ جن میں سے ایک شرح کا نام منہل الغفار ہے

جو خود مصنف کتاب کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ بھی ایک عمدہ اور قابل تعریف کتاب ہے۔

در المختار جو دوسری شرح تنویر الابصار کی ہے نہایت ہی مشہور کتاب ہے محمد علاؤ الدین بن شیخ علی نے ۱۰۷۱ھ میں اس کتاب کو لکھا تھا گویوں یہ ایک شرح ہے ولیکن بجائے خود یہ ایک مستقل کتاب ہے اور جس پر خود کئی شرحیں تحریر ہو چکی ہیں در المختار میں نہ صرف فقہ ہی کا بیان ہے بلکہ اس میں فرائض سے بھی بحث کی ہے جہاں ابو حنیفہ صاحب کے مقلدین آباد ہیں اس کتاب کی اشاعت ہو رہی ہے اور عرب میں تو کچھ کہنا ہی نہیں جہاں اس کی حد سے زیادہ عزت کی جاتی ہے اور بہ نسبت اور فقہ کی کتابوں کے اکثر مواقع پر اسی کے حوالے دیئے جاتے ہیں جتنی کتابیں ہم نے اوپر بیان کیں ان کا رواج زیادہ تر ہندوستان میں ہے گو اور ممالک مثل عراق عرب اور عراق عجم میں بھی درس تدریس میں پائی جاتی ہیں یسلطنت ترکی میں ان کے علاوہ فقہ حنفی کی جو کتابیں رائج ہیں اور جن سے کم و بیش ہمارے ہندوستانی علما، اور ہمارے واجب الاحترام احناف خصوصاً ناواقف ہوں گے۔ انکو میں مفصل بیان کرتا ہوں تاکہ فقہ حنفی پر آزادانہ اور منصفانہ ریمارک کرنے کا مجھے موقع ملے۔ اور ہمارے بھائی مسلمان بھی صرف ان سے مطلب ہے جو نہیں جانتے) ان سے پوری واقفیت حاصل کرلیں سب سے زیادہ مشہور کتابیں فقہ حنفی کی جو سلطنت ترکی میں بطور ایک سند کے مانی جاتی ہیں یہ ہیں۔

ملتقی الابحار مصنفہ شیخ ابراہیم بن محمد حلبی دوم درالحکام مصنفہ ملا خسرو۔ سوم قانون نامہ جزایہ تین کتابیں جن کا عملدرآمد ترکی سلطنت میں ہوتا ہے ناظر کو تعجب ہوگا کہ امام اعظم کا ایک ہی مذہب ہے قریب قریب اصول فقہی بھی ایک پھر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان میں اور کتاب رائج ہو اور ترکی ایشیا میں دوسری کتاب اور ترکی یورپ میں تیسری نوعیت کی کتاب مگر جب وہ بغور دیکھیگا اُسے معلوم ہو جائیگا کہ فقہ دراصل دیوانی فوجداری اور زیادہ تر تمدنی امور کے قواعد منضبطہ کو کہتے ہیں جو بمقتضائے آب و ہوا اور طبائع کے تدوین کئے جاتے ہیں۔ اور جب ان کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے پھر ان کی جگہ دوسرے قواعد منضبط کرنے یا نئے فقہ کے تدوین کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ مختلف ممالک میں فقہ حنفی کی مختلف کتابیں رائج ہیں اور ان میں اور کتابوں سے جو ہندوستان میں پڑھی جاتی ہیں بہت سے مسائل میں اختلاف ہے۔

وہ کتابیں جو وراثت کے معاملہ میں اصول حنفی کے موافق لکھی گئی ہیں ان میں سے سب سے زیادہ مشہور اور ہندوستان میں سب سے زیادہ رائج سراجیہ ہے جسے "فرائض سجاوندی" بھی کہتے ہیں اس کا ناضل مصنف سراج الدین محمد بن عبد الرشید سجاوندی ہوا ہے۔ مختلف مصنفوں نے اس کتاب کی شرح لکھی ہے۔ چالیس نام تو کشف الظنون والے نے بھی گنوائے ہیں مگر سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ کارآمد شرحوں

میں شرح شریف ہے جسے سید شریف علی بن محمد جرجانی نے تصنیف کیا تھا جس کی وفات ۸۱۶ھ میں ہوئی۔

دوسری نوعیت کی بھی کتابیں ہیں جن میں علم الفتاوی سے بحث کی گئی ہے اس علم کی کتابیں بھی بے شمار ہیں اور ان کا بہت سا حصہ فتاوی ہی کے نام سے مشہور ہے گو فتاوی کے نام کے ساتھ انہیں خصوصیت ہے پھر بھی فقہی قواعد فیصلجات کے ساتھ انہیں خوب شرح و بسط سے منضبط کئے گئے ہیں ان میں سے بعض صرف فقہ ہی کی تعلیم کرتے ہیں اور بعض فرائض وراثت کے قواعد سکھاتے ہیں۔ بعض میں خاص خاص فقیہوں کے خاص خاص فتوے مندرج پائے جاتے ہیں بعض میں مختلف مذہب کے اصول پر خوب شرح و بسط سے بحث کی گئی ہے اور بعض میں خاص خاص فقیہوں کی رائے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ حنفی فتاوی جو ہندوستان میں عام طور پر رائج ہیں مفصلہ ذیل ہیں۔

"خلاصۃ الفتاوی" مصنف امام افتخار الدین طاہر بن احمد البخاری جس کی وفات ۵۴۲ھ میں ہوئی یہ مستند فتاووں کا خلاصہ ہے۔

"ذخیرۃ الفتاوی" اسی کو بعض اوقات ذخیرۃ البرہانیہ کہتے ہیں۔ مصنفہ برہان الدین بخاری مصنف محیط البرہانی" یہ بھی ایک مشہور اور مستند کتاب ہے اگرچہ اتنی بڑی تو نہیں ہے پھر بھی اس میں اعلیٰ درجہ کے فتووں کا ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ اور اس کا بہت سا حصہ محیط سے لیا گیا ہے۔

فتاوی قاضی خان۔ مصنفہ امام فخر الدین حسن بن منصور فرغانی جسے عام طور پر قاضی خاں کہتے ہیں جس کی وفات ۵۹۲ھ میں ہوئی یہ کتاب نہایت مستند اور بڑے پایہ کی گنی جاتی ہے۔ یہ عام واقعات کے مقدمات سے لبریز ہے اور اس لئے یہ بڑی علمی سودمندی کی صفت رکھتی ہے۔ جو بات اس میں خاص ہے وہ یہ ہے کہ جس بنا پر فتوے دیئے گئے ہیں انہیں بدلائل ثابت کیا ہے اور خوب زور و شور سے ان پر بحث کی ہے۔

"جامع الفصولین" اس میں دو کتابیں شامل ہیں۔ اس کا مصنف بدر الدین محمد ہے جس کی شہرت ابن القاضی کے نام سے ہے (۸۲۳ھ) یہ کتاب کچھ بہت شہرت کی نہیں ہے گو عام طور پر لوگ دیکھتے ہوں

"فتاوی الظاہریہ" جس کا بہت سا حصہ "خزانۃ الواقعیہ" سے اخذ کیا گیا ہے ظہیر الدین ابو بکر محمد بن احمد بخاری کی تصنیف سے ہے (۶۱۹ھ)

"کنیۃ المنیۃ"۔ مصنفہ مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الملقب بہ نجم الدین جسکی وفات ۶۵۸ھ میں ہوئی یہ کتاب جس قدر مشہور ہے اسی قدر زیادہ مسلم ہے۔

نوروی مصنف بیاگرافیکل ڈکشنری (نعات سوانحمری) یا تہذیب الاسماء نے جسکی وفات ۶۷۶ھ

میں ہوئی ایک چھوٹی سی کتاب اسی مضمون فتاوی میں تصنیف کی ہے جس کا نام "عیون المسائل المہمہ" ہے سوال وجواب کے طور پر اس کی ترتیب دی ہے۔

"خزانۃ المفتیان" مصنفہ امام حسین بن محمد جس نے ۷۴۰ھ میں اپنی اس بیش بہا کتاب کی تکمیل کی اسمیں فتاوٰں کا بڑا مجموعہ شامل ہے ہندوستان میں یہ کتاب بہت مستند نہیں تسلیم کی جاتی۔

"خزانۃ الفتاوی"۔ مصنفہ احمد بن محمد ابو بکر حنفی جو آٹھویں صدی ہجری کے اختتام پر تیار ہوئی۔ اس میں نادر الوجود فتاوے ہیں۔ "تاتارخانیہ" مصنفہ امام عالم یہ کتاب کئی جلدوں میں تمام ہوئی ہے اور اس میں فتووں کا ایک عظیم الشان مجموعہ پایا جاتا ہے۔ اس نایاب کتاب کا بہت سا حصہ محیط البرہانی اور ذخیرہ سے اخذ کیا گیا ہے۔

"فتاوی اہل سمرقندی" اس کتاب میں علمائے سمرقند کے فتاوے جمع کئے گئے ہیں یہ وہ عالم ہیں جن کا ذکر فتاوی تاتارخانیہ اور جامع الفصولین میں ہر جگہ مع ان کے فتووں کے آیا ہے۔

"فتاوی زینیہ"۔ مصنفہ زین الدین ابراہیم بن نجیم المصری مصنفہ "بحر الرائق واشباہ والنظائر" ۹۷۰ھ میں اس کے بیٹے احمد نے ان کتابوں کی ترتیب دی۔

"فتاوی النکوری"۔ مصنفہ شیخ الاسلام محمد بن حسین جس کی وفات ۱۰۱۰ھ میں ہوئی یہ کتاب مشہور اور مستند ہے۔ "فتاوی حمیدیہ" گو یہ کتاب موجودہ زمانہ کی مصنفہ ہے پھر بھی بڑے پایہ کی کتاب ہے۔

"فتاوی المحمدیہ"۔ یہ اُن فتووں کا مجموعہ ہے جو سلطان ٹیپو کے حکم سے میسور کے علماء نے فارسی میں جمع کئے تھے۔ اس کتاب میں تین سو تیرہ باب ہیں۔

مسٹر ہنر گٹن اپنے تجزیہ جلد میں اور بھی چند فتاوی کا ذکر کرتے ہیں جو مفصلہ ذیل ہیں۔

(۱) فتاوی البزازیہ (۲) فتاوی نقشبندیہ (۳) مختار الفتاوی (۴) فتاوی کرخانی۔

آخر الذکر کی فارسی زبان میں تدوین ہوئی۔ جس کا مصنف صدر الدین بن یعقوب ہے اس کی وفات کے چند سال کے بعد کراخاں نے اس کی ترتیب سلطان علاؤ الدین کی سلطنت میں دی تھی۔

اب اُن فتاوی کا ذکر کیا جاتا ہے جو حنفی اصول زمانہ حال کے مطابق قسطنطنیہ میں رائج ہیں اور خصوصیت سے ان ہی پر عمل درآمد ہوتا ہے وہو ہذا۔

"کتاب فی الفقہ القدوسی" مصنفہ حافظ محمد احمد قدوسی (۱۲۲۶ھ) میں طبع ہوئی۔

"فتاوی عبدالرحیم افندی" یہ ایک نایاب مجموعہ مجمبنظ کا جو مختلف اوقات میں سلطنت ٹرکی میں اشاعت ہو چکا ہے اس کی ترتیب مفتی عبدالرحیم نے دی تھی۔ ۱۸۲۷ء میں طبع ہوا تھا۔

"جامع لاجارات" ایک مجموعہ فتاوی کا ہے جس میں صرف زراعت کے قواعد سے بحث ہوئی ہے اور اس معاوضہ وغیرہ کا بیان ہے جو اسامی زمیندار کو دیتا ہے محمد عارف نے اس کتاب کو تصنیف کیا اور ۱۸۳۶ء میں یہ طبع ہوئی۔

ایک مجموعہ فتاوی کا پٹہ داری کے متعلق ۱۸۳۸ء میں قسطنطنیہ میں ایم ڈی ایڈلیرگ نے شائع کیا تھا اس میں کتاب ملتقی کے مطابق فقہ کے اصول قایم کئے گئے ہیں۔

وہ فتاوے جن میں فقہ اور فرائض دونوں باتیں پائی جاتی ہیں صرف دو ہی زیادہ ہندوستان میں مشہور ہیں۔ یہ فتاوی سراجیہ اور فتاوی عالمگیری ہیں۔

فتاوی سراجیہ میں صرف ایک بات ہی ہے کہ اس میں جو خاص فتووں کا مجموعہ ہے وہ اور دوسری کتابوں میں نہیں پایا جاتا۔ فتاوی عالمگیری میں بیشمار قانونی مقدمات کا بیان ہے یہ کتاب اپنی کثیر المعنی اور قلیل اللفظ فطرۃ میں قریب قریب ہر مقدمہ کے ساتھ جس کی بنا حنفی اصول پر رکھی گئی ہے چسپاں ہوتی ہے اگرچہ مورخین فقہ کی آراء کی قیمت متقدمین فقیہوں سے زیادہ نہیں ہوسکتی پھر بھی اپنی لاثانی نوعیت سے اس نے ہندوستان میں اپنے کو محترم بنا دیا ہے جس کے نام سے یہ پکاری جاتی ہے وہ بادشاہ اورنگ زیب ہے جس کا علم وفضل میں ثانی مغلیہ خاندان میں کوئی نہیں ہوا۔

اس نوعیت کی جتنی کتابیں ہندوستان میں رائج ہیں سب میں یہی کتاب عام طور پر زیادہ پسندیدہ ہے۔ ہندوستان کی طولانی سلطنت اسلامیہ میں صرف زیب النسا نے فتاوے عالمگیری کا ترجمہ فارسی میں کرایا تھا یہ وہ زیب النسا ہے جو اپنے باپ اورنگ زیب کی بہت پیاری تھی اور علم ادب میں جو اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ جب حکومت مغلیہ کا دورہ ختم ہوا اور شیر انگلستان کا پھریرہ ہند کے جگر میں فراٹے بھرنے لگا تو کلکتہ میں فورٹ ولیم کی کونسل کے حکم سے فتاوے عالمگیری سے دو کتابوں جنایہ اور حدود کا ترجمہ فارسی میں قاضی القضاۃ محمد نجم الدین خان نے کیا اور ۱۸۱۳ء میں شائع ہوا۔

اسی سال مسٹر ہرنگٹن چیف جج صدر دیوانی عدالت کے حکم سے مولوی محمد خلیل الدین نے درالمختار میں سے تعزیرات کا ترجمہ فارسی میں کیا اور اسے چھپوا کر شائع کیا پھر ہدایہ کا ترجمہ عربی سے فارسی میں چار بڑے بڑے علما نے کیا مگر بدقسمتی سے اس ترجمہ سے ہدایہ کی اصلی قیمت میں فرق آگیا بجائے اس کے کہ وہ اکثر مسائل کی توضیح جو ترجمہ کی حالت میں کی تھی بطور حاشیہ تحت میں جدا قایم کرتے۔ فاضل مترجموں نے یہ غضب ڈھایا ہے کہ متن ہدایہ میں اپنی آراء کو بھی خلط ملط کر دیا۔ اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہدایہ والا کیا کہتا ہے اور مترجموں نے اس کے قول کی کیا توضیح کی ہے۔ کئی مقامات سے ترجمہ اصلی

عبارت سے بھی نہیں ملتا۔ یہ ہم کہہ سکتے ہیں اور اس میں اصلاً شک نہیں کہ فارسی کا ہدایہ اصلی ہدایہ کے بالکل ہم صورت نہیں ہو سکتا۔

میکناٹن محمدن لا کے پروفیسر نے دہلی میں ہدایہ کا ترجمہ اردو میں کیا تھا اور بہت سال گذرے کہ دہلی میں طبع ہوا تھا دوسرا ترجمہ ہدایہ کا کلکتہ میں اردو زبان میں کیا گیا اور چند سال ہوئے وہ طبع بھی کر دیا گیا۔

پھر سر ولیم جالس نے سراجیہ کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا اور جب اسے ختم کر چکے تو اسی کی شرح شریفیہ کا ترجمہ بھی اختصار کے طور پر پورا کیا اور ساتھ ہی اکثر مسائل پر اپنی طرف سے کچھ حواشی بھی دئیے ہیں جس سے فاضل مترجم کی لیاقت معلوم ہوتی ہے اس کے بعد فتاوی عالمگیری کے انتخابی حصّہ کا ترجمہ انگریزی میں مسٹر نیل بیلی نے کیا۔ یہ حصّہ بیع کے معاملہ میں تھا۔

ہدایہ فارسی جس کا ابھی ذکر ہو چکا ہے وارن ہیسٹنگ کے حکم سے مسٹر جیمس اینڈرسن نے انگریزی میں ترجمہ کیا ابھی ترجمہ پورا نہ ہوا تھا کہ آپ دول خارجہ میں کسی ملکی کام پر بھیج دئیے گئے اور اس کی جگہ چارلس ہملٹن نے باقیماندہ ترجمہ کر کے نظر ثانی کی یہ بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ اصلی ہدایہ عربی کو ترجمہ کرتے وقت کھول کے بھی نہ دیکھا گیا بلکہ اس فارسی کے ہدایہ سے ترجمہ کر لیا گیا جس کی بابت ہم ابھی لکھ آئے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ کتابیں جو فقہ حنفی کی تائید میں لکھی گئی ہیں ایک بنظیر مجموعہ ان قوانین کا ہے۔ جو ملکی اور کسی قدر جنگی اور زیادہ تر حسن معاشرت یا پولٹیکل ایکانمی سے تعلق رکھتے ہیں۔ گو انہیں مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے مگر بعض حالتوں میں وہ جامہ ناموزوں ثابت ہوا ہے۔

اس وقت ہمارے آگے مذکورہ بالا کتابیں رکھی ہوئی ہیں جنہیں ہم بار بار دیکھ چکے ہیں اور ان کے اختلافات پر بار ہا غور کیا ہے۔ ایک عمیق نظر جب ان اختلافی تمدنی معاملات پر ڈالی جائیگی تو معلوم ہوگا کہ یہ اختلاف ایک لازمی امر تھا جو بمقتضائے آب وہوا مسائل میں بھی پایا جاتا ہے مثلاً خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ کی آب وہوا اور طبائع خلائق جن فقہی قوانین کی متحمل ہو سکتی تھیں ان ہی قوانین کی سمرقند کے آدمی اور وہاں کا موسم برداشت نہیں کر سکتا یہ علم تو سیاست مدن کے بارے میں ہوا۔ میں کہتا ہوں مذہبی حصّہ فقہ میں بھی یہی بات ہے مثلاً ہندوستان میں ہندوستانی آفتاب کی رفتار کے بموجب نمازوں کے اوقات اوقات متعین کئے گئے ہیں اور تمام مجتہدوں کی فقہ میں ہندی آفتاب ہی کی تقلید کی گئی ہے اب ہندوستان سے ہمیں واشنگٹن کے اس حصّہ میں جانے اور رہنے کا اتفاق ہوا جہاں تین گھنٹے سے زیادہ آفتاب غروب نہیں ہوتا اس ملک میں ناچار مذہبی حصّہ فقہ میں ترمیم کرنے پڑیگی نہ صرف نمازیں بلکہ وضو وغیرہ کے قواعد میں

بھی تو پھر یہ بات بدرجہ اولےٰ ثابت ہوگئی کہ فقہی مسائل جیسی ملکی آب وہوا کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اسی طرح ہر زمانہ کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں ایسے شخص کے لئے جو کچھ بھی سمجھ رکھتا ہے یہ افسوس کی بات ہے کہ وہ کسی امام کے اقوال کو ہمیشہ کے لئے صدیوں تک ناطق ہی خیال کئے جائے اور کبھی ان میں ترمیم و تنسیخ کرنے کا خیال بھی نہ لائے۔ امام اعظم صاحب کی تصنیف سے جو کتابیں بیان کی جاتی ہیں وہ ایسی مختصر ہیں کہ ان کے مسائل جب تک انہیں وسعت نہ دی جائے کبھی سود مند نہیں ہوسکتیں جو کتابیں کہ فقہ حنفی کی کہلاتی ہیں ان سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ ایک ایک حرف امام اعظم کا ہے بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ یہ ایک ایسے مجتہد کی کتاب ہے جس کا رجحان بعض مسائل میں امام صاحب کی طرف تھا یہ بدیہی امر ہے کہ آج تک امام صاحب کے کسی خاص شاگرد یا معتقد نے بالکلیہ امام کے ہر مسئلہ کو تسلیم نہیں کیا۔ صاحبین بہت سی باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں گو انہوں نے اپنا کوئی نیا مذہب نہیں قایم کیا۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ ہر شخص آزاد ہے چاہے وہ کسی امام کی ان مسائل میں جو ملک کی آب وہوا اور طبائع کے لئے موزوں ہیں پیروی کرے مگر اس کی پیروی اس حالت میں سود مند ہوسکتی ہے جب حکومت کی طرف سے بھی ان ہی قوانین کا عملدرآمد ہو نہیں تو محض فضول ہے۔

مولانا شبلی نے اپنی کتاب سیرۃ النعمان میں امام اعظم اور ائمہ کا اختلاف رائے دکھایا ہے اور پھر ثابت کیا ہے کہ ان مسائل میں امام صاحب کی رائے کتنی ٹھیک بیٹھی ہے ہم ذیل میں ان مسائل کو بلفظہ نقل کر دیتے ہیں اور پھر ایک سرسری نظر ان پر ڈالیں گے۔ (از سیرۃ النعمان صفحہ ۲۴۰-۲۴۱)

امام ابوحنیفہ کے مسائل	اور ائمہ کے مسائل
۱۔ نصاب سرقہ کم از کم ایک اشرفی ہے	۱۔ ایک اشرفی کا ربع
۲۔ اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہے تو کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائیگا۔	۲۔ امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔
۳۔ نادان بچہ پر قطع ید نہیں۔	۳۔ امام مالک کے نزدیک ہے۔
۴۔ کفن چور پر قطع ید نہیں۔	۴۔ اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
۵۔ زوجین میں سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	۵۔ امام مالک کے نزدیک ہے۔
۶۔ بیٹا باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	۶۔ امام مالک کے نزدیک ہے۔

۷۔ قرابت قریبہ والے مثلاً چچا بھائی وغیرہ پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔ ۷
۸۔ ایک شخص کسی سے کوئی چیز لے کر انکار کر گیا تو قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔ ۸
۹۔ ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اس کا مالک ہو گیا تو قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے ۹
۱۰۔ غیر مذاہب والے جو مستامن ہو کر اسلام کی عملداری میں رہتے ہیں ان پر قطع ید نہیں۔	امام شافعی اور مالک کے نزدیک ہے۔ ۱۰
۱۱۔ قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں۔	امام شافعی اور مالک کے نزدیک ہے۔ ۱۱
۱۲۔ لکڑی یا جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں اُن کے سرقہ سے قطع ید لازم نہیں آتا۔	اور ائمہ کے نزدیک لازم آتا ہے۔ ۱۲
۱۳۔ پھر ص۲۸ میں شبلی صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں	۱۳
(امام ابو حنیفہ کے مسائل)	(اور ائمہ کے مسائل)
۱۴۔ جبتک فریقین کی حالت میں استقامت ہو طلاق دینا حرام ہے۔	امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں۔ ۱۴
۱۵۔ ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے اور اس کا مرتکب عاصی ہے۔	امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں۔ ۱۵
۱۶۔ مہر کی تعداد کسی حالت میں دس درہم سے کم نہیں ہو سکتی۔	امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک حبہ بھی مہر ہو سکتا ہے۔ ۱۶
۱۷۔ خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔	امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہوتا ہے۔ ۱۷
۱۸۔ جسمانی بیماریاں مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہیں ہو سکتیں۔	امام شافعی اور مالک کے نزدیک ان کی وجہ سے فسخ نکاح ہو سکتا ہے۔ ۱۸
۱۹۔ اگر کوئی شخص مرض الموت میں طلاق دے اور عدت کے زمانہ میں اس کا انتقال ہو جائے تو عورت کو میراث ملے گی۔	امام شافعی کے نزدیک نہیں ملے گی۔ ۱۹
۲۰۔ رجعت کیلئے اظہار زبانی کی ضرورت نہیں ہر فعل جس سے رضامندی ظاہر ہو رجعت کے لئے کافی ہے۔	امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار کے رجعت ہو ہی نہیں سکتی۔ ۲۰

۲۱- رجعت پر گواہ مقرر کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔	امام مالک کے نزدیک بغیر اشہاد کے رجعت صحیح نہیں ہے۔ فقط ۲۱

مجھے سخت افسوس آتا ہے کہ مولانا شبلی صاحب نے بدیہی مسائل کو خواہ مخواہ الجھانے میں اپنی عقل آرائی کی ہے اور سچی باتوں پر خاک ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ یہ فہرست مسائل جو آپ نے بڑی دلیری سے پیش کی ہے ایک پیمانہ ہے مجتہدوں کے اختلاف آرائے کا جس سے ایک سمجھ دار آدمی وزن کرکے دیکھ سکتا ہے کہ کس کی رائے ٹھیک ہے اور کس کی رائے نادرست ہے۔ جب وہ اس پر دل سے توجہ کریگا تو اُسے معلوم ہوگا۔ کہ بعض مسائل امام ابو حنیفہ کے درست ہیں تو بعض مسائل میں اور ائمہ کی رائے صائب ہے مجھے تعجب یہ ہے کہ شبلی صاحب صرف ان دو چار دس بیس مسائل سے امام ابو حنیفہ کی فضیلت کیونکر اور ائمہ پر ثابت کر سکتے ہیں اجی حضرت آپ کس خیال میں گئے ہزاروں کتابیں لاکھوں مسائل کے اختلاف سے بھری پڑی ہیں جب تک ان مسائل کی فہرست نہ بنے اور کوئی جج فیصلہ کرنے والا نہ ہو ناممکن ہے کہ ایک امام کی رائے کو دوسرے امام پر ترجیح دینے کی سمجھ پیدا ہو یہ اور بات ہے کہ اپنے مطلب کی دو تین اٹکل پچو مسائل لے کر امام اعظم کی فضیلت کا راگ گانے لگے۔ ایسی باتیں کچھ زیادہ وزن کی نہیں ہوتیں اور ان میں سراپا چھچھوراپن پایا جاتا ہے بایں ہمہ ان ہی چند مسائل پر بحث کرتے ہیں اور مولانا شبلی صاحب کو دکھانا چاہتے ہیں کہ جو کچھ آپ نے ثابت کرنا چاہا تھا اس میں کس قدر فیل ہوئے ہیں۔

پہلا دلچسپ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک کسی کا ہاتھ نہ کاٹا جائیگا۔ یہ ایک زبردست اجتہادی خطا ہے شریعت اسلام نے مطلق چور کی سزا قطع ید رکھی ہے پھر وجہ کیا ہے کہ ہر شخص کا جس پر چور کا اطلاق ہو ہاتھ نہ کاٹا جائے اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ اگر امام اعظم کا خیال صحیح ہو تو کیا قباحت لازم آتی ہے میں کہتا ہوں بڑی قباحت لازم آئیگی کبھی کوئی تنہا چوری کرنے کا نہیں جب ان کے دل سے قطع ید کا خوف جاتا رہا پھر وہ مل مل کے دھڑاکے سے دن دہاڑے چوری کرینگے اور امام ابو حنیفہ کی بدولت صحیح سالم رہینگے تمام دنیا کے فوجداری قوانین میں یہ بات ہرگز نہ ہوگی ایک فعل برا ہے اگر ایک گروہ اس کو کریگا تو اس پر بھی وہی جرم عائد کیا جائیگا جو ایک تنہا فاعل پر کیا جا پہلے قوانین انگریزی میں بھی یہ بات تھی کہ اگر کئی شخص ایک آدمی کو مار ڈالتے تھے تو انہیں پھانسی کی سزا نہ دی جاتی تھی بلکہ وہ کالے پانی روانہ کردیے جاتے تھے۔ حقیقت میں یہ بڑا ظلم تھا مقتول کے ساتھ ہرگز عدل نہیں ہے کہ اس کے قاتلوں کو چھوڑ دیا جائے یہ ظاہر ہے کہ اگر ایک ہی شخص ایک شخص کو ماریگا۔ تو اس خیال سے کہ یہ بھید کسی پر ظاہر نہ ہوجائے یا اپنی کم طاقتی کے خیال سے یا کسی اور وجہ سے قتل کرنے میں

مقتول کو تکلیف بہت کم دیگا کیونکہ وہ یہ چاہیگا جس طرح ہو بہت جلد اس کا کام تمام کر دوں مگر جب کئی مارنے والے ہونگے تو ان کی مجموعی قوت مقتول کی طرف سے بے پروا بنا دیگی اور پھر جس طرح ان کا جی چاہیگا باطمینان اسے قتل کرینگے اکثر خون کے مقدموں میں دیکھا گیا ہے کہ جہاں کئی قاتل گرفتار ہوئے ہیں مقتول کی نعش سے ملاحظہ کے وقت یہ معلوم ہوا ہے کہ قتل کرتے وقت قاتلوں نے اس پر ظلم بہت کیا۔ ان حالتوں میں بھی قاتل سزائے موت سے بری کئے جاتے تھے مگر جوں جوں عدل اور عقل کو ترقی ہوئی وہ تاریکتر رائے ہمارے حکام کی جاتی رہی اور اب تو یہاں تک ہوگیا ہے کہ اگر ایک شخص کو سو آدمی قتل کرتے پکڑے جائینگے تو سو کو پھانسی ملیگی۔ پھر ایسی حالت میں ہم ابوحنیفہ صاحب کی رائے کو کیونکر تسلیم کرسکتے ہیں جو نص صریح عقل و نقل کے خلاف ہے بلکہ ایسے قوانین سے امن میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔

دوسرا ایک اور بھی مذاق کا مسئلہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کفن چور کا کفن کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹنا چاہیئے مگر اور ائمہ کہتے ہیں کہ کاٹنا چاہیئے۔ میں کہتا ہوں کہ کاٹنا چاہیئے کیونکہ یہ شرعی چوری ہے اور مال وغیرہ کی چوری دنیاوی چوری ہوتی ہے اگر قطع ید سے بھی زیادہ سزا ائمہ اس کی تجویز کرتے تو شایان تھا وہ باتیں جو مخرب اخلاق اور ظالمانہ ہیں اسلام نے انہیں بہت روکا ہے یہ مانا کہ مردہ کا کفن اتارنا کسی شخص کے نقصان کا باعث نہیں ہوسکتا۔ مگر جس کی یہ فطرت ہو کہ انسان کی ایسی حالت پر جب وہ نہ بول سکتا ہے نہ چل سکتا ہے نہ حملہ کی مدافعت کرسکتا ہے رحم نہ کرے اور اس انتہا درجہ کی مظلومیت پر بھی اسے ترس نہ آوے تو ایسا سنگدل اگر زندہ انسان کی کسی موقع پر کھال اتار لے تو کچھ بعید نہیں۔ ان مذہبی روایات کو جن میں موت کے بعد انسان سے پیش آنے اور کسی طرح اس کی پردہ دری نہ کرنے کا حکم ہے اگر ہم اخلاق اور تہذیب کے معاملہ میں نظر کرینگے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس سے زیادہ سنگدلی کا پیشہ دنیا میں اور کوئی نہ ہوگا۔ بنی ہوئی قبر کو اندھیری رات میں دوبارہ کھودنا اور ایک عصمت پناہ خاتون یا ایک پاکباز مرد کے جسم کو کفن اتارتے وقت بڑی تذلیل کے ساتھ قبر میں پلٹیاں دینا کیسا سخت اور غیر قابل معافی جرم ہے اکثر عصمت پناہ خواتین حالت جانکندنی میں یہ وصیت کر جاتی ہیں کہ ہمارا جنازہ غروب آفتاب پر اٹھے اور اس وصیّت سے یہ غرض ہوتی ہے مبادا کسی نامحرم کی آنکھ پڑ جائے جن کی حالت زندگی میں یہ فطرت ہو پھر کتنے ظلم کی بات ہے کہ ان ہی کے بیجان جسم کو جس میں نہ قوت نمو رہی نہ اپنی حالت میں برقرار رہنے کی طاقت برقرار رہی اور جن کی عصمت پناہی سے خود عصمت کو بھی فخر تھا اس طرح برہنہ کیا جائے اور ذرا بھی رحم نہ آوے میرے خیال میں کفن چوری کا جرم قتل سے دوم نمبر کا خیال کرنا چاہیئے جتنا اس جرم کی گہری فطرت پر خیال کرتے جاؤگے اس کی مہیب صورتیں نکلتی آئینگی اور بعد ازاں از خود یہ یقین ہو جائیگا کہ کفن چور کا

کاٹنا ظلم نہیں ہے بلکہ عین انصاف ہے اور اسے اس کے سنگین جرم کے مقابلہ میں بہت کم سزا دی گئی ہے
میرا ارادہ تھا کہ ہر استنباطی مسئلہ پر بحث کرتا چونکہ طول زیادہ ہو جائیگا اس لئے مشتے نمونہ از خروارے پر اس بحث کو ختم کر کے صرف اس قدر اور بھی لکھنا چاہتا ہوں کہ بہت سے مسائل میں امام اعظم صاحب کی رائے بہ نسبت اور ائمہ کے عین ثواب پر ہے مثلاً ایک ناسمجھ بچہ کا چوری پر ہاتھ نہ کاٹنا یا خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جانا وغیرہ ان مسائل میں امام اعظم کی رائے زیادہ مسلّم ہے ۔ اور حقیقت میں بالکل صحیح ہے ۔

میں یہ کہتا ہوں کونسا امام اور مجتہد ایسا ہے کہ جس کی رائے میں خطا اور صواب دونوں کا احتمال نہ ہو یہ خیال کرنا محض فضول اور تحکم ہے کہ فلاں امام نے استنباطی مسائل میں کبھی خطا نہیں کی ۔ یہ ایسا بدیہی جھوٹ ہے کہ جس کی کوئی بھی انتہا نہیں ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے میں جب خطا اور صواب کا احتمال باقی تھا اور دینی معاملات میں سوائے وحی کے کوئی ناطق حکم نہیں دے سکتے تھے دنیا کے معاملات میں فرمادیا کرتے تھے میری رائے پر نہ رہنا تم خود بھی خوب سمجھ لینا مبادا میری رائے خطا پر ہو اور پھر تمہیں نقصان ہو جب نبی کی یہ کیفیت تھی تو بیچارا مجتہد یا امام کس گنتی میں ہے ان باتوں کے سمجھنے کے لئے عقل زیادہ اور علم کی کم ضرورت ہے یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ تمام جہاں کا فاضل بھی اسے سمجھے نہیں معمولی پڑھا لکھا بھی سمجھ سکتا ہے ۔ ؎ شرط انصاف ہے ہر بات میں آ بندہ نواز

مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب شہید جن پر محض تعصب سے الزامات قائم ہوئے ہیں یہی فرمایا کرتے تھے اور آپ کا اصلی مذہب یہی تھا ان پر نہ مقلد کا لفظ عاید ہو سکتا ہے نہ غیر مقلد کا وہ بجائے خود ایک مجتہد تھے پھر انہیں ان استنباطی مسائل کی تقلید اور غیر تقلید کرنے سے غرض کیا تھی صحاح ستہ جو ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں مدون ہوئی تھیں ہمارے مجتہد وقت کے سامنے کھلی رکھی تھیں جو کتابیں فقہ کی ہم نے اوپر بیان کیں ان میں مجتہدین کے اختلافی مسائل اور مختلف آرائے کا ایک پیچیدہ بھنور پایا جائیگا اور صحاح ستہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال مبارک ملیں گے گو اختلاف کساتھ ہی سہی پھر بھی ہر قوم پر قول نبی کا خیال ہوگا اور اس کے بعد درجہ تحقیق پر ناظر پہنچ جائیگا صدہا مسائل جو فقہ کی کتابوں میں لکھے گئے ہیں صحاح ستہ میں موجود ہیں پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ صحاح ستہ پر جن میں آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال جمع ہوں مجتہدوں کی تصنیف کی ہوئی کتابوں کو فضیلت دیں یہ سخت ناانصافی اور سوء ادبی ہوگی ۔ یہ خیال حد سے زیادہ رکیک ہے کہ امام اعظم کو ہم تمام احادیث کا حافظ بتادیں یہ محض ناممکنات سے ہے وہ تو پہلی صدی کے اختتام پر پیدا ہوئے تھے جنہوں نے مشکل سے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے

اصحاب میں سے شاید کسی کو دیکھا ہو گا مگر وہ صحابہ جو مدتوں تک اپنے مفخر موجودات اور رحمت عالم کے ہمرکاب رہ چکے تھے انہیں خود صدہا حدیثیں یاد نہ تھیں چنانچہ جب حضرت صدیق اکبر سے دادی کے حصّہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو کونسا حصّہ دلوایا ہے میں نے کبھی اس کی بابت نبی اکرم کی زبان مبارک سے کچھ نہیں سنا پھر آپ نے ظہر کی نماز کے بعد لوگوں سے دریافت کیا کہ اگر کسی کو دادی کے حصّہ کی بابت معلوم ہو تو بیان کرے یہ سُن کر مغیرہ بن شعبہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصّہ دیا ہے حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا تیرے سوا اور بھی کون جانتا ہے۔ محمد بن سلمہ نے اس کی صداقت پر شہادت دی حضرت ابوبکر صدیق کو اطمینان ہوا۔ تو آپ نے دادی کو چھٹا حصہ دلوایا۔ جب یار غار کا یہ حال ہو کہ اُسے بہت سی حدیثیں یاد نہ ہوں تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ چار مجتہدوں میں سے فلاں مجتہد کو تمام حدیثیں یاد تھیں۔ ؎

ایں خیال ست و محال است و جنوں۔

مولانا شہید جنہیں خود مجتہد ہونے کا فخر حاصل تھا کبھی ان جھگڑوں میں نہیں پڑے نہ انہیں تقلید و غیر تقلید سے غرض تھی اور نہ وہ قوم میں فساد برپا کرنا چاہتے تھے ان کا منشا صرف یہ تھا کہ ہر مسلمان موحد بن جائے اور شرک و بدعت مسلمانوں میں سے نکل جائے۔ اس عجیب جوش اور نتھرے ہوئے اصلاح کے خیال نے اپنا اثر کیا اور جس قدر تھوڑی مدت میں اصلاح ہوئی وہ اپنا نظیر دہلی کی تاریخ میں نہیں رکھتی۔

ناحق آپ کی ذات والا پر الزام قائم ہوتے ہیں کہ انہوں نے یہ کہا اور انہوں نے وہ کہا وہ مقلد تھے یا غیر مقلد تھے یا وہ وہابی تھے نافہم الزام دینے والے اگر ذرا غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ تینوں الفاظ اس والا ذات پر عاید نہیں ہو سکتے جس نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ دین کی مدد کی اور خونخوار سکھوں سے اپنے بھائیوں کے خون کا عوض لیا یہ باتیں کوئی معمولی اور سرسری نظر سے دیکھنے کے لائق نہیں ہیں ان پر مزید توجہ کی ضرورت ہے آپ کی والاشان ذات ان بیہودہ الزامات سے بہت دور ہے جو شخص آپکی سوانحعمری بغور پڑھیگا اسے معلوم ہو جائیگا کہ یہ کس پایہ کا شخص تھا اگر کسی سلطان کے ہاں پیدا ہوتا تو دنیا میں اشاعت اسلام کہاں تک کرتا اور اب بھی ہم تو یہی کہتے ہیں کہ توحید پرستی کی زبردست بنیاد وہ ہندوستان میں جما گیا اگر خدانخواستہ وہ پیدا نہ ہوتا تو خبر نہیں مسلمانوں کی کیا حالت ہوتی اور وہ دین خدا میں کہاں تک رخنہ ڈالتے مولٰنا شہید کی تصنیفات میں شاید ایسی ایک آدھ کتاب کوئی ہو گی جس میں تقلید غیر تقلید کا اشارتاً بھی کہیں ذکر ہو ورنہ کل کتابیں اصلاح مسلمین میں لکھی گئی ہیں۔ اور بُت پرستی سے مسلمانوں کو بچایا گیا ہے۔

تقلید وغیر تقلید کا ایک ایسا ہنگم مسئلہ ہے کہ اس پر کوئی سمجھ دار آدمی تو گفتگو نہیں کرنے کا سوائے وقت ضائع ہونے کے اور کچھ نتیجہ ہی نہیں جو شخص یہ کہتا ہے کہ اجتہاد امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی امام حنبل پر تمام ہو گیا اور ان میں ہر مجتہد بجائے خود وحی کا بازگشت بنا ہوا ہے یعنی ہر امام کا گروہ یہ کہتا ہے کہ ہمارے امام صاحب خطا سے بالکل پاک ہیں ایسے لوگوں کو ان ہی کی حالت پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور خدا سے دعا مانگنی چاہیئے کہ ان پر رحمت نازل ہو اور اس جنون سے ان کی خلاصی ہو ایسی عقل کے لوگ بحث کرنے اور گفتگو کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ مولنا شہید نے سبقاً سبقاً حدیث و فقہ کی کتابوں کو پڑھا تھا ان پر غور کیا تھا اور اس کی مصلحت کو بخوبی جانتے تھے۔ ایسے شخص کی نسبت مقلد یا غیر مقلد یا وہابی کا لفظ استعمال کرنا کتنے غضب کی بات ہے بلکہ یہ کہنا مناسب ہے کہ آپ اپنے وقت کے ایسے ہی مجتہد تھے کہ جیسے اور گذر گئے دوسری حیثیت آپ میں مصلح ہونے کی تھی اس لحاظ سے وہ جہاں کے مصلحوں میں شمار ہونے کے قابل ہیں۔ اور مؤرخوں نے آخران کا شمار مجبوراً کیا ہے۔

جب تک ہمارے علما میں سے یہ اندھی تقلید وغیر تقلید کے جھگڑے نہ اٹھ جائینگے اور سب ذاتی اغراض کو برطرف کر کے قومی منفعت کا خیال نہ کرینگے کبھی اصلاح قومی اور ترقی نہیں ہو سکتی۔

فقہ کی جن کتابوں کا ہم نے اوپر تذکرہ کیا ہے انہیں بغور پڑھنا چاہیئے معتقد بن کر نہیں بلکہ اس طرح پڑھو جس طرح اور کتابوں کو پڑھتے ہو تو اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ ان عظیم الشان بیشمار کتابوں میں کیسا مہیب اختلاف پایا جاتا ہے جس کا ہونا لازمی تھا۔ مختلف طبائع اور خیالات جب قرآن یا حدیث کے کسی لفظ سے کوئی مسئلہ استنباط کرینگے تو ان میں اختلاف ضرور ہوگا اور یہ اختلاف سبب رحمت ہے خیالات کو وسعت ہوتی ہے طبائع بڑھتی ہیں اور دماغ میں نئی نئی ایجاد کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے مگر ان کے خیالات پر افسوس ہے کہ جو کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کی زنجیر میں اپنا پیر پھنسا کر اپنے کو بالکل مقید کر لیتے ہیں اور ایک جگہ اٹک کر رہ جاتے ہیں اور ان پر علم کی پر جلال شان کچھ بھی نہیں کھلتی۔

زمانہ کی آب و ہوا ایسی درست پابندی کے موافق نہیں ہے۔ گو ابھی ہیں اس کا مضر اثر تکلیف نہیں دیتا۔ مگر آیندہ موجودہ علمی حالت سے بھی ہاتھ دھونا پڑیگا۔ اور پھر ایسا پابند کاٹھ کا الو بن جائیگا۔ اس پابندی نے ہماری گذشتہ اور موجودہ نسلوں پر جو کچھ بدنما بلکہ زہریلہ اثر کیا ہے وہ سخت ہیبت ناک ہے اور اس کا نتیجہ قوم کے غارت ہو جانے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا ایسا روز بد نہ دکھائے۔

پندرہواں باب

دین اسلام میں سہولت

دنیا کی مذہبی تواریخ میں یہ نظارہ بھی عجیب و غریب فیکٹس[1] سے پر ہے کہ مذہب اسلام میں جس قدر سہولت ہے کسی مذہب میں بھی نہیں ہے جہاں صاف صاف یہ حکم ہے "اپنے نفوس کو تکلیف نہ دو مگر جہاں تک ان کی وسعت ہو" پھر کون انکار کر سکتا ہے کہ انسان پر فرائض دینی ادا کرنے کا اسی قدر بوجھ نہیں رکھا گیا جتنی کہ اس کی طاقت ہے اسلام کی پابندی عین آزادی ہے اور مذہبوں کی آزادی عین پابندی ہے نہ اسلام نے دولتمندوں کو جہنمی ٹھہرایا ہے نہ راہبانہ حیات کی تعریف کی ہے نہ دنیا سے کنارہ کشی کرنا افضل بتایا ہے نہ اپنے کسی عضو کو خدا کی نذر کر دینا سکھایا ہے نہ کسی کنوئیں میں اُلٹا لٹک کر عبادت کرنی سکھائی ہے وہ ان تمام فضول باتوں سے انسان کو بچاتا ہے اور ہمیشہ اس نے ایسا ہی کیا ہے۔

موجودہ زمانہ میں ہمارے علماء دین اسلام کو ایسی ہیبت صورت میں پیش کر رہے ہیں جسے دیکھ دیکھ کر خود مسلمانوں کے دل کانپے جاتے ہیں بھلا غیر مذہب والے تو کیوں خوف کے مارے قریب آنے لگے۔

وہ پیچیدہ اور قریب قریب لاینحل مسائل جو بیچارے مسلمانوں کے آگے پیش کئے جاتے ہیں اور انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ تم اس کے پابند ہو قرآن اور اسلام کی نص تعلیم سے انہیں کچھ علاقہ نہیں اسلام ان فضول باتوں سے بہت دور ہے اسلام کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ چڑے چڑیا کی کہانیوں میں پابند رہے اور معمولی طرز معاشرت میں زبردستی بیٹھا چلا جائے ایک شخص وضو کرنے بیٹھا اس نے کلیاں کرنے سے پہلے ناک میں پانی دے لیا اس پر فتوے دیدیا گیا کہ تیری نماز اگر اسی وضو سے پڑھیگا تو ناکارہ جائے گی اس کا یہ مطلب ہوا کہ جو شخص کلیاں کرنے سے پہلے ناک میں پانی دے وہ خدا کی درگاہ میں حاضر ہونے کے قابل نہیں ہے یا جس نے تین دفعہ منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے کی بجائے چار دفعہ مار لئے وہ شخص بھی خدا کے دربار میں حاضر ہونے کے قابل نہیں ہے یا جب تک ٹخنہ سے اونچا پائجامہ نہ ہو نماز درست ہی نہیں ہو سکتی یا اگر لبیں نہ کتری ہوئی ہوں تو وہ شخص مسلمان نہیں یا اگر اس نے کسی مجتہد کے استنباطی مسئلہ پر نکتہ چینی کی یا اپنا شبہ ظاہر کیا وہ کافر بنا دیا گیا پہلے زمانہ میں تو یہ کیفیت تھی کہ غیر مسلم کو مسلمان بنانے کے لئے لاکھوں روپیہ اور جانیں ضائع ہوتی تھیں یا اب وہ زمانہ ہے

[1] حقائق ۱۲

کہ ہمارے علما پُرانے مسلمانوں کو دھکے دے دے کر نکال رہے ہیں اور کافر بنائے جاتے ہیں۔ غضب خدا کا مولانا شہید جیسا پاک نفس اور اس پر کفر کا فتوے لگایا جائے صرف اتنی سی بات پر کہ اس نے یہ کہا تھا خدا کے جلال کے آگے کسی کی بھی کچھ اصل نہیں خواہ نبی ہو یا غیر نبی وہ آخر الزمان نبی جیسے ہزاروں پیغمبر پیدا کر سکتا ہے مگر یہ اس کی عادت نہیں جو وعدہ کر چکتا ہے پورا کرتا ہے صرف اس قدر لکھنے پر ایک دند مچ گیا اور ہر طرف کفر کے فتوے دینے شروع کر دیئے اگر یہی شعار ملت اسلامیان ہیں۔ تو سلام ہے ایسے مذہب اور مذہبی گروہ سے کنارہ کشی ہی بہتر ہے ایسے ہی شعار ملت اسلامیان پر یہ شعر موزوں ہوتا ہے۔

شعار ملت اسلامیاں بگزار اگر خواہی ٭ کہ در دیر مغان آئی و اسرار نہاں بینی

اس کے مقابل میں پیارے شہید کو دیکھا جائے کہ جب آپ عیدگاہ جانے لگے ہیں تو دوستوں نے منع کیا وہ شخص یعنے امام سخت بدعتی ہے بُت پرستی کرتا ہے اور تمام افعال شنیعہ کو بہتر جان کر اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے اس کے پیچھے نماز کیونکر درست ہوگی آپ نے یہ جواب دیا ہے کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز ہو جائیگی میں کبھی تفرقہ مسلمین کا باعث نہ ہونگا آپ نے کبھی کسی شخص کو بددین نہیں کہا کافر اور فاسق بتانا تو کجا یہ طبیعت تھی یہ انصاف پسندی تھی اور اسلام پر سچی فدائیت تھی ایسے برتر نفوس کہاں پیدا ہوتے ہیں یہ بھی ہندی مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے ان میں ایک ایسے شخص کا ظہور رہوا جو اسلامی ہندی آٹھ صدی کی سلطنت کا خلاصہ یا خوش آیندہ نتیجہ تھا۔

آؤ ایک نظر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور صحابہ کے اعمال اور ہدایات پر ڈالیں اور دیکھیں آیا اسلام ایسا ہی سخت اور دشوار تر تھا جیسا علما آج پیش کر رہے ہیں یا اس سے کہیں زیادہ سہل تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بیجا فضول بحثوں اور غیر ضروری جھگڑوں سے بالکل پاک تھا۔ آپ نے کبھی ایسی تعلیم نہ دی جو گراں گذرتی ہو آپ کے زمانہ مسعود میں فقہا کی بحث کی طرح احکام میں بحث نہ ہوتی تھی۔ اور حقیقت میں اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ روحانی تعلیم جس نے عربوں کی تعلیم بدل دی اس کج بحثی سے بہت دور تھی جو فقہا کے زمانہ میں کی جاتی تھی۔ کوئی شخص ارکان شروط۔ آداب کو دلیل کے ساتھ جدا جدا ثابت نہ کرتا تھا نہ صورتیں فرض کرتا تھا نہ فرض کی ہوئی صورتوں پر کلام کرتا تھا نہ قابل تعریف کی تعریف بیان کرنے کی انہیں فرصت تھی نہ قابل حصر کا حصر کرنا جانتے تھے یہ ساری باتیں ان کے منشاء عالی میں خلل انداز تھیں نبی اکرم وضو فرماتے تھے صحابہ دیکھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے وہاں یہ بیان نہیں کیا جاتا تھا کہ وضو میں یہ فرض ہے یہ مستحب ہے یہ فرضی باتیں اسلام سے بہت دور ہیں۔ مثلاً امام ابو حنیفہ

کا مذہب ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں اور امام شافعی ان چار میں دو اور بھی اضافہ کرتے ہیں۔ یعنی نیت اور ترتیب امام مالک بجائے ان کے موالات کو فرض کہتے ہیں امام احمد حنبل کا مذہب ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے اور اگر قصداً نہ کہا تو وضو باطل ہے۔ یہ کج بحثیاں نفس اسلام میں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔

صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے تھے اور خود بھی اسی طرح پڑھنے لگتے تھے۔ کیا مجال تھی ایسی کوئی بات دریافت کرتے جس سے کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوتا اور وقت ضائع ہوتا نبی اکرم نے حج کیا صحابہ نے بھی اسی طرح ارکان حج ادا کئے نبی اکرم نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ وضو کے چھ فرض ہیں یا چار نہ آپ نے یہ فرمایا کہ انسان بلا موالات وضو کرے یہاں تک کہ اس پر فساد یا صحت کا حکم کیا جائے۔ صحابہ اس قسم کی غیر نتیجہ خیز بات دریافت ہی نہیں کرتے تھے۔ عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں میں نے کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی جو رسول اللہ کے اصحاب سے بہتر ہو انہوں نے تمام زمانہ نبوت میں رسول اللہ سے صرف تیرہ ۱۳ مسئلے دریافت کئے اور وہ سب مسئلے قرآن مجید میں موجود ہیں۔ انہی میں سے ایک یہ مسئلہ ہے تجھ سے شہر حرام میں قتال کرنے سے سوال کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عباس نے فرمایا ہے :۔ اصحاب کبھی نبی اکرم سے ایسا سوال نہ کرتے تھے کہ جو انہیں منفعت نہ بخشے۔ عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں۔ ہم نے کبھی ایسا سوال نہیں کیا جس کا نفع دائمی نہ ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے شخص پر نفرین کی ہے جو ایسی چیز کا سوال کرے جو ناپید ہو۔ قاسم نے کہا تم ایسی چیزیں دریافت کرتے ہو کہ ہم نہیں دریافت کرتے تھے اور تم ایسی چیزوں سے کاوش رکھتے ہو جن کی حقیقت ہم نہیں جانتے تھے اور اگر ہم انہیں جانتے تو ہم پر اُن کا چھپانا جائز نہیں تھا۔

عمر بن اسحق نے کہا۔ جن اصحاب رسول اللہ سے میں ملا ہوں وہ ان اصحاب رسول اللہ سے اکثر ہیں جو پہلے گذر چکے تھے۔ میں نے خوب خوب غور کے بعد بھی کوئی قوم ایسی نہیں دیکھی کہ اُن سے سہولت میں زیادہ اور شدت میں کم ہو۔ عباس بن الکندی سے ایک مری ہوئی عورت کے باب میں سوال کیا گیا کہ اس کا کوئی ولی نہ تھا۔ اس نے آزردہ ہو کر جواب دیا۔ میں ایسی قوموں سے ملا ہوں کہ وہ تمہاری طرح شدت نہیں کرتے تھے نہ ایسے مسائل دریافت کرتے جیسے تم دریافت کرتے ہو۔

نبی اکرم جب مسلمانوں کو نیکی کرتے دیکھتے تھے تو اس کی تعریف کرتے تھے اور اس خوش منظر سے پھولے نہ سماتے تھے اور جب آپ بدی کرتے دیکھتے تھے تو عام جلسہ میں عام طور پر سب کو مخاطب بنا کر بیان فرما دیا کرتے تھے۔ یہاں یہ غضب ہے اگر کسی بھائی مسلمان سے کوئی خطا ہو گئی اس پر فوراً کفر کا فتوی دیا

جائیگا چاہے وہ بدبخت توبہ ہی کرے ایک دفعہ تو اسے کافر بنا دیا جائیگا مگر بانئی اسلام نے اپنی پیاری بیٹی بی بی رقیہ کے قاتل کو جب وہ مکہ فتح ہونے کے بعد گرفتار ہو کر آیا۔ رحم کھا کر چھوڑ دیا۔ اور ایک بھی حقارت انگیز کلمہ نہیں کہا۔

مسلمانوں کو ایسے جلیل القدر نبی کی تقلید کرنا چاہیئے۔ یا موجودہ زمانہ کے غصیلے اور بات بات پر منہ میں کف بھر لانے والے علما کی۔

مولانا شہید نے ان مشکلات کو جو دین کے بارہ میں پڑ گئی تھیں دور کر دیا تھا اور مسلمانوں کو خدا کے احکام کا سچا پابند بنا دیا تھا۔ گور پرستی۔ تعزیہ پرستی۔ پیر پرستی کی شرمناک اور روحانی مضرت دہ تکلیفوں سے نکال کر اس ایک خدا کی پرستش سکھا دی تھی۔ جس کا مصدّق قرآن مجید ہے۔ آپ نے اس بیہودہ تعظیم و تکریم کو اڑا دیا تھا جو ہندوستان خصوصاً دہلی میں زیادہ رائج تھی اور سلام علیکم کہنے والے کے منہ پر تھپڑ لگا کرتا تھا۔ ناممکن تھا کوئی آداب تسلیمات کورنش کے سوا کچھ اور کہہ سکتا۔ امیروں کے آگے دست لبتہ کھڑے رہنا اور بات بات پر جھکنا ایک عبث اور ناجائز امر تھا جسے شریعت غرا نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ مولانا شہید اس سے منع کرتے اور دن بدن بیہودہ تعظیم کی تقلید سے لوگوں کو آزاد کراتے جاتے تھے۔ کل مومن آپس میں بھائی ہیں جہاں یہ حکم ہو وہاں پھر کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے آگے دوسرا شخص دست لبتہ اس طرح کھڑا ہو جیسے وہ خدا کے آگے کھڑا ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سرّہ ان یتمثل لہ الرجال قیاماً فلیتبوء مقعدہ من النار

یعنی رسول اللہ نے فرمایا جس شخص کو یہ خوش آوے کہ لوگ اس کے آگے تصویر کی طرح کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں قرار دے۔" یہ اسلامی ہدایتیں اور روشن باتیں ہیں جو مولانا شہید نے لوگوں کو تعلیم کی تھیں وہ والاشان آخرالزمان نبی جس کی پرجلال ذات نے تمام جہاں کو اس کونہ سے اس کونہ تک منور کر دیا۔ جس کی عظمت کے آگے دنیوی شہنشاہ چماروں کے برابر ہیں ایسے جلیل القدر نبی نے یہ حکم کر دیا تھا کہ جب میں آیا کروں کوئی کھڑا نہ ہوا کرے جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے۔ قال لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلعم وکانوا اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلک

"کہا اصحابہ کے نزدیک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا۔ پھر بھی جب حضرت کو دیکھتے تھے تو کھڑے نہ ہوتے تھے اس لئے کہ اس میں حضرت کی ناخوشی تھی۔ یہ صریح باتیں۔ جب مولانا شہید بیان فرماتے تھے تو نافہم یہ الزام لگاتے تھے کہ یہ رسول اللہ کا ذرا ادب نہیں کرتے۔ اس نافہمی اور کوڑمغزی نے یہاں تک ترقی کی کہ مولانا شہید پر کفر کا فتوے لگا دیا گیا اور بہت دھوم دھام سے اسے

شائع کیا گیا اور اب تک اسی دماغ کے لوگ اُس پر بغلیں بجاتے ہیں موجودہ زمانہ کے مسلمانوں سے کچھ بھی تعجب نہ کرنا چاہیئے وہ اگر اس سے بھی زیادہ کفر بکیں تو تھوڑا ہے یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ جیسی آفتاب کی روشن کرنیں ہاتھ لگانے سے میلی نہیں ہوتیں اسیطرح مولانا شہید کی ذات والا کی تابانی میں ایسے ایسے بے معنی الزامات سے کچھ دھندلا پن نہیں آتا۔ ہاں الزام قایم کرنے والوں کی ناتراشیدہ طبیعت کا اندازہ ہو جاتا ہے اسلام کو اگرسب ادیان پر فخر ہے تو اس بارہ میں کہ اس میں سہولت بہت ہے اور جب تک صحابہ اور خلفا کی حکومت کا دور دورہ رہا سہولت جوں کی توں بنی رہی اور جب سے کوڑ مغز مولویوں کے ہاتھوں میں دین کی باگ آئی ہے انہوں نے کوشش کر کر کے اور جان لڑا لڑا کر اس کو مشکل سے بھی زیادہ مشکل بنا دیا بلکہ اس سے بھی کئی درجہ آگے بڑھا دیا۔ جس پر یہ شعر صادق آسکتا ہے۔ ؎

ملنا ترا نہیں اگر آسان تو سہل ہے ؛ دشوار تو یہ ہے کہ وہ دشوار بھی نہیں

یعنی ہر شخص آج اسلام کو مخاطب بنا کر یہ کہتا ہے اے اسلام اگر تیرا ملنا آسان نہ ہوتا تو یہ بات سہل تھی اور ہم اسے حاصل کر لیتے یعنی جب آسان نہ ہوگا تو مشکل ہوگا اور مشکل بات کوشش اور جانکاہی سے حاصل ہو جاتی ہے مگر دشواری یہ آپڑی کہ وہ دشواری کے درجہ سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے پھر بھلا اس تک کون پہنچ سکتا ہے جو لوگ مسلمان ہیں اور پشتینی مسلمان ہیں ملانوں کی نوک جھوک سے ان کا دم ناک میں آگیا ہے۔ صورت دیکھی اور کانپ گئے انہوں نے اول دن سے یہ سبق پڑھایا ہے کہ اگر وضو میں چار فرض تسلیم نہ کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے اور اگر حیلہ شرعی نہ کرو گے تو فاسق ہونے میں تو شک ہی نہیں ہے یا اگر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھی تو قطعی جہنمی ہو گئے یا پکار کر آمین کہی تو اشد کفر کے دائرہ میں آگئے یا رفعیدین کر لیا تو جہنم کا ساتواں درجہ رہنے کے لئے ملیگا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے قیود ہیں جن کی پابندی انسانی فطرت سے تو بہت بعید ہے پھر کون خیال کر سکتا ہے کہ اسلام ترقی کر سکتا ہے اور پھر اسے ابتدائی صدیوں کا سا زمانہ حاصل ہو جائیگا۔ مولانا شہید نے اول ہی اول جب مسلمانوں کو ان بیہودہ قیود سے آزاد کرانا چاہا تو پہلا، غضب ناک اور کریہ الزام جو ان پر لگایا گیا تھا وہ یہ تھا کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کرتا ہے اس لئے یہ شخص کافر ہے۔ کیا نبی اکرم کا یہی ادب ہے کہ نبوت اور بعثت کی اصلی حقیقت کو مٹا کر ہم کیا کیا ناپاک جملوں سے آپ کو یاد کریں اور ایک وہمی دلبر کی طرح ناک بھوں زلف گردن رخساروں وغیرہ کی تعریف کریں یا ایسے جملے استعمال کریں جو خدا ہی کی ذات کے لئے خصوصیت رکھتے ہیں ایسی ایسی ناپاک اور دائرہ کفر میں لانے والی باتوں سے مولانا شہید نے روکا تھا ہم کہتے ہیں اگر اسی کو کفر کہتے ہیں تو ہمیں ایسے کفر پر ناز ہے خدا کرے ہمارا دنیا سے اسی قسم کے کفر پر خاتمہ ہووے۔ (آمین)

جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شدومد سے خود منع فرمایا ہے کہ مجھے دیکھ کر میری تعظیم کو نہ اٹھو وہاں یہ غضب کیا جاتا ہے کہ مولود کی مجلسوں میں یہ خیال کرلیا جاتا ہے نبی اکرم قدم رنجہ فرما رہے ہیں اور معًا لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں حقیقت میں اگر غور کیا جائیگا تو نبی عربی سے یہ زبردست ضد ہوئی کہ آپ تو سخت تاکید فرما رہے ہیں کہ میری تعظیم کو نہ اٹھو اور ہندوستان میں ہر جگہ زبردستی آپ کو ہر محلہ اور ہر ناپاک مکان میں ایک مولودی کے ذریعہ بلایا جائے اور پھر سرتاپا کھڑا ہوا جاتا ہے ممکن ہے کوئی کھڑا نہ ہو۔ اگر ایسا کیا بس اسی وقت سے کافر مطلق ہوجاتا ہے۔ تمام ہندوستان میں ایک ہی آن میں بیسیوں جگہ مولود ہوتا ہوگا یہ بڑے تماشہ کی بات ہے کہ آن واحد میں رسول اللہ کو سب جگہ پہنچایا جاتا ہے یہ سخت گستاخی اور بے ادبی نہیں تو اور کیا ہے اگر ہم ذرا بھی اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں تو دیکھیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور اپنی جانوں پر کیا غضب ڈھا رہے ہیں۔ یہ سمجھنے کی بات ہے کہ ہم ایک معمولی رئیس کو ہر بار بے تکلیف اپنے گھر پر نہیں بلا سکتے کیونکہ ہمیں دو باتوں کا لحاظ ہے اول تو ادب اور دوسرے اس کی ناراضی۔ جب ایک ادنےٰ دنیا کے کتے کا ہم اتنا ادب کرتے ہیں سخت غضب اور ماتم کا مقام ہے کہ شہنشاہ دین و دنیا کا ذرا بھی ادب نہ کریں ہماری عقلوں پر افسوس! بھلا ان افعال شنیعہ پر ہماری نجات کیونکر ہوسکیگی۔ کیا اسی منہ سے ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے امیدوار ہیں حیف ہے کہ ہم مفخر موجودات رحمت عالم کا ذرا بھی ادب نہیں کرتے جب جی چاہا اپنے دو تین فاسق اور سخت ناپاک دوستوں کی دعوت کی جن دوستوں میں کسبیاں بھی شامل ہوتی ہیں اور ایک کمبخت نابکار مولود کہنے والے کو ایک چونی اور کھانا کھلانے کی خوشخبری دیکر بلوا لیا اور پھر اس نے گدھے کی طرح ادھر ادھر منہ پھاڑ کر کریہہ آواز نکالنی شروع کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والاشان ذات میں ایسی ایسی باتوں کو آمیز کر کے دکھایا اور وہ وہ سخت تہمتیں اٹھائیں کہ سچے مومن کا زہرہ شق ہوجاتا ہے کبھی یہ کہا جاتا ہے نبی اکرم جب معراج میں تشریف لے گئے ہیں تو آپ کے ساتھ چالیس ہزار فرشتے کافوری مشعلیں لئے ہوئے تھے کبھی عرش کی دوری گزوں اور پھر میلوں سے ناپی جاتی ہے۔ کبھی خدا کو معطل بنا کر تمام کاروبار کی کنجیاں رسول اللہ کے ہاتھوں میں دی جاتی ہیں۔ کبھی شاہ عبدالقادر جیلانی کو رسول اللہ کا کارکن بنایا جاتا ہے۔ ہمارا زہرہ نہیں ہے کہ ہم ان الفاظ کو خود بھی رسول اللہ کی شان میں استعمال کریں جو مولودیئے اکثر کیا کرتے ہیں وہ کھانا جو مولود میں رسول اللہ کے نام پر پکایا جاتا ہے خدا کے نام پر اس کھانے میں سے ایک دانہ بھی نہیں دیا جاتا۔ بلکہ جو شخص آٹھ آنے خرچ کر کے مولود کرواتا ہے وہ اپنے حرامکار دوستوں کو بہت شوق سے کھلاتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اتفاقیہ ایسی ایک مجلس میں میرا ایک دوست جا پھنسا تھا اس نے خون آلود نظارہ

کا جو مجھ سے بیان کیا روتے روتے میری ہچکی بندھ گئی اور زہرہ شق ہونے لگا وہ بیان کرتے تھے کہ :۔
"ایک شخص شریف صورت سفید لباس پہنے ہوئے دسترخوان پر آبیٹھا کہیں صاحب خانہ نے اسے دیکھ لیا اپنے دو منتظموں سے کہا اسے اٹھا دو وہ سخت بوتگے پنے سے اسے اٹھانے لگے اس نے آبدیدہ ہوکر کہا میں سید ہوں آج مجھ پر تیسرا وقت گذر چکا ہے میں نے سنا ہے کہ مرتے وقت سور کا گوشت بھی حلال ہوجاتا ہے چلو اسی مجلس میں چل کر اپنا پیٹ بھر لو گو اپنی تمام عمر میں میں ناخواندہ کسی کے ہاں نہیں گیا مگر مرتا کیا نہ کرتا۔ اس کی اس دردناک زاری پر بھی کسی نے توجہ نہ کی اور اس بیچارے کو بری طرح دھکے دیکر نکال دیا اور آخر میں یہ کہا گیا ایسے بے ادب بنتے ہو۔ جہاں پی صاحب اور شہر کے رئیس وغیرہ بیٹھے ہیں وہاں دسترخوان پر آبیٹھے ہو۔ خیر ٹھہر جا ان کے آگے سے جو کچھ بچیگا نوکروں کے ساتھ تجھے دیدیا جائیگا۔ یہ سن کر روتا ہوا وہ چلا گیا میرا دوست بیتاب ہو کر اٹھ بیٹھا۔ صاحب خانہ جو کہ بڑے دوست تھے روکنے لگے کہ ہائیں حضرت آپ کہاں اور دسترخوان پر سے اٹھنا ایں چہ انہوں نے صاف کہہ دیا آج سے میں تمہاری صورت دیکھنا نہیں چاہتا تم مسلمان نہیں ہو دیکھیئے تم پر خدا کا کیا غضب نازل ہوتا ہے کہ تم نے ایک سید کو ذلیل کیا۔ اپنے گھر سے بھوکا نکالا اور نبی اکرم کا ذرا بھی پاس ولحاظ نہ کیا یہ سن کر اور بھی دو تین آدمیوں نے ہمارے دوست کی ہاں میں ہاں ملائی اب اس سید کی تلاش ہونے لگی دور دور دیکھ کر آئے پتہ بھی نہ لگا۔ ہاں تیسرے دن سنا کہ ایک بے وارثی نعش جنگل میں پڑی ہوئی ملی۔ پولیس نے تلاش کے بعد ایک چٹھی متوفی کی جیب سے نکالی اس میں یہ لکھا تھا جو پولیس کے افسر سے لے کر ہم بعینہٖ درج ذیل کرتے ہیں :۔
"خودکشی کرنی اسلام میں حرام ہے مگر میں خودکشی نہیں کرتا بلکہ درحقیقت اپنے کو ایک سنگین جرم پر سزا دیتا ہوں اور سنگین جرم یہ ہے کہ میں ایک مولود کی مجلس میں چلا گیا تھا جبکہ بھوک کا غلبہ بہت تھا اس لئے میں ناخواندہ دسترخوان پر بیٹھ گیا صاحب خانہ نے سختی کرکے درشتی اور ناتراشیدگی سے مجھے اٹھایا میرے منہ سے یہ نکل گیا کہ میں سید ہوں پھر بھی اس ظالم نے نہ مانا اور میرا ہاتھ گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا مجھے تو اور کچھ رنج نہیں ہے صرف یہ ہے کہ مجھ سے ایک سنگین جرم سرزد ہوا کہ ایسی حالت میں اپنے کو سید کیوں کہا گویا خاندان سادات کو سخت ذلیل کر دیا۔ اس جرم کو میں ناقابل معافی جانتا ہوں اس لئے اس کی سزا سزائے موت تجویز کی جاتی ہے۔ پولیس اس تفتیش میں تکلیف برداشت نہ کرے کہ اس کو کس نے مار ڈالا یا کس بیماری سے مرگیا۔ فقط۔"

یہ چٹھی دیکھ کر خود افسر پولیس جو لندن نژاد تھا آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور اس پر جس نے ایسے باحمیت شخص کو دستر خوان پر سے اٹھایا تھا سخت نفرین کرتا رہا اس حکایت سے یہ اندازہ ہو جائیگا کہ نبی اکرم کی ان مسلمانوں کے دلوں میں جو اپنے آگے دوسرے مسلمان بھائیوں کو کافر مطلق خیال کرتے ہیں کتنی محبت ہے اور وہ کہاں تک اس میں خدا کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں یہی لوگ نبی عربی سے سچا فدائیانہ عشق رکھتے ہیں اور اسی منہ سے یہ رسول اللہ کے سچے عاشق بنتے ہیں پہلے تو یہ فرض تھا کہ خدا کو واحد جاننا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو برگزیدہ آخر الزماں نبی تسلیم کرنا نبیوں اور ان کی کتابوں پر اعتقاد رکھنا۔ روز جزا کا یقین۔ فرشتوں کو ماننا بس جہاں کسی نے ان باتوں کو تسلیم کر لیا وہ مسلمان ہو گیا پھر چاہے وہ جو کچھ کریگا اس کے ایمان میں کچھ فرق نہیں آسکتا گو وہ گنہگار ضرور ٹھہریگا۔ اور اس گناہ کی سزا اسے ضرور ملیگی۔ مگر اس زمانہ میں اور بھی بہت سی باتیں بڑھانی پڑیںگی تاکہ کامل مسلمان ہو سکے۔ کسی پیر کا مرید ہونا کسی قبر سے حسن اعتقاد رکھنا قبروں کا طواف کرنا برسویں دن کسی بڑے عرس میں شریک ہو کر پھولوں کی چادر یا دو ایک کھانے کی دیگیں چڑھانا۔ ایک نہ ایک قوالی کی مجلس کرنا۔ قوالوں کی۔ اے وائے اے وائے پر مٹکنا گیروا کپڑے پہنتا۔ لمبی لمبی زلفیں بڑھانا۔ مولانا روم کی مثنوی کا قرآن کی طرح حفظ یاد ہونا شہیدی کا سراپا رسول مقبول برزبان یاد ہونا۔ ہر قبر کو دیکھ کر اس کے آگے سجدہ کرنا۔ جمعرات کو مردوں کی فاتحہ دلوا کر کسی ملانے کی نذر کرنا۔ برسویں دن ضرور اپنے گھر میں مولود کہلوانا۔ اہل توحید پر ہر نماز کے بعد دو تین تبرے بھیج دینا رسول اللہ کی ذات اقدس پر نئے نئے بہتان قایم کر کے ان کا درجہ خدا تک پہنچا دینا۔ جھوٹی اور مردود حدیثوں کو جنہیں بالاتفاق سب مردود ٹھہرا چکے ہیں۔ رسول اللہ کی طرف عائد کرنا اور بار بار زور دے کر یہ بیان کرنا رسول اللہ یہ فرماتے ہیں ہر پیر، شہید، ولی کو شفیع روز آخر اور عالم غیب سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آنحضرت کی طرح یہ بھی معجزہ دکھا سکتے ہیں۔ پیر کے ہاتھ پر بیعت کر کے تمام مذہبی باتوں سے آزاد ہو جانا شاہ عبدالقادر جیلانی کی نماز پڑھنا ہر پیر کو رسول اللہ سے زیادہ درجہ عطا کر دینا جیسا نور الابصار والے نے اپنے پیر کی مدح میں اشعار لکھے ہیں اور یہ ظاہر کر دیا ہے کہ حقیقت میں یہی بات ہے اسے شاعرانہ مبالغہ کبھی نہ سمجھا جائے۔ ان میں سے چند اشعار ہدیہ ناظرین ہیں۔

فروغ مشرب و ملت تمہاری ذات عالی سے	بڑھا جلوہ تمہارے فیض سے شرع محمد کا
مسیح چرخ عرفاں ہے کلیم طور وحدت ہے	تعالی اللہ کیا رتبہ ہے اس ذات مفرد کا
بنائے دین و ایماں ہاتھ سے تیرے ہوئے محکم	کیا معمار حق نے تم کو ارکان مشید کا

ترے کوچہ کے پتھر سے کسے امکان دعویٰ ہو ‖ لبوں تک نام دشواری سے آیا سنگ اسود کا
پڑا گردش میں وہ جس سے نظر تیری پھری شاہا ‖ ٹھکانا ہی نہیں لگتا ہے اس کے اختر بد کا
جو منکر ہے ولایت کا تری وہ منکر حق ہے ‖ بعینہ ماجرا یہ ہے ابو جہل اور محمد کا
لکھا ہے وصف میں نے جو مری نظروں سے گذرا ہے ‖ نہ انداز خیالی ہے نہ ہے مضمون خوشامد کا
تلطف سے عنایت کی نظر مجھ پر ہو اے شاہا ‖ بھروسا ہے فقط مجھ کو ترے الطاف بیحد کا
غلام بارگاہ آسمان رفعت عمر عاجز ‖ بحمد اللہ مجاور ہیں ہوا قصر زمرد[1] کا ۴

(از نور الابصار مطبوعہ نصرۃ المطابع دہلی ص۲۶۹)

اب میں عام مسلمانوں کی خدمت میں اپیل کرتا ہوں کہ آیا ان مذکورہ بالا اشعار کے ہر ہر مصرع سے کفر پایا جاتا ہے یا نہیں اگر کچھ بھی حمیت اسلام باقی ہے اگر ذرا بھی امی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم آنکھوں میں ہے اگر کچھ بھی اثر ہاشمی گرم گرم مصفا خون کا رگوں میں باقی ہے اگر قرآن مجید اور اس کے احکام کی کچھ بھی عزت کرتے ہو تو بول اٹھو! اے دکھن اور اُتر کے رہنے والو بول اٹھو! اے پورب اور پچھم کے رہنے والو بول اٹھو! اے بوڑھو! جوانو! بچو بول اٹھو! اے وہ لوگو جو دین اسلام کو حق سمجھ کر مسلمان ہوئے ہو۔ قسم ہے تمہیں اس خدائے بزرگ کی جس نے تمہاری ہدایت کے لئے اپنا پیارا نبی مبعوث فرمایا کہ یہ مذکورہ بالا اشعار کیا محض معمولی مسجد کے ملانے سوکھی بھگڑی کی تعریف میں موزوں ہو سکتے ہیں میں کہتا ہوں تمام جہان کا بھی فاضل اجل اور ولی کامل بھی ہو پھر بھی اس پر ان شعروں کے ایک مصرع کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ مثلاً پہلے ہی شعر میں یہ دعوی کیا گیا ہے۔ بڑھا جلوئی تمہارے فیض سے شرع محمد کا۔ شریعت محمدی کا جلوئی بڑھانے والا سوائے ذات خدا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا ایک کامل نور کامل روشنی کا جلوئی دوسری چمک سے کیا بڑھ سکیگا آفتاب کے آگے سب کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ یہ آج تک کسی کی زبانی نہیں سنا کہ آفتاب کی روشنی کی زیادہ ترقی کے باعث ستارے یا سیارے وغیرہ بھی ہیں جو اپنی دھیمی دھیمی شعاؤں سے اسے کچھ نہ کچھ فیض پہنچاتے ہیں۔ استغفر اللہ توبہ توبہ اس طرح شریعت محمدی کی کبھی کی تکمیل ہو چکی ہے اس میں ہرگز کوئی کسی قسم کا نقص نہیں ہے اس کی تابانی یا درخشانی کامل ہو چکی ہے بھلا اسے کوئی کیا جلوئی دیگا۔ قرآن میں تو یہ فرمایا گیا ہے ہم تیرے دین کی تکمیل کر چکے اور

[1] ہمارے ملک پنجاب کے ضلع سیالکوٹ میں علی پور ایک مقام ہے وہاں ایک پیر صاحب حافظ جماعت علی شاہ رہتے ہیں ان کے مرید بھی ان کے حق میں ایسے ہی مبالغے کرتے ہیں اور پیر جی سن کر خوش ہوتے ہیں۔ مثلاً

نظر سے ہوئے جن کی لاکھوں ولی ہیں ‖ وہ قطب زماں جماعت علی ہیں

(مصحح)

اپنی نعمت تجھے دے چکے وہاں تیرہ صدی تک شریعت محمدی تاریک گڑھے میں پھنسی رہی جب ایک صاحب مسجد میں پیدا ہوئے تو انہوں نے شریعت محمدی کا جلوئی اپنے فیض سے بڑھایا ہائے کتنی زبردست نبی عربی کی توہین ہوتی ہے پھر اور لو۔ "بنائے دین و ایمان ہاتھ سے تیرے ہوئی محکم"۔ اب میں کہاں تک اس سخت کفر پر ریمارک کرکے اسے اور چمکاؤں صرف سمجھدار اور منصف مسلمانوں کے انصاف پر چھوڑتا ہوں غرض جو جو قیود کہ آج کل مسلمان ہونے کی پیش کی جاتی ہیں وہ بیشمار ہیں مولانا شہید نے چاہا تھا کہ ان تمام قیود سے مسلمانوں کو آزاد کردوں جن قیود میں کتنی بڑی سختی یہ ہے جو ہمارے پیرجی صاحب نے لگائی ہے اور وہ مفصلہ ذیل ہے۔

جو منکر ہے ولایت کا تیری وہ منکر حق ہے ٭ بعینہٖ ماجرا یہ ہے ابوجہل اور محمد کا

اب بڑی مشکل آپڑی ہے کہ مسلمان ہونے میں ایک یہ بھی شرط ہے کہ آخوندجی صاحب کی ولایت کا قائل ہو ورنہ اس کی نسبت رسول اللہ سے ایسی ہوجائیگی جو ابوجہل سے نبی کو تھی جو لوگ پہلے گذر گئے۔ دیکھئے ہمارے پیرجی انہیں بھی مسلمان کہتے ہیں یا نہیں۔

میں دریافت کرتا ہوں اگر ان اشد کفریات کا رد مولانا شہید نے فرمایا اور لوگوں کو اس تاریک زندگی سے نجات دی تو اس کا صلہ وہ کفر کا فتوی ہوگا جو مولنا شہید پر لگایا گیا ہے اور مدت تک انکی خوب اشاعت دیکھی گو اب مخالف بھی سر جھکاتے اور مانتے جاتے ہیں اور ان کے فاسد خیالات کی بہت کچھ اصلاح ہوتی جاتی ہے پھر بھی اس قسم کے لوگ باقی ہیں جن کے اشعار اوپر نقل ہوئے اور یہ کوئی معمولی صاحب نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے مرید پانچ چار ہزار آدمی ہوں گے جو ان کے ہر ہر قول پر جان دیتے ہیں اور نور الابصار کا ہر ہر لفظ قرآنی الفاظ کے ہمپلہ سمجھتے ہیں۔

بھائیو اسلام ان تمام بیہودگیوں سے پاک ہے توحید اسلام کا بہت بڑا رکن ہے جو پابندیاں او قیدیں کہ اور مذہبوں میں لازمی قرار دیدی گئی ہیں اور یقین کرلیا گیا ہے کہ بغیر ان کے نجات ہی ممکن نہیں۔ اسلام ان تمام باتوں کو ناکارہ بتاتا ہے وہ انسان کی فطرت کے موافق اسے ہدایت کرتا ہے اس کے قوانین قوانین قدرت کے بالکل مشابہ ہیں اور ذرا بھی فرق نہیں ہے نفس اسلام نہیں کہتا کہ اگر ابوحنیفہ کی تقلید نہ کی تو میں اپنے میں سے خارج کردونگا۔ یا شافعی، مالکی، حنبلی نہ بنے تو میرے فرزند نہیں ہو بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ خدا کو واحد جان لو۔ اسی کو مشکل کشا سمجھ لو۔ محمد رسول اللہ کو اس کا آخر الزمان نبی مان لو بس بیڑا پار ہے جو احکام قرآن مجید میں آگئے ہیں اور جن کا بیان حدیث نبوی میں موجود ہے اس کی پابندی کرو۔ کیونکہ یہ پابندی عین آزادی ہے نجات کے لئے نہ کسی پیر سے بیعت کرنے کی ضرورت ہے نہ کسی وظیفہ پڑھنے اور کسی قبر پر جانے

نہ کسی سے دعا کرانے کی ہر مسلمان بجائے خود ایک شیخ ہے کہ اسے مذہبی ارکان ادا کرنے میں کسی مولوی عالم پیر کی ضرورت نہیں ہے وہ اور مذہب کے پنڈتوں اور پادریوں کی طرح مولویوں کا مقید نہیں ہے وہ خود قرآن کے موافق اپنا جج بن سکتا ہے اور خود ہی اپنے کو سزا دے سکتا ہے یہی مولانا شہید کی تلقین تھی جن لوگوں نے سمجھ لیا یا جو لوگ سمجھتے جاتے ہیں وہ تو آرام اور اطمینان میں ہو گئے جنہوں نے نہیں سمجھا وہ گھبرائے ہوئے ادھر ادھر قبروں اور پیروں کے پاس پڑے پھرتے ہیں اور پھر ان کی تشنگی نہیں بجھتی۔ اسلام اور کفر کے دو راستے کھلے ہوئے ہیں جس کو جو بھلا معلوم ہو اس پر چلے کوئی منع کرنے والا نہیں ہے مگر آئندہ زندگی میں جو کچھ جزا و سزا اس کی ملیگی وہ اپنی ہی ذات پر اٹھانی پڑیگی اور وہی سخت عذاب درد دینے والا ہے۔ خدا ہر متنفس کو اس سے بچائے بدگمانی کو دل سے نکال ڈالو اور اسلام کے سچے تبع بن جاؤ۔ اب میں یہاں سے پیارے شہید کی تصانیف کا ذکر نہایت اختصار کے طور پر کرتا ہوں۔

سترہواں باب

مولانا شہید کی تصنیفات اور بعض خط

مولنا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب کی تصنیفات جو خاص خاص موقعوں پر نہایت ضرورت کے وقت لکھی گئیں بینظیر یادگار شہید کی ہیں آپ کی سوانحمری کا دیکھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ ہوش سنبھالتے ہی جو خیال آپ پر غالب آگیا اور جس کی دھن میں آپ نے اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ صرف کر دیا اور آخر اسی میں شہید ہو گئے ایسا نہ تھا کہ چوبیس گھنٹے روز و شب میں کوئی اطمینان کا وقت نکلتا اور آپ کسی حجرہ میں بیٹھ کر تصنیف کی کاروائی شروع کرتے۔ فطرت نے پیارے شہید کو تصنیف و تالیف کرنے کے لئے پیدا نہ کیا وہاں کام ایک عظیم الشان لینا تھا جو اور کسی سے کبھی نہ ہو سکتا تھا۔ ایک دفعہ تحصیل سے فارغ ہو کر مولانا شہید کا تفسیر قرآن لکھنے کو جی چاہا تھا اور شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے چچا جان کی خدمت میں عرض بھی کیا تھا کہ میں تفسیر لکھنا چاہتا ہوں شاہ صاحب نے فرمایا تھا بیٹا تفسیریں تو بہت سی موجود ہیں اگر تفسیر لکھنے کا ارادہ ہو تو کوئی نئی بات پیدا کرو اور اگر نئی بات نہ ہو سکے تو بیفائدہ ہے مولانا شہید نے عرض کیا تھا کہ وہ کونسی بات قابل لحاظ ہو جس سے تفسیر میں نیا رنگ پیدا ہو جائے شاہ صاحب نے ارشاد کیا بیٹا کچھ پرانی ادب کی کتابیں شعرائے متقدمین کا کلام اور محاورہ عرب دیکھو اور پھر قرآنی محاورہ اور معصروں کی تحریروں سے اسے تطبیق دیکر دیکھو اسی طرح کی بہت سی نئی باتیں جب تفسیر لکھنے بیٹھو گے نکل آئینگی۔ مولانا شہید نے

اسی دن سے شاہی کتب خانہ سے جتنی کتابیں ادب وغیرہ کی مل سکیں انہیں بغور پڑھا اور ان کے مطالب اور محاورات کو دل میں جگہ دی یہ سن کر تعجب ہوگا کہ آپ کو دو ہزار اشعار شعرائے عرب کے نوک زبان تھے۔ مگر یہ بہت درست ہے ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ فطرت نے پیارے شہید کو بنی نوع کی اصلاح اور ظالموں سے انتقام لینے کے لئے پیدا کیا تھا اسے منظور نہ تھا کہ ایسا جوہر فرد حجرہ میں بیٹھ کر تصنیف کی دھن میں کبھی ڈاڑھی نوچنے لگے اور کبھی کسی مطلب کے سوچنے کے لئے منہ پیٹنے لگے کبھی زچ ہو کر دوات و قلم اٹھا کر پھینک دے حقیقت میں مصنفوں کی حالت جب وہ تصنیف کرنے بیٹھتے ہیں بالکل مجنوں کی سی ہوتی ہے۔ مولانا شہید نے پانچ چھ مہینے تو اس میں صرف کئے مگر آخر کار جس راستہ پر چلنے کے لئے فطرت نے بنایا تھا وہی راہ اختیار کی اور تصنیف و تالیف کا خیال تک بالکل چھوڑ دیا۔

پھر بھی جو کتابیں حسب ضرورت مولانا نے لکھی ہیں یا یہ کہو کہ ان کے بعض بعض وعظوں کا خلاصہ ہے وہ مفصلہ ذیل ہیں۔

"تقویۃ الایمان" یہ ایک چھوٹا سا رسالہ عجیب دلچسپ پیرائے میں لکھا گیا ہے وہ باتیں جو اس وقت مسلمانوں میں رائج تھیں اور جس سے اسلام شرک میں گھی کھچڑی ہو رہا تھا انہیں اس طرح علیحدہ کر کے دکھا دیا اور قرآن و حدیث سے ان کی ایسی تردید کی کہ ہوا کا رخ ادھر سے اُدھر پھر گیا۔

یہ لاجواب رسالہ جس کی شہرت دریائے جمنا سے فرات تک بہت مقبولیت سے پھیلی ہے ایک عجیب جوہر ہے جس میں سچا اسلام اور ایمان اپنی تابانی دکھا رہا ہے۔ سوائے قول خدا اور حدیث رسول اللہ کے نہ کسی امام کا قول نقل ہے اور نہ کسی مجتہد کا نہ اپنا مطلب ظاہر کرنے کے لئے کچھ منطق و فلسفہ کا خرچ کیا گیا ہے نہ شاعرانہ جامہ عبارت کو پہنایا گیا ہے۔ سیدھی سادی عبارت اور چھوٹے چھوٹے جملے اور عام فہم الفاظ معمولی بول چال کے ہیں کہ معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی باسانی سمجھ لے اپنی دینی خیالات اس سے درست کر سکے۔ ملاّئی پیچیدہ اور قریب قریب لاینحل عبارت جس سے بالکل مطلب خبط ہو جاتا ہے اس میں کہیں نام کو نہیں پائی جاتی ہے۔ بہت بڑا کمال جو اس کتاب میں رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ چھوٹے رسالہ میں تمام وہ مطالب جن سے دین اسلام صاف ہو کر اور نتھر کر شرک و بدعت میں سے نکلتا ہے بالتفصیل درج کر دیئے گئے ہیں جن کا یہ مفہوم ہے کہ اگر ان پر عمل کر لیا تو دونوں جہاں میں بیڑا پار ہے میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی بات بھی ایسی نہیں چھوڑی کہ جو ہندی مسلمانوں کا اوڑھنا، بچھونا ہو اور اس سے اخلاق نہ بگڑتے ہوں اور دین میں رخنہ نہ پڑتا ہو۔ تمام وہ مکروہ بدعتیں جنہوں نے مسلمانوں کا ستیا ناس کر دیا تھا اور ان کی گھٹی میں پڑ گئی تھیں اور تمام وہ شرک جنہوں نے قرآن و حدیث کے منشا کو

بالکل پلٹ دیا تھا اس خوبصورتی سے ان کی قرآن وحدیث سے تردید کی گئی جس کی مثال کوئی اور کتاب نہیں معلوم ہوتی صدہا کتابیں ان مضامین پر دیکھنے میں آئیں وہ ایسی طول طویل اور ادق ہیں کہ اول تو ان کا مطلب مشکل سے کھلتا ہے اور دوسرے عام ہدایت ان سے نہیں ہوسکتی کیا ہوا اگر فی ہزار ایک شخص دشواری سے اس کی تہ تک پہنچا۔ ایسی کتاب کا اسلامی دنیا میں عدم وجود سب برابر ہے یہ بہت درست ہے کہ اگر "تقویۃ الایمان" نہ ہوتی تو جو اصلاح مسلمانوں کی معاشرانہ زندگی میں ہوئی ہے کبھی نہ ہوتی اور خبر نہیں مسلمانوں پر کتنی آفتیں نازل ہوتیں اور کیا کیا غضب الٰہی ان پر اُترتا۔ جو کچھ روشنی اس وقت ہندوستان میں دکھائی دیتی ہے اور جس سے اسلام اسلام معلوم ہوتا ہے سب اس کتاب کا صدقہ ہے۔ اب تک اسکی[1] اشاعت چالیس پچاس لاکھ کے قریب ہوچکی ہے اور دن بدن ہوتی جائیگی یہاں سے اس کی مقبولیت کا پورا پورا اندازہ ہوسکتا ہے۔

بڑے بڑے معرکہ کے مضامین چندہی الفاظ میں اس طرح ادا کردیئے ہیں اور انہیں صاف کرکے دکھا دیا ہے کہ سخت تعجب آتا ہے اور زیادہ حیرت یوں ہوتی ہے کہ جب ملّا نے ان مضامین پر کچھ لکھتے ہیں تو صدہا صفحے سیاہ کرجاتے ہیں مگر مطلب نہیں کھلتا کہ لکھ کیا رہے ہیں اور آیندہ کیا لکھیں گے بحث طلب کونسا امر ہے۔ مثلاً ایک مشہور و معروف مسئلہ کو پیارا شہید سادے لفظوں میں اس آیت قرآنی کے تحت میں اسطرح لکھتا ہے۔ قل ادعوا الذین زعمتم من دون اللہ لا یملکون مثقال ذرۃ فی السمٰوات ولا فی الارض وما لھم فیھما من شرک وما لہ منھم من ظھیر ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا لمن اذن لہ حتی اذا فزع عن قلوبھم قالوا ماذا قال ربکم قالوا الحق وھو العلی الکبیر (سورہ سبا)

(ترجمہ) "کہہ بھلا پکار تو ان لوگوں کو کہ خیال کرتے ہو سوائے اللہ کے سو وہ تو ایک ذرہ برابر بھی آسمانوں اور زمین میں اختیار نہیں رکھتے اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ ساجھا ہے اور نہ ان میں سے اللہ کا کوئی بازو ہے کسی کی سفارش اس کے روبرو کام نہیں آتی مگر جسے وہ خود سفارش کرنے کی پروانگی عطا فرماوے یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا کہتے ہیں کہ حق اور وہی ہے بلند بڑا۔"

کئی قسم کی شفاعت پر بحث فرماکر آپ یہ تحریر کرتے ہیں (دھو ہذا)

جو کوئی کسی نبی یا ولی کو یا امام اور شہید کو یا کسی فرشتہ کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے وہ اصل مشرک ہے اور بڑا جاہل ہے کہ اس نے خدا کے معنی کچھ بھی نہ سمجھے اور اس

[1] زمانہ تصنیف کتاب ہذا تک اس سے پیچھے مزید ہوتی گئی (مصحح)

مالک الملک کی قدر کچھ بھی نہ پہچانی اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن وفرشتہ جبرئیل اور محمد صلعم کے برابر پیدا کرڈالے اور ایک اور ہی عالم اس جگہ قائم کرے کہ اس کے تو محض ارادے ہی سے ہر چیز ہوجاتی ہے کسی کام کے واسطے کچھ اسباب اور سامان جمع کرنے کی کچھ حاجت نہیں"۔ (از تقویۃ الایمان)

اس لکھنے پر کہ خدا محمد صلعم جیسے اور بھی نبی پیدا کرسکتا ہے ملانوں میں طوفان بے تمیزی برپا ہوگیا اور انہوں نے اپنی بھونڈی عقلوں کے صدقہ میں جو کچھ ان کی بونگی طبیعت نے گواہی دی اُلٹے سیدھے رسالے لکھ ڈالے اور خدا کی عظیم الشان قدرت کو توڑ مروڑ کر اپنے تنگ وتاریک مسجد کے حجرہ میں مقید کردیا۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے رب کو جس کا قرآن شاہد ہے اتنی قدرت ہے کہ اگر چاہے تو آن کی آن میں موجودہ دنیا کے ہر متنفس کو محمد صلعم کے برابر رتبہ دے۔ پھر بھی اس کی لاانتہا عظمت اور لازوال شوکت میں ذرا بھی تفاوت نہیں آسکتا اگر اسلام مٹ جائے اور ہر شخص ابوجہل بن جائے تاہم اسکی عالیشان عزت اور لامحدود رفعت میں ایک تل برابر بھی فرق نہیں آسکتا۔

خداوند تعالیٰ نے جو قوانین قدرت منضبط کئے ہیں ان کے خلاف کرنے کی اُسے عادت نہیں ہے مثلاً اس میں قدرت ہے کہ وہ بغیر شوہر کے ہر کنواری کے پیٹ سے بچہ پیدا کرسکتا ہے اور بغیر بادل کے پانی برسا سکتا ہے اور بغیر پانی کے ڈبو سکتا ہے اور بغیر آگ کے جلا سکتا ہے اور بغیر زبان کے بلوا سکتا ہے اور بغیر پیروں کے چلا سکتا ہے اور بغیر تلوار کے کاٹ سکتا ہے مگر یہ ساری باتیں اس کی عادت میں نہیں ہیں وہ اپنے قوانین قدرت کے خلاف جو اس نے اول دن سے مقرر کئے ہیں کبھی نہیں کرتا نہ اس نے آجتک کیا۔ کیا اس میں یہ قدرت نہیں ہے کہ بغیر انبیاء علیہم السلام کے مبعوث کئے دنیا کو ہدایت کا رستہ دکھا دیتا اور جہاں میں کسی متنفس پر شیطان کا غلبہ نہ ہوتا مگر اس کے قوانین قدرت کے خلاف یہ ساری باتیں پڑتی ہیں اس لئے اس نے سب قسم کے اسباب جمع کردئیے اور ایک ایسا باغ لگادیا جہاں گلاب اور موتیا کے تختے بھی ہیں تو ستیاناسی کے بھی درخت ہیں جہاں بلبلیں چہچہا رہی ہیں بوم بھی نوبت زنی کرتا ہے اسی طرح پیغمبر آخرالزماں کی مثل پیدا کرنے کی اس میں قدرت باقی ہے مگر عادت نہیں ہے جب اس نے نبوت کا خاتمہ ایک مقدس معصوم نفس پر کردیا اب اسے ضرورت نہ رہی کہ پھر ایک اور نبی اپنے وعدہ کے خلاف ایسا پیدا کرے اس صورت میں یہ سمجھنا کہ اس میں مثیل محمد پیدا کرنے کی قوت نہیں ہے صریح کفر میں پڑنا ہے یہی مراد مولانا موصوف کی ہے جس پر سخت ردّ وقدح کی گئی یہاں تک کہ بعض کوتاہ اندیش دور از اسلام ملانوں نے آپ پر کفر کا فتویٰ لگادیا اس پر بھی ہمیں کچھ افسوس اور استعجاب نہ کرنا چاہیئے جہاں خدا کو نہ

چھوڑا اور اس کی بیوی اور بیٹیا ٹھہرادیا۔ جہاں نبی پر فریبی اور جادوگر ہونے کا الزام قایم کیا گیا جہاں صحابۂ کبار کو غاصب ٹھہرایا گیا جہاں علمائے اسلام مثلاً امام غزالی اور دیگر علماء پر فتوے کفر لگایا گیا وہاں بیچارے شہید کی کیا حقیقت ہے۔

اگر مسلمان اپنی اولاد کی بہتری چاہتے ہیں اور انہیں مشرک اور بدعتی بنانا نہیں چاہتے تو انہیں فرض ہے کہ قرآن کے بعد وہ معصوم بچوں کو "تقویۃ الایمان" پڑھائیں۔ اگر اب انہوں نے یہ طریقہ اختیار نہ کیا چند روز کے بعد زمانہ خود انہیں مجبور کریگا کہ وہ ایسا ہی کریں لاکھوں کتابیں عربی میں ترجمہ ہوکر عرب میں بھیج دی گئی ہیں جن کو عربی سوسائٹی میں چاہٹ سے پڑھا جاتا ہے اور دلچسپی سے اس کے مطالب کو دل میں جگہ دی جاتی ہے قرآن مجید میں زیادہ زور توحید پر دیا گیا ہے مگر قرآنی توحید میں ملانوں نے شرک کی ایسی آمیزش کردی تھی کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جدا یا علیحدہ کرنا مشکل پڑ گیا تھا مگر خدا مولانا موصوف کو جنت میں مدارج اعلےٰ عطا فرماوے کہ انہوں نے صاف صاف کھول دیا اور توحید و شرک کو بالکل علیحدہ اور جدا جدا کرکے دکھادیا۔

"تقویۃ الایمان" کے دو حصے ہیں ایک مولانا شہید نے اپنے قلم سے لکھا ہے اور دوسرا حصہ آپ کی وفات کے بعد محمد سلطان خان صاحب نے ترتیب دیا ہے مگر مطالب وہی درج ہیں جو پیارے شہید کے ہیں یہ سمجھنا چاہیئے گویا پیارا شہید لکھواتا گیا اور محمد سلطان خان لکھتے گئے۔ اس سے بہتر نبی، ولی، پیر، شہید کی حقیقت اور کسی کتاب میں کم ملیگی جیسی "تقویۃ الایمان" میں پائی جاتی ہے۔ ایک انمول گوہر ہے جس کی تاباں شعاعیں جمنا سے فرات تک پڑ رہی ہیں اور امید ہے کہ آیندہ باسفورس تک اسلامبول کی فیصلوں کی سنہری قبول اور شاخ زریں یا گولڈن ہارن کے طلائی کنگروں پر پڑیگی۔

دوسری کتاب "تنویر العینین" ہے یہ کتاب دراصل اس بیہودہ شور و شر مٹانے کے لئے لکھی گئی ہے جو علماء میں رفعیدین کی بابت پڑا ہوا تھا ایک گروہ صرف اس فروعی اختلافی مسئلہ میں ایک دوسرے کو کافر کہتا تھا جو شخص رفعیدین کرتا تھا وہ اپنے اس بھائی مسلمان کو جو رفعیدین نہ کرتا ہو مسلمانی سے خارج جانتا تھا اس طرح نہ کرنے والا شخص کرنے والے کو کافر سمجھتا تھا مولانا شہید نے اس بیہودہ شورشیں اور ہولناک غلط فہمی کو اڑادیا اور یہ ثابت کردیا کہ کوئی شخص رفعیدین نہ کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے اور اگر کرے تو ثواب ہے کیونکہ طرفین کے دلائل اس مسئلہ میں قوی ہیں۔ اس سے زیادہ فیصلہ کرنے والا اور کون منصف مزاج ہوسکتا ہے؟ بھلا صریح حدیثوں کی جو مولانا نے لکھی ہیں تردید کیا ہوسکتی ہے۔ مولانا شہید نے حدیثوں سے ثابت کیا ہے کہ افضل رفعیدین کا کرنا ہے اور نہ کرنے والا گنہگار نہیں۔ میں نہیں جانتا

کہ اتنا لکھنا کیا غضب ہو گیا کہ اس کی تردیدیں ہونے لگیں اور ایک تلاطم برپا ہو گیا۔ اب ہم رفعیدین کے بارے میں تنویر العینین سے نقل کر کے ناظرین کو دکھاتے ہیں کہ مولانا کی دین کے معاملہ میں کیسی دھیمی طبیعت ہے اور وہ رفعیدین کے بارے میں کن انصاف پسند الفاظ میں فیصلہ کرتے ہیں چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

الحق ان رفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والقیام منہ والقیام الی الثالثۃ سنۃ غیر موکدۃ من سنن الھدی فیثاب فاعلہ بقدر ما فعل ان دائما فجسمہ وان مرۃ فبمثلہ ولا یلام تارکہ۔ (ترجمہ) حق یوں ہے کہ دونوں ہاتھوں کا اٹھانا تکبیر تحریمہ رکوع سے کھڑے ہونے دو رکعتوں سے تیسری کی طرف کھڑے ہونے کے وقت سنت غیر موکدہ ہے (یعنی ایسی سنت ہے جسکی تاکید نبی عربی نے نہیں فرمائی۔ سنن ہدی سے پھر بقدر کرنے کے اس کا کرنے والا مستحق ثواب ہوگا اگر ہمیشہ کرتا رہیگا تو اسے ہمیشہ کا ثواب ملیگا اور اگر ایک مرتبہ کرے تو ایک مرتبہ کا ثواب پاویگا اور اسکے تارک پر ملامت نہ ہوگی"

اس کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مولانا شہید نے صاف طور پر انصافاً لکھ دیا اس میں جھگڑا ہی نہیں رہا نہ کرنے کو جی چاہے رفعیدین نہ کرے عذاب نہ ہوگا ہاں اگر مولانا شہید یہ لکھتے کہ نہ کرنیوالے کی نماز نہ ہوگی یا وہ جہنم واصل ہوگا تو اعتراض کرنے کی بھی جگہ ہوتی اور جب مسلمانوں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا پھر کیوں اتنا شور و غل مچاتے ہیں اور ناحق دریدہ دہنی کر کے اپنی شرافت کے پترے کھولتے ہیں۔

خدا نے ہمیں اس لئے علم نہیں دیا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کی تکفیر کے فتوے خواہ مخواہ مرتب کریں اور اپنی علمی تلوار سے ان کے گلے کاٹیں بلکہ ہمارے یہ علمی ہتھیار غیر اسلام کے لئے ہیں۔

میں دریافت کرتا ہوں کہ آج تک کسی ملا نے عیسائیوں کے مقابلہ میں بھی کتاب تصنیف کی اور ان کی زہریلی تصانیف کا بھی رد لکھا یا سوائے مسلمانوں کی تردید کرنے کے انہیں کچھ آتا ہی نہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پادریوں نے بہت سی کتابیں مسلمانوں کے خلاف تصنیف کی ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری ایسے برے پیرائے میں جھوٹی جھوٹی باتوں کے ساتھ طبع کی ہے جن کے دیکھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جاہل مسلمان اپنے دین میں مشتبہ ہو جاتے ہیں ان کی تردید بھی آپ نے لکھی تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم انہیں قابل خطاب نہیں سمجھتے وہ اجہل من الناس ہیں ملانوں سے ایسی امید ہی رکھنی فضول ہے وہ آمادہ ہیں اور بہت مستعدی سے آمادہ ہیں صرف قرآن وحدیث کی تردید کرنے میں کوئی مسلمان کتاب لکھے ضرور اس کی تردید کرینگے اور اگر حمیت نے زیادہ زور مارا تو کفر کا فتوے اس پر دے دینگے یہ مسلمانی رہ گئی ہے اور یہ ایمان ہے۔ ادھر تقویۃ الایمان کے رد چھپ رہے ہیں اور ادھر تنویر العینین کے مگر یہ توفیق نہ ہوگی لاؤ ان الزاموں کو بھی اٹھا دیں جو عیسائی لاعلمی یا ہٹ دھرمی یا تعصب سے رسول عربی کی معصوم ذات پر

قائم کرتے ہیں ایسی تردید کو جہالت سمجھ رکھا ہے قرآنی تردید کو علم خیال کر رکھا ہے۔ ع

گر مسلمانی ہمین است کہ حافظ دارد ٭ وائے گر از پئے امروز بود فردائے

مجھ سے ایک بوڑھے شخص نے خدا اس پر رحمت کرے یہ روایت بیان کی تھی کہ جب محمد اسمٰعیل نے تنویر العینین" لکھی ہے تو آپ پہلے شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا چچا جان آپ اسے ملاحظہ فرمالیں تو پھر میں اس کی اشاعت دوں شاہ صاحب نے بغور اس چھوٹے سے رسالہ کو ملاحظہ فرمایا آپ فرط انبساط سے بیخود ہوگئے اور مارے خوشی کے پھولے نہ سمائے اسی سرخوشانہ حالت میں اپنے نوجوان پیارے بھتیجہ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا تو نے جو کچھ لکھا وہ بالکل درست اور صحیح ہے کوئی شخص اس کی تردید نہیں کرسکتا حقیقت میں اس چھوٹے سے رسالہ کی عمدگی میں شک نہیں جو شخص مسلمان بن کر اس رسالہ کو دیکھیگا اسے طرفین کے قوی دلائل کو وزن کرنے اور ان سے ایک نتیجہ اپنے لئے پیدا کرنے کا اچھا موقع مل جائیگا۔

تیسری کتاب آپ کی "صراط مستقیم" ہے گو وہ سید احمد صاحب کے نام سے منسوب ہے مگر دراصل پیارے شہیدی کی لکھی ہوئی ہے جیسا کہ ہنٹر اپنی کتاب "دی انڈین مسلمان" صفحہ ۵۱ میں لکھتا ہے کہ مولانا اسمٰعیل نے اس کتاب کو فارسی میں تالیف کیا اور مولوی محمد عبدالجبار کانپوری نے اس کا ترجمہ اُردو میں کیا یہ کتاب یا رسالہ جس میں سید احمد صاحب کے مقولے ہیں تصوف اور نصائح سے بھرا ہوا ہے عبارت کی عمدگی پر مؤلف کو جسقدر ناز ہو وہ کم ہے جس مقام سے کتاب کو اٹھا کر دیکھو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کا ایک دریا بھرا ہے۔ الفاظ کی بندش اور عبارت کی چستی سے جسقدر عالمانہ پن برستا ہے اسی قدر مطالب کی عمدگی سے مؤلف کی شان معلوم ہوتی ہے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ اس رسالہ کے ہر مضمون سے میں متفق ہوں تاہم اس کا بہت سا حصہ قابل مدح اور عمل ہے جس کا اختصار ہم درج ذیل کرتے ہیں وھو ہذا۔

دعائے محبت والفت با خدائے عزوجل ہر کس میکند لیکن حقیقت آں کمیاب است بلکہ نایاب حقیقت محبت و الفت آنست کہ باوجود کمال ایمان و اعمال و علم و عقائد اور در ہر باب واجتناب از معاصی و سیئات بمرتبہ علیا اگر او را مصائب و بلیات آں چناں رسد کہ جان و مال و اولاد و زوجہ و قوم و آبروی او را فرا گیرد و بہ بدترین امراض مبتلا گردد و دریں بلیات جان دادہ بعذاب شدید آں عالم گرفتار شود ہرگز پارہ از حرف شکایت در خاطر حضور نکند آرے التجا و زاری و نیایش و بیقراری از عدم تحمل آں مصائب بحضور خداوندی بسبب فرط اعتقاد بعموم رحمت و مغفرت ہر قدر کہ کند بہتر و بجا بلکہ مقتضائے کمال ایمان آنست فاما مفہوم شکایت را نسبت بآں ذات پاک در وہم و خیال جا ندہد بلکہ آں را بالکل بقصور حال مآل و نقصانیکہ در استعداد

انی او ست نسبت کند۔ وَ مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَ مَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ وما اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ۔ بامبین حال خود شمارد و ہمیں امر باعث حصول مقام صبر و منصب رضا باقتضاے باشد ویقین کند کہ وی مستحق سخت تر عذابے بود ازانچہ بوی رسید و موافق استحقاق وی نیست و عفو آن عفو غفور است کہ بآں درجہ عذاب کہ مکافی قصورش باشد ابتلا نفرمودہ وہمیں امر باعث صدر اعلاے انواع شکر کہ درعین مبتلا و بلا باد ہجوم مصائب است مے گردد و بالجملہ انسان را ہیچ حقیقت قابل آں نیست کہ درصورت توجہ کرم الٰہی تصور معنی قدردانی اللہ تعالیٰ کند و درصورت توجہ بخشش او تعالےٰ را ناقدردان پندارد چہ او را ہیچ قدرے نیست کہ بسبب آں اللہ تعالےٰ را بقدردانی و ناقدردانی خود خیال کند۔ فقط"

اس عبارت سے اندازہ ہوگا کہ صبر و شکر و رضائے الٰہی میں پیارے شہید کی کیا رائے تھی اور اس نے اپنے بلند مبارک خیال کو کس پُراثر عبارت میں ظاہر کیا ہے۔ عبارت کے پڑھنے اور ہر ہر جملہ پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا راقم وہی شخص ہے جو صبر و شکر اور رضائے الٰہی میں ڈوبا ہوا ہے اور بیخودانہ سرخوش حالت اور عالم وجد میں اس کی زبان سے یہ دلوں میں گھر کرنے والے الفاظ یا جملے سرزد ہوں۔ انسان کی طبیعت کا آئینہ اس کی تقریر اور تحریر ہوتی ہے بالغ نظر ہر تحریر اور تقریر سے پہچان سکتی ہے کہ جو کچھ مصنف لکھتا ہے آیا اسکی طبیعت کی بھی یہی کیفیت ہے یا اسمیں محض تصنع ہے بعض تحریریں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن سے صاف طور پر یہ ہویدا ہوتا ہے کہ مصنف کا دل قلم کے ساتھ موئید نہیں ہے دل کچھ اور کہتا ہے طبیعت کچھ اور گواہی دیتی ہے قلم کچھ اور کہہ رہا ہے مگر پیارے شہید کے وہی زبان پر تھا جو اسکے دل میں تھا اسی لئے جیسا اس کی زبان میں اثر تھا اُسی قدر اس کی تحریر میں اثر تھا۔ اس کی آنکھوں کی زبردست اور قوی مقناطیسی کشش غضب کی پُرزور تھی جس سے نگاہیں ملائیں پس اسے اپنا گرویدہ بنا لیا بالجملہ یہ کتاب سید احمد صاحب کی بڑی یادگار ہے جو ان ہی کے نام سے مشہور ہے اور ہر شخص انہی کی مصنفہ سمجھ کر اسے پڑھتا ہے اور اپنی اپنی فہم کے مطابق اس سے دلچسپی لیتا ہے۔

چوتھی کتاب "منصب امامت" ہے یہ ۱۴۴ صفحہ کا رسالہ نہایت لاجواب اور اعلیٰ درجہ کا لکھا گیا ہے۔ یہ ایسی ضروری کتاب ہے جس سے حقیقت نبوت امامت اور ولایت کی اصلی حالت معلوم ہوجاتی ہے وہ لوگ جو نبوت و امامت و ولایت وغیرہ کو گڈمڈ کرنے کے عادی ہیں اس رسالہ سے سمجھ سکتے ہیں کہ انبیا علیہم السلام کے کیا کیا مدارج ہیں اور کن کن اعلےٰ صفات میں خداوند تعالےٰ نے انہیں افضل اور ممتاز اپنی جمیع مخلوق سے بنایا ہے وہ غیرخوش آیندہ اور ناروا الزام جو پیارے شہید کی بابرکت ذات پر مفسدین

دین اسلام نے قائم کئے ہیں کہ یہ انبیاء کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا اور انہیں اپنی طرح ایک آدمی کہتا ہے اس رسالہ سے سب کے دندان شکن جواب مل سکتے ہیں بشرطیکہ معترض ہاتھ میں لے کر اس بیش بہا رسالہ کو دیکھیں اور سمجھیں کہ جس جلیل القدر شخص کی نسبت ہم بے بنیاد بہتان جوڑتے ہیں اس کی مرتفع ذات اس سے بہت دور ہے اس میں شک نہیں کہ نبوت و خلافت و امامت وغیرہ کی حقیقت جہلا کبھی نہیں جان سکتے وہی نفوس جانتے ہیں جنہیں خداوند تعالےٰ اپنی ودیعت سونپتا ہے۔ جاہل کٹ ملّا کیا جانیں کہ حقیقت نبوت کیا ہے ان کا اعتراض کرنا سراسر نادانی اور کج فہمی ہے۔

ہم رسالہ منصب امامت پر خود کوئی رائے قائم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے جب کتاب ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے پھر ضرورت کیا ہے کہ ہم اٹکل پچو رائے زنی کریں جس سے خصم کی ہرگز کامل تشفی نہ ہو مناسب ہے کہ بعض مقام ہم منصب امامت کے نقل کر کے اس بات کا انصاف کہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت مولانا شہید کا کیا خیال تھا ناظرین پر چھوڑتے ہیں اور انہیں بیجا اور نامعقول اعتراضوں اور پیارے شہید کے روشن عقائد میں جو وہ معصومین کی نسبت رکھتا تھا حکم بناتے ہیں امید ہے کہ آیندہ سے پھر کوئی ایسی نابکار اور دور از عقل نکتہ چینیاں کرنے کی جرأت نہ کریگا۔

ماخوذ از رسالہ "منصب امامت"

در بیان حقیقت ولایت

"باید دانست کہ انبیا علیہم السلام را در معاملات روحانی و کمالات انسانی بہ نسبت عموم ناس اعتباری باشد کہ حضرت رب الارباب قابل خطاب اند و حامل کتاب باشارات غیبی مامور اند و بشارات لاریبی مسرور پرورش یافتہ بستان تکریم اند و تربیت یافتہ دبستان تعلیم سربلندان مجالس تعظیم اند۔ و دانشمندان مجالس تفہیم مخزن اسرار احکام اند و مورد انوار الہام منور بنور لوارق ملکوت اند و مؤید بظہور خوارق ناسوت نبور ایقان و حکمت معمور اند و در بحر اجتناب و خشیت غریق بکمال محبت و موالات موصوف اند و بادراک لذت مناجات مشغوف در مقام حب فی اللہ راسخ القدم و در معرکہ بغض فی اللہ صاحب علم در ابواب خضوع بغایت ہوشیار اند و در آداب خشوع نہایت تجربہ کار در شدت خوف و رجا بسان سیماب در اضطراب اند و بقوت محو و فنا مثل شبنم در آفتاب و در تعظیم رب کریم بغایت مؤدب اند و در معاملۂ رضا و تسلیم نہایت مہذب و در تبتل و تجرید چست و چالاک اند و در توکل و تفرید بطہر و پاک در قطع علائق نفسانی بیباک اند۔ و در قلع وساوس شیطانی سفاک بر طہارت فطرت مجبول اند۔ و در عبادت رب العزت

مشغول آتش محبت حق در دل افروختہ اند۔ و غیر حق را سر لبسر سوختہ در زہد و قناعت بے بدل اند و در صبر و استقامت ضرب مثل۔ در کل مشکلات مہم ممتاز اند و در سرانجام محبت ہمت بلند پرواز مخزن عقل و علم اند۔ و معدن عفو و علم۔ مجمع خلت و وفا اند و منبع عفت و حیا۔ بر کافہ خلایق رحیم اند۔ و در مراعات علایق کریم یگانہ ہر بیگانہ اند۔ و ہمای ہر خانہ در پے ہر گزیدہ دوان اند۔ در پس ہر گزندہ سر گردان اند انیسان سخاوت اند و بہار گلستان سماحت شیران بیشہ شجاعت اند و دلیران میدان شہامت در است باز ند سیر چشم دشمن نواز۔ در مکارم اخلاق یگانہ آفاق اند و بہ نسبت طالبین حق عاشق و مشتاق ہمین است مقصود از ولایت دریں مقام۔

از ہمیں بیان واضح گشت کہ مرتبۂ ولایت را سہ شعبہ است اول معاملات صادقہ مثل الہام و تعلیم و تفہیم غیبی و حکمت دوم مقامات کامثل محبت و خشیت و توکل و رضا و تسلیم و صبر و استقامت و زہد و قناعت و تفرید و تجرید سوم اخلاق فاضلہ مثل علو ہمت و وفور شفقت و علم و حیا و محبت و وفا و صدق و صفا و سخاوت و شجاعت و امثال ذلک پس گویا منصب ولایت را ازیں سہ شعبہ مرکب توان گفت ہر چند ایں ولایت جمیع خواص عباد اللہ را حاصل میشود چنانچہ کریمہ الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون الذین امنوا وکانوا یتقون۔ بداں دلالت میدارد لکن ولایت ایں کبار رنگے دیگر مے دارد بیانش اینکہ حق جل و علی دو کمال بس عظیم از خزانہ خاص خود بایشاں عطاے فرماید وآں ہر دو را در تمامی کمالات مذکورہ جاری و ساری مے نماید پس ہر کمال ایشاں برنگے دیگرے برآید ممتاز از کمالات اولیاء دیگر اول عبودیت است و ثانی عصمت معنی عبودیت آنست کہ ایشاں را با وجود اتصاف بایں کمالات نقصان ذاتی خود دائما ملحوظ خاطر مے ماند و ایں کمالات را مثل لباس مستعار مے انگارند و مشابہ تقبل لیل و نہار مے شمارند۔ دائما بمحض فضل رب العالمین نظر مے دارند و بہر حال شکر او بجا مے آرند۔ وگاہے خود را از حد بندگی نمے کشند و ہمیشہ راہ تادب مے روند و او ناٹے مراتب گستاخی و شوخ چشمی ہرگز روا نمے دارند۔ و نوعی از ناز و تبختر بخیال نمے آرند۔ از سکر شطح تبرا اند و از شورش و مستی دست بردار۔ ہمیشہ راہ بندگی پویند۔ و زیادت سرافگندگی مے جویند۔ علی الدوام تضرعات عبودیت مے دارند نہ ادعائے تصرفات الوہیت بسان خاک خاموش اند نہ مثل آتش در جوش در مقام تجرید و تفرید از بندگان الہی متنفر نشوند۔ و حقوق ذوی الحقوق تلف نکنند۔ و در مقام توکل براہ مستان لا یعقل نروند طریقہ تادب را کہ عبارت از رعایت اسباب است بالکل از دست ندہند و بنا بر شوق لذت مناجات از گم گشتگان بادیۂ ضلالت دامن نکشند بلکہ تحمل اوقات

مناجات روا دارند بہدایت ایشاں ہمت برگمارند و در مقام حسن خلق مداہنت در دین متین و مساہلت در احکام رب العالمین گوارا نمے کنند و ہرگز بایں راہ رو نمے روند۔ و در مقام سخاوت و سماحت اسراف را راہ ندہند و در مقام شجاعت و شہامت تابع جوش و غضب نشوند۔ پس گویا کہ افعال و اقوال ایشاں از اقتضائے اخلاق کاملہ ایشاں صادر نیست بلکہ در محض اطاعت رب العالمین است و بس مثلاً اگر کسے را چیزے مے بخشند ہرگز بمقتضائے سخاوت جبلیہ خود نمے بخشند بلکہ تامل مے فرمایند کہ اگر رضائے رب العالمین بایں بخشش متعلق آنست فی الفور آں را بر روئے کار روئے کار مے آرند و الا ازاں نہایت نیراراند و اگر در مقامی مقدسہ کارزار و جنگ و پیکار برپا مے کنند بنابر مقتضائے شجاعت خود برپانمے کنند بلکہ اگر رضائے ذلائے خود دراں مے بینند داد شجاعت دراں مقام مے دہند والا پہلو تہی کردہ براہ خود مے روند۔ وہمچنیں در سائر امور قیاس باید کرد۔ پس گویا کہ بظاہر کمالات مذکورہ بسان دانہائے تسبیح متعدد و متکثر است نامادر حقیقت ہماں رشتہ عبودیت ہمہ را یک سلک گردانیدہ و معنی عصمت آنست کہ آنچہ بایشاں تعلق میدارد اقوال و افعال و عبادات و عادات و معاملات و مقامات و اخلاق و احوال آں ہمہ را حق جل و علی از مدار خلت نفس شیطان و خطا و نسیان بقدرتہ کاملہ خود محفوظ مے دارد و ملائکہ حافظین بر ایشاں مے گمارد و تا غبار بشریت دامن پاک ایشاں را نہ آلاید و نفس بہیمی بہ بعضے مکنونات خود امر نفرماید و اگر احیاناً چیزے کہ خارج از قانون رضامندی حضرت حق باشد از ایشاں بطریق شذدہ و ندرت صادر مے گردد فی الفور حافظ حقیقی ایشاں را کشاں کشاں براہ راست مے آرد و ایں ولایت مذکورہ کہ رنگین باشد برنگ عبودیت و عصمت آں را ولایت النبوت مے گویند پس ولایت النبوت غیر منصب نبوت ست چہ منصب نبوت مخصوص است بانبیاء و ایں ولایت النبوۃ اگرچہ بالاصالت در انبیاء یافتہ مے شود فاما بعضے اکابر اولیاء را ہم بتبعیت انبیاء ازاں یقینے بدست مے آید چنانچہ دلائل ایں دعوے از کتاب و سنت عنقریب مذکورہ خواہد گردید فقط۔" (از صفحہ ۵۰)

امام بمنزلہ فرزند سعادتمند رسول ست و سائر اکابر امت و اعاظم ملت بمنزلہ ملازمان خدمتگذاراند و فدویان جان نثار پس چنانکہ تمام اکابر سلطنت و ارکان مملکت اعظم شہزادہ والا قدر ضرور ست و توسل باو واجب موازنہ خود باو علامت نمک حرامی ست و اظہار مفاخرت برو امارت بدانجامی ہمچنیں تواضع و تذلل ہر صاحب کمال بحضور او باعث سعادت دارین است و شمردن علم و کمال خود رو برو ئے جالب شقاوت نشاتین یگانگی با دیگانگیست با رسول و بیگانگی ازو بیگانگیست از رسول

خصوصاً دریں مقام کہ منصب نیابت پیغمبر ہم از جانب حکیم علی الاطلاق باد مفوض گردید پس حالش در ضمن این تمثیل باید فہمید کہ از مقربان بادشاہی امیرے باشد بغایت جلیل القدر مقرب درمیان حصار دربار مامور بر خدمات عمدہ قایم بر مناصب عالیہ و او را فرزندی باشد بغایت سعید شائستہ حضور پادشاہی و قابل تفویض خدمات در لیاقت ہنر مشابہ بہ پدر خود و ہمراہ پدر خود آمد و رفت بہ بارگاہ پادشاہی مے دارد و عزت و اعتبار در نگاہ بادشاہ و در حصار آں بارگاہ بادشاہی جدی بدست آوردہ کہ منصب نیابت پدر خود باو از حضور سلطانی مفوض گردید پس اگر کسے از رفقائے پدر او باو راہ مساوات خواہد پیمود و بر منصب خود در مقابلہ او تفاخر خواہد نمود ہم نمک حرامی بہ نسبت آقائے خود کہ آں امیر کبیر است باو عاید خواہد شد ہم عتاب سلطانی بر و متوجہ خواہد گردید ہمچنیں سرکشی و رو تابی از امام وقت گستاخی ست بہ نسبت او و مساوات اوست بہ نسبت رسول و اعتراض مخفی است بر حکیم علی الاطلاق کہ اینچنیں شخص ناقص را منصب نیابت آنچناں شخص کامل عطا فرمودہ بالجملہ تقرب الی اللہ تبرک توسل ایشاں خیالی ست پر از خلل و وہمی ست سراسر باطل و محال۔

بے عنایات و حق و خاصان حق ٭ گر ملک باشد سیہ گردد ورق

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم حب علی حسنۃ لا تضر معہا سیئۃ وبغض علی سیئۃ لا تنفع معہا حسنۃ قال علیہ السلام الا ان مثل اہل بیتی فیکم کمثل سفینۃ نوح من رکبہا نجی ومن تخلف عنہا ہلک رزقنا اللہ وسائر المسلمین حب اہل بیت واتباعہم بل حب جمیع الائمۃ الہدی واتباعہم آمین یارب العالمین "

اس فاضلانہ تحریر کے دیکھنے کے بعد کون شبہ کر سکتا ہے کہ جو کچھ مخالفت سے مولانا شہید کی نسبت لکھا گیا ہے وہ کس قدر ناروا اور بیجا ہے۔ آپ نے اس عزلت گزینی کی جو بنی نوع سے دلی نفرت پیدا کرنے کی پہلی منزل ہے اور جس کا حدوث بالکل قانون قدرت کے خلاف ہے پوری قلعی کھول دی آپ نے صاف طور پر فرما دیا کہ انتہا درجہ کی رذیلہ انفاس اور بدترین ناس سے بھی نفرت نہ کرنا چاہیئے بلکہ مناجات چھوڑ کر ان کی ہدایت میں سرگرم ہونا چاہیئے۔ موجودہ اور کسی قدر گذشتہ زمانہ میں ولی اور فنافی اللہ اسے جانتے تھے جو ترک دنیا کے نام سے مخلوق خدا پر سنگ باری کرے اور اگر کوئی مسلمان اس کے پاس جائے تو اس پر نگاہ ڈالتے ہی لاحول پڑھ دے اور تھو تھو کر کے اپنا حجرہ بھر دے گذشتہ دو تین صدیوں میں ہندوستان بھر میں یہ شان ولایت اور فنافی اللہ ہونے کی کامل شہادت سمجھی جاتی تھی اگر یہی قبول کر لیا جائے کہ تارک دنیا درحقیقت پہنچا ہوا فقیر ہے اور وہ جبکہ خدا کی یاد میں ہر وقت رہتا ہے اس لئے اسے آدمیوں کی صورت سے

نفرت ہوتی ہے تو بھی ہم اس پہنچے ہوئے ولی اللہ کو یہ کہیں گے کہ یہ خود غرض ہے ذاتی نفع پر اس کی نظر ہے اور خواہشات نفسانیہ میں اس قدر محو ہے کہ ہمدردی بنی نوع کا خیال بھی اس کے دل میں نہیں آتا۔ خدا مولانا شہید کے جنت میں مدارج بلند کرے کہ آپ نے صاف طور پر کھول دیا کہ ایسا شخص جو مسند امامت پر جلوہ افزا ہے ایسا شخص جسے منصب امامت یا ولایت کے حاصل کرنے کا افتخار حاصل ہو چکا ہے اُس پر واجب ہے کہ ترک مناجات کر کے گمراہوں کی ہدایت میں مصروف اور بنی نوع کی ہمدردی میں اپنا دھن من تن قربان کر دے اور ہر دم اسکی زبان پر یہ جاری ہو نہ صرف زبان پر بلکہ اس کی عملی زندگی میں ہر ہر قدم پر یہ پایا جاتا ہو۔ ؎

وقف ست ہمہ بہر ہوا خواہی احباب ؛ علم و ہنر و سیم و زر و جان و دل ما

کسی زمانہ میں ولیوں اور بڑے جید صوفیوں اور بڑے بڑے مولویوں کو چھوئی موئی کا درخت بنا رکھا تھا کہ ادھر کسی کا سایہ پڑا یا کسی نے ہاتھ لگا دیا بس وہ مرجھا کر گر پڑا لوگوں نے کیا سمجھ رکھا تھا انہوں نے خود ہی اپنے کو چھوئی موئی بنا رکھا تھا بنی نوع کی صحبت سے انہیں سخت نفرت تھی اور وہ اپنی عظمت ایسی قابل نفرت فعل سے جانتے تھے۔

یہ اب تک غلط فہمی سے مشہور ہے کہ مولانا اسمٰعیل ولیوں وغیرہ کو کچھ نہ سمجھتے مگر تحریر بالا کی شہادت سے تمام وہ اعتراضات جو ناحق اس ذات والا پر کئے جاتے ہیں دور ہو جائینگے اور امید کی جاتی ہے کہ آیندہ پھر کسی کو خیالی اعتراضات کرنے کی پر غلط دلیری نہ ہوگی۔

"منصب امامت" کی نسبت منتظر لکھتا ہے کہ سید احمد صاحب کی امامت منوانے کے لئے مولانا شہید تصنیف کی تھی مگر میں کہتا ہوں اگر وہ منصب امامت کو بالاستیعاب دیکھتا تو اسے اس کہنے کا موقع نہ ملتا یہ بیش بہا رسالہ درحقیقت کوئی خصوصیت اپنے میں نہیں رکھتا عام طور پر نبوت خلافت ولایت کے اوق مضامین پر کوئی بحث کرتا تو اسے صدہا اجزا سیاہ کرنے پڑتے پھر بھی شائد مطلب صاف طور پر نہ کھلتا مولانا شہید نے چند اجزا میں طولانی مضامین اور غیر محدود مباحث کو چھوٹے چھوٹے جملوں میں اس طرح ادا کر دیا گویا کچھ بڑا کام ہی نہ تھا ہر جملہ جو تین چار الفاظ سے زیادہ کا نہ ہوگا یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل سے ڈھل کے نکل رہا ہے۔

منصب امامت کو لو اور اسے بغور دیکھو۔ فکر کرو اگر درحقیقت تمہیں ان مضامین سے کچھ بھی مذاق ہوگا تو سمجھ جاؤ گے کہ یہ چھوٹا سا رسالہ اپنی نوعیت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

یہ نہایت کمال کی بات ہے کہ جہاں نبی کی صفات بیان کی ہیں وہاں اس کے فرائض منصبی سے بھی اطلاع دیدی ہے تاکہ صفات کی فرائض منصبی کے ساتھ تطبیق ہو سکے۔

پانچویں کتاب ہنٹر نے اپنے رسالہ صفحہ ۱۰۱ میں مولانا موصوف کی تصنیف سے تذکرۃ الاخوان لکھی ہے میں نے ہر چند اس کتاب کو تلاش کیا مجھے نہیں ملی خبر نہیں ڈاکٹر ہنٹر کے ہاتھ سے یہ کتاب کہاں سے لگ گئی تھی بہرحال اگر اس کتاب کا وجود تسلیم کر لیا جائے پھر بھی یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس میں کچھ نصیحتیں ہونگی۔

چھٹی کتاب "ایضاح الحق" نامی مولانا موصوف کی تصنیف سے بیان کی جاتی ہے ڈاکٹر ہنٹر نے اس رسالہ کا اپنی کتاب میں کہیں ذکر نہیں کیا ہے ان رسائل کے علاوہ آپ کی تصوف میں اور بھی کئی کتابیں ہیں جن میں سے بعض کی میں زیارت کر چکا ہوں اور بعض کو میں نے دیکھا بھی نہیں خیر میں اب اس بحث کو ختم کر کے ایک نہایت دلچسپ امر کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے ایک کتاب اس نام کی۔ ہمارے ہندوستان کی مسلمانوں پر از روئے ایمان کے ملکہ معظمہ سے بغاوت کرنی فرض ہے"۔ تصنیف کی تھی اور جس کے شافی اور دندان شکن جواب سر سید نے لندن کے انگریزی اخبارات میں طبع کرائے اور پھر وہ کل مضامین ایک رسالہ کی صورت میں جو ۱۰۵ صفحے کا ہے دو کالموں میں جس میں ایک کالم انگریزی کا اور دوسرا اُردو کا ہے طبع ہو گیا ہے جسے دیکھ کر ڈاکٹر صاحب نے اپنی رائے اور خیالات کو واپس لیا اور اپنی تحریر پر پشیمانی ظاہر کی۔ میرے خیال میں اب اس قسم کی بحث کرنے کا زمانہ ہی جاتا رہا ۱۸۷۲ء میں ذرا لوگ ان باتوں کو غور سے پڑھتے تھے نیا نیا وقوعہ دہلی ہو چکا تھا اور بدقسمتی سے بیگناہ مسلمانوں پر الزام لگایا گیا تھا اس لئے بعض صاحب بہادر بھی اپنی گورنمنٹ میں اپنی مشرقی واقفیت اور مشرقی تجربۂ عظیم کا ڈپلوما لینے کے لئے نئی نئی باتیں گھڑ کر گورنمنٹ کو دکھاتے تھے اس سے انہیں بحث نہ تھی کہ مخلوق خدا کا ایک بہت بڑا حصہ تباہ ہو جائیگا۔ ان کی تو صرف یہ غرض تھی کہ لندنیوں کی آنکھوں میں ہم ایک بہت بڑے مشرقی علم و ہنر اور زبان اور حالات سے واقف کار کہلائے جائیں گورنمنٹ پوستین نہیں ہے جب چاہا لٹا دیا اور جب چاہا اٹھا کے بٹھا دیا وہ ان باتوں کو خوب سمجھتی ہے اسے ایسے زہریلی تحریروں کا کال علم ہے میں پرانے جھگڑے کو چھیڑنا اور بے نتیجہ تطویل کرنا پسند نہیں کرتا صرف اتنا ضرور لکھونگا جب ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا یہ حال ہے کہ "تنویر العینین" کو جو رفع یدین کے بارے میں لکھی گئی ہے اور "تقویۃ الایمان" کو جو شرک و بدعت کے رد میں لکھی گئی ہے۔ "صراط مستقیم" کو جس میں سوائے ایک جگہ کے ہر جگہ ترک دنیا کا ذکر ہے جہاد کی روح مسلمانوں کے تنوں میں پھونکنے والی کتابوں کی فہرست میں اپنے رسالہ مذکور صفحہ ۶۷ میں درج کر دیا

این کار از تو آید و عالم چنیں کند

"تقویۃ الایمان" اور "تنویر العینین" میں ایک جملہ جہاد کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتا اب اس تعصب اور اندھے پن کا کیا علاج کہ ان مذہبی کتابوں کو بھی جہاد کی کتاب کہا جاتا ہے اور جہاں آپ سخت تحیر سے لکھتے ہیں "اب تک برٹش عملداری میں یہ کتاب عام طور پر بکتی ہیں" میں کہتا ہوں اگر ایسی کتاب ہی سمجھ کے لوگوں کے ہاتھ میں مظلوم مسلمانوں کی جانیں ہوتیں تو یہ کبھی کا پیس ڈالتے خدا ہماری روشن دماغ گورنمنٹ کو اس کے کاموں میں برکت دے کہ جب تک وہ ایک معاملہ کی خوب تحقیقات نہیں کر لیتی اس میں ہاتھ نہیں ڈالتی ورنہ ایسے آتشیں عنصر تو کبھی کے اسلامی پرانے شکستہ ڈھانچہ کو توڑ مروڑ ڈالتے۔

اتنا بڑا محقق اس اولوالعزمی سے تو اتنے بڑے اہم مسئلہ میں رائے دینے اٹھا مگر اسے یہ معلوم نہ ہوا کہ جن رسائل کو میں جہاد کے رسالے کہتا ہوں اگر خود پڑھا ہوا نہیں ہوں تو لاؤ کسی نابالغ مسلمان بچہ سے پڑھوالوں گھنٹہ دو گھنٹہ میں مضامین رسائل کے بارے میں اطلاع ہو جاتی وہاں تو غرض گورنمنٹ کو مسلمانوں کی طرف سے بھڑکانے اور صریح دھوکا دینے کی تھی اس لئے ہر حق بات سے عمداً چشم پوشی کی۔

الحمد للہ کہ سر سید کی زبردست تحریر نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے دکھا دیا اور ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی غلط فہمی تعصب یا دھوکا دہی کی نیت گورنمنٹ اور تقریباً تمام تعلیم یافتہ حصہ لندن میں ظاہر ہو گئی اب مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں نئی طرز پر بحث کردوں ڈاکٹر صاحب پشیمان ہو چکے گورنمنٹ ڈاکٹر صاحب کی غلطیاں تسلیم کر چکی پھر اب زیادہ لکھنے کی ضرورت ہی کیا رہی۔

اس قدر جو میں نے لکھا بھی تو صرف اس لئے کہ مولانا شہید کی جن کتابوں کی بابت میں نے لکھا اور ان پر مختصر مختصر ریمارک کیا ہے اس کا ذکر ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے بھی کیا ہے اس لئے مجھے ضرورت ہوئی کہ میں اپنے ناظر سوانح کو ہنٹر صاحب کی فاش غلطی پر بھی مطلع کر دوں اور دکھا دوں بعض مغربی[1] محققوں کی یہ شان ہے کہ جو کچھ ان کے جی میں آتا ہے۔ اپنی غلط منطقی پیچیدہ عبارت میں اٹکل پچو لکھ مارتے ہیں اور واقعات کو ایسی عمدہ عبارت آرائی میں بیان کرتے ہیں کہ محض کذب بھی صدق بن جاتا ہے۔ ہاں مبصر کی نگاہ میں چاہے وہ کذب کا کذب ہی رہے۔

بزیر جامہ نہاں کردہ برص لیکن * بچشم اہل بصیرت برہنہ مے آئی

اس کے بعد میں مولانا شہید کے بعض خطوط بعینہٖ درج کرتا ہوں گو میرے پاس خطوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا مگر انہیں ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا اور صرف ان ہی چند خطوط پر اکتفا کیا جو ناظر سوانح کی کچھ نہ کچھ دلچسپی کا باعث ضرور ہوں گے جتنے خطوط مختلف سرداروں حکمرانوں اور مولویوں کو سید احمد صاحب کی

[1] بلکہ ہر ایک مغربی مصنف کے قلم میں سیاسی غرض داخل ہے۔ خواہ مورخ ہی ہو (مصحح)

طرف سے لکھے گئے وہ کل خطوط دراصل مولانا شاہ محمد اسمٰعیل صاحب ہی کے قلم کے لکھے ہوئے تھے اور وہ ابھی ایک کتاب میں طبع بھی ہو گئے ہیں مگر میں دو خط وہی نقل کرنا چاہتا ہوں جن میں اول یہ جملہ ملتا ہے "از اسمٰعیل بخدمت فلاں"۔ میرے خیال میں دو ہی خط کافی ہونگے پہلا خط درج ذیل ہے۔

از مولانا محمد اسمٰعیل بنام میر شاہ علی صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از بندہ ضعیف محمد اسمٰعیل بخدمت معدن غیرت ایمانی منبع حمیت اسلامی مقبول بارگاہ رب قوی مخدومی میر شاہ علی سلمہ اللہ تعالیٰ بعد از سلام مسنون و دعائی اجابت مقرون واضح آنکہ۔ نامۂ نامی ورقیمہ گرامی متضمن بر کلامیکہ فی مابین صادقین و منافقین واقع گردیدہ رسید مضامین مندرجہ واضح گردید جزاکم اللہ خیراً آنچہ نگارش فرمودہ بودند کہ مضامین سوال وجواب را منقح گردانیدہ وآں را کسوت تالیف رسالہ پوشانیدہ ارسال باید داشت مخدوما حقیقت امر این است ہر چند کہ تحریر و تقریر ہم دریں مقدمات نوعی از جہاد است فاما ایں ضعیف بلکہ سائر حاضرین ایں مقام در امری مشغول اند کہ تقریرات وتحریرات را دراں امر اصلا گنجائش نیست حال ما مردم بہ نسبت حال ایں تحریر و تقریر مشابہ بحال شخصے است کہ بہ نفس ادائے صلوۃ مشغول است بہ نسبت کسے کہ تعلیم مسائل صلوۃ مے نماید پس ہر چند تعلیم مسائل صلوۃ ہم از جملہ مقدمات صلوۃ است فاما حال ادائے نفس صلوۃ مانع ست از اشتغال بہ تعلیم مسائل صلوۃ کسیکہ حال مجاہدین را مشاہدہ نماید بایقین بداند کہ مسلک قیل و قال و بحث وجدال خواہ حق باشد خواہ باطل دیگر و مسلک ایں مردم دیگر۔ مسلک اول از جنس مسلک علما است و مسلک ثانی از جنس مسلک سپاہیان وشان بے نماء۔ حالانکہ دریں مقام چند کلمہ تحریر کردہ مے شود آنہم بر خاطر فاتر بس گران است فاما بنا بر پاس خاطر عاطر نوشتہ مے شود کہ در انعقاد امامت جناب امیر المومنین بر قانون حدیث وکلام وفقہ اصلا شبہ نیست وآنچہ مخالفین از جنس قبائح بآنجناب یا باتباع آنجناب نسبت مے نمایند پس اولاً اینکہ آنچہ بذات آنجناب نسبت مے کنند آں ہمہ سراسر باطل ست و از دسمۂ صدق عاطل وآنچہ برفقائے آنجناب نسبت مے نمایند پس اکثرے ازاں ہم مطابق واقعہ نیست بر تقدیر تسلیم پس قبح رفقائے امام ہرگز در امامت آں قادح نیست چنانچہ قبح امتیان ہرگز در نبوت نبی ایشاں قدح نمی تواند کرد و نیز بر تقدیر تسلیم آنچہ بذات آنجناب ہم نسبت مے کنند پس پر ظاہر است کہ آنہم در ثبوت امامت بالفعل آں اصلا قادح نیست چہ منتہائے آں قدح در مراتب ولایت است

نبوت مراتب ولایت اصلا در شروط امامت نیست بلکہ فسق وظلم ہم سبب زوال امامت بعد ثبوت آں ہرگز نمے تواند شد چنانچہ در حدیث متواترہ عبارات اسلاف واخلاف وفقہائے متکلمین بر آں دلالت مے دارد وبالجملہ مدار کلام برہمیں دو امراست اول ثبوت امامت بعد ازآں عدم زوال آں بسبب اعتراضات مسطورہ۔ اما مقدمہ اولی پس بیانش آنکہ طریق ثبوت امامت را از کتب حدیث وکلام وفقہ تفتیش باید کرد ودریں مقدمہ روایات قوی از ضعیف وراجح را از مرجوح تمیز باید داد وبعد ازاں خلاصہ مضمون قوی راجح کہ درباب طریق انعقاد امامت است منقح کردہ در ذہن ملحوظ باید داشت وبعد ازاں تامل باید کرد کہ در ما نحن فیہ آں امر منقح متحقق است یا نہ ہرچند حقیقت الامر در امثال ایں مقدمات بمشاہدہ منکشف مے گردد کہ لیس الخبر کالمعائنۃ حدیثی است ماثور وشنیدہ کے بود مانند دیدہ مثلی است مشہور اما بنا برآنکہ مشاہدہ حال بہ نسبت غائبین مفقود است پس انکشاف حال بر سبیل اجمال بہ نسبت ایشاں از اطلاع بر اخبار ایں مجمع اخیار ہم بقدر ضرورت مے تواند شد بنا برآنکہ یک قطعہ پرچہ اخبار اطلاع معہ چند قطعات کاغذ دیگر کہ مشارح قطعہ مذکور مے تواند شد بخدمت ارسال داشتہ شد تا بوجہ من الوجوہ حقیقۃ الحال منکشف گردد پس ہرکہ دریں مقدمہ بخوبی تامل خواہد کرد لابد انعقاد امامت آنجناب اذعان خواہد نمود اما مقدمہ ثانیہ پس آں را ہم از کتب حدیث وکلام وفقہ تفتیش باید نمود کہ کدام کدام امر باعث العزال امام باشد از منصب امامت خود ایں بجدی در بارگاہ آنجناب بعید ست کہ کس از کفار مکہ وغیرہم از ادعای وجود ایں قبائح در ذات آنجناب نمے تواند کرد بالجملہ چوں امامت آنجناب ثابت گردید ہیچ امرے کہ باعث انعزال آنجناب از منصب امامت باشد یافتہ نشد پس اطاعت آنجناب بر کافہ مسلمین واجب گردید ہرکہ امامت آنجناب ابتداء قبول نکند یا بعد القبول انکار نماید پس ہمونست باغی مستحل الدم کہ قتل او مثل کفار (مراد سکھاں) عین جہاد ست وہتک او مثل ہتک سائر اہل فسا علیہم مرضی رب العباد چہ امثال ایں اشخاص بحکم احادیث متواترہ از جملہ کلاب رفتار وملعونین اشرار اند ایں است مذہب ایں ضعیف دریں مقدمہ پس جواب اعتراضات معترضین نزد ایں ضعیف ہمیں ضرب بالسیف است نہ تحریر وتقریر اما آنچہ ذکر مے نمایند کہ برائے مقابلہ اہل شوکت مماثلہ ایشاں در شوکت ضرورست پس مے گوئیم اولاً اینکہ ایں مقدمہ مذکورہ ممنوع ست بلکہ سعی در تحصیل معنی شوکت بقدر استطاعت خود کافی است مماثل شوکت مخالفین باشد یا نباشد۔ قال اللہ تبارک وتعالی وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ (ولم یقل) واعدوا لہم ما اعد والکم۔

وثانیاً آنکہ معنی وجود شوکت ایں نیست کہ در جسم امام قوتے بہم رسد کہ ہماں وقت دولت مخالفین را برہم زند و بذات خود تمام جنود عساکر ایشاں را ہزیمت دہد بلکہ مغیش ہمیں است کہ جماعات موافقین ہمراہ او بحدے مجتمع شوند کہ باعتبار ظاہر محتمل مدافعت مخالفین بقوت ایشاں مے توانند کرد و مراد از اجتماع ایں نیست کہ در ہر آن گرد اگرد او ایستادہ مانند بلکہ مغیش ہمیں ست کہ ایشاں را بذات او علاقہ بہم رسد کہ بمقتضائے آں علاقہ در حق ایشاں اطاعت احکام او باشد مثل علاقہ نوکری در عرف سلاطین و علاقہ قرابت و برادری در عرف افاغنہ و در عرف شرع ہمیں علاقہ بیعت را اعتبار فرمودہ اند پس چنانکہ صاحب شوکت در عرف سلاطین ہمونست کہ جمع کثیر از نوکراں داشتہ باشد و در عرف افاغنہ ہمانست کہ جمع کثیر از الوس داشتہ باشد ہمچنیں در عرف شرع امام صاحب شوکت ہمانست کہ جمع کثیر از مسلمین بر دست او بیعت امامت بجا آوردہ باشند چہ علاقہ بیعت نزد شارع اقوی است از علاقہ نوکری و قرابت پس جناب امام ہمام را شوکت شرعیہ بالفعل بحدے حاصل است کہ بمراتب اقوی است از شوکت مخالفین چہ سرداران پشاور کہ صاحب عساکر و جنود و توپ و شاہین اند و خوانین سوات و سنز و سمہ و ہمہ خواص و عوام ایشاں و پائندخاں تنولی بیعت امامت بر دست آنجناب بجا آوردہ اند و شمار ایں اشخاص بہ لکھوکھا مے رسد پس لابد شمار عساکر آنجناب بحدے خواہد رسید کہ شمار جنود کسے از مخالفین ہرگز باں حد نمے تواند رسید فاما اینکہ بعضے از ایشاں نکس بیعت نمودہ و حق آں اطاعت است بجا نیاوردند پس محتمل ست کہ دیگراں ہم ہمیں معاملہ پیش کنند پس ایں معنی اصلا در شوکت شرعیہ قدح نمے تواند کرد چنانکہ بسیاری از نوکراں نمک حرامی مے کنند و در بدخواہی آقائے خود مے کوشند پس احتمال است کہ دیگراں ہم ہمیں معاملہ پیش کنند پس چنانکہ ایں احتمال در شوکت عرفیہ سلاطین قدح نمے کند پس ہمچنیں آں احتمال در شوکت شرعیہ ائمہ قدح نمے تواند کرد۔

ثالثاً آنکہ مماثلت شوکت با شوکت جمیع مخالفین از کفرہ شرق و غرب اصلا مراد نیست و الا امامت ہیچ امامے از سابقین و لاحقین ثابت نگردد پس مماثلت با شوکت ہمیں مخالفین مراد باشد کہ بالفعل مقابلہ با ایشاں (یعنی با سکھاں) در پیش ست و در ما نحن فیہ ایں قدر شوکت البتہ متحقق ست کہ مماثل شوکت ناظماں چھچھ و ہزارہ و پکھل مے تواند شد اگر مماثل شوکت راجہ رنجیت سنگھ نباشد و کدام کس باشان خبر دادہ کہ جناب امام ہمام بہمیں جمعیت قلیلہ عزم لاہور مے دارند بلکہ شب و روز از دیار جمعیت مسلمین و ترقی شوکت ایشاں مساعی بلیغہ بجا مے آرند و عروج شوکت اسلامیہ بتدریجاً امید مے دارند و ایں امر اصلا مستبعد الوقوع نیست بلکہ در انقلاب ملل و دول

ہمیں سنت اللہ جاری است کہ ضعیفے از ضعفاء احاد الناس مثل نادر شاہ و رنجیت سنگھ وغیرہ سرے برآرد و آہستہ آہستہ از رفقا جماعتے بہم مے رساند وقوتے و شوکت تدریجاً بدست مے آرد حتیٰ کہ سلطنت سلاطین عظام و مملکت خوانین ذوی الاحتشام برہم مے زند چہ بلائے انسانی است کسے کہ مخلص برائے طلب دنیا کمربستہ باشد درحق او گمان فتح و نصرت نمایند و بر ہمیں گمان رفاقت او اختیار کنند و کسے کہ محض للہ و فی اللہ و ابتغاءً بوجہ اللہ برائے نصرت دین حق مستعد گردد در حق او اصول یعنی فتح و نصرت مستبعد مے پندارند و آں را از جملہ اوہام بعیدہ شمارند و اشکالات رنگارنگ و اعتراضات گوناگوں بر دو ار گردانند و خود رفیق او نشوند بلکہ عوام مسلمین را از رفاقت او متنفر گردانند و آخر شدہ شدہ نوبت بایں حد رسانند کہ در برہم زدن کار و بار جہاد سعی نامشکور بجا آرند۔ الا لعنۃ اللہ علی الظالمین الذین یصدون عن سبیل اللہ و یبغونھا عوجا و را بعاً۔ آنکہ سلمنا حصول شوکت قویہ شرط اقامت جہاد با اہل شوکت باشد و آنجناب را شوکت بالفعل حاصل نیست۔

لیکن مے پرسم کہ طریق حصول شوکت برائے امام وقت چیست آیا شوکت بایں طریق حاصل مے شود کہ شخصے از شکم مادر خود معہ عساکر و جنود و سائر سامان جنگ بیروں برآید تا وقتیکہ برا قامت جہاد مستعد شود پس ہماں وقت فی الفور از غیب الغیب تمام عساکر و جنود و سائر سامان جنگ باد عطا شود ایں نہ گاہی شدہ و نہ گاہے شدنی است بلکہ طریقش ہماں ست کہ چنانچہ نصب امام بر ذمۂ کافۂ مسلمین فرض ست و مداہنت در آں موجب معصیت ہمچنیں تحصیل معنی شوکت ہم برائے امام وقت بر ذمۂ ایشاں فرض است کہ کل جماعات مسلمین از ہر سو دوان نزد او جمع شوند و ہر کس از ایشاں بقدر استطاعت خود در تحصیل سامان جنگ کوشش نمودہ اسباب آں بقدر طاقت خود بدست آوردہ بحضور امام وقت حاضر گرداند و لہٰذا در کریمہ اعدوا لھم ما استطعتم و کسیمہ جاھدوا باموالکم وانفسکم۔ خطاب بعموم سلف متوجہ گردید نہ بخصوص بائمہ۔

پس ہر کہ مے گوید کہ شوکت امام شرط جہاد ست و شوکت مذکورہ در ما نحن فیہ متحقق نیست پس اورا لازم کہ اول خود تنہا، و بقدر استطاعت خود سامان جنگ ہمراہ آرد و انتظار مشارکت دیگرے دریں امر اصلا جائز نیست۔

پس در آنچہ در امر جہاد تعویق و تعطیل واقع مے شود و بال و نکال آں ہمہ بر گردن قاعدین متخلفین ست بمشابہ آنکہ نماز جمعہ بر ہر کس واجب است و او بدون جماعت متصور نہ و انعقاد جماعت

بدون امام ممتنع پس اگر کسے در خانہ نشستہ انتظار ایں معنی کشد کہ وقتیکہ امام قایم خواہد شد و جماعت مجتمع خواہد گشت ہماں وقت من ہم حاضر خواہم شد پس لابد نماز جمعہ فوت شود آں کس عاصی و آثم گردد۔

چہ نزول امامی از ارواح مقدسہ و جماعتی از جماعات ملائک برائے اقامت جمعہ ہرگز واقعہ شدنی نیست بلکہ طریقش ہمانست کہ ہر کس از خانہ اگرچہ تنہا باشد بیروں برآید و در مسجد رود اگر جماعت مجتمع باشد شریک ایشاں شود و الا در ہماں مسجد بہ نشیند و انتظار دیگرے نماید نہ اینکہ مسجد خالی بیند بخانۂ خود باز گردد کہ انعقاد جماعت و اقامت جمعہ ہرگز بایں وجہ نخواہد شد۔ الخ

دوسرا خط

از مولانا محمد اسمٰعیل بنام مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی

"بعد از سلام محبت التیام واضح آنکہ کاغذے کہ مشتمل بر سوال و جواب مردمان پشاور بود بسمع و اقدس رسانیدم آنجناب در جواب آں بس تحقیقاتِ لطیف و تدقیقاتے بغایت لطیف ارشاد فرمودند اما ایں فقیر را از ملاحظہ کاغذ مذکور چناں واضح گردید کہ مردمان مذکور با اصلاً از زمرۂ علمائے نیستند کہ قابلیت خطاب ندارند یا مکابرین اند کہ مقصود ایشاں تحقیق نیست بلکہ محض فتنہ انگیزی است بناءً علیہ نوشتن تحقیقات مذکورہ بظاہر ضائع مے نمود لہذا چند طلبہ علم درمیان خود بطریقے گفتگو مے نمایند بر ہموں طریق کاغذی نوشتہ ارسال خدمت عالی کردہ شد انشاء اللہ تعالیٰ بملاحظہ سامی خواہد رسید لاکن دریں مقام تامل باید نمود کہ دریں جا دو مقدمہ ست یکے اثبات ارتداد مفسدین مخالفین و تفریع اباحت قتال و حلت اموال ایشاں کردہ شود قطع نظر از آنکہ ایں معنے مبنی بر ارتداد ایشاں ست یا بر دیگر سبب یا مختلف کہ بہ نسبت بعضے ارتداد ثابت شدہ باشد و بہ نسبت بعضے بغی و نسبت بعضے سبب دیگر ہر چند طریق اول ہمو نست محقق و منقح نزد ما زیرا کہ مفسدین مذکورین را با ضعفاء فی الواقع از جنس مرتدین بلکہ از جنس کفار اصلی مے شمارم و ایشاں را از قبیل کفار اہل کتاب مے دانیم۔ چنانچہ اہل کتاب مجملاً بکتاب ایمان مے آوردند بما جاء من عند اللہ علی سبیل الاجمال اذعان مے کردند اما عند التفصیل بعضے را قبول مے کردند و بعضے را قبول نمے کردند کہ آیۂ کریمہ افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض کاشف حال ایشاں است و ہمیں مذہب مرکب را از ایمان و کفر مشرب یہود و نصرانیت مے دانستند

وآنچہ از فضائل ومناقب یہود ونصاریٰ در توریت وانجیل مذکور بود جاہنہائے خود را محل مناقب مذکورہ مے شمرند حق جل وعلیٰ در ردّ ایشاں ایں آیت فرستاد۔

قالوا لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ قل اتخذتم عند اللہ عہدا فلن یخلف اللہ عہدہ ام تقولون علی اللہ ما لا تعلمون بلی من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون۔ الخ

زیادہ والسلام مورخہ ۵ جمادی الاول ۱۲۴۶ھ فقط

اس کے بعد ہم وہ فتوے درج کرتے ہیں جو مولانا ممدوح نے اپنے خط سے نقل کر کے اپنے دوست مکتوب الیہ کے پاس بھیجا تھا۔ بلفظہٖ اس فتوئ تیموری کی نقل درج ہے۔

استفتاء امیر تیمور درباب ہیبت شہر دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"چہ فرمایند علمائے دین محمدی وفقہائے شرع مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اندریں مسئلہ کہ شہرے از شہر ہائے مسلمانان کہ آنجا والی وقاضی وعلماء وسادات ہستند وفسق وفجور وامور نامشروعہ باعلان واظہار کنند وخاتون خوبصورت چہرہ را آشکار اکردہ دوکان کردہ آنجا بنشانند وروز وشب آنجا زنا کنند ودر مہابتہائے ایشاں را بحضور مسلمانان وعلماء ومفتیان با دہل ودف ونائے احضار کنند وتغنی فرمایند وعورات معینہ را آشکارا ومردان ومستان ومفسدان ومستورات دارند وبفساد مشغول شوند وہر مہمانی (دعوت) کہ بروفق سنت محمدی است چنانچہ ولیمہ بعد شب نکاح وعقیقہ ہفتم روز از ولادت نکنند بلکہ برعکس آں بر مشابہت رسم کفار ہند۝ است عورت را غسل دہند ومزامیر ومغنیہ را احضار کنند وتمام رسول باطل کفار را اعانت کنند واگر مسلمانے بیروفق دین محمدی ایشاں را منع کند منع نشوند وہم بر آں مصر باشند وگویند کہ ہمچنیں طائفہ مفسدہ ورسوم باطلہ ایں کار میسر نمے شود ایں محض کفر است ونیز دکان ہا را میاں چار سوئے بازار بنا کنند وآشکارا آنجا جمیع چیز جائز وناجائز فروشند وخوکاں را آشکارا در آبادی شہر ہا دارند وآں شعار کفر است ونیز در بازار ہا وخرابہا (شراب خانے) وگذر ہائے آب (گھاٹ) شنگار را (عاملان محصول چنگی) تعیین کنند وباجہا (محصولات) ودر اینہا بخلاف شرع انور وضع نمایند تا از تجار وغازیان ورعایا واہل سوق بظلم

۝ پیش از نکاح چند روز مہمانی کنند وشب ششم یعنی چھٹی از ولادت چنانچہ رسم کفار ہند

وتعدی تمام مالہائے ناحق بستانند و آں را حق خود دانند و از بعضے محل آنچہ من حیث الشرع مے آید چنانچہ جزیہ و خمس غنائم آں را بر ثبوت بگذارند و آں را جزء احسان تصور کنند و برآں ثواب دارند و نیز بعضے مستحقان از اہل کفار از اہل علم و جہل و عمل را صد چند کفلیہ زیادہ بدہند و از بعضے حق دراں بآنقدار کہ کفایت اوست باز دارند و نیز عہدہ داران بعد کفایہ از بیت المال چنانچہ قاضی و محتسب و امیر شحنہ و رئیس و کوتوال اخذ رسومات و عقدانہ و سجلات کنند و آں ناحق را از ہوائے نفس و جہل مستحق حق خود دانند و ایں کفر است و نیز مردان لباس ابریشمی و انگشتری زریں (سونے کی) بہ تفاخر بر خلاف سنت بر مشابہت کفار پوشند و بند دستار بر خلاف سنت بمشابہت اغنیا بر بندند و چوں ایشاں را ازاں منع کنند گویند کہ مایاں غازیاں ہستیم، ممنوعات شرعی برما مباح است و ہم دراں مفر باشند و ایں سبب زوال ایمان است پس اگر بادشاہ قاہر ہر کہ در دنیا باشد و بر ایشاں ثبوت مے شد ایں کارہا مے کنند و ایں رسوم باطلہ کہ از شرع دور و بہ تکفیر نزدیک است مے پروازند و انسان منع نشوند و ہم برآں کار مصیر باشند برایں بادشاہ قاہر باہر واجب است بلکہ فرض است کہ برائے اعزاز دین محمدی لشکر باکشند و بآں مسلمانان بہ تیغ محاربہ نمایند و ایشاں را بکشند و زنان و فرزندان ایشاں را اسیر نمایند و آں ولایت را خراب سازند تا آں رسوم باطلیہ بالکلیہ برافتند و دین محمدی اعزاز پذیرد و تا بلاد ہائے دیگر خلق انتباہ شود و مسلمانان دیگر کہ ازیں نوع مے کرند متنبہ شوند و ازاں باز مانند۔ آں بادشاہ قاہر باہر دریں کار مثاب باشد عند اللہ العظیم یا نہ۔ اجابو اجواب باشد واللہ اعلم دستخط و مہر عبدالرشید ابن قطب الدین الہروی محمد بن طاہر البخاری الماوراء النہری۔ عبدالعزیز بن قطب الدین الہروی علی بن عبدالکریم الاصفہانی شیخی بن جنید الکوفی۔ ابوبکر بن ابی القاسم البغدادی من کتاب الفتح العیق عبدالجبار بن یوسف النجار۔ یوسف بن محمد السمرقندی۔ احمد الہروی منظفر بن منصور البلخی نظام الدین بن تاج الہروی۔ فقط"

ہمارے مولانا ممدوح کے ان دو خطوں اور اس استفتاء سے جو آپ نے اپنے دلائل جہاد قوی کرنے کے لئے پیش کیا ہے صاف ہویدا ہوتا ہے کہ آپ کا عملی زندگی احکام شریعت کے دائرہ میں گذارنے کا خیال کتنا واثق اور کس درجہ استوار تھا۔ کن کن باتوں کو ناجائز اور کن کن اعمال کو جائز قرار دیتے تھے۔ جو پیارے شہید کی سوانحمری کو بغور دیکھیگا اسے معلوم ہو جائے گا کہ بچپن سے وقت وفات تک جس شخص کی زندگی بالکل احکام نبویہ کی متابعت میں گذری وہ شخص اسمٰعیل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا پوتا تھا۔

ہم جس غرض سے یہ سوانحعمری لکھتے ہیں گو اس کے سمجھنے والوں کے لئے وہ عمیق تر ہے مگر ظاہراً ہمارا منشا بہت بڑا یہ ہے کہ اس بزرگ قوم اور رکن اسلام کی نسبت بعض مسلمان اپنی نادانی یا غلط فہمی یا ہٹ دھرمی یا بیجا تعصب سے جو سوء ظن رکھتے ہیں وہ بالکل مٹا دیا جائے اور پبلک کے سامنے اس کے ذاتی جوہروں کا ایک ایسا نمونہ پیش کیا جائے کہ پھر اس کے قبول کرنے میں دشمن کو بھی چارہ نہ ہو اور اس برتر نفس کی سچی شان عالم پر ظاہر نہ ہو جائے۔

میں نے جہانتک ممکن ہوا اس بزرگ کے حالات کو اختصار کا جامہ پہنایا ہے ورنہ اگر اس کے حالات اور بھی مفصل لکھے جاتے تو اس جیسی چار کتابیں تیار ہوتیں بہرحال ناظرین کی طبع کا خیال کر کے یہ سوانحعمری نہایت اختصار سے لکھی گئی ہے اور اس کا انصاف پبلک پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

اس کتاب کے لکھنے سے میری غرض واہ واہ سننے اور اپنی تعریف میں لوگوں کو رطب اللسان دیکھنے کی ہرگز نہیں خدا گواہ ہے اور اسی کی گواہی کافی ہے صرف غرض یہ ہے کہ ہمیں اس بزرگ قوم کی سوانحعمری سے پورا علم ہو جس نے اپنا دھن من تن قوم پر قربان کر دیا اور اس پر ایسا احسان کیا کہ وہ قیامت تک اس سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

خوف تھا کہ اگر ایسے جلیل القدر واجب الاحترام شہید کی کوئی یادگار قائم نہ ہوئی تو ضرور ایک نہ ایک دن زمانہ اسے بھلا دیگا الحمد للہ پھر سے نئی زندگی پیارے شہید کو ملی اور قرآن کا وہ فیصلہ کہ شہید ہمیشہ زندہ رہتا ہے بالکل صادق آگیا مجھے اپنی اس جانکاہی پر نہ کچھ فخر ہے نہ ناز ہے نہ میں قوم سے اس کا کچھ صلہ چاہتا ہوں کیونکہ یہ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ میرا فرض تھا میں نے پورا کر دیا پھر قوم پر یا کسی پر احسان ہی کیا ہوا خدا سے اگر ہے تو صرف یہ دعا ہے کہ قوم میں یہ کتاب مقبولیت کا جامہ پہنے اور مسلمان اسے دلچسپی سے پڑھیں۔ آمین ثم آمین۔

اس کے بعد دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے جس میں عالیجناب حضرت سید احمد صاحب کی مختصر سوانحعمری ہے چونکہ دونو امیر و مامور کا زندگی کا بہت سا زمانہ یکساں اور ایک ہی حالت کا گذرا ہے یعنی ابتدائے جنگ سے شہادت تک جو حالات قلمبند ہو چکے ہیں وہ دونو ہی امیر و مامور پر صادق آتے ہیں اس وجہ سے یہ دلچسپ نہ ہوگا اگر یہ تبدیل الفاظ سید صاحب کی سوانحعمری میں بھی وہی باتیں درج کی جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے حالات زندگی میں وہ باتیں درج کی جائیں جو نہایت عجیب و غریب ہیں اور جن سے اس محترم سید کی روشن ضمیری اور لاثانی شرعی زندگی کا سچا نمونہ معلوم ہوتا ہے۔

"صراط مستقیم" یہ کتاب حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے علم تصوف کے بیان میں بزبان فارسی لکھی تھی اردو خوان حضرات کے استفادہ کیلئے ملک کی عام زبان میں اس کا ترجمہ کر دیا گیا ہے جس کی خوبی صرف کتاب کے ملاحظہ پر منحصر ہے مختصر یہ کہ مصنف موصوف نے مباحث تصوف و سلوک فاضلانہ پر قلم اٹھایا ہے اور طریقت کے ادق مسائل روشنی میں آگئے ہیں۔
قیمت عمر علاوہ محصول۔ ملنے کا پتہ منیجر اہلحدیث امرتسر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصّہ دوم

حضرت سید احمد صاحب رائے بریلوی کی مختصر سوانحعمری

پیدائش۔ طفولیت۔ تعلیم

نوٹ "سید احمد صاحب کی مفصل سوانحعمری الگ چھپی ہے[۱]۔ مصنف کتاب ہذا نے بغرض افادہ مختصر یہاں لگا دی لیکن اس میں بہت سی عبارتیں بے کار ہیں۔ وہ ہم نے حذف کر دیں۔ باقی الفاظ مصنف کے رکھے ہیں۔ تقبل اللہ منا۔ (مصحح)"

حضرت سید احمد صاحب جنہوں نے سرحدی جنگی تاریخ میں بہت بڑا نام پایا بماہ محرم الحرام ۱۲۰۱ھ مطابق ۱۷۸۶ء رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان بہت بڑا نامور اور عالم مشہور تھا۔ سید محمد عرفان صاحب آپ کے والد بزرگوار تھے جن کی شرافت ایمانداری اور علم کی اہل بریلی قدر کرتے تھے آپ کے نانا سید ابو سعید ایک فقیر طبیعت بزرگ تھے جن کی محتاط زندگی اور اتقا پرہیزگاری نے نہ صرف ان کی شہرت کو رائے بریلی کی چار دیواری یا حدود میں بند رکھا بلکہ دور دور آپ کے تقدس اور پاکی کی ناموری نے آپ کے خاندان سادات کی بزرگی میں اور بھی جان ڈال دی دہلی میں شاہ عبد العزیز صاحب سید ابو سعید کو خاص اور اصل سید اور واجب الاحترام جانتے تھے اسی طرح بزرگ سید کے حقیقی چچا سید ابو النعمان نے قرب و جوار کے مسلمانوں کی تسخیر قلوب میں سب سے زیادہ ناموری حاصل کی تھی غرض یہ بزرگ سید صاحب جس پر ہمیشہ تاریخ کی روشنی چمکیگی اس معزز خاندان میں پیدا ہوا۔

جب آپ کی عمر کچھ مہینے اور چار برس کی ہوئی حسب معمولی مکتب میں قرآن شریف پڑھنے کے لئے بٹھا دیا گیا۔ مگر یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اس بچہ نے تعلیم کی طرف اپنی توجہ مطلق مبذول نہیں کی بچپن کے حالات گو کسی ایسے سلسلہ سے ہمیں نہیں پہنچے کہ ہم انہیں بے کم و کاست یقین کر لیں پھر بھی ہمیں جو کچھ تحقیق ہوا ہے جس کے صدق و کذب کا خدا کو علم ہے ہم یہاں درج کرتے ہیں امید ہے کہ ہمارے ناظر

[۱] قیمت عار ملنے کا پتہ:۔ منیجر اہلحدیث امرتسر

سوانح کو دلچسپی ہوگی۔ سید احمد صاحب کا بچپن معمولی کھلنڈرے بچوں کی طرح نہیں تھا۔ بلکہ مسکینی غریبی، کم بولنا۔ آہستہ سے بات کرنا یہ تمام صفتیں جو بچہ میں بہت کم دیکھی جاتی ہیں بزرگ سید میں موجود تھیں۔ واجب الاحترام سید یتیم نہ تھا مگر اس کی غیر معمولی مسکینی اور ہر بات پر بجا و درست کہنے۔ اور گردن نیچی کر کے جواب دینے نے اس کو ناظر کی نگاہ میں یتیم بچوں کی طرح ثابت کر دیا تھا۔

عموماً وہ ناز بھرے جملے جو چھوٹے بچے اپنے والدین سے کرتے ہیں بات بات میں مچل جانا۔ قدم قدم پہ اٹھکیلیاں کرتے ہوئے چلنا، اپنے والدین کو ناز بردار سمجھ کر ان کی گودی میں لوٹ جانا۔ ہر خواہش کو بہت آزادی بلکہ خود احسان رکھ کر ان کی خدمت میں پیش کرنا اور اگر ان سے پوری نہ ہو سکے تو ضد کر کے اس کی تعمیل پر مجبور کرنا۔ کھلنڈرے بچوں کی طرح بستہ کو ادھر اُدھر چھپا کر اپنے ہم عمروں کے ساتھ باغوں کی سیر کو نکل جانا وہ ناز بھری خوشنما ہٹیں جو عموماً بچے والدین سے کرتے ہیں ان پر مصر ہونا۔ غرض یہ تمام معمولی باتیں جنہیں عموماً ہر بچہ غیر معمولی رنگ میں اپنی ٹوٹی ہوئی زبان اور اپنی بھولی بھالی صورت سے پیش کیا کرتا ہے۔ بزرگ سید میں کوئی بات بھی ایسی نہ تھی۔ وہ ہمیشہ خاموش رہتا تھا اور اس کی یہ خاموشی کوئی ربانی نکات اپنے میں مضمر نہیں رکھتی تھی مگر اس کی حلیمی مزاج کی صاف شہادت دیتی تھی

جہاں تک ہم اس کے بچپن کے حالات پر غور کرتے ہیں کوئی غیر معمولی بات تو نہیں معلوم ہوتی۔ ہاں یہ ضرور خیال میں آتا ہے کہ اسکی زندگی سود و نہیں بلکہ ہزار دو ہزار بچوں میں نئی طرز کی تھی۔

یہ تعجب سے نظر کیا جاتا ہے کہ بزرگ سید بچپن میں اپنے غیر معمولی سکوت کی وجہ سے پرلے درجہ کا غبی مشہور ہو گیا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ اسے تعلیم دینا بے سود ہے کبھی کچھ آئے جائیگا نہیں میں ذہن کی بابت کوئی نئی رائے قائم نہیں کر سکتا صرف اس قدر لکھنا کافی سمجھتا ہوں کہ سید کی بچپن میں کیا پوری عنفوان جوانی میں بھی لکھنے پڑھنے کی طرف طبیعت رجوع نہ تھی آپ کا خاندان گو کسی زمانہ میں اعلے درجہ کا دولتمند اور صاحب اقتدار تھا مگر زمانہ کی نابکار اور غیر خوش آیندہ رفتار نے دولت کے لحاظ سے بہت ہی محدود کر دیا تھا۔ بزرگ سید اپنی پیدائش اور بچپن میں پھر بھی غنیمت تھا کہ عزت سے گھر بیٹھے روٹیاں کھاتے تھے مگر جوں جوں بزرگ سید بڑا ہوتا گیا دولت کی کمیاب تصویر آنکھوں کے آگے گردش لگاتے لگاتے غائب ہونے لگی اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ صرف ایک پرچھائیں سی نظروں کے سامنے رہ گئی اور باقی خیال ہی خیال اصلی صورت کا دل و دماغ میں جاگزیں رہا۔

سید صاحب کی لکھنے پڑھنے کی طرف اس قدر بے توجہی اس کے بزرگ باپ کے دل میں اپنی فلاح اور معزز کنبہ کے نام کو برقرار رکھنے سے مایوسی کی طرف پھیر دی۔ والدین خواہ غریب ہوں یا امیر ان کی آرزوئیں

اپنے ہونہار نوجوان بچوں کی کوششوں پر موقوف ہوتی ہیں اگر وہ دولتمند ہوئے تب بھی اپنا نام بلند ہونا اپنے بچوں سے چاہتے ہیں اور اگر وہ امیر نہ ہوئے تو پھر یہ خواہش رہتی ہے کہ جب ہمیں ہمارے ہاتھ پیر جواب دیں گے تو ہمارے نوجوان بچے ہماری پرورش کریں گے۔

غرض جب پیارا سید مکتب میں بٹھایا گیا ہے تو اس نے قرآن مجید عمدہ طور پر پڑھ لیا اور بہ نسبت اور بچوں کے اسے یاد بھی خوب تھا استاد بہت خوش تھا اور تعریف کیا کرتا تھا کہ کبھی یہ بچہ اپنے سبق یاد کرنے پر گھڑکی اور مار نہیں کھاتا۔ گھر میں ہر نفس خوش تھا اور سید کو ذہان طباع اور پڑھنے کا شوقین سمجھتا تھا۔ مگر جب قرآن ختم ہو چکا اور کریما خالق باری وغیرہ کی نوبت آئی تو بارہ حکم نادار کا مضمون تھا۔

کریما کا پہلا مصرع خاصہ عانیہ ہے مگر یہ بھی بزرگ سید کو تین دن میں یاد ہوا تھا اس پر بھی کبھی کریما بھول گئے تو کبھی بر حال ما کو دل سے محو کر دیا۔ اب تو میاں جی کے ہوش اڑے کہ قرآن پڑھنے میں تو یہ بڑا ذہین تھا کتاب میں اسے کیا ہو گیا بہتیرا سر ٹپکا اور مغز پچی کیا۔ بزرگ سید کے کان پر جوں بھی نہیں رینگی۔

یہ نہیں تھا کہ پیارا اور واجب الاحترام سید سبق کے یاد کرنے میں محنت نہ کرتا ہو اور شرارت سے ڈھیٹ بنا خاموش بیٹھا رہتا ہو۔ نہیں وہ بخوبی محنت بھی کرتا تھا میاں جی کے کہنے کے موافق مکتب کے وقت کی بھی پابندی کرتا تھا اس پر بھی اسے یاد نہ ہوتا تھا اس کے ذہن اور یادداشت کا یہ آتار چڑھاؤ دیکھ کے یہ خیال آتا تھا کہ جیسے چلتی گاڑی میں کوئی روڑا اٹکا دیتا ہے اور پھر وہ بیلوں کی طاقت سے بھی نہیں چلتی سوائے اس کے اس پر انتہا درجہ کا زور لگایا جائے تو پہیہ دو چار انچ زمین سے رگڑا کھاتا ہوا بمشکل آگے بڑھیگا یہی کیفیت بزرگ سید کی تھی جب وہ ایک ایک جملہ کو گھنٹوں جپے جاتا تب کہیں کسی قدر یاد ہوتا تھا اور دوسرے دن تماشہ یہ تھا کہ وہ بھی چوپٹ جب یہ کیفیت ہوئی تو والدین اور میاں جی کی تنبیہہ بڑھنے لگی اور گھر کی جھڑکی آنکھیں نکالنے سے گذر کر مار پیٹ پر نوبت پہنچ گئی۔ اس سے بھی والدین کی آرزو پوری نہ ہوئی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ قدرتی طور پر اس کے دماغ میں قفل لگ گیا ہے اور یہ کسی طرح کی تنبیہہ سے بھی نہیں پڑھ سکتا تو ناچار ہو کر پڑھنے سے اٹھا لیا اور زیادہ جبر کرکے معصوم جان کو گھلنے نہ دیا۔ کیونکہ اس چند مہینے کے عرصہ میں پیارا سید دبلا اور زرد رو بہت ہو گیا تھا اسے خود ہی اپنی طبیعت کی اس غنچہ دہنی کا بڑا رنج تھا اور تنبیہہ والدین وغیرہ کو بہ نسبت اور بچوں کے زیادہ معلوم کرتا تھا۔ الحمد للہ کہ بزرگ سید کے ہوشیار اور عقلمند والدین نے چند روز کے بعد ناگوار تنبیہہ اور ناروا تقید سے مطلق آزاد کر دیا اور اسے طبیعت پر چھوڑ دیا کہ جو چاہے کرے اسے اختیار ہے بزرگ سید جیسا کہ ابھی ہم لکھ آئے ہیں کھلنڈرا نہ تھا جب اسے کامل آزادی مل گئی اپنے گھر میں رہنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا اختیار کیا کئی برس یونہی گزر گئے گو وہ قرآن سمجھتا نہ تھا کیونکہ اسے بامعنی قرآن ملکی دستور کے موافق نہ پڑھایا گیا تھا پھر بھی

بچپن کی معصوم طبیعت پر کلام اللہ کے ہر ہر لفظ کا ایسا زبردست اثر پڑتا تھا کہ وہ بعض وقت بے اختیار رونے لگتا تھا جب سید ابو النعمان صاحب نے یہ دیکھا کہ میرے کم عمر بھتیجہ کو قرآن پڑھنے اور اس سے متاثر ہونے کا بہت کچھ مذاق ہے۔ اور اس کے دل پر ربانی کلام کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ تو انہوں نے قرآن شریف کے معنے پڑھانے شروع کئے۔ پڑھانے کے ارادہ کو انہوں نے چند روز کے لئے ملتوی کر دیا انہیں خیال تھا ناحق میرا مغز پچی ہوگا۔ وقت ضائع ہوگا اور کچھ نتیجہ نہ نکلیگا یہی اور لوگوں نے بھی کہا تھا مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ معصوم سید کی طبیعت میں ربانی کلام سمجھنے کا پورا پورا مذاق حاصل ہے اور دوسری کتابوں کو اس کی طبیعت قبول نہیں کرتی۔ یہ ہم نہیں بتا سکتے کہ بزرگ سید کا جوہر کن کن آسمانی عنصروں سے بنا ہوا تھا ہاں یہ ہم اس کی لائف دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کا خیر اندیش بھولا بھالا سا زندگی رکھنے والا اور مسلمان کی ہر بات پر اعتبار کرنیوالا تھا۔

یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ اس کے ضمیری جوہر بچپن سے ایسے ہی چمکدار اور تابان تھے اور انہی صفات سے موصوف ہو کر اس نے اپنے چچا سید ابو النعمان سے آخر کار قرآن مجید دوبارہ با معنے پڑھا۔

قرآن مجید کا بامعنے پڑھنا بزرگ سید کو نئی زندگی کی طرف رہنمائی کرکے لے گیا پہلی حالت کسی قدر بدلتی ہوئی معلوم ہونے لگی اور چہرہ پر بھی نیا رنگ جلوہ دے گیا پہلے طبیعت میں سکوت سکون خاموشی سلامتی تھی اور اب اس کی جگہ جوش نے اپنا جلوئی کیا۔ بزرگ سید گھر میں زیادہ بیٹھنا اچھا نہ سمجھتا تھا بلکہ اب وہ بازاروں میں گشت لگانے اور ادھر اُدھر لوگوں سے ملنے اور اکثر باتوں پر اپنی عمر کے مطابق نصیحت کرنے میں اپنا وقت صرف کرنے لگا وہ رہبانی زندگی کو اچھا نہ سمجھتا تھا اب اسے قرآن مجید کے معنی پڑھ کر یہ یقین ہو گیا کہ انسان دنیا میں ذاتی اغراض میں پھنسے رہنے اور ذاتی نفع کو ملحوظ خاطر رکھنے کے لئے پیدا نہیں ہوا بلکہ منشائے الہٰی انسان کی پیدائش سے صرف یہ ہے کہ وہ بنی نوع کی خدمت کرے اور خدا کی مخلوق کی بہتری اور ترقی دینے میں جمیل کوشش عمل میں لاوے۔ اب دماغ کی وہ کیفیت بھی نہ رہی تھی کہ کوئی بات سوائے کلام اللہ کی آیت کے یاد نہ رہتی ہو بلکہ اس کے خلاف زبانی ہر علم و فن کی صدہا باتیں یاد ہونے لگیں پہلے ضمیر میں یہی قابلیت تھی کہ وہ ربانی آیت کے آگے دوسرے اقوال کو قبول نہ کر سکے مگر اب بمقتضائے فطرت انسانی اس میں اور باتوں سے دلچسپی لینے اور ان سے نتیجہ نکالنے کا مذاق بڑھ گیا اور ہر سوسائٹی میں شریک ہونے اور اس سے کوئی عمدہ بات اپنے لئے پیدا کرنے کی لیاقت پیدا ہو گئی۔

اس عرصہ میں کہ آپ کی عمر پوری سترہ برس کی بھی نہ ہوئی کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ شفقت بھرے باپ کا یوں گذر جانا ایک فرمانبردار مطیع بچہ کے حق میں بہت سخت ہوتا ہے۔ سید صاحب کو رنج تو بہت ہوا مگر دھن ایک نئی لگی ہوئی تھی اور وہ یہ تھی کہ جس طرح ہو اپنے غریب بھائیوں کو مدد دی جائے۔

والدہ ماجدہ ہنوز زندہ تھیں اور آپ کے ماموں بھی موجود تھے جو گھر کے اخراجات اور انتظامات کے کفیل بن سکتے

جوش ہمدردی نے تمام کنبہ کی غیر معمولی محبتوں کو دل سے محو کر دیا اور اب نوبت بایںجا رسید کہ آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا جس طرح ہو سکے کچھ تحصیل کروں اور اپنے بھائیوں کو اس سے مدد پہنچاؤں۔

سفر لکھنؤ

اس عرصہ میں آپ مختلف شرفا کے حلقوں میں ملتے ملاتے رہے ایک دن چند معصروں میں یہ مشورہ ہو کہ کچھ تحصیل علمی اور روزی کے لئے باہر چلنا چاہئے وطن میں پڑے رہنے سے کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا ان کے دل میں یہ خیال سفر غیر معمولی طریقہ سے اٹھا۔

وطن میں سست اور کاہل پڑے رہنے سے ہے خوشتر ؎ کہ چل کے دیکھیں دنیا کے ذرا حیرت فزا منظر

وہ آمادہ ہوئے کہ ادھر اُدھر پھر کر کچھ تلاش معاش کریں اس مشورہ میں سید صاحب بھی شریک تھے آپ روزگار کے تو خواہشمند نہ تھے صرف یہ چاہتے تھے کہ ایک غیر معمولی آگ جو میری طبیعت میں بھڑکی ہے اسکی کسیطرح تسکین ہو سید صاحب کے سوا اور جتنے آپ کے دوست تھے اپنے زمانہ کے موافق لکھنے پڑھنے اور دو چار منروں میں، کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ سید صاحب حافظ قرآن نہ تھے گو بہت سی آتیں آپ کو یاد ہو گئی تھیں اور آپ نہایت خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔

اٹھارہ انیس برس کی عمر ہو گی کہ آپ اول ہی بار رائے بریلی سے روانہ لکھنؤ ہوئے اس سے محض بیخبر تھے کہ شیعہ، سنیوں سے کیسا برتاؤ کرتے ہیں اور ان کے تعصب کی کیا کیفیت ہے۔

ابھی تک سید صاحب کو شیعہ اور سُنی کے تمام و کمال جھگڑے کا بھی علم نہ تھا وہ جانتے ہی نہ تھے کہ شیعوں کے اصول مذہبی کیا ہوتے ہیں اور سنیوں کے ارکان مذہبی کیا ہیں صرف نماز پڑھنا روزہ رکھنا زکوٰۃ دینا قرآن پڑھنا نبیؐ اور اس کے چار صحابہؓ کو برحق سمجھنا۔ اسی طرح اور بھی دو چار باتیں یاد تھیں جو معمولی لکھے پڑھوں کو یاد ہوتی ہیں۔ اور وہ بیچارے زیادہ مذہبی پیچیدگیوں سے نہ خود واقف تھے نہ ان کے اور دوست۔

غرض بخیر و عافیت سید صاحب معہ اپنے پانچ چھ ساتھیوں کے لکھنؤ پہنچے اس وقت لکھنؤ پورے عروج پر تھا شیعوں کی قوت سلطنت اور قوت تعصب کا پورا اثر تھا اور تمام ان کی مذہبی باتیں خوب چمک مار رہی تھیں جب یہ چھ سات آدمی لکھنؤ پہنچے ہیں تو انہوں نے پہلے سرائے میں قیام کرنا بہتر سمجھا۔ سید صاحب کے والد اور چچا کے کئی دوست یہاں موجود تھے مگر آپ نے گوارا نہ کہ کسی پر جا کر ڈھیا دوں۔

سید صاحب کو ذاتی طور پر روزگار کی ذرا بھی خواہش نہ تھی آپ کی غیر محدود آرزوئیں اور ضمیری غیر معمولی جوش نوکری سے سرد نہ ہو سکتے تھے ان کے لئے ایک ایسے معلم کی بھی ضرورت تھی جو انہیں اطمینان کا جامہ پہنا کر دوسرے

عملی راستہ پر لگادے سید صاحب نے فی الحال اپنے دوستوں کو تلاش روزگار میں جانے کی اجازت دی اور آپ ہی لوگوں سے ملنے اور سیر دیکھنے کے لئے ادھر اُدھر پھرنے لگے۔

افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ بیچارے ساتھیوں کو سخت ناکامی ہوئی جس جگہ وہ جاتے تھے پہلے ان سے یہ سوال کیا جاتا تھا کہ شیعہ ہو یا خارجی۔ اگر اس نے کہہ دیا کہ میں شیعان علی میں سے ہوں اور اپنے بزرگوں پر دو تین تبرے بھی اس نے بھیج دیئے تو اس پر یہ سوال کیا جاتا تھا کہ تمہیں گانا ناچنا کیسا آتا ہے کہاں تک ایک ہیجڑے سے پھکڑ بازی کرسکتے ہو مسخرے پن میں کیا صفت رکھتے ہو آیا روتے کو ہنسادوگے اگر یہ سب باتیں آتی ہیں تو اپنے استادوں کا نام بتاؤ تاکہ اطمینان خاطر ہو اور پھر زمرہ ملازمین میں نام لکھ لیا جاوے عموماً ہر خواہان ملازمت سے زیادہ تر یہی سوالات کئے جاتے تھے اگر کوئی شخص ان فنون اور طبلہ سارنگی میں اول نمبر ہوا وہ تو مصاحب خاص بنا لیا گیا اور اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو اُسے یہ کہہ کر ٹال دیا۔ جانور پیدا ہی کیوں ہوا جب یہ باتیں نہیں آتیں نالائق سے کہو کہ زندہ ہی کیوں رہتا ہے جناب امیر کی قسم جس میں یہ صفتیں نہیں وہ منہ دیکھنے کے قابل نہیں ہے۔

جب سید صاحب ایک امیر کے ہاں گئے ہیں تو اس امیر نے پہلا سوال یہی کیا تھا کہ آپ خارجی ہیں یا شیعان علی میں سے ہیں یہ دونو الفاظ آپ کے کانوں میں بالکل نئے تھے خارجی کا کبھی نام بھی نہ سنا تھا گو شیعہ کے لفظ سے پوری شناسائی تھی مگر شیعان علی کا جملہ ابھی تک کان میں نہ پڑا تھا۔ آپ بڑے پریشان ہوئے کہ جو کچھ اس نے سوال کیا ہے خبر نہیں اس کے کیا معنی ہیں بہرحال یہ آپ نے سمجھ لیا تھا کہ نئی لغات میں مذہب کی بابت دریافت کرتا ہے آپ نے صاف جواب دیا میں مسلمان ہوں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا پورا ایمان ہے۔ قرآن کو کلام الٰہی سمجھتا ہوں اور شب و روز میری تلاوت میں رہتا ہے۔ امیر نے سید احمد صاحب کی جب یہ تقریر سُنی تو وہ اپنے دل میں بہت خوش ہوا اور وہ یہ سمجھ کر کہ یہ بھولا بھالا نوجوان ہے ضرور مومن یعنی شیعہ بن جائیگا اس نے یہ کہا کہ میاں صاحبزادہ اگر تم اپنی نیک چلنی کی ضمانت دو تو ہم تمہیں اپنی مصاحبت میں ملازم رکھتے ہیں۔ سید صاحب کو یہ سن کر کچھ مایوسی سی ہوئی اور امیر کی ناتراشیدہ طبیعت پر افسوس کر کے کہا۔ مسلمان اور وہ بھی سید کبھی جھوٹ نہیں بولتا ہم پردیس میں کس کی ضمانت لائیں۔ خدا ہمارا سچا ضامن ہے۔ سید احمد صاحب کی یہ سرگرم اور انقطاعی تقریر سُن کر بجائے خوش ہونے کے رنجیدہ ہوا اور اس نے اپنی خباثت ذاتی سے یہ جملہ کہا سُنی نہ کبھی سچ بول سکتا ہے اور نہ کبھی سید ہو سکتا ہے۔ سید صاحب آنکھوں میں آنسو بھر کر واپس چلے آئے۔

زمانہ بھر کی ناہنجاریاں لکھنؤ کو اس زمانہ میں حاصل تھیں وہ باتیں جن سے ہر زمانہ میں اور ہر عصر میں

ہر قوم اور قوم کے ہر فرد نے نفرت کی ہے وہ لکھنو والوں کو شیر مادر کی طرح حلال اور ضروری تھیں۔
بارہ خوبصورت دوشیزہ لڑکیاں ایک علیحدہ محل میں بارہ اماموں کی بیویاں بنا کر رکھی جاتی تھیں۔ اور اگر ان لڑکیوں میں سے کسی لڑکی کے ہاں ناجائز طریقہ پر کوئی اولاد ہوتی تھی تو وہ صاف کہہ دیتی تھی شب کو بارہ اماموں میں سے فلاں امام میرے پاس آیا تھا۔ یہ بات فوراً یقین کر لی جاتی اور جب بچہ پیدا ہوتا اس کے آگے سجدے کئے جاتے اور خبر نہیں اسے کس درجہ کا معبود مانا جاتا تھا۔
نصیر الدین حیدر اور نواب واجد علی شاہ وغیرہ کی پندرہ پندرہ سو بیویاں تھیں ظاہر ہے کہ ایک شخص ہرگز اتنی عورتوں کے بوجھ کا متحمل نہیں ہو سکتا نواب صاحب اپنی دس بیس بیویوں کے سوا پہچانتے بھی نہ تھے کہ یہ ملازمہ ہے یا میری بیوی ہے ایسی حالت میں کہ نواب صاحب نے اپنی بیوی کی صورت نہ دیکھی اور اولاد ہو گئی پھر نواب صاحب کو خبر ہوئی اور بیگموں کے عام دربار میں اس بچے والی بیگم سے سوال کیا گیا کہ تیرے ہاں یہ بچہ کہاں سے ہوا تو وہ صاف طور پر بڑی دلیری سے یہ کہتی تھی کہ حضور نے بھی اب یہ طریقہ برتا ہے جو بات کرتے ہیں تجاہل عارفانہ کے بغیر کرتے ہی نہیں خود خواب میں آ کر سرفراز لونڈی کو کیا اور جان بوجھ کر دریافت فرماتے ہیں کہ یہ بچہ کس کا جنی حضور یہ آپ ہی کا غلام ہے یہ سنتے ہی نواب صاحب خوش ہو جاتے اور اپنی بیداری اور خواب کی یکساں حالت پہ آگاہی پا کر اپنی روشن ضمیری کے قائل ہوتے تھے۔ ہر امیر زادے۔ وزیر زادے کا برہنہ مادر زاد عورتوں کے ساتھ ناچنا اور خلاف فطرت انسانی اور خلاف قوانین قدرت ان سے باتیں کرنا انتہا درجہ کی ایک مبتذل قوم کا دنیا میں نقشہ کھینچتا ہے۔ ہم نے اپنے دیباچہ میں محمد شاہی دربار کی جو کیفیت لکھی ہے اس سے بھی لکھنؤ کی حالت سوا تھی۔ اس تمام بدتہذیبی پر ایک بڑا غضب یہ تھا کہ یہ لوگ پیشوایان دین کو گالیاں دینا اپنی نجات کا سبب جانتے تھے ایک دن ان تمام باتوں پر اطلاع پا کر سید احمد صاحب نے ایک شیعی بچہ سے دریافت کیا آخر ان افعال شنیعہ کی کوئی حد بھی ہے خدا کا ذرا بھی خوف اور قرآن شریف کے روشن احکام کی ذرا بھی پرواہ نہیں رہی مرنا بھی سمجھ رکھا ہے یا نہیں یہ سن کر شیعی بچہ نے جھنجلا کر جواب دیا ہمیں اپنے مذہب پر اسی لئے تو بڑا ناز ہے کہ چاہے ہم اس سے بھی زیادہ افعال قبیحہ کریں ہمیں ایک ٹکا ایسا آتا ہے کہ وہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں سید احمد صاحب نے حیرت زدہ ہو کر دریافت کیا۔ کیا آپ مجھے بھی وہ ٹکا بتائیں گے جو ان کبیرہ گناہوں کو اس آسانی سے دھو دیتا ہے۔ اس نے بلا تامل تبرے کی طرف اشارہ کیا اور چند نامہذب باتیں بکنے بھی لگا جس کا منہ سید صاحب نے فوراً مسوس دیا اگر دو تین راہگیر نہ چھڑا دیتے تو سید صاحب کو اس قدر غصہ آیا تھا کہ وہ اسے مار ڈالتے۔
سید احمد صاحب نے جب تمدنی اخلاقی مذہبی خیالات کو ناگفتہ بہ حالت میں دیکھا اور ملاحظہ کیا کہ

شریعت غرا کو یہاں پاؤں سے کچلنے کی کوشش کی جا رہی ہے نہ مجتہد کو دنیا ومافیہا کی کچھ خبر ہے نہ شاہ کو معلوم ہے کہ میری عملداری میں کیا ہو رہا ہے۔ آپ کو یہاں کا قیام سخت ناگوار گزرا۔ سید احمد صاحب کو نہ دولت کی خواہش تھی نہ وہ شیعہ بن کر دربار میں کوئی عہدہ لینا چاہتے تھے انہیں دولہ بننے کا شوق تھا آپ کی عین خواہش یہی تھی کہ میرے ساتھیوں کی کچھ ناخن بندی ہو جائے اور پھر میں کسی ایسے رہنما کی تلاش کروں جو میری تسکین کا باعث ہو اور یہ غیر معمولی آگ جو میری طبیعت میں بھڑکی ہے کسی خوش آیندہ پاک جوش میں بدل جائے۔

سید احمد صاحب کی اسی اثنا میں اپنے ایک بزرگ سید سے ملاقات ہوئی جو آپ کے والد کا بہت بڑا دوست تھا وہ سید احمد صاحب کو دیکھتے ہی اپنے گھر لے گیا اور بڑی خاطر ومدارت کے بعد لکھنؤ آنے کا سبب دریافت کیا آپ نے ساری کیفیت بیان کر دی اور جو کچھ لکھنؤ کی بابت سُنا تھا اور لڑکے سے گفتگو اور دہشت مشت ہوئی تھی سب ذکر کر دی وہ بزرگ سید مسکرا کر کہنے لگا کہ جو کچھ تم نے سنا ہے وہ بہت کم ہے یہاں تو اس سے بھی زیادہ یہ ہوتا ہے کہ ماں بہن بیوی میں دن بدن تمیز اٹھتی جاتی ہے۔ روزمرہ دو تین اسی قسم کی باتیں میرے کانوں میں پڑتی ہیں۔ پیارے سید احمد یہ شیعوں کی سلطنت ہے اگر تمہیں یہاں رہنا ہے تو غصہ کو ضبط کرنا پڑیگا۔ اور اگر تم ایسی باتوں کو ضبط نہیں کر سکتے ہو خدا کے لئے یہاں رہنے کا ارادہ نہ کرنا اس پر تم یہ ضرور سوال کروگے کہ ایک مسلمان کی یہ حمیت نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے بزرگوں کی نسبت گالیاں سُنے اور کچھ نہ کہے تم بھی عجب سرد دل مسلمان ہو کہ تم پر بالکل اثر نہیں ہوتا۔ تو اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ پردیسی کو بہت ستاتے ہیں اور چونکہ پردیسی کا کوئی سلسلہ نہیں ہوتا اور نہ اس کا کوئی پشت پناہ ہوتا ہے وہ بیچارہ یہاں آکر اور اپنے کو سنی کہہ کر سخت پریشانی اٹھاتا ہے اور ہم تو سرکاری عہدہ دار ہیں سَو دو سَو آدمی ہر وقت ہمارے ساتھ رہتے ہیں دو ہزار فوج پر میں افسر بھی ہوں کسی کی مجال نہیں کہ ہمارے آگے صحابہ کی شان میں کوئی نامہذب کلمہ کہہ سکے بھائی اگر تمہارا یہاں رہنے کا ارادہ ہے تو تم اپنے دوستوں کو لے کر میرے ہاں چلے آؤ۔ پھر تمہیں ناشائستہ جملے سننے پڑینگے۔ اور نہ کفر آمیز باتوں سے تمہارا دل دکھے گا۔

اپنے بزرگ سید کی یہ محبت آمیز اور نصیحت سے بھری ہوئی باتیں سید احمد صاحب نے بغور سنیں اور اپنے دل سے سوال کیا کیا تو راضی ہے کہ ایسے کفرستان میں جہاں کی آب وہوا میں فسق وفجور کی بو آتی ہے تجھے رکھا جائے یا تو جب خوش ہوگا کہ تجھے یہاں کی آب وہوا سے نجات دی جائے گی" دل نے جواب دیا کہ مجھے ایک ایک گھڑی ایک ایک سال ہو رہا ہے جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے چل دو" جب دل نے بہت زور شور سے یہ شہادت دی تو آپ نے اپنے دوستوں کو اس بزرگ سید کے حوالہ کرکے اور ان کی ناخن بندی کی سفارش کرکے دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

سفر دہلی

یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ سید صاحب میں اول دن سے خدا کی مخلوق سے ہمدردی کرنے کا مذاق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ کچھ بیان نہیں کیا جاتا اپنے بھائیوں کی بری حالت اور ناہموار معاشرت پر بزرگ سید نے ہمیشہ خون کے آنسو بہائے ہیں اور حتی الوسع ان کی مدد بھی کی ہے ساتھ ہی اس ہمدردی کے عزت بھی بہت بڑی تھی آپ کبھی نہ چاہتے تھے کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤں یا اپنے کو پیرزادہ مشہور کر کے کسی سے کچھ اینٹھوں۔ یا اپنے آباؤ اجداد کی بزرگی اور پیری بیان کر کے کسی کا مال ماروں اگر کوئی ذرا بھی احسان کر دیا کرتا تھا تو آپ تمام اُس کے شکر گزار بن جاتے۔

یہ زمانہ جب آپ نے اپنا وطن چھوڑ کر لکھنؤ کا غضبناک منظر دیکھا ہے اور اب دہلی کی طرف قدم اٹھایا ہے انتہا درجہ کا پُرشباب تھا۔ بایں ہمہ بزرگ سید کی پاک روح عنفوان جوانی کی بھول بھلیوں سے ابھی بہت دور تھی جوانی کے زمانہ کی وہ تاریکی جس میں کچھ نہیں دکھائی دیتا اور انسان بالکل اندھا ہو جاتا ہے۔ بزرگ سید کو نور بن گئی تھی۔ غیر معمولی امنگیں اور غیر خوش آئندہ جوش جو عین عنفوان جوانی کا جزو اعظم اور اصل الاصول ہیں بزرگ سید کی ذات مقدس سے بہت دور تھے

غرض سید احمد صاحب میں نو عمری ہی سے ایک ایسا ملکہ تھا کہ جس نے انہیں قوم کی اصلاح کی طرف پورا رجوع کر دیا تھا اور وہ اس حالت میں بھی کہ نہایت بے سروسامان تھے غربا کی مدد کرنے میں کوتاہی نہ کرتے تھے۔ جب آپ لکھنؤ سے روانہ ہونے لگے ہیں تو آپ کے والد کے دوست نے ایک گھوڑا سواری کو اور کسی قدر زرِ نقد دیا۔ آپ نے صاف انکار کر دیا کہ میں تکلیف دینے نہیں آیا ہوں فقیر آدمی ہوں مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں سفر میں گھوڑا رکھوں۔ مگر اس بوڑھے شخص نے بمنت ہاتھ باندھ کر گھوڑا اور زرِ نقد حوالہ کیا۔ سید احمد صاحب اس پر سوار ہو کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے آپ نے کان پور تک پہنچ کر ابھی قیام نہ کیا تھا کہ گھوڑا اور کل روپیہ چار مصیبت زدہ اشخاص کو دینا پڑا جن میں ایک مریض ایک زخمی اور دو بہت بوڑھے تھے اور جن پر تین دن بے آب و دانہ گذر گئے تھے۔ سید احمد صاحب اپنا کل سامان دے کر بہت خوش ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ میری یہ چیزیں ان کے کام آئیں۔ اپنی بے سروسامانی اور پیادہ پائی کا کچھ بھی خیال نہ تھا اور آپ نہایت سرخوشانہ حالت میں دہلی کی طرف قدم زن تھے جب آپ دہلی روانہ ہوئے ہیں پوری بیس برس کی عمر تھی۔

عموماً راستہ میں آپ مسافروں کی خدمت کرتے جاتے تھے اور ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ نے ایک ضعیف شخص کو تیرہ میل اپنے کندھے پر بٹھا کر اس کے گھر پہنچایا تھا۔

جس کی یہ عجیب و غریب فطرت ہو اس کی نسبت ڈاکٹر ہنٹر (انگریز) جیسا مغربی عالم ناشائستہ الفاظ استعمال کرے افسوس ہے ان باتوں سے قائل کی نہیں بلکہ اس کی قوم کی تہذیب اور شائستگی معلوم ہوتی ہے۔

راستہ طے کرتے کرتے پاؤں چھلنی ہو گئے تھے اور تلوؤں سے خون بہنے لگا تھا جب یہ کیفیت ہوئی تو آپ نے ایک سرائے میں قیام کر کے کچھ دن وہاں رہنا چاہا اور ارادہ کیا جب تک پاؤں اچھے نہ ہو جائیں گے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھاؤں گا۔

سرائے کی بھٹیارنی نے نوجوان سید کو اس بے سروسامانی کی حالت میں دیکھا شباہت سے سیادت کے آثار نمایاں دیکھے طباق سے چہرہ اور سرخ وسفید گورے رنگ اور فراخ نمایاں پیشانی سے جو آئینہ کی طرح چمک دیتی تھی وہ پہچان گئی کہ یہ نوجوان ہے تو امیر زادہ شاید والدین سے ناراض ہو کر چلا آیا ہے۔ بھٹیارنی کو یہ کامل یقین ہو گیا از خود اس کے دل میں آیا کہ اس کی مدد کرنی چاہیئے تلوؤں سے خون بہتا دیکھ کر وہ آبدیدہ ہو گئی اور سید احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے یہ عرض کیا۔ حضرت اگر آپ کی اجازت ہو تو میں آپ کے تلوؤں کے زخموں پر دوائی لگادوں یہ کل تک بالکل اچھے ہو جائیں گے۔ آپ نے انکار کیا اور کہا کہ آپ ہی اچھے ہو جائیں گے جب اس نے بہت اصرار کیا تو مجبور ہوئے اور اس سے دوائی لگوائی۔ حقیقت میں وہ دوائی ایسی مجرب تھی کہ لگاتے ہی ٹھنڈک پڑ گئی اور شام تک وہ زخم اچھے ہو گئے پھر بھٹیارنی نے کھانا پکا کر حاضر کیا سید احمد صاحب نے فرمایا بی بھٹیارنی میرے پاس پیسہ بھی نہیں ہے کہ میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا میں ایک غریب الوطن شخص ہوں تم ایسے شخص کی خاطر مدارات کیوں کرتی ہو جس سے تمہیں کچھ بھی وصول نہ ہو۔ بھٹیارنی کے دل پر اس تقریر نے اثر کیا وہ بلائیں لے کر کہنے لگی واری جاؤں اس حقیر مہمانداری کو قبول کر لینا ہی میرے شرف کا باعث ہو گا میری کوٹھڑی میں آپ کا خوش و خرم رہنا میرے ہاتھ دولت لگنے کا حکم رکھتا ہے۔ سچ ہے خدا اپنے پیارے بندہ کو تکلیفیں دے دے کر آزماتا ہے مگر ان تکلیفوں میں اسے ہلاک نہیں ہونے دیتا نہ ایسی مصیبت میں پھنساتا ہے کہ اس کے کامل یقین میں کچھ فرق آوے۔ سید احمد صاحب نے بھٹیارنی کی یہ ہمدردانہ تقریر سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور دعا کی کہ اسے اس قدر روپیہ اس کے عوض میں عطا کر کہ یہ نہال ہو جائے یہ دعا فوراً قبول ہوئی اور اسی شب کو اس کی اندر والی کوٹھڑی کی دیوار گری اور ایک ہنڈیا اشرفیوں سے بھری ہوئی برآمد ہوئی۔ بھٹیارنی نے کبھی اشرفیاں خواب میں بھی نہ دیکھی تھیں اتنی دولت ہاتھ آنے سے پھولی نہ سمائی اور سیدھی وہ ہنڈیا لے کر سید احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا ماجرا عرض کیا۔ اشرفیوں کی ہنڈیا دیکھ کر اور اس کی کیفیت سن کر آپ کو دو خوشیاں ہوئیں ایک اپنی دعا کی مقبولیت کی اور دوسری بھٹیارنی کی نیک نیتی کی آپ نے نہایت اولوالعزمی سے وہ ہنڈیا اسی بھٹیارنی کو اٹھا کر دیدی اور کہا جا خدا تجھے نصیب کرے۔ ہر چند اس نے

اصرار کیا آپ نے صاف کہہ دیا اس سے زیادہ اگر تو کہیگی تو تیری سرائے میں سے چلا جاؤں گا۔ آخر وہ ناچار ہوئی اور خاموش ہو کر ایک محفوظ جگہ پر وہ ہانڈی رکھ آئی۔ بعد ازاں جب آپ دوبارہ لکھنو کو آئے ہیں اور راہ میں یہ سرائے آئی ہے تو بھٹیارنی معہ اپنے دو جوان بیٹوں کے جو سفر اول میں نوکری کے متلاشی کہیں نکل کر چلے گئے تھے مرید ہو کر ہمراہ قافلہ ہو گئی اور جس دن سید احمد صاحب معہ اپنے جلیل القدر مریدوں کے شہید ہوئے ہیں وہ بھی ایک خونخوار سکھ کی تیغ برّاں کی شکار ہو کر سید صاحب کے پہلو بہ پہلو پڑی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

القصہ یہاں بآرام پانچ چھ دن تک سید احمد صاحب رہے اور بعد ازاں دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔

اور خدا خدا کر کے آپ دہلی میں داخل ہو گئے دہلی کا یہ زمانہ گو دین اور شریعت محمدی کے لحاظ سے سخت بدتر حالت میں تھا پھر بھی مسافر نوازی، غربا پروری بہت تھی۔ خصوصاً شاہ عبدالعزیز صاحب کا گھر تو ہر مسافر کے لئے وقف تھا یہاں تک کہ پادری مسیحی فرقہ کے پیشوا بھی یہاں آکر قیام کرتے تھے اور ان کی خاطر و مدارات ایک قابل تسکین طریقہ پر ہوتی تھی۔

جب آپ فرحان و شادان دہلی میں داخل ہوئے تو اسی سفری حالت سے سیدھے شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کا سارا روشن چہرہ غبار آلودہ ہو رہا تھا۔ سیاہ بالوں پر خاک پڑی ہوئی تھی کپڑے پھٹے ہوئے اور میلے ہو گئے تھے۔ پاؤں برہنہ تھے باایں ہمہ سرخوشانہ حالت کی تازگی چہرہ پر جلوہ دکھا رہی تھی۔ لبوں پر پیپڑیاں جم گئی تھیں پھر بھی دم خم وہی باقی تھا۔ جب آپ نے شاہ عبدالعزیز صاحب کی صورت دیکھی تو سفر کے ناگوار مصائب یک لخت شادابی میں بدل گئے تھے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب جنہیں زمانہ بھر کے علوم و فنون کا ایک کامل مجموعہ کہنا چاہئیے۔ صورت دیکھتے ہی تاڑ گئے کہ اس چہرہ پر جس رنگ کی تابانی ہو رہی ہے وہ غیر معمولی ہے آپ اس نوجوان بچہ کی تعظیم کو اٹھ بیٹھے اور معانقہ کر کے اپنے پاس بٹھایا اور تمام حالات دریافت کئے جب سید احمد صاحب کے والد اور چچا کا نام سُنا آپ نے دوبارہ سید احمد صاحب سے معانقہ کیا اور فرمایا کہ اب تو میرا تم سے تعارف نکل آیا تم ایسے شخص کے بیٹے ہو جو اپنے وقت کا ولی تھا، اس کا دنیا سے بے علاقہ ہو کر زندگی بسر کرنا اور زہد و غنا میں اپنی تمام عمر گذارنا ہنوز لوگوں کو یاد ہے اور وہ اسے اسی سبب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ان معمولی باتوں کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب نے آرام کرنے اور کھانا تناول کرنے کا حکم دیا۔ اور اپنی مسجد میں قیام کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

جب کئی دن سید احمد صاحب کو دہلی میں آئے گذر گئے اور سفر کی تکان بالکل اتر گئی تو شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا میاں صاحبزادہ بہتر ہوگا اگر آپ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دو۔ سید احمد صاحب اپنی طبیعت کا مذاق بخوبی جانتے تھے انہیں علم تھا کہ مجھے ہرگز کتابی سبق یاد نہ ہوگا مگر اس خیال سے انکار نہ کیا

کہ شائد شاہ صاحب اس طریقہ سے پڑھائیں جس سے سمجھ میں آنے لگے اور خود بخود طبیعت میں سمجھنے اور کتاب کے پڑھنے کا مذاق آجائے۔

سید صاحب کا عین منشا یہی تھا کہ کسی طرح میں لکھ پڑھ کر فاضل اجل بن جاؤں مگر طبیعت کے رجحان کو کیا کرتے کہ اس طرف رجوع ہی نہیں ہوتی تھی۔ یہ سید احمد صاحب کی اول درجہ کی خاطر منظور تھی کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے خود خواہش کی ورنہ تمام عراق عرب اور عراق عجم۔ ایران۔ شام وغیرہ سے اسی اشتیاق میں لوگ چلے آتے تھے کسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب سے کچھ پڑھیں سید احمد صاحب نے اپنی خوش نصیبی جانی اور آرزو کی کہ میرا دل کتاب خوانی کی طرف رجوع ہو تاکہ میں بھی شاہ صاحب ممدوح کے زمرۂ تلامذہ میں گنا جاؤں مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا وہ کچھ اور سامان کر رہی تھی اور کسی اور چیز کی تیاری میں مشغول تھی

جب سید احمد صاحب نے شاہ صاحب ممدوح کا ارشاد منظور کر لیا تو آپ نے ایک ایسا تخلیہ کا وقت تجویز کیا جس میں کوئی دوسرا طالب علم نہ ہو اور خصوصیت سے تعلیم دی جائے شاہ صاحب اپنے وقت کے فرد اکمل تھے اور ان کا فرد اکمل ہونا ڈاکٹر ہنٹر نے بھی تسلیم کیا ہے ڈاکٹر ہنٹر کیا تمام عرب روم قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام نے بھی تسلیم کر لیا تھا کہ شاہ عبدالعزیز جیسا اپنے باپ شاہ ولی اللہ کے بعد کوئی دوسرا ماہر علوم وفنون پیدا نہیں ہوا۔ آپ کو جیسا علوم دینیہ پر عبور تھا اسی طرح علوم عقلیہ مروجہ پر پوری دستگاہ حاصل تھی قیافہ شناسی میں جس کا موجد سقراط حکیم ہے شاہ صاحب کو کامل دخل تھا اور آپ صورت دیکھتے ہی اسقدر ضرور پہچان جاتے تھے کہ یہ طالب علم غبی ہے یا ذہین۔

اسی بنا پر شاہ عبدالعزیز صاحب نے پہچان لیا تھا کہ اخذ مطالب اور ان سے از خود متاثر ہونے کی سید احمد میں غیر معمولی قوت ہے ایسا شخص اگر باقاعدہ تعلیم پائے تو اس کے علم و فضل کا کیا ٹھکانا ہے اور گزشتہ زمانہ میں جن لوگوں نے ایسا جوہر ذاتی رکھ کر تعلیم پائی ہے انہیں آج حکیم کے نام سے یاد کرتے ہیں اور انہیں اپنے وقت کا بہت بڑا ریفارمر (مصلح) تسلیم کرتے ہیں۔

گو شاہ عبدالعزیز پہچانتے تو بخوبی تھے کہ سید احمد میں کتاب خوانی کا مذاق بہت کم ہے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی خیال تھا کہ اگر میری وجہ سے مذاق بڑھ گیا تو یہ اپنے وقت کا شیخ الکل ہوگا۔ اسی خیال سے آپ نے کتابی تعلیم دینی شروع کی گئی۔ مہینوں تک پڑھایا مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ سید احمد صاحب کی طبیعت بھی زچ ہو گئی اور شاہ عبدالعزیز صاحب بھی تھک گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب سید احمد صاحب کتاب لے کر بیٹھتے تھے تو ترمرے آنکھوں میں پھرنے لگتے تھے جیسا اکثر ضعیف دماغ والوں کو یہ مرض عارض ہوتا ہے مگر ہم سید احمد صاحب کی دماغی بیماری یا ضعف کی طرف اشارہ نہیں کرتے بلکہ ناظر سوانح کی توجہ اس ناقابلیت دماغ کی طرف رجوع کرتے ہیں

جو سید احمد صاحب کو اول دن سے حاصل تھی۔ ہزار طرح کی کوشش کی کہ سید احمد صاحب کو کچھ آجائے۔ مگر دل ہی نہ لگا آخر شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی کتابی تعلیم سے رخصت دی اور بزرگ نوجوان سید کو زیادہ مجبور نہ کیا پھر آپ نے اجازت دیدی کہ قرآن خوانی اور حدیث کے پڑھنے کے وقت آپ موجود ہوا کریں سید احمد صاحب نے اس کی بھی بجا آوری کی اور آپ ان طلبہ کے حلقہ میں جو تفسیر و حدیث پڑھتے تھے شریک ہونے لگے۔ نتیجہ اچھا ہوا اور آپ کو اکثر حدیثیں اور تفسیر قرآن کا بہت سا حصہ نوک زبان ہوگیا۔

اس سے زیادہ کتاب خوانی سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے یہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں کہ آپ میں مقاصد ربانی سمجھنے اور ان سے متاثر ہونے کی امتیازی قوت حاصل تھی پھر جو کچھ حدیث و قرآن سمجھ کر آپ کو فائدہ حاصل ہوا وہ معرض تحریر میں نہیں آسکتا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب بہت خوش ہوئے اور محترم نوجوان سید کی قرآنی اور حدیثی مطالب کا یہ مذاق دیکھ کر پھولے نہ سمائے اور کہنے لگے الحمدللہ تمہیں یہاں آنے سے اس قدر تو فائدہ ہوا کہ آج تم اپنے ہموطنوں میں بآزادی پند و نصائح کر سکتے ہو۔

سید صاحب ۱۲۲۱ھ بماہ ربیع الاول دہلی میں داخل ہوئے تھے اور ۱۲۲۳ھ بماہ محرم الحرام قرآن و تفسیر و حدیث کے بہت سے حصہ سے واقف ہو کر اپنے وطن مالوفہ کو تشریف لے گئے۔

دو برس میں سید صاحب کی قابلیت روحانی میں بہت فرق آگیا تھا۔ پہلے آپ نے صرف قرآن پڑھا تھا اور اب ربانی مقاصد کو بہت کچھ سمجھ لیا تھا پہلے صرف اس قدر جانتے تھے کہ میں مسلمان ہوں اور اپنی ہمدردانہ طبیعت سے مومنین کی حتی الوسع خدمت بھی کرتے تھے مگر اب آپ کو سچے مسلمان کے فرائض بخوبی روشن ہو گئے تھے۔ آپ پر یہ بھی ظاہر ہو گیا تھا کہ انسان کی پیدائش کا کیا منشا ہے اور سمجھدار مسلمان کو کس طرح اپنی عملی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صدہا حدیثیں اور ان کا اعلیٰ مقصد نوک زبان ہو گیا تھا۔ اور ہر حدیث کا اثر آپ کی عادات معاشرت میں گھل مل گیا تھا۔

جب قرآنی اور نبوی احکام کے نقوش آپ کی لوح دل پر پورے نقش ہو چکے تو آپ کی باطنی اور ظاہری حالت نے بالکل پلٹا کھایا جیسا عظیم الشان تغیر آپ کی باطنی حالت میں ہوا اسی قدر ظاہری حالت میں بھی ہو گیا۔ دل کی کیفیت ہی اور ہو گئی۔ زبان اب کچھ اور ہی کہنے لگی تھی۔ آنکھیں کسی اور ہی امر کی شہادت دیتی تھیں۔ ان کا رنگ ہی دوسرا ہو گیا تھا وہ لال لال ڈورے جو قلبی حرارت کی بعض آنکھوں میں تصدیق کرتے ہیں اور سید احمد صاحب کی بڑی بڑی تیز تیز آنکھوں میں بچپن ہی سے پڑے ہوئے تھے اب ربانی روشنی نے انہیں اور بھی چمکا دیا۔ وہ طبیعت ہی نہ رہی، وہ باتیں ہی نہ رہیں۔ اب صرف یہ دھن رہنے لگی کہ جو کچھ خدا و رسول کا حکم ہے اس کی استواری اور نیک نیتی سے پابندی کی جائے ہم خوشی سے دیکھتے ہیں کہ سید احمد صاحب کی زندگی جواب سے شرعی زندگی آخر

وقت تک رہی، اس سے زیادہ ایک مسلمان کی فضیلت کیا ہوسکتی ہے کہ وہ سچا متبع شریعت ہو اور دل میں خواہش ہو کہ ہر مسلمان جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے احکام ربانی کا پورا کاربند ہو جائے۔ اس سے زیادہ سید احمد صاحب کو اور کیا شرف مل سکتا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر حتی الوسع پورا پورا عمل کرتے تھے اور آپ کا اوڑھنا بچھونا یہی روشن ہدائتیں تھیں۔

بالجملہ جب آپ اپنے وطن رائے بریلی میں پہنچے تو اپنے مکان میں جاکر نہ ٹھہرے بلکہ ایک مسجد میں قیام کیا۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ مکان ہوتے ہوئے مسجد میں کیوں قیام کیا۔ اس سے اتنی بات ضرور ہویدا ہوتی ہے کہ جبکہ نبی اکرم سے زیادہ تعلق دن بدن بڑھتا جاتا تھا اس لئے مسجد کے ایک حجرہ میں قیام کرنا گھر میں قیام کرنے کی نسبت زیادہ انسب خیال کیا۔ خیر کچھ ہی غرض سید احمد صاحب نے مسجد ہی میں قیام کیا۔

آپ کا ورد شب و روز قرآن وحدیث کا وعظ رہتا تھا جو کچھ شاہ عبد العزیز صاحب سے زبانی سیکھ کر آئے تھے اسے حاضرین کے آگے اس خوبی اور عمدگی سے ادا کرتے تھے کہ لوگوں پر خیال سے زیادہ اثر ہوتا تھا۔ سید احمد صاحب کے اعمال قابل توصیف تھے اور آپ کی عملی زندگی حقیقی شرعی زندگی ہو گئی تھی۔ اس لئے لوگوں پر آپ کے افعال کا زیادہ اثر پڑنے لگا اور وہ ایسے معتقد ہوئے کہ مرید بننے کی آرزو کی۔

سید احمد صاحب کی غیر معمولی تعظیم جو ان کے ہم وطنوں نے کی ہمیں اس بات کا ثبوت دیتی ہے کہ وطن میں بھی عزت ہوسکتی ہے گو اس کے لئے زمانہ دراز کی ضرورت اور صبر و استقلال ہمت اور جوانمردی کی حالت ہے غرض سید احمد صاحب کو آپ کے ہم وطنوں نے مجبور کیا کہ آپ ہم سے بیعت لے لیں اور ہمیں اپنا مرید بنالیں آپ نے انکار کیا اور فرمایا مسلمان کو خدا اور رسولؐ کی مریدی کافی ہے، جھوٹ نہ بولو، کسی کو دھوکا نہ دو، اپنے فائدہ کے لئے دوسرے کا نقصان نہ کرو بس یہی مومنیت ہے اگر تم کسی پیر کے مرید بھی ہو گئے اور تم نے یہ باتیں بھلادیں تو وہ مریدی کچھ فائدہ نہ دیگی۔ اور مرید ہونے پر تم نے مذکورہ باتوں پر نیک نیتی سے عمل کیا۔ پھر تمہیں نہ کسی پیر کی ضرورت ہوگی نہ کسی ولی کی، تم اپنے آپ پیر بنو اور اپنے نفس سرکش کو اپنا مرید بناؤ، اس سے بیعت لو کہ وہ پھر اپنے کو شیطانی وساوس کا متبع نہ ہونے دے۔ بس یہی صورت نجات دارین کی کافی ہے۔

ہمارا فاضل عبد القیوم بریلوی جس کی قلمی تحریرات سے جن میں سید احمد صاحب کے بعض بعض حالات درج ہیں ہم نے یہ بیان نقل کیا ہے وہ ہمارا اطمینان کرتا ہے کہ جو باتیں میں نے تحریر کی ہیں وہ چشمدید بھی ہیں اور سید صاحب کے معتبر دوستوں سے سنی ہوئی بھی ہیں۔ اس مصنف نے سید احمد صاحب کے خاندان کا ذکر کیا ہے اور بڑی بڑی کرامتیں آپ کے آباؤ اجداد کی نہایت رنگآمیزی سے بیان کی ہیں مگر یہ تعجب سے دیکھا

جاتا ہے باوجودیکہ مصنف کتاب کرامات فوق الفطرۃ کا قائل معلوم ہوتا ہے پھر بھی اس نے سید احمد صاحب کی ان کرامتوں کا جن سے ہمارے ہمعصر سوانح نویسوں کے صفحے سیاہ ہو رہے ہیں کہیں بھی تذکرہ نہیں کیا ہے بلکہ بجائے اس کے پارسا۔متقی۔پرہیزگار۔صائم الدہر۔سچا۔نیک بخت۔شیریں کلام۔خلیق۔خود فروشی اور خود نمائی سے کوسوں دور۔ان ان صفتوں سے بریلوی نے سید احمد صاحب کو یاد کیا ہے ہم اس کے ساتھ بالکل ہم زبانی کرتے ہیں حقیقت میں ان صفتوں کا سید احمد صاحب میں بہت بڑا حصہ تھا۔

پہلے تو آپ نے ہر درخواست مریدی پر یہ فرمایا جو ہم نے پہلے درج کیا ہے اور جب عوام الناس ناسمجھ لوگوں میں آپ کی بزرگی اور روشن ضمیری کی دھوم مچی تو غول کے غول آنے لگے اور مرید بننے کی دھڑا دھڑ درخواستیں ہونے لگیں، آپ کی عبادت میں بھی لوگوں کی کثرت سے خلل آنے لگا یہاں تک کہ آپ وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور ایک دن بطرف مالوہ یہاں سے چل کھڑے ہوئے۔

یہ اور بھی تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ آپ کسی رشتہ دار یا کسی معتقد سے ایک پیسہ یا فاتحہ یا نیاز نذر کا کھانا نہ لیتے تھے۔کچھ رومال کاڑھا کرتے تھے اور انہیں بازار میں فروخت کرکے اپنی گذر کرتے تھے جو کچھ بچتا تھا وہ خدا کی راہ پر دیدیتے تھے۔اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد حاضر ہوتے تھے اور عصر کی نماز تک دست بستہ بیٹھے رہتے تھے، اسی طرح اپنے اور بزرگوں سے کسی خاص وقت ملتے رہتے تھے اور باقی وقت عبادت اور پند و نصائح میں صرف ہوتا تھا۔

سفر مالوہ اور ملازمت

اسی اثناء میں اس مضمر جوہر نے جو آپ کی طبیعت میں گندھا ہوا تھا اور جس کی خبر ہنوز آپ کو بھی نہ تھی زور کیا یکایک آپ کا دل برداشتہ ہو گیا اور مصمم یہ قصد ہو گیا کہ سپاہیانہ زندگی وظیفہ وظائف کی زندگی سے اچھی ہے۔ سید احمد صاحب کو نہ پیر بننے کا شوق تھا نہ اپنے کو کرامتی مشہور کرنے کی آرزو تھی آپ ان باتوں سے بہت گھبراتے تھے کہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، تعظیماً بیٹھیں اور دو زانو گردنیں نیچے کئے ہوئے صورت بت بن جائیں ان تمام تکلیف دہ باتوں سے بچنے کے لئے آخر آپ نے سپاہیانہ زندگی گذارنی النسب اور اولی الخیال کی اس میلان طبع میں بھی بڑے بڑے راز پوشیدہ تھے، خداوند تعالیٰ کو اپنے جس بندہ سے اس کی زندگی کے کسی آیندہ زمانہ میں کام لینا ہوتا ہے تو وہ پہلے ہی اسے ان صفات سے آراستہ کرتا ہے جو اس کام میں ضروری ہوتی ہیں جبکہ آپ کو سکھوں کے مقابلہ کے لئے تیار کرنا تھا اس لئے یہ ضروری امر تھا کہ آپ فن سپہ گری سے بھی بخوبی واقف ہو جائیں۔سید احمد صاحب خود خداوند تعالیٰ کی اس حکمت کو نہ سمجھتے تھے انہیں کیا خبر تھی کہ آیندہ مجھ سے کیا کیا

کام لینے ہیں، انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک معمولی سوار کی زندگی سے میری زندگی ایک بادشاہ کے برابر ہو جائے گی فی الحال آپ پر فرض تھا کہ آپ اپنی میلان طبع کی متابعت کریں یعنی کوئی ایسی صورت نکالیں جس سے ساری زندگی سے سپاہیانہ زندگی ہو جائے۔

آپ بماہ جمادی الثانی ۱۲۲۴ھ اپنے متعلقین سے رخصت ہوکر رائے بریلی سے روانہ ہوئے جب شہر کے باہر نکلے ہیں تو یہ خیال آیا کہ کہاں جانا چاہیئے اور کس جگہ نوکری کرنی زیباہے۔ عمر پوری یا ایک آدھ ماہ کم زیادہ چوبیس برس کی تھی۔ چہرہ پر شباب نیر حسن اور اس کے ساتھ پرہیزگاری کی سرخی پوری جلوی دے رہی تھی سینہ چوڑا اور ہاتھ پاؤں سڈول تھے، گردن بہت ڈبل تھی، کلائیاں چوڑی چکلی اور مضبوط تھیں، چہرہ کا نقشہ اسی قدر لطافت سے بھرا ہوا تھا جسطرح رنگ ارغوانی کا جوبن شادابی سے پُر تھا، آنکھیں نکیلی اور لجھوئی تھیں، پتلی کی گہری گہری سیاہی اور اس میں عقل و دانش کے نور کی جھلکی معمولی ناظر کی نگاہ میں چکاچوند کرتی تھی۔ مگر مبصّر پہچان سکتا تھا کہ چمک جو اس نظر سے برآمد ہوتی ہے فطرت کی کاریگری کا جس طرح اعلیٰ نمونہ ہے اسی طرح یہ ایک ایسے خوش آیند سانحہ کی منتظر ہے جس کی طرف بہت دنوں سے اشارہ کر رہی ہے اور جو ایک نہ ایک دن ضرور ہونا ہے۔ آپ کے دونو کندھے ذرا اُٹھے ہوئے تھے۔ سینہ کا چوڑا پن چالیس سالہ ہونے کی شہادت دیتا تھا حالانکہ چہرہ کی نازک تناوٹ اور گلناری کی پربہار چوبیس برس کی تصدیق کرتی تھی، قد نہ بہت لمبا تھا نہ ٹھگنا تھا بلکہ خیر الامور اوسطہا کا سچا نقشہ کھینچا تھا۔

جب کہ اسلام اور اس کے روشن اصول نے بہت کچھ باطنی اور ظاہری حالت پر افسوں پڑھ کر مار دیا تھا۔ اس لئے آپ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ غیر مسلم کی ملازمت کر کے مسلمانوں پر تلوار اٹھاؤں، طبیعت کی اس پرجوش حالت نے امیر خان پنڈاری کے لشکر کی طرف جو مالوہ پر پڑا تھا رہنمائی کی اور آپ نے وہاں جاکر سواروں میں ملازمت اختیار کی۔ امیر خان کے لشکر کی کوئی باقاعدہ تنخواہ نہ تھی، کسی ریاست پر چھاپہ مارا۔ اگر وہاں سے کچھ ہاتھ لگ گیا تو باہم تقسیم ہو گیا نہ ہاتھ لگا تو لشکر میں فاقہ کشی ہو رہی ہے۔ لیٹروں کی سی کیفیت تھی، کبھی جے پور پر حملہ کر کے یہاں زلزلہ ڈال دیا۔ اور کبھی جودھ پور پر جا دوڑا وہاں ایک ہلکم مچادی۔ زیادہ تر راجواڑوں ہی سے لڑتا رہتا تھا کیونکہ ان سے کچھ ہاتھ ہی لگ جاتا تھا، اس نے جان کر کبھی انگریزی مفتوحہ ممالک پر حملہ نہ کیا، ہاں کسی راجواڑے کی حملہ آوری سے اسے روکا گیا تو اس نے انگلش حکومت سے بھی شمشیر بازی میں دریغ نہ کی مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ ایسی خواہش کئی بار کی گئی کہ اس شیر نیستاں کو گرفتار کرلیں مگر یہ ممکن نہ ہوا۔ اس مختصر کیفیت سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا۔ کہ امیر خان کے سپاہیوں کی زندگی جس قدر خطرناک رہتی تھی اس قدر چاق وچست اور شمشیر زنی میں بسر ہوتی تھی۔ جو سپاہیانہ قالب کی سچی روح ہے، جب سید صاحب نے سواروں میں نام لکھوایا تو آپ امیر خان کے آگے پیش

کئے گئے وہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے یہ کہا کہ اگر اپنی جان کھپا کر محنت کی اور اپنی جوانمردی کے جوہر دکھائے تو میں آپ کو ایک ہزار فوج کا افسر بنا دوں گا یہ سن کر آپ نے سوا اس کے اور کچھ جواب نہ دیا کہ خدا میں سب قدرت ہے۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ ناصح کی زبانی پند و نصائح سے اس کی زندگی لوگوں پر اثر ڈالتی ہے سید احمد صاحب کی عمدہ زندگی ایسی پُر اثر تھی کہ فوج میں بھی کثرت سے لوگ آپ کے مرید ہو گئے بیعت نہیں کی بلکہ دل سے معتقد ہو کر بزرگ جاننے لگے۔ آپ کی صداقت، اتقا، عبادت، خوش خلقی، شیریں زبانی ایسی تھی جس نے زبردستی لشکر کو آپ پر مائل کرا دیا۔ یہاں تک کہ امیر خان نے بھی آپ کے اتقا پرہیز گاری کی کیفیت سن کر اپنے باڈی گارڈ کا افسر بنا دیا۔ اور پھر آپ کی حالت پر غور کرنے لگا۔ اس عرصہ میں بصیرت کو اس قدر ترقی ہوئی کہ آپ کبھی کسی آئندہ واقع کی پیشگوئی کر دیتے تھے۔ اور بارہا یہ دیکھا گیا ہے کہ آپ کی پیشگوئی نے کبھی دھوکا نہیں کھایا اور وہ معاملہ ہو کر ہی رہا۔ معمولی آدمی کے آگے ایسی ایسی پیشگوئیوں کا ہونا اور پھر پورا ہونا ایک بہت بڑی بات ہوتی ہے اور وہ ایسے شخص کو خبر نہیں کیا کیا سمجھنے لگتا ہے، مگر ہوشیار اور ان بھیدوں کا واقف جانتا ہے کہ صفائی قلب سے طبیعت میں ایک ملکہ ہو جاتا ہے کہ ظاہر اسباب دیکھ کر اس آیندہ نتیجہ کی پیشگوئی کر دی جائے اور پھر وہی ہو رہے جب یہ کیفیت ہوئی تو تمام لشکر میں ایک دھوم مچ گیا اور ہر شخص آپ کو ولی سمجھنے لگا۔

اس عرصہ میں دو تین گڑھیاں بھی آپ نے بڑی بیباک دلیری اور خطرناک شجاعت سے حملہ کر کے فتح کیں اور حملہ کرتے وقت امیر خان اپنے آقا سے کہہ گئے تھے کہ ان گڑھیوں کی فتح میرے ہی دست قدرت پر تقدیر ہو چکی ہے۔ معمولی عقول کے آگے تو یہ بیّن بیّن شہادتیں ولی سمجھنے کے لئے بہت ہی کافی ہیں۔

جب پے در پے یہ باتیں سید احمد صاحب سے ظہور پذیر ہوئیں پھر تو امیر خان نے اپنا مشیر مقرر کر لیا اور کوئی کام بغیر آپ کے مشورہ کے نہ کرتا تھا۔ ساتھ ہی ان کامیابیوں کے جو سید صاحب کو حاصل ہوئیں یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ آپ نے اس ترقی پر بھی اپنے فرائض کے انجام دینے سے پہلو تہی کی یعنی قرآن و حدیث کا وعظ برابر رہتا تھا اور کبھی کوئی فقرہ کسی حالت میں ایسا زبان پر نہ آتا تھا جس سے پہلے قال اللہ یا قال رسول اللہ نہ کہہ دیا جاتا ہو اس مستعدی اور زبانی پند و نصائح کا عملی شرعی معاشرت کے ساتھ یہ اثر ہوا کہ امیر خان مع اپنے کل بھائی بندوں اور اولاد کے سچا محمدی بن گیا اور اس نے تمام ناروا باتوں سے توبہ کی جب لشکر نے یہ کیفیت دیکھی وہ بھی پورا محمدی بن گیا۔ اور ارکان اسلام کے ادا کرنے میں بڑی سرگرمی کرنے لگا۔ اکثر لشکری شراب خوری اور افعال شنیعہ میں گرفتار تھے سب کی بُری عادتیں چھوڑا دیں اور ہر ایک شخص کو پاک باز مسلمان بنا دیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کرامت کیا کم ہے کہ ایک شخص نے پچیس تیس ہزار لشکر کی حالت کو مع اس کے امیر کے بدل دیا اور ہر ایک کو شریعت محمدی

کا سچا تبع بنا دیا۔

۱۲۳۱ھ تک سید احمد صاحب امیر خان کی ملازمت میں رہے مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خان کی صلح کرادی اور آپ ہی کے ذریعہ سے جو شہر بعد ازاں دیئے گئے اور جن پر آج تک امیر خان کی اولاد حکمرانی کرتی ہے دینے طے پائے تھے لارڈ ہیسٹنگ سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگذاری سے بہت خوش تھا۔ دو تو لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اُس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خان، لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب۔ سید احمد صاحب نے امیر خان کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا آپ نے اسے یقین دلادیا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لئے بڑا نہیں ہے تو تمہاری اولاد کے لئے سمّ قاتل کا اثر رکھتا ہے۔ یہ باتیں امیر خان کی سمجھ میں آگئی تھیں اور اب وہ اس بات پر رضامند تھا کہ گذارہ کے لئے کچھ ملک مجھے دیدیا جائے تو میں بآرام بیٹھوں امیر خان نے ریاستوں اور ان کے ساتھ انگریزوں کا بھی ناک میں دم کر دیا تھا آخر ایک بڑے مشورہ کے بعد سید احمد صاحب کی کارگذاری سے ہر ریاست میں سے کچھ کچھ حصہ دے کر امیر خان سے معاہدہ کر لیا۔ جیسے جے پور سے ٹونک دلوایا اور بھوپال سے سرونج، اسی طرح سے متفرق پرگنے مختلف ریاستوں سے بڑی قیل وقال کے بعد انگریزوں نے دلوا کر بپھرے ہوئے شیر کو اس حکمت سے پنجرہ میں بند کر دیا۔

یہاں ایک بات قابل نوٹ ہے کہ سید احمد صاحب تقریباً سات برس تک امیر خان کی ملازمت میں رہے اس عرصہ میں آپ کو بارہا مختلف جنگوں میں جانے اور توپ و بندوق و تلوار سے کام لینے کا موقع پڑا ہوگا کہیں کسی پر آپ نے حملہ کیا ہوگا تو کہیں سرکش گاؤں کو لوٹا کھسوٹا ہوگا، غرض ساری باتیں جن سے جنگ و غارت تعبیر ہو سکتی ہے عمل میں آئی ہوں گی اس بنا پر ڈاکٹر ہنٹر سید احمد صاحب پر ناحق غارت گری کا الزام قائم کرتا ہے چنانچہ اپنی کتاب "انڈین مسلمان" کے صفحہ ۱۱ میں تحریر کرتا ہے :۔

"اس نے (یعنی سید احمد صاحب نے) اپنی زندگی ایک سوار سے مشہور قزاق۔ (یعنی امیر خان پنڈاری) کی ملازمت میں شروع کی اور مدت تک مالوہ کے بار آور افیم کے گاؤں یا کاشت کو برباد کرتا رہا۔"

پھر اسی صفحہ میں آگے چل کر لکھتا ہے :۔

"ایسی حالت میں کہ جب سکھوں کے نظم و نسق نے پڑوسی مسلمانوں کو سخت تنگ کر رکھا تھا سید احمد صاحب نے قزاقی کا پیشہ چھوڑ کر عاقلانہ طور پر اپنے کو وقت کے مطابق بنایا اور ۱۸۱۶ء میں مذہبی علوم پڑھنے کے لئے دہلی کے مشہور و معروف ڈاکٹر (یعنی شاہ عبدالعزیز صاحب) کی خدمت میں حاضر ہوا۔"

اس تحریر سے ڈاکٹر ہنٹر کی اصلی معاملات سے بےخبری اور خیالی پلاؤ پکانے اور ایک معاملہ پر فرضی رائے قائم

کرنے کا پورا حال کھلتا ہے اول تو قزاق کے نام سے سید احمد صاحب کو متہم کرنا سراسر بیجا ججمنٹ کی طرف خیال پھیرتا ہے دو باتیں ہیں اول تو ڈاکٹر صاحب کو جب انہوں نے ان واقعات کے لکھنے کے لئے قلم اٹھایا ہوگا حالات ہی نہیں معلوم تھے دوسرے ان کی ابتدائے تحریر سے یہ بات صاف مترشح ہوتی ہے کہ وہ جسطرح ان سے ہوسکیگا مسلمانوں کو باغی بنانے اور گورنمنٹ کو ان کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کرینگے چنانچہ ختم کتاب تک انہوں نے ایسا ہی کیا ہے اُن کی ۲۱۸ صفحے کی کتاب غلطیوں کے انبار سے جیسے بھری ہوئی ہے اسیطرح بیجا تحکم اور غلط منطق کی ہر جگہ جھلکی پائی جاتی ہے۔ اگر کچھ بھی انصاف ہوتا تو وہ مظلوم مسلمانوں کو ایسا متہم نہ کرتے۔

دوسرا سفر دہلی

جب سید احمد صاحب نے اپنی زندگی کا ایک حصہ سپاہیانہ معاشرت میں صرف کر لیا اور ساتھ ہی دل کھول کر اپنے مذہبی فرائض کی بھی انجام دہی کر لی تو پھر آپ نے دہلی کی طرف رجوع کیا۔

یکایک امیر خان کی ملازمت سے ترک تعلق کر کے دہلی کی طرف رخ کرنا مغلق بھید کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جس کی کنہ کو ہر شخص نہیں پہنچ سکتا۔ قطرت کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ جس کام کے لئے آپ کو بنایا تھا آپ اس کے قابل ہو گئے ہیں تو از خود طبیعت نے اس عظیم الشان کام کا چارج لینے کے لئے دہلی بلا لیا۔

جب آپ دہلی میں تشریف لائے تو شاہ عبد القادر صاحب مترجم قرآن مجید و برادر حقیقی شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کی مسجد میں مقیم ہوئے امیر خان کی ہفت سالہ ملازمت نے آپ کی ولایت کی دھوم بڑے زور شور سے تمام قرب وجوار میں پھیلا دی تھی اور دوسرے بڑی بات یہ تھی کہ آپ نے شاہ عبد العزیز صاحب کے مدرسہ میں ہزاروں روپیہ لشکر میں سے چندہ کر کے بھجوایا تھا۔ دہلی تک آپ کے اتقا پرہیزگاری اور سب سے زیادہ صاحب باطن ہونے کی آوازیں لوگوں کو چونکا رہی تھیں یہاں مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب نے جو کچھ دھوم مچا رکھی تھی اس کا ذکر مولانا ممدوح کی سوانحعمری میں ابھی دیکھ چکے ہیں۔ ادھر شاہ اسمٰعیل صاحب کسی ایسے رہبر کی تلاش میں تھے جس کی متابعت میں حسب دلخواہ سکھوں سے عوض لیا جائے ادھر سید احمد صاحب کو ایسے ایک مدبر کی ضرورت تھی جو جیسا فاضل اجل ہو ویسا ہی قدر لڑاکو مرد میدان بہادر اور مدبر سلطنت ہو خدا کی قدرت دونو برتر نفوس کی خواہشیں پوری ہو گئیں اور ہر ایک نے ایک دوسرے سے مل کر یہ پڑھا۔ ؎

ای وقت تو خوش باد کہ وقت ما خوش کر دی

شاہ اسمٰعیل صاحب اور مولانا عبد الحی صاحب دہلوی نے بیعت کی تو تمام شہروں میں سید احمد صاحب کا ایک ڈنکا بج گیا۔ دہلی سے پٹنہ تک لوگوں کا دن بدن حسن اعتقاد بڑھتا جاتا تھا اور ہر شہر سے ہزاروں روپیہ اور خود لوگ چلے

آتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے حکم دیا کہ آپ بطور خود آس پاس کے شہروں میں وعظ فرماویں چنانچہ سید احمد صاحب بمجرد حکم شیخ کے روانہ ہوئے اور دور دراز اپنی خوش بیانی کی دھوم مچادی۔

چار برس کے عرصہ میں نوجوان سید نے ہزاروں کو اپنا مرید بنالیا اور ایک عجیب روح لوگوں کے دلوں میں محمدی مذہب کی پھونک دی سب نے شرک و بدعت سے توبہ کی اور سچے عامل بالسنت بن گئے۔

اس عرصہ میں ایک بار اور بھی سید احمد صاحب کو اپنے وطن میں جانے کا اتفاق ہوا کیونکہ آپ کے بھائی کا انتقال ہوگیا تھا چند ماہ تک اپنے وطن میں رہے اور پھر پٹنہ اور کلکتہ کے سفر کو روانہ ہوئے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب دہلوی ہمراہ تھے۔ یہاں ایک شخص عبدالرحیم[1] نامی دہریہ رہتا تھا جو شاہ عبدالعزیز صاحب کا بھی شاگرد تھا اور مذہبی علوم میں بھی کامل مہارت رکھتا تھا۔ مگر اسے خدا سے انکار تھا اس لئے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اسے عبدالرجیم کہتے تھے۔ اس سے بھی دو تین مناظرے ہوئے گو وہ ساکت تو ہوگیا مگر اپنے دہریہ پن سے باز نہ آیا۔ کلکتہ میں جب مولانا اسمٰعیل صاحب نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے۔ تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے۔ آپ نے جواب دیا ان پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے ایک تو ان کی رعیت ہیں دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔

سید احمد صاحب نے سکھوں سے جہاد کرنے کے لئے روپیہ جمع کرنے کے واسطے مختلف شہروں میں خلیفے مقرر کئے ان کا یہ کام تھا کہ ہر قصبہ اور گاؤں بگاؤں وعظ کہتے پھریں اور سکھوں سے جہاد کرنے کے لئے روپیہ جمع کریں چندہ جمع کرنے والوں کا دارالخلافہ پٹنہ کو سمجھنا چاہئیے جہاں سب سے زیادہ گرمجوشی سے چندہ جمع ہوا تھا اور بنگالہ کا ایک حصہ اپنی جان اور دھن قربان کرنے کو آمادہ تھا۔

ابھی مجاہدین اور روپیہ جمع ہونے کے لئے ایک عرصہ دراز کی ضرورت تھی اس نظر سے یہ بہتر سمجھا گیا کہ حج بیت اللہ ہی کر آنا چاہئیے جب تک سید احمد صاحب کے خلفاء چندہ اور آدمی جمع کرتے رہیں گے۔

چنانچہ یکم شوال ۱۲۳۶ھ بروز عیدالفطر بعد ادائے نماز عید رائے بریلی سے بارادۂ حج روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہیوں کی تعداد عورتوں اور بچوں کے چار سو سے زیادہ نہ تھی۔ اس قافلہ کا خرچ کچھ سید صاحب کے ذمہ تھا اور بعض مالدار لوگ اپنے آپ کفیل تھے۔ مگر سید صاحب نے فرمادیا تھا کہ ہم سارے قافلہ کا خرچ اٹھائینگے کوئی شخص ایک پیسہ بھی نہ خرچ کرے آیندہ وقت پر دیکھا جائیگا۔

---

[1] غالباً یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے سبعہ معلقہ کی شرح لکھی ہے۔ (مصحح)

سیّد احمد صاحب کا حج بیت اللہ

جس وقت آپ بمبئی پہنچے ہیں صدہا آدمیوں کا ہجوم بڑھتا جاتا تھا۔ بہت سے تماشائی تھے اور بہت سے محض صورت دیکھنے کے لئے آئے تھے اور بہت سے ایسے بھی تھے جو سید احمد صاحب سے بیعت کرنے کے بھوکے تھے چند روز تک آپ بمبئی میں رہے صدہا آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر عہد واثق کیا کہ آیندہ سے ہم شرک و بدعت کو ترک کر کے وحدت پرستی کریں گے اور شریعت محمدی کے خلاف ایک کام بھی حتی الوسع نہ کرینگے۔ جو کچھ اصلاح سید احمد صاحب نے کی خدا انہیں اس کا بہت بڑا اجر عطا فرمائیگا۔ ہزاروں کو مسلمان بنا دیا اور ان کی لوح دل سے وہ خیالات فاسدہ بالکل دھو دیئے جنہوں نے انہیں راہ حقیقت سے بھٹکا کر ظلمت کدہ کی طرف متوجہ کر رکھا تھا۔

پھر آپ بخیر و عافیت جہاز پر سوار ہوئے، اور جہاز نے جدہ کی طرف لنگر اٹھایا۔ جدہ تک پہنچتے پہنچتے دو تین جانیں تلف ہو گئی تھیں حاملہ عورتوں کے ہاں بچے پیدا ہو گئے تھے اور ایک حمل بھی گر گیا تھا۔ یہ بھی نہایت معمولی باتیں ہیں جو شب و روز جہازوں پر ہوتی رہتی ہیں مطلب یہ ہے کہ صحیح و سالم سید صاحب معہ اپنے مریدوں شاہ اسمٰعیل وغیرہ کے جدّہ پر اُترے۔ ابھی تک جدہ میں یہ خبر مشہور نہ ہوئی تھی کہ سید صاحب تشریف لائے ہیں اسی وجہ سے سید صاحب کو بہت آرام ملا اور لوگوں نے چمٹ کر زیادہ تکلیف نہ دی۔ مگر مکہ شریف میں پہلے ہی سے یہ خبر مشہور ہو گئی تھی کہ سید صاحب معہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے آتے ہیں وہ لوگ سخت مخالفت پر آمادہ تھے کیونکہ نجد کے وہابیوں سے خونخوار جنگیں ہو چکی تھیں اور وہابیوں کی پابندی شرع سے مکہ اور مدینہ والے سخت خائف تھے اور ان کا ارادہ تھا کہ سید صاحب کو مع مولوی اسمٰعیل صاحب گرفتار کر لیں۔ چنانچہ جب آپ مکہ شریف میں داخل ہوئے ہیں چار تُرک سوار پہنچے اور سید احمد صاحب سے عرض کیا کہ آپ کو شریف مکّہ یاد فرماتے ہیں سید احمد صاحب سیدھے شریف مکہ کے پاس پہنچے مولانا شہید اور مولوی عبدالحی دہلوی وغیرہ چند علماء ہمراہی میں تھے۔ شریف مکہ صورت دیکھتے ہی اٹھ بیٹھا اور سب سے بخندہ پیشانی معانقہ کیا اور اپنے برابر بٹھا کر چائے وغیرہ منگائی پھر مطلب کی باتیں ہونے لگیں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب مجیب تھے گھنٹہ بھر تک خوب باتیں ہوئیں جب اس کا پورا پورا اطمینان ہو چکا تو اس نے دوبارہ اٹھ کر سید صاحب اور آپ کے دوستوں سے معانقہ کیا اور خاص اپنے ہاں سارے قافلہ کو مہمان رکھا ہر چند سید صاحب نے فرمایا کہ آپ اتنا بار کیوں اٹھاتے ہیں مگر شریف مکہ نے نہ مانا اور ایام حج تک اپنے ہی ہاں رکھا یہ ضرور تھا کہ روزمرہ کسی نہ کسی وقت کوئی نہ کوئی عرب رئیس دعوت کرتا رہتا تھا اور جو کچھ خاطر مدارات ہوتی تھی اس کا اندازہ وہی شخص بخوبی کر سکتا ہے جو ہمراہ

ہوگا۔ میں قیام مکہ معظمہ کے حالات بیان کر کے ناظرین کو تکلیف دینا نہیں چاہتا صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ آپ قیام مکہ اور سفر مدینہ منورہ میں خوش وخرم اور صحیح وسالم رہے اور کسی قسم کی آفت آپ کے کسی ساتھی پر نہ آئی۔ مرض وغیرہ کی طرف سے بھی آپ کا قافلہ پاک تھا۔ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کرنے کے بعد آپ واپس وطن پھرے۔

سید صاحب کی واپسی وطن

حج بیت اللہ میں نجدی لوگ بھی آپ سے آ کر ملے تھے اور اپنی لڑائیوں کا ترکوں کے ساتھ تذکرہ کرتے تھے اس پر پادری ہیوجینز صاحب یہ تحریر کرتے ہیں کہ۔

"عبدالوہاب کے جانشینوں نے وہابیت کے اصول سید صاحب کو تعلیم کئے اور انہیں بتا دیا کہ مذہبی روح لوگوں میں پھونکنے کے بعد یہ کامیابی ہوتی ہے اور یوں ملک ہاتھ لگتے ہیں" (از ڈکشنری اف اسلام)

میرے خیال میں پادری صاحب کا یہ لکھنا محض غلط ہے۔ عیسائیوں میں اکثر مصنف ایسے دیکھنے میں آئے کہ جب وہ کسی مشرقی خصوصاً اسلامی معاملہ پر رائے زنی کرتے ہیں تو اس کی بنا محض ہوا پر ہوتی ہے جو اصل واقعہ سے بہت ہی مستبعد ہوتا ہے مستبعد کیا بھلا کہاں سید صاحب کا نجدیوں سے تعلیم حاصل کرنا۔ حالانکہ مولانا محمد اسمٰعیل اور مولانا عبدالحی دہلوی وغیرہ علماء آپ کے ہمراہ ایسے تھے جن کے برابر نجد بھر میں ایک شخص بھی عالم نہیں تھا۔ ایسی لغو اور لایعنی باتیں دیکھ دیکھ کر مغربی مصنفوں کی دن بدن قدر گھٹتی جاتی ہے اور اگر اب یہ کوئی بات صحیح بھی لکھتے ہیں اس میں بھی غلطی کا اشتباہ ہوتا ہے۔ ایک صاحب بہادر یہ بھی لکھتے ہیں کہ سید احمد نجدی تھا اور پوشیدہ رائے بریلی میں آ کر کچھ دن رہا اور پھر یہ مشہور کر دیا کہ میں رائے بریلوی ہوں تاکہ لوگ غیر ملک کا سمجھ کر مجھ سے بھڑکیں نہیں۔ بھلا اس صریح جھوٹ کا بھی کچھ ٹھکانا ہے۔ ناظرین نے محققوں کے سرتاج ڈاکٹر ہنٹر کی لاثانی تحقیقات دیکھ لیں اور ساتھ ہی اور پورومینس کی تحقیق پر بھی نگاہ کر لی کہ ایک سے ایک زیادہ محقق ہے۔

سید احمد صاحب جب جدہ سے روانہ بمبئی ہوئے ہیں تو آپ کے دل میں پہلا خیال یہ آیا تھا کہ دیکھئے جنہیں میں مقرر کر آیا ہوں انہوں نے حسب دلخواہ کارگذاری کی یا نہیں۔ مگر الحمد للہ ان لوگوں نے سکھوں پر جہاد کرنے کے لئے چندہ اور آدمی جمع کرنے میں بہت زیادہ کام دیا اور ایک عام تحریک تمام ہندوستان اور خاص کر ملک بنگالہ میں پھیلا دی جب آپ بمبئی تشریف لائے ہیں تو آپ کے وکیل استقبال کے لئے بندر پر جمع تھے خوشی کے نعرے بلند ہوئے اور مرحبا وصد مرحبا کی صدائیں چاروں طرف سے آنے لگیں۔

جتنا اثر پٹنہ اور کلکتہ مدراس وغیرہ میں سید صاحب کا تھا بمبئی میں نہ تھا یہاں آپ نے چندروز قیام کیا اور آپ نے وکیلوں کے مشورہ سے ایک بار اور بھی کلکتہ، پٹنہ وغیرہ کا دورہ لگانا شروع کیا جس جگہ سید صاحب

تشریف لے جاتے تھے لوگ یک زبان ہو کر یہ کہتے تھے۔ ؎

گر بر سر و چشم من نشینی ، نازت بکشم کہ نازنینی

سید صاحب اس سفر میں خاص اس شخص سے بیعت لیتے تھے جو جہاد پر سکھوں کے مقابلہ میں جانے کے لئے مستعد ہو چنانچہ ہزار بارہ سو آدمیوں نے بچن دیا اور عرض کیا کہ جس وقت حضور کا حکم ہو گا ہم سرحد پر پہنچ جائینگے روپیہ بھی بکثرت جمع ہو گیا تھا اور دن بدن ہوتا چلا جاتا تھا اور ایک نئی تحریک اودھ۔ ممالک مغربی شمالی اور بنگال میں پھیلی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

جب جہاں تحریک پھیلی تو ضلع کے حکام اس سے چوکنے ہوئے اور انہیں خوف معلوم ہوا کہیں ہماری سلطنت میں رخنہ نہ پڑے اور موجودہ امن میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو اس نظر سے ضلع کے حکام نے حکام اعلےٰ کو لکھا وہاں سے صاف جواب آگیا ان سے ہرگز مزاحمت نہ کرو۔ ان مسلمانوں کو ہم سے کوئی لڑائی نہیں ہے یہ سکھوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں اور حقیقت میں بات بھی یہی تھی۔ ان کا ارادہ صرف سکھوں سے اپنے مظلوم بھائیوں کا انتقام لینا تھا جن کے قابل رحم مظالم کا بیان ہم مولانا شہید کی سوانحعمری میں بیان کر چکے ہیں۔

اس دوسرے گشت کے بعد سید صاحب معہ چند دوستوں یا اپنے مریدوں کے ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ کو اپنے وطن میں علی الصبح داخل ہوئے بعض دوستوں نے فدویت نامے پیش کئے اور بعض نے قصائد پڑھے اور بعض نے ایڈریس دیئے ایک عجیب سماں بندھ گیا۔

سید احمد صاحب نے عام طور پر دھڑاکے سے اپنے مریدوں کو ہر شہر میں یہ اجازت دیدی کہ سکھوں پر جہاد کرنے کے وعظ ہوں اکثر شہروں میں وعظ ہونے شروع ہوئے پہلے لوگوں کے دلوں میں تحریک پھیل رہی تھی اب عام طور پر ظاہر ہونے لگی اور سید صاحب کے پاس مجاہدین جمع ہونے لگے سید صاحب نے مولانا شہید کے مشورہ سے شیخ غلام علی رئیس الہ آباد کی معرفت لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی شمالی کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کی تیاری کرتے ہیں سرکار کو تو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہے۔ لفٹنٹ گورنر نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری امن میں خلل نہ پڑے تو ہمیں آپ سے کچھ سروکار نہیں نہ ہم ایسی تیاری میں مانع ہیں۔

یہ تمام بین ثبوت صاف اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ جہاد صرف سکھوں سے مخصوص تھا سرکاری انگریزی سے کیا مسلمانوں کو ہرگز مخاصمت نہ تھی۔ مولانا شہید کی سوانحعمری میں تمام جنگوں کا حال مفصل طور پر بیان ہو چکا ہے ان کا اعادہ کرنا تحصیل حاصل ہے اس لئے میں کچھ اور خاص باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں جن سے سید صاحب کی ذات کو خاص تعلق ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے خاندان کو بھی بہت کچھ اس کے ساتھ لگاؤ ہے۔

یہ ذرا توجہ سے سننے کی بات ہے کہ سید احمد صاحب نے جب سکھوں سے جہاد کا ارادہ کیا ہے تو اُن کے پاس

چار سو سے زیادہ آدمی نہ تھے۔ ہر شخص جسے جنگی معاملات سے کچھ بھی آگاہی ہے یہ دلیری اسے مضحکہ خیز اور مجنونانہ معلوم ہوگی۔ رنجیت سنگھ کی جنگی قوت کی دھاک تمام ہندوستان پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کسی سے دبتا نہ تھا سرکار انگریزی کو کابل کا جب رستہ دیا ہے جبکہ روپیہ محصول زمین کا لے لیا۔ گورنمنٹ انگلشیہ نے بھی رنجیت سنگھ کی ایک بڑی فوجی قوت تسلیم کر لی تھی۔ ایسے زبردست حکمران کے مقابل میں سید صاحب کا چند ایسے آدمیوں کا لے جانا جن کے باپ دادا نے نہ کبھی تلوار ماری نہ انہوں نے خود بچپن سے ایسی مشق کی۔ نہ فنون جنگ سے ماہر نہ سامان جنگ پاس، نہ رسد کا انتظام، نہ پشت پناہی کے لئے کوئی حکمران، محض امید موہوم پر پنجاب پر معدودے چند نفوس کے ساتھ حملہ آور ہونا اور دلیری سے ادھر ادھر پھرنا یہ ساری باتیں بظاہر دیکھنے والے کو چھچھورے پن اور طفلانہ اٹکھیلیوں سے زیادہ وزن کی نہ معلوم ہونگی۔ مگر نہیں جب اس ارادہ فطرت پر غور کیا جائیگا تو سید احمد صاحب کی صائب رائے کا پورا پورا اندازہ ہو جائے گا۔

آپ نے ہندوستان میں جوش پھیلانے میں جو کامیابی حاصل کی تھی اس سے یہ پایا جاتا تھا کہ اگر ہم ایک کام کو شروع کریں تو لوگ روپیہ اور آدمی برابر بھیجتے رہیں گے چنانچہ یہ خیال آپ کا بہت صحیح تھا بیشک برابر مدد جاری رہی اور جب تک آپ کی شہادت کی خبر نہ آئی جوش ٹھنڈا نہ ہوا۔ جب ہم اور بھی زیادہ غور سے دیکھتے ہیں تو اس بات پر بھی سید صاحب کا زیادہ بھروسہ نہ تھا بلکہ مولانا شہید کے مشورہ سے یہ پورا یقین کر لیا گیا تھا۔ اور ظاہری اسباب بھی اس امر کے موید تھے کہ سرحدی رئیس اور عوام آدمی سکھوں کے تعصب اور اذیت دینے اور توہین اسلام کرنے سے رنجیت سنگھ کی گورنمنٹ سے نہایت بددل ہو رہے ہیں انہیں کوئی سردار اس وقت ملنا چاہیئے وہ یک دل ہو کر رنجیت سنگھ کی اطاعت کا جوا کندھے پر سے اتار ڈالیں گے پھر ہمیں خاطر خواہ کامیابی ہوگی یہ خیال سید احمد صاحب کا بہت ہی ٹھیک تھا اور اس میں انہیں کامیابی بھی ہو جاتی اگر ان کے عمال بے اعتدالی نہ کرتے اور یک لخت انہیں مجبور نہ کرتے کہ وہ ناگوار طور پر پابندی شریعت کریں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ سید احمد صاحب کے عمال ہی کا سراسر قصور تھا نہیں سرداران سمہ اور پشاور کی زرپرستی اور بے ایمانی میں کوئی شک نہیں۔ انہوں نے رنجیت سنگھ کے ہاتھ پشاور فروخت کر کے ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کی قسمت بیرحم دشمن اسلام سکھوں کی مٹھی میں سونپ دی تھی۔ ایک ہاتھ سے تو تالی بجنی مشکل ہے پھر بھی میں یہی کہوں گا کہ سید احمد صاحب اور مولانا شہید نے تو اپنی جانبازیوں کا ایک اعلےٰ درجہ کا نمونہ پیدا کر کے جہان کو دکھا دیا۔ اور ایسے معاملہ میں مسلمانوں پر کسی قسم کی زیادتی بدنیتی سے نہیں کی مگر عمال کا خیال اپنا سا کیونکر بنا سکتے تھے۔ اور انہیں پولٹیکل دماغ کیونکر دے سکتے تھے۔

یہ خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ جس جوش و خروش اور امنگ سے سید صاحب نے جہاد کا ارادہ کیا تھا اس

سے زیادہ عجیب ولولوں اور غریب جوشوں سے خدا کی راہ میں جان دیدی۔ مذہبی انتقامی جوش سکھوں کے مقابلہ میں آخر دم تک جُوں کا تُوں بنا رہا اور ہمارا بارھویں صدی کا ریفارمر اپنی قوم پر جان نثار ہوگیا۔

بعض واقعات کا ذکر سید صاحب کی شہادت

سید احمد صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے علاوہ اس دیرینہ تعلق کے جو آپ کے بزرگوں سے تھا۔ بڑا تعلق محمدی ہونے اور اس اہم اور خونخوار معاملہ کی طرف قدم اٹھانے کا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کو تو طلباء کے پڑھانے اور مختلف مسائل پر فتوے دینے سے فرصت نہیں تھی ہاں آپ کے عالی قدر خاندان کے افراد چندہ جمع کرنے اور سید صاحب کو روانہ کرنے میں سرگرم تھے چنانچہ جب سید صاحب یاغستان میں تھے تو مولانا محمد اسحٰق صاحب[1] صاحب محدث دہلوی نے کچھ اوپر سات ہزار روپیہ سید احمد صاحب کو بذریعہ ہنڈی روانہ کیا تھا۔ وہ کسی باعث سے نہیں پہنچا تھا اس پر نالش کی گئی تھی اور پھر روپیہ وصول کرکے دوبارہ سید صاحب کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا۔ اس کی بابت سید صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں۔

از امیر المومنین سید احمد بخدمت بابرکت صاحبزادہ والاتبار مولانا محمد اسحٰق صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سلمہ اللہ تعالےٰ بعد از سلام مسنون و دعائے اجابت مقرون واضح آنکہ بتاریخ دہم ماہ رمضان ہنڈوی مبلغ ہفت ہزار و نہصد و پنجاہ روپیہ رسید لیکن بجز پرچہ کاغذیک خرحرہ ہم نرسید موجبش دریافت نیست کہ بسبب تعویق آں بزنگارند۔ زیادہ والسلام مع الاکرام۔"

اس سے یہ بات صاف ہویدا ہوتی ہے کہ سکھوں کے مقابلہ میں تمام ہندوستان (خاص ہندوستان سے مطلب ہے) کے سربرآوردہ لوگ کیسے آمادہ تھے اور کس جوش سے چاہتے تھے کہ مظلوم مسلمانوں کا ان سے انتقام لیا جائے۔ جتنا روپیہ دہلی سے مجاہدین کے لئے پہنچتا تھا اور کسی شہر سے اتنا نہیں پہنچا ساتھ ہی اس کے ایسے عنصر بھی دہلی میں موجود تھے جنہوں نے حامیان دین اسلام کی شہادت کی خبروں سے خوشی منائی اور جامع مسجد میں مٹھائیاں تقسیم ہوئیں اور نامعقولیت سے غلیظ اشعار موزوں کئے گئے اگر پولیس کامل بندوبست نہ کرتی۔ تو آٹھ دس آدمیوں کا دہلی میں اس دن خون ہوجاتا۔ ایک شاعر نے تاریخ شہادت مولانا شہید نہایت غلیظ اور ناپاک الفاظ میں لکھی تھی اور چند بدمعاشوں نے اس کی اشاعت بھی دینی شروع کی تھی کہ مولانا شہید کے دوستوں کو خبر ہوئی وہ ہتھیار بند شاعر کے مکان پر پہنچ گئے اور اسے چاروں طرف سے گھیر لیا شہر میں ایک دند

---

[1] آج اہلحدیث اور احناف کی دونوں جماعتوں (دیوبندی اور دہلوی) کی سند حدیث کے واحد جانشین شاہ محمد اسحٰق صاحب ہی ہیں۔ (مصحح)

بچ گیا آخر پولیس بھی آگئی بڑی منت وعاجزی کے بعد انہیں باز رکھا گیا۔ شاعر نے توبہ کی اور مسودہ ان کے سامنے چاک کر ڈالا۔ اس چاک کرنے سے پہلے اس کی متعدد نقلیں ہو چکی تھیں ایک نقل ہماری نظر بھی پڑی تھی سوائے بادہ خواہی اور کافر و مرتد بنانے کے اور کچھ بھی شعروں میں موزوں نہیں کیا گیا ہے اس لئے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ میں ان اشعار کو نقل کر کے اپنی کتاب کی تہذیب بگاڑ دوں اور مسلمانوں کو بےجا تکلیف دوں۔

شاہ عبد العزیز صاحب اور آپ کا کل خاندان اور اس خاندان کے کل مقتدا سید احمد صاحب سے ہمدردی کرتے تھے زبانی نہیں بلکہ عملی مولوی محبوب علی صاحب کو شاہ صاحب نے ہی روانہ فرمایا تھا انہوں نے وہاں جا کر اپنے ملّانی دماغ کے صدقہ میں وہ گل کھلایا جس کا ذکر پہلے حصہ میں ہو چکا۔ غرض اس والا تبار خاندان نے جہاں تک ہوسکا روپیہ اور آدمیوں سے مدد دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ اور یہ ثابت کر کے دکھا دیا کہ جس کام کے لئے سید احمد صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب نے کمر ہمت باندھی ہے وہ بجا ہے درست ہے واجب ہے لازم بلکہ فرض ہے جو خیال سید احمد صاحب کا تھا یا جو آرزو سید صاحب نے کی تھی وہ پوری ہو گئی تھی یعنی لاکھوں آدمی شریعت محمدی پر چلتے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ آپ کی ہرگز ملک گیری کی خواہش نہ تھی نہ یہ غرض تھی کہ میں سلطان یا شاہ یا حکمران بنوں بلکہ اصلی مقصد یہ تھا کہ جس طرح ہو بدعت و شرک مٹ جائے اور بس۔

میں نے جو کچھ سید احمد صاحب کی بابت لکھا ہے اگر پڑھنے والا آنکھیں کھول کر پڑھیگا اور اس کی طبیعت میں کچھ بھی انصاف ہوگا اور اس کی آنکھوں میں تحریر سے مصنف کی خوش اور غیر خوش نیتی کے تاڑ لینے کا مادہ ہوگا۔ تو وہ سمجھ لیگا کہ بزرگ سید کی اصلی سوانحعمری یہاں بیان ہوئی ہے اور ڈھکوسلے بازی دوسرے سوانح نویسوں کی کتابوں میں موجود ہے۔ چاہے اس سے دلچسپی لے اور چاہے اس سے اپنی تسکین کر لے۔

نواب وزیر الدولہ موجودہ حکمران ٹونک کے دادا صاحب ایک سیدھے سادے اور صاف دل مسلمان تھے ان کا سید احمد صاحب پر بڑا اعتقاد تھا اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت جنت آشیان امیرخان صاحب بہادر کو جو کچھ عظمت کمپنی کی نظر میں ہوئی وہ سب سید صاحب ہی کا طفیل تھا میں اس سے انکار نہیں کرتا ممکن ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو۔ ہمارا یقین ہے کہ ایک بزرگِ قوم کی دعا بعض وقت قبول ہو جاتی ہے اور معاً اس کا نتیجہ برآمد ہو جاتا ہے۔ مگر یہ کتنے بڑے ظلم کی بات ہے کہ ایسے شخص کو ہم خدا سے جا ملائیں اور اسے ادنیٰ ادنیٰ کاموں میں اپنا سفارشی بنا کر لے چلیں۔ یہی بہت بڑی وجہ تھی کہ وزیر الدولہ کو جبکہ اعتقاد تھا اور لوگوں کو جو ان کے ہمراہی وغیرہ سے واپس آئے تھے دربار میں نواب صاحب کی نگاہوں میں وقعت پیدا کرنے کی اور کوئی صورت ہی نہ تھی سوا اس کے کہ ان کے غائبانہ پیر کی مدح سرائی کی جائے اور ایسی ایسی کرامتیں اس بزرگ سید کے سر چپکی جائیں جن سے ان کی

ذات بالکل متبرا تھی۔

سید صاحب نے ایک خط نواب وزیر الدولہ بہادر والئی ٹونک کے نام لکھا ہے اس میں مجاہدین کے لئے نواب صاحب سے چندہ طلب کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ مولانا محمد اسحٰق صاحب کے پاس اگر روپیہ پہنچ جائیگا تو وہ یہاں تک پہنچا دیں گے۔ اور ساتھ ہی اس کے خط میں یہ بھی مرقوم ہے کہ مولانا اسحٰق صاحب نے پہلے روپیہ لینے سے اسی لئے انکار کیا تھا کہ اس وقت انہوں نے یہاں تک بھیج دینے کا کوئی وسیلہ بہم نہ پہنچایا تھا ورنہ وہ فوراً لے کر روانہ کرتے اس کے آگے نواب کو یہ تحریر کیا ہے کہ اس بات سے آپ مطمئن خاطر رہیں ان تمام باتوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ نواب ٹونک نے براہ راست روپیہ بھیجنا مناسب نہ جان کر مولانا شاہ محمد اسحٰق کے ذریعہ سے بھیجنا چاہا تھا جبکہ اس وقت ان کے پاس روپیہ روانہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ اور جب انہوں نے یہ سُنا ہوگا کہ مولانا صاحب نے ذریعہ بہم پہنچا لیا ہے اور اس پر سید صاحب کا بھی خط پہنچا ہوگا تو ضرور دس بیس ہزار روپیہ سے مدد کی ہوگی جس کا شکریہ رقم کی تصریح نہ کر کے سید صاحب نے اپنے خط میں ادا کیا ہے۔

آخری معرکہ جہاں سید صاحب اور مولانا اسمٰعیل صاحب شہید ہوئے ایک عجیب حسرت ناک تھا جسے دیکھ کر چشم فلک سے بھی خون کے آنسو ٹپک رہے تھے بظاہر یہ ایک شاعرانہ مبالغہ ہے مگر حقیقت امر یہ ہے کہ میں نے چشم فلک آفتاب کو نہیں قرار دیا ہے بلکہ اسلام کے معصوم بچّہ کو چشم فلک سے تعبیر کیا ہے۔

وہ بے مثال آرزوئیں اور امیدیں جو دو تو بزرگوں کے دلوں میں بہت برسوں سے اٹھ رہی تھیں ان کا کامل طور پر خون ہو چکا۔

ہزار کے قریب مجاہدین کا پشاور میں شہید ہونا اور یہ وحشتناک خبر سن کر سید صاحب کا یہ فرمانا کہ اب ہم اس ملک پنجاب سے ہجرت کرتے ہیں کبھی بھی اس طرف نہ آئیں گے۔ سمجھنے والوں کے لئے یہ ایک بھالہ ہے جو کلیجہ میں لگا اور پشت سے پار ہو کر نکل گیا۔ آپ کی شکستہ خاطری کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ ہاں اس سے اندازہ کچھ ہو سکتا ہے کہ اتنی جانکاہی کے بعد اتنا بڑا حصّہ ملک فتح کرے اور اس کے ساتھی اپنی نادانی سے کھو دیں۔

بالاکوٹ کا ملک ہے فجر کے دس بج چکے ہیں فطرت کا مزاج غیر معتدل اور افسردہ ہے۔ آفتاب کا روشن گروہ غلیظ غبار سے اس طرح تھر تھرا کر نکلا ہے گویا کوئی مہ جبین تیغ بکف ہو کر عاشق کے قتل کرنے کے لئے مقتل میں آتا ہے سامنے کے پہاڑوں پر ادھر ادھر بہت دُور کے فاصلہ پر شیر سنگھ جنرل افواج سکھاں کی پلٹنیں پڑی ہیں، پہاڑوں کے نشیبی جانب دلدل ہے جس کا دشوار گذار راستہ دکھلائی دیتا ہے۔ سکھ

چیرہ دست اور خونخوار بنے ہوئے ہیں، ان کے چہرے بشاش اور تروتازہ ہیں، ہر سکھ تازہ دم ہے، انہیں مسلمانوں کی شکستہ حالی اور بے سروسامانی کی خبریں پہنچ چکی ہیں، وہ ان کی حالت زار سے اچھی طرح واقفیت رکھتے ہیں۔

ان کی خوشی کا کیا عالم شراب میں اور اپنی قوی سلطنت اور شیر پنجاب (رنجیت سنگھ) کی قوت کے گھمنڈ پرمست ہیں اور اس وقت جہاں میں اپنا ہم پلّہ انہیں کوئی بھی نہیں دکھائی دیتا۔ ان کے مقابل میں مولانا محمد اسمٰعیل اور سید صاحب شکستہ دل مصیبت زدہ مسلمانوں کو مختلف مقامات میں مورچہ باندھے ہوئے کھڑے ہیں اور صرف ایک اللہ کے نام پر اپنی جان دینی ثواب جانتے ہیں وہ بیشک افسردہ ہیں لیکن ان کی افسردگی سکھوں کی تازگی پر داغ رکھتی ہے وہ بے شک بے سروسامان ہیں مگر ان کی بے سروسامانی سکھوں کے سازو سامان کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہی وہ بمقتضائے فطرت انسانی اپنی شمشیر زنی کی کوششوں میں کامیاب ہونے کے بعد ناکام ہوکر گو کسی قدر افسردہ ہیں مگر شہادت کا سرخوشانہ خیال ان کے قوی دل اور مرد میدان ہونے کی شہادت دے رہا ہے۔

سید احمد صاحب اپنے باڈی گارڈ کے بیچ میں کھڑے ہوئے اپنے بہادر جنرلوں کی مختلف مورچوں پر جانبازیوں کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ قبضہ شمشیر ہاتھ میں ہے، میان توڑ کر پھینک دی ہے۔ آنکھوں میں سُرخ سُرخ ڈورے تیزی سے آئندہ خونی واقعہ کی شہادت دے رہے ہیں چہرہ سے خوفناک بشاشت جس میں جنگ کی آرزو ملی ہوئی ہے جلوہ دے رہی ہے، کبھی آپ مسکرا کر باتیں کرتے ہیں اور کبھی اپنے ساتھیوں کو دلاسا دیتے ہیں۔ اس شیر ببر کی صورت پر ذرا بھی ہراس نہیں ہے بلکہ ایک ایک لمحہ جو گذر رہا ہے اس نڈر بہادر پر شاق گذر رہا ہے وہ چاہتا ہے کہ سکھوں پر تنہا ٹوٹ پڑیں، مگر اپنے ساتھیوں کی زندگی خطرہ میں پڑنے سے خوف معلوم ہوتا ہے اور اس ارادہ کو فی الحال ملتوی کیا جاتا ہے۔

مولانا اسمٰعیل کا جنگ کی حالت میں بار بار اپنے محتشم امیر کو یہ آوازیں دینے کہ حضور اطمینان رکھیں اتنے مورچے فتح کر چکا ہوں اب شیر سنگھ کو بھگایا۔ ایک بے خطر دلیر کی یہ کڑاکے کی صدا جو تلواروں کی کھچا کھچ اور بندوقوں کی ٹھائیں ٹھائیں میں سے ہو کر آتی تھی، مجاہدین کے دل اور بھی قوی کرتی تھی اور ان میں نئے طرز کی زندہ دلی کی ایک تازہ روح پھونکتی تھی۔

مولانا شہید سید صاحب کے باڈی گارڈ کے افسر سے کہہ گئے تھے کہ جب تک میں کہلا کر نہ بھیجوں یہاں سے ایک قدم نہ آگے بڑھانا نہ پیچھے ہٹانا۔ اور کل مورچوں میں جنگ ہو رہی ہے سید صاحب اپنے پیارے مرید کی جانبازی چشم قدر سے ملاحظہ فرما رہے ہیں اور پے در پے مورچوں کا فتح کرنا انہیں بہت

کچھ شاداں اور فرحاں بنا سکتا تھا۔ مگر اس یقین کو کیا کرتے جو برابر شہادت کی بشارت کی فرحت بخش خبر دے رہا تھا۔

یہ خونی موقعہ سخت دلگداز تھا۔ سید صاحب کے وہ ساتھی جو اول دن سے خوشی اور غم میں شریک رہے تھے اور کبھی زمانہ کی جفا کاری اور دردناک مصائب کا ان پر کچھ اثر نہ پڑا تھا اور جو سکھوں سے اکثر میدان لے چکے تھے اور جنہوں نے مختلف جنگوں میں بہت کچھ نام پایا تھا وہ اب ایک ایک کر کے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے والے تھے، اس جتھے کی تفریق ہونے والی تھی جو سید صاحب اور مولانا شہید کی ذات سے قائم تھا، وہ شیرازہ درہم برہم ہونے والا تھا جس کے بندھن مدت میں جا کر بندھے اور مضبوط ہوئے تھے جس کی حالت زار پر زمانہ عنقریب یہ نوحہ پڑھیگا۔

یا شب کو دیکھتے تھے ہر گوشۂ بساط　　داماں باغباں کف گلفروش ہے
یا صبحدم جو دیکھئے آکر تو بزم میں　　نے وہ صراحی جام نہ جوش وخروش ہے
داغ فراق حسرت شب کی جلی ہوئی　　اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

گھنٹے گذر گئے اور آخر جنگ ہوتے ہوتے پورے چار بج گئے باہم کوئی فیصلہ ہنوز ہوتا ہوا دکھائی نہ دیا۔ یہاں تک کہ تاریکی کی چادر نے سب کو اور بھی چند پہر کی آرام لینے کے لئے مہلت دی مجاہدین کو یہ یقین ہو چکا تھا ہمارا خون اسی سرزمین پر گرایا جائیگا اور اب ہم آگے نہیں جا سکتے۔ سکھوں کے جنرل شیر سنگھ کو ایک ہی دن کی جنگ میں اپنی فوج پر بھروسہ نہ رہا تھا کہ وہ کل ہی مجاہدین کے مقابلہ میں اسی سختی و خونخواری سے اور سینہ سپر ہو کر جنگ کر سکے گی۔ یہ قاعدہ ہے کہ ایک خوف دو طرف ہوتا ہے بایں ہمہ طرفین کے بہادروں کی تلواریں میان میں لوٹ رہی تھیں کہ کسی طرح جلدی صبح ہو تو ہم اپنی اپنی قسمت کا فیصلہ کر لیں۔

صبح ہوئی، آفتاب ایسی تیزی اور چمک سے اپنا کرنوں والا تاج پہن کر نکلا، آج آفتاب کا چہرہ دیکھنے والوں کو اور بھی زیادہ خوفناک معلوم ہو رہا تھا، انہیں یقین تھا کہ آج ہی ہماری اور سکھوں کی قسمتوں کا فیصلہ قطعی طور پر ہو جائے گا۔

جب آتش کارزار گرم ہوئی اور اب ہر طرف جنگ چھڑ گئی، توپوں، بندوقوں اور تلواروں کی دھواں دھار آوازیں آنے لگیں تو سید صاحب نے بھی تیور بدلے اور دو دو ہاتھ کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔ آپ نے اپنے باڈی گارڈ کو حکم دیا کہ جدھر میں جاؤں میرے ساتھ تم بھی کود پڑنا، بھلا اس کہنے کی کیا ضرورت تھی وہ لوگ تو اسی لئے موجود ہی تھے مگر اس قدر کہنے میں ایک بھید بہت بڑا یہ تھا

گویا آپ اپنی شہادت کی خبر دے رہے تھے۔ ابھی آپ یہی ملاحظہ فرما رہے تھے کہ کس مورچہ پر حملہ کروں اور کیونکر شیر سنگھ کا سر کاٹ کر لاؤں کہ اتنے میں یہ غضبناک نظارہ دکھائی دیا۔ کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا جھنڈا ایک سکھ کے ہاتھ میں تھا یہ دیکھتے ہی آپ بیتاب ہو گئے۔ اور اُس بے تابی سے جھپٹ پڑے کہ پھر یہ خبر نہ رہی کہ میں کیا ہوں میرے ساتھ کتنے آدمی ہیں، اور جن پر میں حملہ کر رہا ہوں وہ تعداد میں کتنے ہیں۔

سید صاحب قلب لشکر میں نہ پہنچے تھے کہ ایک گولی آپ کی ٹانگ میں لگی آپ گولی کے صدمہ سے جھک رہے تھے کہ ایک گولہ صاف آپ کے باڈی گارڈ میں سے آپ کو اُڑا کر لے گیا جس سے شیدائی مجاہدین کو یہ معلوم ہوا کہ سید صاحب تو آسمان پر بلا لئے گئے ہیں اور دوبارہ تشریف لائیں گے۔ بہت سے لوگوں کا یہ بھی مقولہ ہے کہ سید صاحب کے ساتھ مولانا محمد اسمٰعیل بھی آسمان پر چلے گئے۔ مگر یہ خبر معتبر معلوم ہوتی ہے کہ دوسرے دن شیر سنگھ نے ان دونو بزرگوں کی نعشوں کو شناخت کرا کر نہائت عزت کے ساتھ انہیں بالاکوٹ ہی میں دفن کرا دیا۔ مولانا شہیدؒ کی قبر تو موجود ہے اور سید احمد صاحب کی قبر حضرت موسیٰ اور حضرت علی کی قبر کیطرح مشتبہ ہے یہ جانکاہ واقعہ بروز جمعہ بوقت ظہر بتاریخ ۲۴ ربیع؟ ذیقعد ۱۲۴۶ھ مطابق مئی ۱۸۳۱ء کو وقوع میں آیا۔ جب سید صاحب اور آپ کے اکثر جانباز مرید شربت شہادت سے سیراب ہو چکے تو بے چارے مسلمان اپنی جانیں بچا کر بھاگے مگر بدتقدیر پورے طور سے ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی وہ ایسے بے اوسان ہو گئے تھے کہ انہیں یہ تمیز نہ ہو سکتی تھی کہ جہاں ہم چل رہے ہیں یہ گھاٹی ہے یا دلدل ہے۔ اناپ شناپ بولاہٹ میں دیوانہ وار جس طرف جس کا سینگ سمایا جا نکلا۔ بہت دلدل میں گر کر شہید ہوئے اور بہت سے تنگ گھاٹیوں اور پہاڑی رستوں میں سخت مظلومانہ حالت میں سکھوں کا شکار ہوئے۔ اور جن بے چاروں کی زندگی تھی وہ ادھر ادھر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ اس عظیم الشان کام کی وہ ابتدا تھی یہ انتہا ہے۔ ہمیں ایسے ایسے بزرگ انفاس کی بے نظیر کوششوں اور لاثانی جانکاہیوں سے جو اُنہوں نے قوم کے لئے کیں بہت کچھ سبق لینا چاہیئے۔ اگرچہ اس وقت نہ ہمارے ہاتھ میں تلوار ہے نہ تلوار پکڑنے کا ڈھب ہے۔ پھر بھی ان ہمتوں، جراٴتوں اور اولوالعزمیوں کو ہم کیوں کھوتے ہیں جو تلوار کے ساتھ لازمی ہوتے ہیں اور ہمیں بھی بخوبی حاصل تھیں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ دنیا میں کوئی نہیں رہنے کا مگر ہمیشہ وہی شخص زندہ رہتا ہے جس نے قوم کے ساتھ کچھ احسان کیا۔ میں نہیں جانتا کہ قوم کی اصلاح کرنی اور اس کی بہتری کی

تدابیر میں مشغول ہونے سے ہمیں کونسی چیز روکتی ہے۔

اب میں اپنی اس کتاب کو ختم کرتا ہوں اور اپنی اس جانکاہی کا قوم سے نہیں بلکہ خدا تعالےٰ سے صلہ چاہتا ہوں، جو یقیناً بہتر صلہ دینے والا ہے۔ فقط

ختم شد

کتب خانہ ثنائیہ کے علمی جواہر ریزے

رحمۃ للعلمین حصہ اوّل و دوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر یہ کتاب مستند اور صحیح روایات سے قاضی صاحب محمد سلیمان صاحب سلمانؔ مرحوم پٹیالوی نے مرتب ومدون کی ہے۔ اس کے متعلق محدثین، مورخین، صلحا، علماء وغیرہ کا اتفاق ہے کہ اس سے بہتر کتاب سیرت نبوی پر کسی زبان میں نہیں شائع ہوئی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ علیگڈھ اور جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے نصاب میں داخل ہے۔ لکھائی، چھپائی اور کاغذ نہایت اعلےٰ۔ قیمت حصہ اوّل عہ حصہ دوم للعہ

الحیات بعد الممات یعنی سوانحعمری شمس العلماء سید نذیر حسین صاحب دہلوی رح جسمیں جملہ حالات از ولادت تا وفات نہایت معتبر ذرائع سے موزوں طریق پر قلم بند کئے گئے ہیں۔ قیمت - - - - - - عہ

تاریخ الاسلام اس میں پیچیدہ واقعات کو اس خوبی سے سلجھایا گیا ہے کہ پڑھنے کے بعد انسان حیران رہ جاتا ہے۔ کوئی قابل تذکرہ واقعہ ایسا نہیں جو چھوٹ گیا ہو۔ اور کوئی بیان ایسا نہیں جو غیر مستند ہو۔ لکھائی چھپائی عمدہ۔ قیمت حصہ اول للعہ حصہ دوم سے مکمل معہ

فتاویٰ نذیریہ حضرت میاں صاحب مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام عمر کے ہر قسم کے فتاویٰ کا مجموعہ دو ضخیم جلدوں میں۔ لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ نفیس۔ قیمت للعہ

پتہ:- **منیجر اہلحدیث امرتسر**

اپنی جنہوں نے جان تہ شمشیر عشق دی

آلودگی نہ ان کو کسی طرح کی رہی

ہے تیغ آبدار تری پاک کر چکی

حاجت نہیں ہے تیرے شہیدوں کو غسل کی

قاتل وہ تیرے ہاتھ سے خون میں نہا چکی

تمت

آمین رفع یدین ہر دو مسائل پر عالمانہ بحث کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ یہ دونوں مسائل احادیث نبویہ سے ثابت ہیں اور بعض مقتدر علماء احناف ان کے قائل ہیں۔ قیمت ۲ر

علم الفقہ اس رسالہ میں بتایا گیا ہے کہ اصل علم فقہ عین قرآن و حدیث ہے اور اہلحدیث اصل علم فقہ سے منکر نہیں ہیں۔ قیمت - - - - - ۲ر

فقہ اور فقیہ اگر آپ علمی مضامین سے دلچسپی رکھتے ہیں اور منطقی نکات و باریکیوں کو صاف و شستہ پیرایہ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو مولانا صاحب موصوف کا یہ رسالہ منگا کر پڑھیں اس رسالہ میں علم فقہ کی حقیقت اور فقیہ کی جامع تعریف، اور مسئلہ تقلید کا فیصلہ علمی اصول سے کیا گیا ہے۔ قیمت - - - - - ۳ر

تنقید تقلید یہ وہ تحریری مباحثہ ہے جو مولانا مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی کے مضمون مندرجہ اخبار "العدل" گوجرانوالہ کے جواب میں اخبار "اہلحدیث" امرتسر میں شائع ہوتا رہا۔ جس میں فریقین کی تحریریں اصلی اور پورے الفاظ میں نقل ہیں۔ یہ نہیں کہ فریق ثانی کی تحریر ناقص اور ادھوری نقل کر کے ناظرین کو دھوکہ دیا جائے۔ جس قدر حصہ اخبار میں شائع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ جدید حواشی بھی درج کئے گئے ہیں۔ یہ رسالہ بے نظیر ہے۔ قیمت ۵ر

فتوحات اہلحدیث اُن مقدمات کا مجموعہ جو مابین اہلحدیث اور احناف مختلف مقامات میں رونما ہوئے ہندوستان کی ہائیکورٹوں اور لندن کی پریوی کونسل کے فیصلہ جات جو اہلحدیث کے حق میں ہوئے۔ قیمت ۶ر

اجتہاد و تقلید اس رسالہ میں مسئلہ تقلید شخصی پر عالمانہ بحث کی گئی ہے اور مسئلہ اجماع کی حجیت اور عدم حجیت پر تحقیق انیق کی گئی ہے اور ثابت کیا ہے کہ دروازہ اجتہاد کا ہمیشہ کھلا رہے گا۔ قیمت - - - ۶ر

(مندرجہ بالا کتابیں حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کی تصنیف ہیں)

حسن البیان (بجواب سیرۃ النعمان) مصنفہ مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی۔ یہ بڑے معرکہ کی کتاب ہے۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بڑے بڑے علماء اہلحدیث نے اس کو پسند فرمایا ہے۔ لکھائی چھپائی نہایت اعلیٰ۔ قیمت - - - عہ

ملنے کا پتہ:- **منیجر "اہلحدیث" امرتسر (پنجاب)**

ہفتہ وار اخبار

اہلحدیث امرتسر

یہ اخبار کیا ہے مجمع البحرین ہے یعنی دین و دنیا کا مجموعہ ہے ۲۲×۱۸ تقطیع کے ۲۰ بڑے صفحوں پر ہر جمعہ کے دن ہفتہ وار امرتسر سے شائع ہوتا ہے جسمیں مضامین مذہبی ملکی اخلاقی مسائل فتاوے اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات وغیرہ درج ہوتے ہیں ایک دو صفحوں پر دنیا بھر کی چیدہ چیدہ خبریں بھی درج ہوتی ہیں۔ غرض یہ اخبار توحید و سنت کا حامی، شرک و بدعت کا دشمن مخالفین کے سامنے ڈھال کا کام دینے والا۔ دنیا کی چیدہ چیدہ خبریں بتانے والا ہے قیمت سالانہ پانچروپے (صہ)

المشتہر منیجر اخبار "اہلحدیث" امرتسر (پنجاب)